

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ

# تُغْيَا الْقُرْآنَ

قرآنی مطالب کا لہجہ لکھنا اور پڑھنا

جس میں قرآن کریم کے تمام الفاظ کے معانی و مطابقت  
مستند کتب لغت کی بنیاد پر اس انداز سے متعین کئے گئے ہیں  
کہ قرآن جو تصورات پیش کرتا ہے، ان کا مکمل نقشہ  
سامنے آجائے اور اس کا صحیح مفہوم سمجھنے میں کوئی الجھاؤ پیدا نہ ہو

پرویز

طلوع اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) جلد اول بنی کلبک لاہور ۲۵

جملہ حقوق محفوظ

لغات القرآن (اول)	نام کتاب
غلام احمد پرویز	مصنف
چہارم اکتوبر 1998	ایڈیشن
طلوع اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ)	ناشر
25 بی گلبرگ ۱۱ لاہور پاکستان	
فون: 5753666, 5764484	

زاہد بشیر پرنٹرز

مطبع

طلوع اسلام ٹرسٹ کی کتب سے حاصل شدہ جملہ  
آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صرف ہوتی ہے۔

# فہرست مشمولات

صفحہ	از	تا	
۳۴-۴	....	....	(۱) پیش لفظ
۷۳-۱	....	....	(۲) مبادیات (یعنی عربی گرامر کے ابتدائی قواعد)
۱۸۵-۷۴	....	....	(۳) فہرست الفاظ قرآنی (جن کے سامنے مادے دئے گئے ہیں)
۱۸۶	....	....	(۴) اغلاط نامہ مبادیات و فہرست

## لغات

صفحہ	از	تا	
۲۹۱-۱۸۹	....	....	ا
۳۷۰-۲۹۲	....	....	ب
۳۹۳-۳۷۱	....	....	ت
۴۱۱-۳۹۴	....	....	ث
۴۶۰-۴۱۲	....	....	ج
.....	.....	.....	جلد اول
.....	.....	.....	.....

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## پیش لفظ (پہلا ایڈیشن)

خاک ماخیزد کہ سازد آسمانے دیگرے  
ذره، ناچیز و تعمیر بیابانے نگر

قرآن کریم خدا کی آخری کتاب اور نوع انسان کے لئے واحد اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ یہ ایسے ابدی حقائق پر مشتمل ہے جن پر زمانہ کے تغیرات اثر انداز نہیں ہو سکتے، اور جو اسقدر عالمتاب اور ہمہ گیر ہیں کہ زندگی کے ہر شعبے اور تاریخ کے ہر دور میں انسانی فکر کی امامت کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس کتاب کی کیفیت یہ ہو اسکی زبان کو کسقدر جامع، ہمہ گیر، وسیع، بلند اور عمیق، اور اسکے ساتھ، کسقدر صاف، واضح اور متعین ہونا چاہئے۔ ایک مغربی مفکر نے جو عیسائیت سے برگشتہ ہو کر ایک ایسے مذہب کی تلاش میں ہے جو انسانی عقل و بصیرت کی تسکین کر سکے۔ کہا ہے کہ وہ جس مذہب کی تلاش میں ہے اسکی کتاب کی زبان ایسی ہونی چاہئے:

جو ایک طرف ایسی سلیس اور سادہ ہو کہ عام سطح کے انسان بھی اس سے مستفید ہو سکیں اور دوسری طرف اسقدر عمیق اور پر معنی کہ ایک بلند پایہ مفکر بھی اس سے مطمئن ہو جائے\*۔

قرآن کریم کی زبان اس معیار پر بھی صحیح طور پر پوری اترتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب مشیت ایزدی نے قرآن کے انقلابی پروگرام کو عملاً متشکل کرنے کے لئے عربوں جیسی قوم کا انتخاب کیا تو، نزول قرآن سے صدیوں پہلے، اس قوم کے ذمے یہ فریضہ عائد کر دیا کہ وہ اپنی زبان کو بتدریج ارتقائی منازل طے کرائے اس مقام تک لے جائے کہ وہ قرآن کے عظیم حقائق کی متحمل ہو سکے۔ جب حضرت ابراہیمؑ کی اولاد کو دو شاخوں میں تقسیم کیا گیا، تو ایک شاخ (بنی اسرائیل) کے حصے میں نبوت اور حکومت آئی اور دوسری شاخ (بنی اسمعیل) کو حجاز کی وادی غیر ذی زرع میں بسایا گیا، جہاں ان کے ہاں (حضرت اسمعیلؑ کے

\* Julian Huxley - N.Y. Times 22.8.52.

بعد) نہ کوئی نبی مبعوث ہوا، نہ انہیں بادشاہت ملی۔ لیکن یہ شاخ، رفتہ رفتہ ایک ایسی قوم بن گئی جو دایہ فطرت کے آغوش میں پل کر جوان ہوئی اور نسی آخر الزمان<sup>۲</sup> کے پیغام کی اولین مخاطب بننے کی اہل قرار پائی۔ اسکے ساتھ ہی اس نے اپنی زبان کو اس قدر جلا دی کہ وہ اپنے آپ کو 'بجا طور پر، عرب (یعنی فصیح البیان) اور دوسروں کو عجم (یعنی گونگرے) کہا کرتے تھے۔ لفظ 'عربی' کے معنی ہی صاف، واضح اور بین کے ہیں۔ اس وقت عربی زبان کی اصل (Origin) اور اسکے ارتقائی مراحل کے متعلق کوئی تحقیقاتی بحث میرے پیش نظر نہیں۔ مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ جہاں بنی اسرائیل صدیوں تک تمدن و حضارت کے بلند اور پُر شکوہ محلات تعمیر کرنے میں مصروف رہے اور سطوت داؤدی<sup>۳</sup> اور شوکت سلیمانی<sup>۴</sup> کے حامل بنے، ان کے بھائی۔ بنی اسمعیل۔ اس تمام عرصہ میں، شعوری یا غیر شعوری طور پر، ایک ایسی زبان کی ترتیب و تہذیب میں کوشاں رہے جس کا مقابلہ دنیا کی کوئی زبان نہیں کرتی تھی۔ ماہرین علم اللسنہ کے پیش کردہ نظریات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر تاریخ کے کسی خاص دور میں، کسی قوم کی ذہنی سطح کا اندازہ لگانا ہو تو دیکھنا یہ چاہئے کہ اس دور میں اس قوم کی زبان میں کتنے الفاظ ایسے تھے جو تصورات (Concepts) کے مظہر تھے۔ اس ضمن میں انکی تحقیق یہ ہے کہ ہندی۔ یورپی (Indo-European) زبانوں میں جس قدر الفاظ سروج ہیں ان کے تصوراتی مشتقات (Root-Concepts) کی تعداد زیادہ سے زیادہ ایک سو اکیس تک پہنچتی ہے۔ اور تو اور، جس زمانے میں سنسکرت ایک زندہ زبان تھی، اور سورج اور آگ کو دیوتا مانا جاتا تھا، اس زمانے میں اس زبان میں سورج کے لئے کل سینتیس (۳۷) الفاظ تھے اور آگ کیلئے پینتیس (۳۵)۔ اسکے برعکس عربوں کو دیکھئے تو ان کے ہاں شہد کیلئے اسٹی الفاظ۔ سانپ کیلئے دو سو۔ شیر کیلئے پانچ سو۔ تلوار کیلئے ایک ہزار۔ اور اونٹ کیلئے پانچ ہزار سات سو چالیس الفاظ موجود تھے\*۔ اس سے عربوں کے تخیل کی وسعت اور ان کی زبان کی جامعیت کے متعلق اندازہ ہو سکتا ہے

یہ تھی وہ زبان جسمیں قرآن کریم نازل ہوا۔

وَ اِنَّهٗ لَنتَنَزِيْلٌۭ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَۙ - نَزَلَۙ بِهٖ  
الشُّرُوْحُۙ الْاَلَامِيْنَۙ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَۙ مِّنَ  
الْمُنذِرِيْنَۙ - بِلِسَانٍۙ عَرَبِيٍّۙ مُّبِيْنٍۙ (۱۶۶-۱۶۷)

اور یہ (قرآن) کائنات کے نشوونما دینے والے کی طرف سے اتارا گیا ہے۔ روح الامین اسے لیکر تیرے قلب پر نازل ہوا ہے تاکہ تو زمرہ انبیاء میں شامل ہو جائے جو لوگوں کو ان کی غلط روش کے عواقب سے متنبہ کرتے تھے۔ (یہ قرآن) عربی مبین (بات کو کھول کر بیان کرنے والی عربی زبان) میں (نازل ہوا ہے)۔

یہ تو اس زبان کے متعلق تھا جس میں قرآن نازل ہوا۔ خود قرآن کے متعلق ہے۔

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (۱۴)

ہم نے اس (قرآن) کو صاف اور واضح کتاب بنا کر نازل کیا ہے تاکہ (تم بات کو اچھی طرح) سمجھ سکو۔

دوسری جگہ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا (۲۳) کہا ہے۔ قُرْآنًا عَرَبِيًّا کے معنی ”قرآن بزبان عربی“ بھی ہو سکتے ہیں، اور یہ بھی کہ واضح اور کھول کر بات کرنے والا قرآن۔ اس حقیقت کو قرآن نے متعدد مقامات پر بیان کیا ہے۔ مثلاً سورة الرعد میں ہے کہ وَكَذَٰلِكَ أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا (۲۳) اور اس طرح ہم نے اسے واضح کتاب (کی شکل میں) نازل کیا ہے۔ (نیز (۲۴؛ ۲۵)۔ سورة زمر میں قُرْآنًا عَرَبِيًّا کے ساتھ غَيْرَ ذِي عِوَجٍ (۳۹) کہہ کر یہ بتا دیا کہ یہ قرآن اس قدر صاف اور واضح ہے کہ اس کے مطالب میں کوئی پیچ و خم نہیں۔ سورة کہف میں ہے وَلَمْ يَجْعَلْ لَهٗ عِوَجًا (۱۸) اور اس میں کوئی پیچ و خم نہیں رہنے دیا۔ دوسرے مقام پر کہا گیا ہے كِتَابٌ فَصِيحَةٌ اِلْتِهٖ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (۱۱) ”یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیات الگ الگ کر کے، نکھار کر، بیان کی گئی ہیں۔ (اس طرح) یہ قرآن صاف اور واضح (ہو گیا ہے) ان لوگوں کے لئے جو علم و بصیرت سے کام لیں“۔

قرآن کے حقائق نہایت بلند اور اس کے مطالب غایت درجہ عمیق عیسٰی لیکن اس کے ساتھ اس کا دعویٰ یہ بھی ہے کہ اس کا انداز بیان بڑا آسان ہے۔ سورة دخان میں ہے فَاتِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ (۲۲) ”اے رسول! ہم نے اسے تیری زبان میں آسان کر دیا ہے تاکہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں“۔ سورة قمر میں اس حقیقت

کوان الفاظ میں بار بار دہرایا گیا ہے کہ "وَلَقَدْ يَسْقُرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ يَمُنُّ مِنْهُ شَكِيرٌ" (۱۳۴) "یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنا دیا ہے۔ تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟"،

تصریحات بالا سے واضح ہے کہ قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا تھا اور اپنے مطالب میں بڑا صاف، واضح اور آسان ہے۔ اس سے انسان (عام طور پر) اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ جس شخص کو عربی زبان آتی ہو وہ قرآنی حقائق کو باسانی سمجھ لیگا۔ یعنی قرآنی حقائق کے سمجھنے کے لئے صرف عربی زبان کا جاننا کافی ہوگا۔ یہ خیال صحیح نہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کریم کے سمجھنے کے لئے عربی زبان کا جاننا ضروری ہے۔ دنیا میں کوئی کتاب بھی سمجھی نہیں جا سکتی جب تک انسان اس زبان سے واقف نہ ہو جس میں وہ کتاب لکھی گئی ہے۔ لیکن اگر صرف عربی زبان جاننے سے قرآنی حقائق سمجھ میں آسکتے تو عرب (جن کی مادری زبان عربی ہے) قرآنی حقائق کے ماہر ہوتے۔ لیکن عرب کس حد تک قرآن کریم کی تعلیم کو سمجھتے ہیں اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ عربوں سے مراد صرف ان کے عوام نہیں۔ اس میں ان کا پڑھا لکھا (علما کا) طبقہ بھی شامل ہے۔ جب اس باب میں خود عربوں کی یہ حالت ہے تو غیر عربوں کے متعلق اندازہ کرنا مشکل نہیں۔ اس سے ایک اہم سوال ہمارے سامنے آتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ ایک طرف قرآن کریم کا یہ دھویا ہے کہ وہ عربی زبان کی آسان کتاب ہے اور دوسری طرف کیفیت یہ ہے کہ نہ صرف عربی جاننے والوں میں سے، بلکہ خود ان میں سے جن کی مادری زبان عربی ہے، بہت کم ہیں جو قرآنی تعلیم کو کما حقہ سمجھتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ سوال بڑا بنیادی اور اہم ہے اور اس کا اچھی طرح سمجھ لینا ضروری۔

عربی زبان کی وسعت و جامعیت کے متعلق پہلے لکھا جا چکا ہے اور یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ زمانہ نزول قرآن سے پہلے ہی یہ زبان بہت منجھ چکی تھی۔ لیکن یہ معلوم کر کے غالباً آپ کو حیرت ہوگی کہ قرآن کریم نثر کی سب سے پہلی کتاب ہے جو اس زبان میں لکھی گئی۔\*

\* بعض لوگوں نے قرآن کریم سے پہلے 'عربی زبان میں نثر کی ایک آدھ غیر معروف سی کتاب کی نشاندہی کی ہے۔ لیکن اس کے متعلق حتیٰ اور یقینی طور پر کچھ معلوم نہیں۔ عام تحقیق کا رخ اسی طرف ہے کہ قرآن کریم اس زبان میں نثر کی اولین کتاب ہے۔

عربوں کے ہاں شعر و شاعری کا زیادہ رواج تھا اس لئے ان کی زبان کا تمام تر ذخیرہ اشعار کی شکل میں تھا جو نسل بعد نسل (زبانی) آگے منتقل ہوتا چلا آ رہا تھا۔ جسے آج عربی لٹریچر کہا جاتا ہے وہ بیشتر عباسیوں کے زمانے میں مرتب ہوا۔ یہی وہ زمانہ تھا جس میں کتب احادیث و سیر اور تاریخ و آثار مرتب ہوئیں۔ قرآن کریم کی تفاسیر لکھی گئیں۔ عربی ادب کی کتابیں تالیف ہوئیں۔ اس زبان کی صرف و نحو کے قواعد مدون ہوئے۔ لغت کی کتابیں مرتب ہوئیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی عجیب ماجرا ہے کہ جن حضرات نے یہ کتابیں مرتب کیں وہ (باستثناء معدودے چند) سب غیر عرب (یعنی عجمی) تھے۔ یہی کتابیں عربی زبان کا اولین سرمایہ ہیں۔

تاریخ کا طالب العلم اس حقیقت سے واقف ہے کہ عباسیوں کے زمانے میں، عجمی تصوراتِ حیات ساری فضا میں پھیل چکے تھے۔ انہوں نے سلطنت انہی کی مدد سے حاصل کی تھی اس لئے اس دور کی سیاست پر بھی انہی کا اثر غالب تھا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جس گروہ کا سیاست پر اثر ہو، اس کا زندگی کے ہر شعبے پر اثر چھا جاتا ہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ ان لوگوں کے قلم سے جو کچھ نکلا اس کے الفاظ تو عربی تھے لیکن ان الفاظ کے پیکروں میں تصوراتِ عجمی تھے۔ یوں عربی زبان، تصنیف و تالیف کے پہلے دور میں ہی، غیر عربی تصورات کی حامل بن گئی۔ یہ تبدیلی کس کس انداز سے ہوئی، اس کی تفصیل علامہ احمد امین مصری (مرحوم) نے اپنی مایہ ناز تصنیف فجر الاسلام میں شرح و بسط سے دی ہے۔ اس بحث کے آخر میں وہ لکھتے ہیں۔

یقیناً آپ اس بارے میں مجھ سے متفق ہونگے کہ ایرانی لٹریچر نے عربی لٹریچر کو ایک نئے رنگ میں رنگ دیا۔

ظاہر ہے کہ جب عربی زبان پر خارجی (غیر عربی) اثرات اس طرح مرتب ہوئے اور اس کے الفاظ کے حقیقی مفہوم میں تبدیلی پیدا ہو گئی تو اس زبان کے جو الفاظ قرآن کریم میں آئے تھے ان کے مفہوم میں بھی فرق آ گیا۔ چونکہ ہماری کتب تفاسیر بھی اسی فضا میں مرتب ہوئی تھیں اس لئے وہ بھی عجمی تصورات سے متاثر ہوئیں۔ یوں قرآنی الفاظ کے اس مفہوم میں فرق آ گیا جو ان سے زمانہ نزول قرآن میں لیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ اس فرق کی ایک اور وجہ بھی ہوئی جو آئندہ سطور میں آپ کے سامنے آئیگی۔



ہمارے ہاں جب تفاسیر لکھنے کی ابتدا ہوئی ( یعنی تیسری چوتھی صدی ہجری میں ) تو ان کا انداز یہ رکھا گیا کہ قریب قریب ہر اہم آیت کے متعلق یہ کہا گیا کہ اس کی ”شان نزول“، یہ ہے۔ یعنی فلاں واقعہ یوں ہوا اور اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس طرح قرآن کریم کی آیات کا مفہوم ان کے الفاظ کی رو سے نہیں، بلکہ ان واقعات کی رو سے متعین کیا گیا جن کے متعلق سمجھا گیا کہ وہ ان کے نزول کا سبب تھے۔ پھر اسی مفہوم کے مطابق قرآنی الفاظ کے معانی متعین کئے گئے۔ جو تفاسیر ان کے بعد لکھی گئیں ان میں متقدمین کا اتباع ہوتا چلا گیا۔ اس طرح متعلقہ آیات کا وہ مفہوم مسلّمہ کی حیثیت اختیار کر گیا۔ اور چونکہ شان نزول کی روایات کا انتساب خود نبی اکرم<sup>۴</sup> یا صحابہ کبارؓ کی طرف کیا گیا تھا اسلئے آیات کی وہ تفسیر خود نبی اکرم<sup>۴</sup> یا صحابہ کبارؓ کی تفسیر سمجھ لی گئی۔ اس طرح قرآن کریم کے اس مفہوم کو مقدس ترین سند بھی حاصل ہو گئی، حالانکہ تفسیری روایات کی کیفیت یہ ہے کہ ان میں بیشتر ضعیف اور وضعی ہیں۔ حتیٰ کہ بعض اکابر ائمہ نے سرے سے ان کا انکار ہی کر دیا ہے مثلاً امام احمد بن حنبل<sup>۵</sup> کا قول ہے کہ تین کتابیں ہیں جنکی کوئی اصلیت نہیں۔ مغازی۔ ملاحم اور تفسیر\*۔ لیکن اس کے باوجود ہماری کتب تفاسیر کا مدار بیشتر انہی روایات پر ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جب کسی ضعیف یا وضعی روایات کی بنا پر قرآنی آیت کی تفسیر کی جائیگی اور اس تفسیر کی روشنی میں قرآنی الفاظ کا مفہوم متعین کیا جائیگا تو وہ مفہوم قرآن کریم کا صحیح صحیح مطاب بیان نہیں کریگا۔ یہ بات ایک مثال سے زیادہ وضاحت کے ساتھ سمجھ میں آسکیگی۔ سورۃ النساء کی چونتیسویں آیت ہے **الذَّيْرَجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ . . . . عَالِيَا كَتَبِيرًا (۲۴)** اسمیں ابتدائی چار الفاظ کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے **مرد حاکم ہیں اوپر عورتوں کے (ترجمہ شاہ رفیع الدین<sup>۶</sup>)** یہاں ”قوامون“ کا ترجمہ ”حاکم“ کیا گیا ہے حالانکہ لغت کی رو سے اس کے معنی ہیں ”روزی مہیا کرنے والے“، جس کا مطلب یہ ہے کہ تقسیم عمل کی رو سے مردوں کا فریضہ کسب معاش ہے۔ اب یہ دیکھنے کہ اس لفظ (قوام<sup>۷</sup>) کا ترجمہ ”حاکم“ کس طرح ہو گیا۔ اس آیت کی تفسیر میں کہا گیا ہے۔

\* تذکرة الموضوعات الشيخ محمد طاهر - بحوالہ مقدمہ معارف القرآن صفحہ ۲۸  
از علامہ اسلم جیراچوری مرحوم -

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ (اسکا) مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو مردوں کی اطاعت کرنی پڑے گی۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے خاوند کی شکایت کی کہ اس نے مجھے تھپڑ مارا ہے۔ اس پر آپ نے بدلہ لینے کا حکم دیا ہی تھا جو یہ آیت اتسری اور بد نہ دلویا گیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک انصاری اپنی بیوی صاحبہ کو لٹے ہوئے حاضر خدمت ہوئے۔ اس عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے خاوند نے مجھے تھپڑ مارا ہے جسکا نشان اب تک میرے چہرے پر موجود ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اسے (اسکا) حق نہ تھا۔ وہیں یہ آیت اتسری کہ ادب سکھانے کے لئے مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اور چاہا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اور چاہا۔ . . . ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کی لونڈیوں کو مارو نہیں۔ اسکے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور عرض کرنے لگے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہورتیں آپکے اس حکم کو سن کر مردوں پر دلیر ہو گئیں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مارنے کی اجازت دے دی۔ اب مردوں کی طرف سے دھڑا دھڑا سار پیٹ شروع ہوئی اور بہت سی عورتیں شکایتیں لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ نے لوگوں سے فرمایا۔ سنو! میرے پاس عورتوں کی فریاد پہنچی ہے۔ یاد رکھو جو تم میں سے اپنی عورتوں کو زد و کوب کرتے ہیں وہ اچھے آدمی نہیں ہیں۔

حضرت اشعث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا سہمان ہوا۔ اتفاقاً سیاں بیوی میں اس روز ناچاقی ہو گئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی صاحبہ کو مارا۔ پھر مجھ سے فرمائے لگے۔ اشعث! تین باتیں یاد رکھو جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر یاد رکھی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مرد سے پوچھا نہ جائے کہ اس نے اپنی عورت کو کس بنا پر مارا۔ دوسری یہ کہ وتر پڑھے بغیر سونا مت۔ اور تیسری بات راوی کے ذہن

سے نکل گئی (نسائی)۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اگر میں کسی کو حکم کر سکتا کہ ماسوائے اللہ تعالیٰ کے دوسرے کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے\*۔

ان تفسیری روایات کی رو سے مرد کی پوزیشن حاکم، بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ کشاف میں ”قَوَّامُونَ“ کا مطلب ”نسیطین“، قرار دیا گیا ہے۔ یعنی ”داروغے“۔ اور تفسیر جلالین میں ’متسلطین‘، یعنی عورتوں پر غلبہ و تسلط رکھنے والے۔ اس لفظ کا یہی مفہوم کتب لغت میں بھی آگیا اور اسی سے ہمارے ہاں اسکا ترجمہ ”حاکم“ اور ”داروغہ“ ہو گیا۔ یہی تفاسیر تمام ممالک اسلامیہ کے مذہبی مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں اور انہی کی تعلیم عوام کو دی جاتی ہے۔ یہ وجہ ہے کہ عربی جاننے والے، حتیٰ کہ خود عرب (اہل زبان) بھی قرآن کریم کے حقیقی مفہوم تک بہت کم پہنچ پاتے ہیں۔

اس سے ایک اور اہم سوال سامنے آتا ہے۔ اور وہ یہ کہ

(۱) جب عربی زبان عباسیوں کے دور میں عجمی اثرات سے ملوث ہو گئی تھی۔ اور

(۲) ہمارے ہاں عربی زبان کا جسقدر اولین تحریری سرمایہ ہے وہ بیشتر اسی دور کا پیدا شدہ ہے۔ خواہ یہ کتب تفاسیر ہوں یا لغت کی کتابیں، کتب تاریخ ہوں یا ادبی تصانیف۔ اور کتب تفاسیر میں بھی، ضعیف یا وضعی روایات کی وجہ سے قرآنی آیات (و الفاظ) کا مفہوم اپنی اصل سے ہٹ چکا ہے۔ تو

(۳) آج اسکی کونسی صورت باقی ہے کہ قرآنی الفاظ کا وہ مفہوم متعین کیا جاسکے جو ان سے نزول قرآن کے زمانہ میں سمجھا جاتا تھا۔

اس میں شبہ نہیں کہ اگر یہ بات کسی اور زبان (اور کسی اور کتاب) سے متعلق ہوتی تو یہ دشواری ایسی تھی جسکا غالباً کوئی حل نہ مل سکتا۔ لیکن عربی زبان (اور قرآن کریم) کے سلسلے میں بعض عناصر ایسے ہیں جنکی موجودگی میں یہ مسئلہ ایسا نہیں رہتا جسکا حل ناممکن ہو۔ سب سے پہلے یہ کہ (جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے) نزول قرآن سے پہلے عربی زبان کا تمام تر ذخیرہ ان کے شعراء کے کلام میں محفوظ تھا۔ عربوں کے معاشرہ میں شعراء کو خاص

\* تفسیر ابن کثیر۔ المترجم مولانا محمد جونا گڑھی (مرحوم) پارہ پنجم صفحہ ۱۶-۲۰۔

مقام حاصل تھا۔ نیز انکی شاعری بھی زیادہ تر مختلف قبائل کے محاسن و خصائص اور ان کے متد مقابل قبائل کے معائب و ذمائم سے متعلق ہوتی تھی، اسلئے یہ اشعار بچے بچے کی زبان پر چڑھ جاتے تھے۔ نثر کو اگر ضبط تحریر میں نہ لایا جائے تو اسکا علیٰ حالہ آگے منتقل ہونا مشکل ہوتا ہے۔ لیکن شعر کی کیفیت یہ نہیں۔ ایسے جب بھی زبانی یاد کیا جائیگا اور دہرایا جائے گا تو اسکے الفاظ، اور الفاظ کی ترتیب اسی حالت میں رہیگی۔ یعنی شعر بالفاظہ، آگے منتقل ہوتا ہے، اسکا مفہوم اپنے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاتا۔ یہ وجہ تھی کہ زمانہ قبل از اسلام کے شعراء کا کلام بلفظہ، اور بجنسہ، آگے منتقل ہوتا رہا تاآنکہ وہ (عباسیوں کے عہد میں) ضبط تحریر میں آگیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ آس دور میں بہت سے وضعی اشعار بھی شعرائے جاہلیہ کی طرف منسوب کر کے ان کے کلام میں شامل کر دئے گئے، لیکن اس سے اس مقصد پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا جس کے لئے ہم نے اس مقام پر اس حقیقت کو پیش کیا ہے۔ وضعی اشعار کی زبان لاسحالہ وہی رکھنی پڑتی تھی جو اصل اشعار کی زبان تھی۔ ایسا نہ کیا جاتا تو اصل اور نقل میں فوراً تمیز ہو جاتی۔ بہر حال، شعرائے جاہلیہ کے کلام کا بیشتر حصہ اپنے اصلی الفاظ میں عربی ادب کی کتابوں میں مٹدوں اور محفوظ ہو گیا۔ یعنی عربی زبان کے وہ الفاظ جو زمانہ نزولِ قرآن میں مروج تھے، عربی ادب کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اور چونکہ وہ اشعار بھی موجود ہیں جن میں وہ الفاظ استعمال ہوئے۔ ہیں اس لئے (ان اشعار کی مدد سے) ان الفاظ کا وہ مفہوم بھی متعین کیا جا سکتا ہے جو ان سے زمانہ نزولِ قرآن میں لیا جاتا تھا۔ یہ الفاظ قرآنِ کریم میں بیشتر انہی معانی میں استعمال ہوئے ہیں جن معانی میں وہ ان اشعار میں استعمال ہوئے تھے اور جن سے زمانہ نزولِ قرآن کے عرب اچھی طرح واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں قرآنِ کریم کے سمجھنے میں کسی قسم کی دشواری پیش نہیں آئی۔ یہ اشعار (ادب کی کتابوں کے علاوہ) عربی زبان کی مستند لغت کی کتابوں میں بھی آچکے ہیں اور ان میں، ان کے الفاظ کے معانی سے بھی بحث کی گئی ہے۔ یہ معانی، بعد میں مرتب ہونے والی کتب لغت نے، اول الذکر کتابوں کی سند سے اپنے ہاں درج کر لئے ہیں۔ ان الفاظ کے ان معانی سے، قرآنِ کریم کے الفاظ کے وہ معانی سامنے آسکتے ہیں جو زمانہ نزولِ قرآن میں مروج تھے۔

(۴) یہ تو رہا وہ خارجی عنصر جس کے ذریعے یہ متعین کیا جا سکتا ہے کہ فلاں لفظ سے، زمانہ نزولِ قرآن میں، کیا مفہوم لیا جاتا تھا۔ لیکن اس کے علاوہ عربی زبان کی ایک داخلی خصوصیت ایسی ہے جو خاصاً اسباب

سے اثر پزیر نہیں ہو سکتی اور جس پر غور و فکر سے اسکے الفاظ کے صحیح مفہوم تک پہنچنا مشکل نہیں رہتا۔ عربی زبان کے ہر لفظ کا ایک سادہ (Root) ہوتا ہے جو اپنے بنیادی معنی رکھتا ہے۔ گرامر کے قواعد کی رو سے اس مادہ کی شکلیں خواہ کیسے ہی بدلتی رہیں، اسکے بنیادی معنی کی جھلک ہر شکل میں موجود رہیگی\*۔ مادہ کے بنیادی معنی تو ایک طرف، اس سلسلہ میں یہاں تک بھی متعین ہے کہ اگر سادہ میں فلاں حروف (مثلاً ح اور ب) اکٹھے آئیں تو فلاں مفہوم پابا جائیگا اور فلاں حروف (مثلاً ص اور ر) اکٹھے آئیں تو فلاں مفہوم۔ لہذا، اگر سرور زمانہ سے کسی لفظ کے مفہوم میں فرق بھی آجائے تو بھی اس کے مادہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ابتداءً وہ لفظ کس مفہوم کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ اس طریق سے بھی یہ متعین کیا جا سکتا ہے کہ جو الفاظ قرآن حکریم میں آئے ہیں زمانہ نزول قرآن میں ان سے بالعموم کیا مفہوم لیا جاتا تھا۔

(۵) اس باب میں تیسرا عنصر یہ ہے کہ نزول قرآن کے زمانے کے عرب نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ سر پر کھلا ہوا آسمان جس میں چمکتے تارے اور جگمگاتے چاند سورج، سامنے وسیع و عریض صحرا جس میں ریت کے بڑے بڑے ٹیلے اور کہیں کہیں پہاڑیاں، پانی کے چشمے زندگی کے مراکز ان کے ارد گرد ہری ہری گھاس، سروقاقت کھجوروں کے جھنڈ، کہیں کہیں انگوروں کی بیلیں اور اناروں کے پیڑ۔ ان کے آس پاس ان صحرائنشینوں کے خیمے۔ خیموں کے اندر نہایت مختصر سامان زیست۔ ان میں سب سے زیادہ قیمتی متاع ان کے ہتھیار۔ تلوار۔ تیر۔ کمان۔ نیزہ۔ ڈھال۔ خنجر۔ سامنے چیراگہ میں انکے مویشی۔ اونٹ، گھوڑے، بھیڑیں، بکریاں۔ بس یہ تھی ان کی کل کائینات جس کے گرد ان کی زبان کے تمام مشتقات و مصادر گھومتے تھے۔ چونکہ یہ تمام اشیا محسوس و مرئی تھیں۔ لہذا ان کے متعلق جس قدر الفاظ استعمال میں آئے تھے ان کا مفہوم نہایت آسانی سے ذہن میں (بلکہ آنکھوں کے سامنے) آجاتا تھا۔ الفاظ کے صحیح مفہوم کے تعین میں دقت وہاں پیش آتی ہے جہاں وہ الفاظ فلسفہ اور مابعدالطبیعیاتی مسائل سے گفتگو میں استعمال ہوئے ہوں۔ یعنی جہاں بات تجریدی (Abstract) امور کے متعلق ہو۔ خانہ بدوشوں اور

\* اس زبان کی یہی خصوصیت ہے جس کی وجہ سے اس سے ہر زمانے کی نئی نئی ضرورتوں کے ماتحت نئے نئے الفاظ بنتے چلے جاتے ہیں۔ اس کے لئے مادہ کے بنیادی معنی اور مختلف ابواب کے خواص سامنے ہونے چاہئیں، پھر کوئی نیا تصور ایسا نہیں رہتا جس کے لئے موزوں لفظ نہ بن سکے۔

صحرائشینوں کے ہاں تجریدی مسائل کا کیا کام؟ انہی لوگوں کی صاف ستھری، اُجلی، نکھری زبان تھی جسے عربوں کے ہاں سند مانا جاتا تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جب (بہت دور جا کر نہیں) حضرت عمرؓ کے زمانے میں عربوں کا غیر عربوں سے خلا ملا پڑھنے لگا تو آپ اہل مدینہ سے کہا کرتے تھے کہ قرآن سمجھنا چاہتے ہو تو صحرا کے بدوؤں میں جا کر کچھ دن گذارو، کیونکہ جس زبان میں قرآن نازل ہوا ہے وہ زبان ان کے ہاں اپنی اصلی شکل میں موجود ہے۔

(۶) سادہ کے بنیادی مفہوم اور ان صحرائشینوں کے ہاں ان الفاظ کے عملی استعمال سے الفاظ کا صحیح مفہوم کس طرح سامنے آ جاتا ہے، اسکا اندازہ ایک مثال سے لگائیے۔ قرآن کریم میں ہے **إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ** (۱۶۳) ”یہ حقیقت ہے کہ خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے“۔ لفظ صبر کے جو معنی ہمارے ہاں مروج ہیں اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ جب کسی پر ایسی مصیبت آ پڑے جس سے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہو۔ جہاں انسان یکسر بے چارہ اور بے کس و بے بس ہو کر رہ جائے۔ جہاں کوئی تدبیر کارگر نہ ہو، وہاں ہم کہتے ہیں کہہ میاں صبر کرو۔ صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ حتیٰ کہ جب کوئی کمزور و ناتواں مظلوم کسی کے ظلم و زیادتی کے خلاف کچھ نہ کر سکے تو وہ ٹھنڈی سانس بھر کر کہہ دیتا ہے کہ ”اچھا! میرا صبر“۔ لیکن عربی میں اس سادہ (ص۔ب۔ر) کے بنیادی معنی ہیں، کسی شخص کا مطلوبہ شے کے حصول کے لئے مسلسل جدوجہد کرنا، جم کر کھڑے ہو جانا، ثابت قدم رہنا۔ اب دیکھئے کہ صحرائشین ہرب اس سادہ کو کن معنوں میں استعمال کرتے تھے۔ بادل کا وہ ٹکڑا جو چوبیس گھنٹے ایک ہی جگہ کھڑا رہے اور ادھر ادھر نہ ہو، **الصَّبِيرُ** کہلاتا تھا۔ **أَلَا صَبِيرَةٌ** ان اونٹوں یا بکریوں کو کہتے تھے، جو صبح جنگل میں چرنے کیلئے چلے جائیں اور شام کو ٹھیک انہی قدسوں پر واپس آ جائیں۔ نہ کوئی ادھر ادھر ہو، نہ پیچھے رہے\*۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان (عربوں) کے ہاں **صَبِيرٌ** کے معنے تھے استقامت، استقلال، اسٹواری، ثابت قدمی، ایک اصول اور روش پر جم کر کھڑے رہنا، عمل میں دوام و استمرار۔ یہ ہے صبر کی وہ کیفیت جو انسان کے اپنے اندر پیدا ہوتی ہے۔ اب اس سے آگے بڑھئے۔ اگر کبھی بوجھ یا سواریوں کی کمی بیشی سے کشتی کا توازن بگڑ جائے اور وہ ڈمکانے لگے تو ملاح ایک بڑا سا پتھر کشتی میں رکھ دیتے تھے جس سے اسکا وزن ہموار ہو جاتا

تھا۔ (ہمارے ہاں تانگے والے اکثر ایسا کرتے ہیں)۔ اس پتھر کو الصَّبَابُورَة کہتے ہیں\*\*۔ لہذا صبر کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ جب کسی کے پاؤں ڈگمگائے لگیں تو 'صبر' سے اس کا توازن برقرار ہو جاتا ہے اور اسکے پاؤں میں لغزش نہیں آتی۔ چونکہ اس قسم کے عمل پیہم اور ثبات و قرار کا نتیجہ کامرانیوں اور کامیابیاں ہوتا ہے اس لئے الصَّبَابُورَة غلے کے اس ڈھیر کو کہتے ہیں جس کی ناپ اور تول نہ کی گئی ہو\*۔

اس لفظ (صبر) کے طریق استعمال کی ان محسوس مثالوں سے یہ حقیقت ابھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ زمانہ نزول قرآن میں عربوں کے ہاں اس کا مفہوم کیا تھا۔ اس مفہوم کی رو سے قرآن کریم کی اس آیت کا مفہوم بھی آسانی سے سمجھ میں آ جاتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ "اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

(۷) مذکورہ بالا عرسہ عناصر عربی زبان کی وہ خصوصیات ہیں جن کی بنا پر اسکے الفاظ کا صحیح مفہوم متعین کرنے میں زیادہ دشواری نہیں رہتی۔ لیکن، بایں ہمہ، صرف اتنی خصوصیات سے قرآن کریم جیسی کتاب کے الفاظ کے صحیح صحیح معانی متعین نہیں کئے جاسکتے۔ اس لئے کہ یہ کتاب زندگی کے ان اصولوں کا ضابطہ ہے جن میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا اور جن کی صداقت پر ہمارا ایمان ہے۔ اسکے لئے ضروری ہے کہ اس کا صحیح مفہوم یقینی طور پر ہمارے سامنے آجائے۔ تنہا لغت سے یہ نہیں ہو سکتا۔ لغت انسانی کوششوں کا نتیجہ ہے جس سے سہو و خطا اور خارجی اثرات کا امکان بہر حال باقی رہتا ہے۔ علاوہ برین قرآن کریم نے بعض الفاظ کو اصطلاحات کے طور پر استعمال کیا ہے۔ یہ اصطلاحات اس قدر جامع ہیں کہ تنہا لغت سے وہ عظیم تصورات سامنے نہیں آسکتے جنہیں قرآن نے ان الفاظ میں سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔ مثلاً صلوة۔ زکوٰۃ۔ تقویٰ۔ ایمان۔ اسلام۔ کفر۔ فسق۔ فجور۔ دنیا۔ آخرت وغیرہ۔ ان اصطلاحات میں قرآنی تعلیم کے بنیادی تصورات بڑی جامعیت سے سمودئے گئے ہیں۔ ان کی اس جامعیت کا ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ جنوں جو انسانی علم کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے ان کے مفہوم میں وسعت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔ ان اصطلاحات کا مفہوم خود قرآن کریم ہی سے سمجھا جاسکتا ہے۔ قرآن کا اندازہ یہ ہے کہ اسمیں اگر ایک مقام پر ایک بات کہی گئی ہے تو دوسرے مقام پر اسکی وضاحت اس انداز سے کر دی گئی ہے کہ اس سے مقام

اول کی بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے۔ اس انداز کو قرآن نے ”تصریف آیات“ سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی آیات کو مختلف مقامات پر لوٹا کر لانا اور اس طرح مطالب کی وضاحت کر دینا۔ سورۃ انعام میں ہے وَكَذَلِكَ نَصْرِفُ الْآيَاتِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ (۱۶۶) اور اس طرح ہم آیات کو لوٹا کر لاتے ہیں تاکہ یہ لوگ کہیں کہ تو نے بات ذہن نشین کرادی ہے اور تاکہ ہم اسے ان لوگوں کے لئے واضح کر دیں جو علم و بصیرت سے کام لیں۔ قرآن کریم کا یہ وہ خصوصی انداز ہے جس سے اس کے مطالب واضح طور پر سامنے آجاتے ہیں اور اسکے الفاظ کا مفہوم متعین کرنے میں دقت نہیں ہوتی۔ مثلاً لفظ (صبر) کے جو لغوی معنی اوپر دئے گئے ہیں انہیں پیش نظر رکھیے اور پھر قرآن کریم کی طرف آئیے۔ قرآن کریم میں ایک جگہ ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (۱۵۳)۔ ”یقیناً اللہ صابریں کے ساتھ ہے“۔ یہاں یہ نہیں بتایا گیا کہ الصابریں کن لوگوں کو کہتے ہیں۔ دوسری جگہ ہے وَكَأَيُّنَ مَثِيْنَ نَقِيْبٍ قَتَلَ مَعَهُ رِيْثُوْنَ كَثِيْرًا فَمَا وَهَنُوْا اِلَیْمًا اَصَابَتْهُمْ فِی سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكْبَرُوْا وَاللّٰهُ يٰحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ (۱۳۵) ”کتھے ہی انبیاء (ایسے گذرے) ہیں جن کی معیت میں بہت سے رفیقی لوگوں نے (مخالفین کے مقابلے میں) جنگ کی۔ پھر ان تکالیف کی وجہ سے جو انہیں اس طرح اللہ کی راہ میں پیش آئیں نہ وہ سست گام ہوئے۔ نہ ان میں کمزوری آئی۔ اور نہ ہی وہ مخالفین سے مغلوب ہوئے۔ (یہی وہ) الصابریں ہیں جنہیں اللہ دوست رکھتا ہے“۔ اگلی آیت میں ان کی اس کیفیت کو ثبوتاً اَقْدَامِنَا (۱۳۶) دہماء سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی یہ دعا کہ ”ہمارے قدموں کو مضبوط رکھ“۔ عین میدان جنگ کی حالت میں کہا ہے فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّاَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِاَآتَيْنِ... (۱۶۶) ”اگر تم میں ایک سو صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو پر غالب آجائینگے“۔ ان آیات کی روشنی میں یہ حقیقت واضح اور متعین طور پر سامنے آجاتی ہے کہ قرآن کریم میں صبر سے مفہوم کیا ہے اور صابر کسے کہتے ہیں۔

یہی کیفیت قرآنی اصطلاحات کی بھی ہے۔ قرآن کریم ان کے مفہوم کی وضاحت بھی تصریف آیات کی رو سے کر دیتا ہے۔ لہذا کوئی عام لفظ ہو یا قرآنی اصطلاح، اگر وہ تمام آیات ہیک وقت سامنے رکھ لی جائیں جن میں قرآن کریم نے انہیں استعمال کیا ہے، یا ان کے مفہوم کو بیان کیا



ہے، تو ان الفاظ و اصطلاحات کے معانی متعین کرنے میں دشواری نہیں رہتی۔ ان مقامات پر غور و فکر سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ”قرآن اپنی تفسیر آپ کرتا ہے“۔

۸۔ جو کچھ اوپر کہا گیا ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن کریم کے معانی متعین کرنے کا طریق یہ ہے کہ

(۱)۔ سب سے پہلے متعلقہ لفظ کے مادہ کو دیکھا جائے کہ اس کا بنیادی مفہوم کیا ہے اور خصوصیت کیا۔ اس مادہ کی شکلیں کتنی ہی کیوں نہ بدلیں، اس کی خصوصیت کی روح بالعموم ہر پیکر میں جھلکتی رہیگی۔

(ب)۔ اس کے بعد دیکھا جائے کہ صحرا نشین عربوں کے ہاں اس لفظ کا استعمال کس کس انداز سے ہوتا تھا۔ ان کے استعمال کی محسوس مثالوں سے یہ معلوم ہو جائیگا کہ ان کے ہاں اس مادہ کا تصور (Concept) کیا تھا۔ واضح رہے کہ جب تک تصورات (Concepts) کا تعین نہ کیا جائے، الفاظ کا صحیح مفہوم سمجھ میں نہیں آسکتا۔ یہ وہ بنیادی اصول ہے جس پر دور حاضرہ میں (Semantics) نے بڑی عمدہ روشنی ڈالی ہے۔ علم اللسان کے اس شعبہ کا مطالعہ، الفاظ کی روح تک پہنچنے میں بڑا مدد و معاون ثابت ہوتا ہے۔

(ج)۔ اس کے بعد یہ دیکھنا چاہئے کہ قرآن کریم میں وہ لفظ کس کس مقام پر آیا ہے اور اس نے ایسے کس کس رنگ میں استعمال کیا ہے۔ ان مقامات سے اس لفظ کا قرآنی تصور (Quranic Concept) سامنے آ جائیگا۔

(د)۔ سب سے بڑی چیز یہ کہ قرآن کریم کی پوری تعلیم کا مجموعی تصور سامنے ہونا چاہئے۔ اور اس بنیادی اصول کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے کہ اس کے مفردات اور اصطلاحات کا مفہوم اسکی مجموعی تعلیم کے خلاف نہ جائے۔ اس لئے کہ قرآن کا دعویٰ ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ذہن کو خارجی اثرات سے الگ رکھ کر قرآن کا مطالعہ خود قرآن کی روشنی میں کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو نور (روشنی) کہا ہے اور روشنی اپنے آپ کو دکھانے کے لئے خارجی مدد کی محتاج نہیں ہوتی۔

یہ ہے وہ طریق جس سے قرآن کے الفاظ اور آیات کا صحیح مفہوم سمجھ میں آسکتا ہے۔ اس ضمن میں، علامہ جمال الدین افغانیؒ کے شاگرد رشید اور سید رشید رضاؒ کے استاد امام شیخ محمد عبدہ، (علیہ لرحمۃ) نے تفسیر المنار کے مقدمہ میں قرآن فہمی کے اعلیٰ مراتب کے سلسلہ میں بعض اہم امور بیان کئے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے۔

اس سلسلہ میں پہلی چیز یہ ہے کہ قرآن میں استعمال ہونے والے مفرد الفاظ کے حقیقی معنی سمجھے۔ یعنی یہ معلوم کرے کہ ان الفاظ کو اہل عرب کیونکر استعمال کرتے تھے، اور اس سلسلہ میں کسی دوسرے کے قول و فہم پر بھروسہ نہ کرے۔ نہ اس پر اکتفا کرے۔ اس لئے کہ بہت سے الفاظ زمانہ نزول قرآن میں کسی خاص مطلب و معنی کو ادا کرنے کے لئے استعمال ہوتے تھے۔ بعد میں، تھوڑا یا زیادہ ہر صہ گذرنے پر، ان کے دوسرے معنی کئے جانے لگے۔ مثلاً لفظ ”تاویل“ ہے جو ”تفسیر“ کے معنوں میں مشہور ہو گیا ہے۔ لیکن قرآن میں یہ لفظ دوسرے معنوں میں آیا ہے۔ یعنی ”انجام کار“۔ ”حاقبت“۔ ”قرآن کے وعدہ و وعید کا نتیجہ ظاہر ہونا“۔ اس ضمن میں قرآن کریم میں غور و فکر کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ملت میں بعد میں پیدا ہونے والی اصطلاحات کی تحقیق کرے۔ اور پھر ان میں اور قرآن میں آنے والے الفاظ میں فرق کرے۔ اکثر مفسرین قرآن کریم کے الفاظ کا ترجمہ ان اصطلاحات کی رو سے کرتے ہیں جو پہلی تین صدیوں میں ملت میں رائج ہو چکی تھیں۔ قرآن پر غور کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن کے الفاظ کے وہی معنی لیں جو زمانہ نزول

\* سید رشید رضاؒ نے اس سلسلہ میں لفظ ”الولی“ کی مثال دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ قرآن میں اس لفظ کے معنی ناصر و مددگار، حمایتی اور دوست کے ہیں۔ ”اولیاء اللہ“ کے معنی ہیں وہ اہل ایمان و تقویٰ جو اللہ کے دین کے حامی و مددگار بنیں۔ لیکن بعد میں یہ اصطلاح چل پڑی کہ وہ لوگ جو کرامات و خوارق کا مظاہرہ کریں اور ظاہری اسباب سے ماوراء قوانین نظرت میں تصرف کریں انہیں اولیاء اللہ کہا جاتا ہے، حالانکہ صحابہ کبارؓ ”اولیاء اللہ“ کے یہ معنی جانتے ہی نہیں تھے (المنار)۔

قرآن میں لٹھے جاتے تھے۔ اس سلسلہ میں بہتر طریق یہ ہے کہ الفاظ کے معانی کے تعین میں خود قرآن سے مدد لے اور سرکر آنے والے الفاظ کا قرآن میں مطالعہ کرے۔ بعض اوقات وہ دیکھیگا کہ ایک ہی لفظ متعدد معانی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ مثلاً ”ہدایت“، وغیرہ۔ ان مقامات پر غور و فکر سے معلوم ہو جائیگا کہ فلاں مقام پر اس لفظ کے صحیح معنی کیا ہیں۔ اسلئے کہا گیا ہے کہ ”الْقُرْآنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهُ بَعْضًا“۔ قرآن کا ایک مقام دوسرے کی تفسیر کرتا ہے۔ اسطرح کسی لفظ کے خاص معنی کو ترجیح دینے کیلئے قانون یہ ہوگا کہ وہ معنی سابقہ عبارت سے مطابقت اور موافقت رکھتے ہوں۔ پورے موضوع و مطالب سے اتفاق رکھتے ہوں اور قرآن کے مجموعی مقصد سے ہم آہنگ ہوں۔ (مقدمہ تفسیر المنار)

(۹) میں قرآن کریم کا طالب علم ہوں۔ میری زندگی، بچپن سے لیکر اسوقت تک، اس کتاب عظیم کے ساتھ متمسک رہی ہے۔ ابتداء میں نے بھی (جیسا کہ ہمارے ہاں کا معمول ہے) اسکا مطالعہ تقلیدی اور رواجی انداز سے کیا۔ لیکن اس سے کچھ بات نہ بنی۔ بعد میں جب میرے شعور میں انقلاب آیا اور میں نے ان راستوں پر تنقیدی نگاہ ڈالی تو یہ حقیقت سامنے آئی کہ

منزل و مقصود قرآن دیگر است۔ رسم و آئین مسلمان دیگر است۔ یہ میرے بخت کی یاوری تھی کہ عین اسوقت جب میں اس ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا علامہ اقبالؒ کی بصیرت قرآنی سے (من جملہ دیگر امور) یہ اہم نکتہ میری سمجھ میں آیا کہ قرآن کریم کو عربی زبان اور تصریف آیات کی رو سے سمجھنا چاہئے، اور اس پر خارجی عناصر کو اثر انداز نہیں ہونے دینا چاہئے۔ ”تصریف آیات“ کی رو سے قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے تبویب القرآن کی ضرورت تھی۔ یعنی ایک موضوع سے متعلق، قرآن کریم کی تمام آیات کو یک جا کر کے انہیں مربوط مضمون کی شکل میں مرتب کرنا۔ اگرچہ تبویب القرآن کے متعلق اس سے پہلے بھی کوششیں ہوئی تھیں لیکن جو خاکہ علامہ اقبالؒ کے پیش نظر تھا، اور جسکی تفصیل انہیں نے مجھے بتائی تھی، اس کے مطابق کوئی کتاب مجھے نہ مل سکی۔ اس کے لئے ایک نئی کتاب کی تدوین کی ضرورت تھی۔ میں نے بڑی کوشش کی

کہ کوئی جماعت، یا مجھ سے زیادہ موزوں فرد، اس اہم کام کے لئے تیار ہو جائے، لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ اور بالآخر یہ اہم کام مجھے خود ہی کرنا پڑا۔ اس کے لئے میں نے سینکڑوں عنوانات کے ماتحت قرآنی آیات کی تبویب (Classification) کی۔ اس میں کئی برس لگ گئے۔ پھر ہر موضوع کو، انسائیکلو پیڈیا کے انداز پر، مربوط مقالہ کی شکل میں مرتب کیا۔ اسکے بعد ان مقالات کو مختلف مجلدات میں تقسیم کیا۔ اس طرح ”معارف القرآن“ کا طویل سلسلہ وجود میں آیا۔ اس میں سے، سن و یزدان - ایلین و آدم - جوئے نور - برق طور - شعلہ مستور - معراج انسانیت، شائع ہو چکی ہیں۔ باقی جلدیں اپنے وقت پر شائع ہوتی جائیں گی۔ ویدہ التوفیق۔

(۱۰) ”معارف القرآن“ اور میری دیگر تصانیف و مقالات کی اشاعت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کے نوجوان، تعلیم یافتہ (بالخصوص ”مذہب گزیدہ“،) طبقہ کے دل میں قرآن کریم کی قدر و منزلت اور عظمت و عقیدت کے جذبات بیدار ہو گئے۔ میری (سالہا سال کی) محنت اور کوشش کا مقصد ہی یہ تھا کہ ہمارا نوجوان طبقہ (جو انسانوں کے خون ساختہ مذہب سے گھبرا کر، خدا کے عطا فرمودہ دین ہی سے دور بھاگ رہا تھا) کسی طرح قرآن کریم کے قریب آجائے اور اس پر براہ راست غور و فکر کرنا شروع کر دے۔ میری ان حقیر سی کوششوں سے (بہت فائق خداوندی) جو نتیجہ برآمد ہوا وہ میری توقعات سے کہیں بڑھ کر تھا۔ ان نوجوانوں کی کثیر تعداد قرآن کریم کے قریب آگئی۔ فالحمد لله علی ذالک۔

یہ طبقہ قرآن کے قریب تو آ گیا لیکن جب ان سے کہا گیا کہ وہ اس کتاب عظیم کی تعلیم کو براہ راست سمجھنے کی کوشش کریں تو ان کا جواب یہ تھا کہ قرآن کریم نہ موجودہ تراجم سے ان کی سمجھ میں آتا ہے، نہ تفاسیر سے۔ (وہ ایسا کہنے میں حق بجانب تھے) اس لئے ان کا مطالبہ یہ تھا کہ وہ طریق بتایا جائے جس سے وہ قرآن کریم کو براہ راست سمجھنے لگ جائیں۔ اس مطالبہ میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو عربی زبان سے ناواقف تھے اور وہ بھی جو اسے جانتے تھے۔ اس کی وجہ وہی تھی جسے تفصیل سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ ایک مدت کے غور و فکر کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس دشواری کا حل اس کے سوا کچھ نہیں کہ قرآن کریم کا ایسا لغت ہو جس میں قرآنی الفاظ اور تصورات کا مفہوم اس انداز سے متعین کیا گیا ہو جسکی تصریح پہلے کی جا چکی ہے۔ مینے بہت تلاش کیا لیکن اس قسم کا کوئی لغت مجھے نہ مل سکا۔ اس قسم کا لغت تو ایک طرف، مفردات امام زاغب

کے علاوہ، نظر سے کوئی ایسی کتاب نہیں گذری جسے خالص قرآنی الفاظ کا لغت کہا جا سکے۔ (حیال ہی میں لغات القرآن کے عنوان سے بعض کتابیں شائع ہوئی ہیں لیکن وہ ہمارے پیش نظر مقصد کو پورا نہیں کرتیں۔ علامہ حمید الدین فراہی نے اس طرز پر قرآن کریم کے افہام و تفہیم کی طرح ڈالی تھی۔ اور کچھ الفاظ کے معنی بھی اس انداز سے متعین کئے تھے۔ اگر وہ قرآن کریم کا پورا لغت اس نہج پر مرتب فرما جاتے تو وہ بڑے کام کی چیز ہوتا۔ میں نے اپنے ظرف کے مطابق ان کی قرآنی بصیرت سے بھی استفادہ کیا ہے)۔ اندریں حالات، چارہ کار اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اس قسم کا لغت مرتب کیا جائے۔ قرآن کریم کا لغت مرتب کرنا، اور وہ بھی اس انداز کا جسکا ذکر اوپر آچکا ہے، جسقدر مشکل کام ہے اس کا اندازہ اہل علم حضرات بخوبی لگا سکتے ہیں۔ میں نے (جسطرح اس سے پہلے تبویب القرآن کے سلسلہ میں کیا تھا) بڑی کوشش کی کہ اس عظیم اور مشکل کام کے لئے کوئی جماعت تیار ہو جائے، لیکن (جسطرح پہلے ناکامی ہوئی تھی) اس میں (بھی) ناکامی ہوئی۔ ادھر یہ دشواری تھی اور ادھر ان ارباب ذوق کا (جنہیں میں قرآن سے قریب لے آیا تھا) یہ تقاضا کہ انہیں بتایا جائے کہ وہ قرآن کو براہ راست کسطرح سمجھیں، شدید سے شدید تر ہوتا جا رہا تھا۔ میں جب اپنی طرف نگاہ ڈالتا تھا تو ایسے مشکل اور اہم کام کو اپنے ہاتھ میں لینے کی نہ اپنے اندر کماحقہ اہلیت پاتا تھا، نہ ہمت۔ ایک مدت تک یہ کشمکش جاری رہی۔ اور آخر الامر، اسکے سوا کوئی صورت نظر نہ آئی کہ، بھلی بری جیسی بھی ہو، اس کام کی بنیاد رکھ دینی چاہئے۔ جب ایک دفعہ اسکی طرح پڑ گئی اور اس نے مفید نتائج مرتب کئے تو پھر دوسرے (اور مجھ سے زیادہ اہلیت رکھنے والے) حضرات اس پر بہتر عمارت استوار کر دینگے۔ یہہ تو ہے وہ حالات جن سے مجبور ہو کر میں نے اس لغت کی ترتیب کا فیصلہ کیا۔ سالہا سال کی مسلسل محنت کے بعد، جیسا کچھ یہ مرتب ہو سکا ہے، آپ کے سامنے ہے۔ اس دشوار گزار سفر میں مجھے بعض اچھے رفقاء کی سعیت بھی نصیب ہو گئی۔ نیز کٹھن منازل پر میں نے ان حضرات سے مشورے بھی کئے جو ان مشوروں کے اہل تھے۔ اور آمادہ بہ تعاون۔ جی نہیں چاہتا کہ میں اس مقام پر، حبیب مکرم، (سابق سفیر مصر) ڈاکٹر عبدالوہاب عزام (نور اللہ مرقدہ) کا ذکر کئے بغیر آگے بڑھ جاؤں۔ انہیں عربی زبان پر جسقدر عبور اور قرآن سے جسقدر عشق تھا اس کا ان احباب کو بخوبی علم ہے جنہیں ان کو قریب سے دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ کلام اقبال کی شرح اور ترجمہ کے سلسلہ میں میرے ان کے ساتھ برسوں تک

گہرے تعلقات رہے۔ عربی ادب کے سلسلہ میں سینے ان کے تبحر علمی سے جسقدر استفادہ کیا اس کی قدر و قیمت کا اندازہ میں ہی لگا سکتا ہوں۔ لغات کے مرتب ہو جانے کے بعد میں نے اسکا مسودہ ایسے ذی علم احباب کو بھی دکھا لیا جن کی عربی زبان کی استعداد اور قرآنی ذوق کا مجھے اندازہ تھا۔ میں ان تمام احباب کا بضمیمہ قلب شکر گزار ہوں۔ لیکن اس کے ساتھ، اس حقیقت کا اعلان میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس لغت میں جو کچھ لکھا گیا ہے اسکی ذمہ داری میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ وہ تنہا مجھ پر عائد ہوتی ہے۔ افسوس ہے کہ علامہ اسلم جیراچوریؒ لغت کی تکمیل سے پہلے انتقال فرما گئے۔ اگر وہ اسے ایک نظر دیکھ لیتے تو میرا پورا اطمینان ہو جاتا۔ اس انداز سے قرآن کو سمجھنے والا (جس کا اوپر ذکر آچکا ہے) مجھے آج کہیں نظر نہیں آتا۔ میرا فہم قرآن ان کی بصیرت فرقانی کا جسقدر رہین کرم ہے اسکے لئے میرا ایک ایک سانس انکا سپاس گزار ہے۔

(۱۱) زیر نظر لغت کی ترتیب و تدوین میں سب سے پہلا فیصلہ طلب سوال یہ تھا کہ عربی زبان کے کون سے لغت کو بطور اساس و بنیاد سامنے رکھا جائے۔ مروّجہ کتب لغت میں تین کتابوں کو بڑی شہرت حاصل ہے۔ یعنی لسان العرب۔ تاج العروس۔ اور قاموس۔ (ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتب لغت بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ اور خاص خاص شعبوں میں وہ ان سے بھی زیادہ مشہور اور ممتاز ہیں۔ لیکن ہمارے ہاں یہ ہیئت مجموعی ان تین کتابوں کو خاصی شہرت حاصل ہے)۔ ان تینوں کے محاسن و خصوصیات کے تقابلی مطالعہ کے بعد یہی طے پایا کہ تاج العروس کو بنیاد قرار دیا جائے۔

تاج العروس، قاموس کی شرح ہے۔ اور چونکہ لسان العرب کے بعد مرتب ہوئی ہے اسلئے اس میں لسان کی ضروری تفصیلات بھی آگئی ہیں۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو تاج العروس آخری (Latest) مفصل اور مستند لغت ہے جس میں اس سے پہلے کی شائع شدہ قریب قریب تمام مستند کتب لغت کا خلاصہ آگیا ہے۔ لسان العرب ابن مکرّم\* کی تالیف ہے جن کی وفات ۷۱۱ء میں ہوئی۔ قاموس کے مولف علامہ فیروز آبادی ہیں جن کی وفات ۸۱۶ء میں ہوئی۔ تاج العروس کے مولف کا پورا نام محب الدین، ابن الفیض، السید محمد مرتضیٰ الحسینی الواسطی الزییدی الحنفی ہے۔ ان کی وفات ۱۲۰۵ء (مطابق ۱۷۹۱ء) میں ہوئی۔ انہوں نے اپنی معرکہ آرا لغت کو مصر میں مدون کیا۔ یہ دس ضخیم جلدوں میں چھپی ہے۔ ہمارے پیش نظر نسخہ مصر کے مطبع الخیریہ کا طبع شدہ ہے جس پر سن

\* انہیں ابن منظور بھی کہا جاتا ہے۔

طباعت ۱۳۰۶ھ (بار اول) درج ہے۔ لین کے قول کے مطابق، تاج العروس میں لسان العرب کے علاوہ، ایک سو مستند کتب لغت سے استفادہ کیا گیا ہے۔ انگریزی زبان میں عربی کا مشہور لغت (Lane's Lexicon) تاج العروس ہی پر مبنی ہے۔ ترقیب کے اعتبار سے یہ لغت بڑا سائٹیفک ہے۔

(۲) تاج العروس کے ساتھ جس کتاب کو ہم نے بنیادی طور پر سامنے رکھا ہے وہ امام راغب اصفہانی (متوفی قریب ۵۰۲ھ) کی مشہور تصنیف "المفردات فی غریب القرآن" ہے۔ یہ قرآنی الفاظ کا لغت ہے اور اس درجہ مقبول اور مشہور کہ اسکے تفصیلی تعارف کی ضرورت نہیں۔ لیکن یہ کتاب بڑی مختصر ہے۔ ہمارے سامنے جو نسخہ ہے وہ مطبع میمنیہ (مصر) میں ۱۳۲۴ھ میں چھپا تھا۔

(۳) تیسری اہم کتاب، ابن فارس (المتوفی ۳۹۵ھ) کی مقابیس اللغۃ ہے جس میں ہر لفظ کا سادہ اور سادہ کے بنیادی معنی دئے گئے ہیں۔ چونکہ ہمارے لغت کا مرکزی نقطہ، سادہ کے بنیادی معنی ہیں اسلئے اس میں ابن فارس سے نمایاں استفادہ کیا گیا ہے۔ ہمارے پیش نظر نسخہ چھ جلدوں میں مصر میں (۱۹۵۲ء میں) چھپا تھا۔

(۴) اس کے بعد جس کتاب سے زیادہ استفادہ کیا گیا وہ پطرس ہستانی کی محیط المحيط ہے۔ یوں تو یہ کتاب مختصر ہے۔ (دو جلدوں میں مکمل ہوئی ہے)۔ لیکن اس کی افادی حیثیت بہت زیادہ ہے۔ ہمارے پیش نظر نسخہ بیروت میں، (۱۸۷۰ء میں) چھپا تھا۔

یہ وہ کتب لغت ہیں جنکے حوالے آپ کو زیر نظر لغت میں بالعموم ملیں گے۔ ان کے علاوہ اکثر مقامات پر حسب ذیل کتب سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

(الف) فقہ اللغۃ۔ ابو منصور الثعالبی کی مشہور کتاب ہے جو مختصر ہونے کے باوجود بڑی مستند خیال کی جاتی ہے۔ ہمارے پیش نظر نسخہ ۱۹۳۸ میں مصر میں چھپا تھا۔

(ب) اقراب الموارد۔ لغت کی مشہور کتاب ہے جسے سعید الخوری الشرتونی اللبانی نے مرتب کیا تھا۔ ہمارے پیش نظر نسخہ بیروت میں (۱۸۸۹ء میں) چھپا تھا۔

(ج) منتھی الارب۔ عربی۔ فارسی کا مشہور لغت ہے۔ ہمارے سامنے وہ نسخہ ہے جو مطبع اسلامیہ لاہور میں (۱۹۲۵ء میں) چھپا تھا۔

(د) کتاب الاشتقاق۔ یہ ابن درید کی تصنیف ہے (جنکی وفات ۳۲۱ء میں ہوئی تھی) لغت میں ابن درید کا مقام بہت بلند ہے اور انکی یہ کتاب سادہ کے بنیادی معنی معلوم کرنے کے لئے بڑی مفید ہے، اگرچہ سفاہیس اللغہ جیسی مفصل نہیں۔ اسکے علاوہ، ابن درید کی لغت کی مشہور اور مستند کتاب جمہرۃ اللغۃ سے بھی بعض مقامات میں استفادہ کیا گیا ہے۔

(ر) العلم الخفاق فی علم الاشتقاق۔ یہ نواب صدیق حسن خان کا مختصر سا رسالہ ہے لیکن اسمیں مادوں کے حروف کی بنیادی خصوصیات عمدگی سے بیان کی گئی ہیں۔

(س) الالفاظ المترادفة۔ یہ علی ابن عیسیٰ الرمسانی (متوفی ۳۸۳ء) کا رسالہ ہے جس میں مرادفات کے لطیف اور دقیق فرق کو عمدگی سے بیان کیا گیا ہے۔

(ش) لطائف اللغۃ۔ یہ احمد بن مصطفیٰ البایدی (دمشقی) کی کتاب ہے جس میں الفاظ کی لغوی باریکیوں سے بحث کی گئی ہے۔

(ص) کتاب القرطین۔ یہ اسام ابن قتیبہ الدینوری (متوفی ۲۷۷ء) کی مشہور کتابوں میں شکل القرآن وغریبہ پر مشتمل ہے اور مصر میں ۱۳۵۰ء میں چھپی ہے۔ ابن قتیبہ کا مقام علمی دنیا میں بہت بلند ہے۔

(ط) البتستان۔ شیخ عبداللہ البستانی اللبنانی (متوفی ۱۹۳۰ء) کا یہ لغت ۱۹۲۷ء میں چھپا تھا۔ اسکا مقدمہ خاص طور پر قابل مطالعہ ہے۔

ان کتب لغت کے علاوہ زمخشری کی تفسیر (کشاف) تفسیر جلالین اور علامہ محمد عیدہؒ کی شہرہ آفاق تفسیر المنار، سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ زبیر نظر لغت میں ان کتابوں کے حوالے میں یا تو کتاب کا (پورا یا مخفف) نام دیا گیا ہے یا مصنف کا۔ مثلاً تاج۔ راغب۔ محیط۔ ابن فارس۔ لین۔ العلم الخفاق وغیرہ۔ علاوہ ازیں بعض مقامات پر دیگر کتب سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ ان کا حوالہ متعلقہ مقام پر دے دیا گیا ہے۔

(۱۲) اس لغت میں ترتیب (بالعموم) یہ رکھی گئی ہے کہ پہلے سادہ کے بنیادی معنی دئے گئے ہیں۔ پھر عربی زبان میں اسکے استعمال کی مثالیں۔ ان مثالوں میں یہ خیال رکھا گیا ہے کہ یہ حتی الامکان محسوس اشیا کی مثالیں ہوں تاکہ ان سے زبیر بحث لفظ کا مفہوم محسوس طور پر سامنے آ جائے۔ اس طرح متعلقہ لفظ کا لغوی مفہوم متعین کرنے کے بعد، قرآن حکریم



کی ان آیات کو درج کیا گیا ہے جن میں وہ لفظ (اپنی مختلف شکلوں) میں آیا ہے۔ ان آیات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن کریم میں وہ لفظ کن کن معانی میں استعمال ہوا ہے۔ اس کے بعد اہم الفاظ اور اصطلاحات کے ضمن میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس لفظ کے استعمال سے قرآن کس قسم کا تصور (Concept) پیش کرتا ہے، اور وہ تصور قرآن کریم کی مجموعی تعالیم میں کیا مقام رکھتا ہے۔ اس سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ یہ کتاب محض قرآنی الفاظ کا لغت نہیں بلکہ اس میں قرآنی تصورات پیش کئے گئے ہیں۔ چنانچہ جن دوستوں نے اس لغت کا مسودہ (پورا یا اسکا بعض حصہ) دیکھا، ان کی رائے یہ ہے کہ اسکا بغور مطالعہ کر لینے کے بعد قرآن کا طالب علم کسی تفسیر کا محتاج نہیں رہ سکتا۔ اس خصوصیت کے پیش نظر دم چاہتے تھے کہ اس لغت کا نام کچھ اور رکھا جائے جس سے اسکی یہ خصوصیت نمایاں طور پر سامنے آجائے، لیکن اس سے اسکی بنیادی خصوصیت (یعنی قرآنی الفاظ کے معانی) کے نظر سے اوجھل ہو جانے کا اسکاں تھا، اسلئے اسکا نام لغات القرآن ہی تجویز کیا گیا ہے۔

اس مقام پر تینا واضح کر دینا ضروری ہے کہ یہ، قرآن کریم کے الفاظ (مفردات) کا لغت ہے، پوری عربی زبان کا لغت نہیں۔ اسلئے نہ تو اس میں عربی زبان کے تمام الفاظ آئے ہیں اور نہ ہی الفاظ کی تشریح میں ادبی بحثوں کو چھیڑا گیا ہے۔ اس میں ہر لفظ کے متعلق صرف اس حد تک بحث کی گئی ہے جس حد تک اسے قرآن نے لیا ہے۔ نیز قرآن کریم کی آیات بھی تمام کی تمام نہیں دی گئیں۔ مثلاً اگر ایک لفظ قرآن کی بیس آیات میں (ایک ہی مفہوم میں) آیا ہے تو ان میں سے ایک آیت دی گئی ہے۔ البتہ جہاں مختلف آیات میں اس لفظ کو جداگانہ مفہوم کے لئے استعمال کیا گیا ہے وہاں وہ تمام آیات درج کر دی گئی ہیں۔ جہاں کسی آیت کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی وہاں اس کے حوالہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔ ان تمام آیات کو قرآن کریم سے نکال کر خود دیکھ لینا چاہئے۔ اس سے بات واضح ہو جائیگی۔

(۱۳) اس ضمن میں ایک اور اہم نکتہ کی وضاحت بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ ہر زبان میں قاعدہ ہے، الفاظ کے ایک معنی ”حقیقی“ ہوتے ہیں اور ایک ”مجازی“، مثلاً جب ہم کہیں کہ ”وہ تو شیر ہے“ تو اس سے مراد وہ (شیر) جانور نہیں جو جنگل میں رہتا ہے۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ شیر جیسا بہادر ہے۔ لفظ ”شیر“ کے حقیقی معنی ”جنگل کا ایک طاقتور جانور“، ہیں اور (مندرجہ بالا فقرہ میں) مجازی معنی ”بڑا بہادر“،

”حقیقی اور مجازی معانی،، کی یہ صرف ایک مثال ہے۔ بلند پایہ تصانیف میں اور بھی بہت سے طرق و اسالیب بیان ایسے ہوتے ہیں جن میں الفاظ کے مجازی معنی مقصود ہوتے ہیں۔ عام طور پر یہ انداز بیان، تشبیہات اور استعارات پر مشتمل (Symbolical) ہوتا ہے\*۔ لیکن یہ بھی کوئی ضروری شرط نہیں۔ اس ضمن میں ابن قتیبہ نے لکھا ہے۔

عرب کے لوگ کلام میں مجازی معنی بھی لیتے ہیں۔ یعنی ان کے ہاں بات کہنے کے کئی طریقے اور کئی اسلوب ہوتے ہیں۔ چنانچہ استعارہ، تمثیل، قلب، تقدیم، تاخیر، خذف، تکرار، اخفاء، اظہار، تعریض، افصاح، کنایہ، ایضاح، واحد کو جمع کے صیغے سے خطاب کرنا اور جمع کو واحد کے صیغے سے۔ خاص لفظ سے عام معنی مراد لینا اور عام لفظ سے خاص۔ غرضیکہ بہت سے اسلوب ہوتے ہیں جو آپ کو مجاز کے ابواب میں مل سکتے ہیں۔۔۔ قرآن کا نزول ان تمام اسالیب کلام کے مطابق ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی ترجمہ کرنے والا، قرآن کریم کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں نہیں کر سکتا۔۔۔ کیونکہ عجمی زبانوں میں مجاز کی وہ وسعت نہیں جو عربی زبان میں ہے۔ مثال کے طور پر قرآن کریم کی ایک آیت ہے فَضَرَبْنَا عَلٰی اِذَانِهِمْ\* فِي الْكُفْرِ سِنِينَ عَدَدًا (۱۸)۔ اگر آپ چاہیں کہ اس مضمون کو کسی دوسری زبان کے الفاظ میں منتقل کر لیں تو اس سے وہ مفہوم نہیں سمجھا جاسکے گا جو ان الفاظ سے سمجھا جاسکتا ہے۔ اگر آپ یوں کہیں کہ اسکا ترجمہ یہ ہے کہ ہم نے انہیں چند سال تک سلائے رکھا، تو اب بھی آپ نے مفہوم کا ترجمہ تو کر دیا، الفاظ کا ترجمہ نہیں کر سکتے۔

(قرطین جلد ۲ - صفحہ ۱۶۳)

\* اس قسم کے اسلوب بیان کے متعلق مشہور انگریز ادیب (Chesterton) کہتا ہے۔  
Not literally true, but only really true. (Quoted by W. H. Urban—  
in Humanity and Deity—P. 117)

\*\* یہ آیت اصحاب کھف کے متعلق ہے۔ شاہ رفیع الدینؒ اس کا لفظی ترجمہ یوں کرتے ہیں ”پس پردہ مارا ہم نے اوپر کانوں ان کے بیچ غار کے برس کئی ایک“۔

یہ انداز بیان عام کتابوں میں بھی ہوتا ہے۔ لیکن جس کتاب عظیم کی یہ کیفیت ہو کہ اس کے حقائق کو تمام نوع انسان کے لئے، ہر زمانے میں مشعل ہدایت بننا ہو، اسکا وہ حصہ اسی انداز کا ہونا چاہئے جس کا تعلق حقائق سے ہو۔ اس سے ہر دور کے ارباب علم و بصیرت اور اصحاب فکر و تدبیر، اپنے زمانے کی علمی سطح کے مطابق، الفاظ کے مجازی معانی سے، قرآنی حقائق کو سمجھتے چلے جائیں گے۔ اور یوں، جوں جوں انسانی عقل کی سطح بلند ہوتی جائیگی، قرآنی حقائق بے نقاب ہو کر سامنے آتے جائیں گے۔

لہذا قرآنی الفاظ کا مفہوم سمجھنے کے لئے ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ متعلقہ آیت میں فلاں لفظ کے معنی حقیقی لئے جانے چاہئیں یا مجازی۔ زیر نظر لغت میں اسکا بھی التزام کیا گیا ہے۔ لیکن اسکا یہ مطلب نہیں کہ جن مقامات پر ہم نے کسی لفظ کے مجازی معنی لئے ہیں وہاں (بالضرور) اسکے مجازی معنی لئے جائیں۔ دیکھنا یہ چاہئے کہ ان الفاظ کے حقیقی معنی کیا ہیں۔ اسکے بعد متعلقہ آیت میں جو معنی (حقیقی یا مجازی) زیادہ موزوں نظر آئیں انہیں اختیار کر لینا چاہئے۔ یہی کیفیت ان مقامات کی بھی ہے جہاں ہم نے قرآنی آیات سے کوئی خاص مفہوم مستنبط کیا ہے۔ قارئین میں سے جنہیں ہمارے مفہوم سے اختلاف ہو وہ اپنے لئے خود مفہوم متعین کر سکتے ہیں۔ مختصر الفاظ میں یوں سمجھئے کہ زیر نظر لغت میں جو حصہ الفاظ کے لغوی معانی سے متعلق ہے وہ مستند کتب لغت سے ماخوذ ہے، اس لئے مستند ہے۔ لیکن جو کچھ ہم نے اپنی طرف سے کہا ہے اگر کسی کو اس سے اتفاق نہ ہو تو وہ اپنی قرآنی بصیرت کے مطابق اس کا مفہوم خود متعین کر سکتے ہیں۔

بعض الفاظ کے سلسلہ میں یہ بھی ممکن ہے کہ جو معانی اس لغت میں دئے گئے ہیں وہ قرآن کریم کے ان تراجم سے مختلف ہوں جو ہمارے ہاں عام طور پر مروج ہیں (اسکی وجہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں)۔ ایسی صورت میں آپ اس حقیقت کو سامنے رکھئے کہ ہم نے ہر لفظ کے لغوی معانی کی سند میں اس کتاب کا حوالہ دے دیا ہے جہاں سے وہ معانی لئے گئے ہیں۔ اور جن کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے، ارباب علم کے نزدیک ان کی حیثیت مستند ہے۔ ان کتابوں میں البتہ بعض اوقات ان کے مؤلفین نے (لغوی معانی کے علاوہ) قرآنی تعلیم کے بارے میں خود اپنی رائے بھی دی ہے۔ ہم نے بعض مقامات پر ان آراء سے اختلاف کیا ہے۔ اسلئے کہہ اشخاص کی آراء ان کی ذاتی استعداد، رجحانات و میلانات، نیز خود اس زمانے کی علمی سطح اور

عام فضا کا نتیجہ ہوتی ہیں جس میں وہ تربیت پاتے ہیں، اسلئے دوسروں پر ان آراء کی پابندی لازم نہیں ہوتی۔ ایسے مقامات پر ہم نے اپنے فہم و بصیرت (اور اپنے زمانے کی علمی سطح کے مطابق) جو بہتر سمجھا ہے لکھ دیا ہے۔ لیکن ہم نے ہر مقام پر اس کا التزام کیا ہے کہ جو کچھ لکھا جائے وہ (ہماری بصیرت کے مطابق) قرآن کریم کی یہ ہیئت مجموعی تعلیم کے خلاف نہ ہو۔ یہی اصول ہمارے اس لغت کی اصل و بنیاد ہے۔

اردو زبان میں عربی کے بہت سے الفاظ داخل ہیں لیکن یہ الفاظ اردو میں ان معانی سے مختلف معانی میں استعمال ہوتے ہیں جن معانی میں وہ بنیادی اور اصولی طور پر عربی میں استعمال ہوتے ہیں۔ زیر نظر لغت میں جب اس قسم کے الفاظ (ہماری) اردو زبان کی عبارت میں آئیں تو ان کے وہی معانی سمجھے جائیں جن معانی میں وہ اردو میں استعمال ہوتے ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک لفظ کا ذکر خصوصیت سے کرنا ضروری ہے جو آپ کو زیر نظر لغت میں بکثرت ملیگا۔ وہ لفظ ہے ”قانون“، ہمارے ہاں قانون سے عام طور پر مفہوم وہ (Laws) لئے جاتے ہیں جن کے مطابق عدالتوں میں فیصلے ہوتے ہیں۔ لیکن لفظ قانون کا مفہوم اس سے کہیں وسیع ہے۔ قانون سے مراد ایسے محکم اصول ہیں جن میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ مثلاً ”قانون فطرت“، سے مراد ہیں وہ لگے بندھے اصول و ضوابط جن کے مطابق خارجی کائنات کا مجیر العقول سلسلہ اس نظم و ضبط سے چل رہا ہے۔ ”قوانین خداوندی“ سے مراد ہیں انسانی زندگی سے متعلق وہ اصول و ضوابط جو قرآن کریم کی دفتین میں محفوظ ہیں۔ و قس علی ذالیک۔ لہذا اس لغت میں جہاں یہ لفظ (قانون) آئے میاق و میباق کے مطابق اسکا مفہوم سمجھ لینا چاہئے۔

بعض اوقات آپ دیکھینگے کہ لغت کی رو سے ایک ہی لفظ کے متعدد معنی دئے گئے ہیں۔ ہم اسوقت اس امر کے متعلق بحث نہیں کرنا چاہتے کہ ایک ہی لفظ کے متعدد (اور بعض وقت متضاد) معانی کیوں ہو جاتے ہیں۔ (یہ، علم الالسنہ کا ایک اہم مسئلہ ہے اور ہمارے موضوع سے خارج)۔ بالعموم یہ اختلاف معانی ان الفاظ کے طریق استعمال کی بنا پر ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں اس قسم کا لفظ جس مقام پر آئیگا، یا تو سیاق و سباق بتا دیگا کہ اسکا صحیح مفہوم کیا ہے، یا تصریف آیات سے یہ مقصد حاصل ہو جائیگا۔ یعنی قرآن کریم کی ان متعدد آیات کو سامنے لانے سے جہاں وہ لفظ آیا ہے۔ ہم نے اپنے لغت میں یہی طریق اختیار کیا ہے۔

(۱۴) ان اہم اسور کے علاوہ ذیل کے مختصر نقاط بھی پیش نظر رہنے ضروری ہیں۔

(ا) لغت میں حروف مقطعات کے معانی نہیں دئے گئے۔ یہ قرآنی مفردات نہیں بلکہ مخففات ہیں۔ انکے متعلق ہم اپنا نقطہ نظر، مفہوم القرآن میں بیان کریں گے اور وہیں انکا مفہوم بھی دینگے۔ (مفہوم القرآن کا تعارف ذرا آگے چل کر آتا ہے)۔

(ب) عربی زبان میں حروف کو بڑی اہمیت حاصل ہے لیکن ان کی تفصیلی بحث ایک مستقل موضوع ہے جو اس قسم کی لغت کی کتاب میں جو آپ کے پیش نظر ہے ضمنی طور پر نہیں کی جا سکتی۔ بسا بریں اس لغت میں حروف کی بحث کو صرف اس حد تک محدود رکھا گیا ہے جہانتک یہ بحث قرآنی آیات کے سمجھنے میں مفید تصور کی گئی ہے۔

(ج) بعض حروف کے متعلق لکھا گیا ہے کہ فلاں آیت میں یہ 'زائد' ہے۔ زائد کے یہ معنی نہیں کہ وہ بلا ضرورت استعمال کیا گیا ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ اس حرف کے (اس مقام میں) الگ معنی کچھ نہیں لیکن اہل زبان اسے ایسے مواقع پر استعمال کرتے ہیں اور اس سے کلام میں خاص وزن پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر اس موقع پر قرآن ایسے استعمال نہ کرتا تو قرآن کا انداز غیر فصیح ہو جاتا۔

(د) عربی الفاظ کے مادے بالعموم سہ حرفی (ثلاثی) ہوتے ہیں لیکن بعض سادے چار حرفی (رباعی) بھی ہوتے ہیں۔ عام کتب لغت میں رباعی کو ثلاثی کے تابع دے دیا جاتا ہے۔ ہم نے بھی اس باب میں اسی طریق کا اتباع کیا ہے۔ بجز ان مقامات کے جہاں رباعی مادہ کا الگ دیا جانا ضروری سمجھا گیا ہے۔

(ر) حضرات انبیائے کرام اور اقوام سابقہ کا تعارف الگ عنوانات کے تحت کرایا گیا ہے۔ لیکن یہ تعارف (لغت کی مناسبت سے) اجمالی ہے۔ تفصیلی تعارف میری دوسری تصانیف (مثلاً جوئے نور، برق طور، شعلہ مستور، معراج انسانیت) میں دیکھا جا سکتا ہے۔

(س) قرآنی آیات کا حوالہ اسطرح دیا گیا ہے کہ اوپر سورۃ کا نمبر ہے اور نیچے آیت کا۔ مثلاً (۹۴) سے مراد ہے ساتویں سورۃ (سورہ اعراف) کی آیت ۹۴۔ چونکہ قرآن کریم کے مختلف نسخوں میں آیات کے نمبروں میں دو ایک کا فرق ہوتا ہے، \* اسلئے اگر زیر نظر لغت میں کوئی آیت حوالہ کے مطابق نہ

\* آیات کے نمبروں کے لحاظ سے، ساری دنیا کے لئے قرآن کریم کے ایک اسٹینڈرڈ (Standard) نسخہ کی بڑی ضرورت ہے جو کتابت کی غلطیوں سے بھی بالکل پاک ہو۔

ملے تو ایک دو آیات آگے پیچھے دیکھ لیں۔ لغات میں درج شدہ آیات کو اگر آپ قرآن کریم کے نسخہ سے ملا لیں تو بہتر ہوگا تاکہ اگر ان میں کوئی غلطی رہ گئی ہو تو اسکی تصحیح ہو جائے۔ قرآنی آیات میں صحت کا بالخصوص خیال رکھنا چاہئے۔

(ص) لغت میں عندالضرورت حوالہ کے ساتھ قرآنی آیات بھی درج کر دی گئی ہیں۔ لیکن جہاں آیت درج نہ کی گئی ہو اور صرف حوالہ دیا گیا ہو وہاں آپ متعلقہ آیت قرآن کریم سے خود نکال کر دیکھ لیں۔ اس سے بات واضح ہو جائیگی۔

(ط) بعض اوقات ”قرآن کریم“ یا ”قرآن مجید“ کے بجائے صرف ”قرآن“ لکھا ہوا ملیگا۔ اسے عدم احترام پر محمول نہ کیا جائے۔ قرآن کریم بہر حال و بہر نوع واجب الاحترام ہے خواہ اس کے ساتھ احترام کا لفظ آئے یا نہ آئے۔ جہاں ایسا لفظ موجود نہ ہو وہاں آپ اسکا اضافہ خود کر لیں۔

(۱۵) یہ لغت اولاً و اساساً ان حضرات کے لئے مرتب کیا گیا ہے جو عربی زبان سے واقف نہیں۔ اسلئے

(۱) اس میں علمی اصطلاحات سے اجتناب کیا گیا ہے اور بات عام فہم الفاظ میں بیان کر دی گئی ہے۔ نیز کوشش کی گئی ہے کہ اسکا انداز سلیس اور سادہ ہو تاکہ عام پڑھے لکھے لوگ بھی اس سے مستفید ہو سکیں۔ البتہ جہاں گفتگو ہی کسی علمی یا فنی مسئلہ کے متعلق ہو وہاں اسلوب بیان کا فنی یا نسبتاً مشکل ہو جانا ناگزیر ہو جاتا ہے۔

(۲) لغت سے پہلے، قریب ستر صفحات میں ’عربی زبان کے گرامر کے قواعد، آسان اور غیر فنی زبان میں دئے گئے ہیں۔ یہ عربی زبان کی پوری گرامر (صرف ونحو) نہیں، صرف مبادیات ہیں جن سے مقصود یہ ہے کہ جو حضرات عربی زبان سے ناواقف ہوں انہیں عربی الفاظ کی مختلف شکلوں اور عربی فقرات کی مختلف ترکیبوں سے شناسائی ہو جائے اور وہ اس طرح لغت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں۔ اگر آپ نے ان مبادیات کا غور سے مطالعہ کیا تو آپ دیکھیں گے کہ ان کی مدد سے آپ عربی زبان سے کافی حد تک شناسا ہو جائیں گے۔

(۳) عربی زبان کے اصول کے مطابق لغت کی ترتیب الفاظ کے لحاظ سے نہیں بلکہ سادوں کے اعتبار سے رکھی گئی ہے۔ مثلاً لفظ ”متقین“ آپ کو (م۔ت۔ق) کے تحت نہیں ملیگا۔ اس لفظ کے سادہ (و۔ق۔ی) کے ماتحت

ملیگا۔ لیکن عربی زبان مذہ جانتے والوں کے لئے یہ مشکل (بلکہ بعض اوقات ناممکن) ہوگا کہ وہ معلوم کر سکیں کہ فلاں لفظ کا مادہ کیا ہے، اور جب وہ مادہ ہی معلوم نہیں کر سکیں گے تو وہ اس لفظ کو لغت میں تلاش کیسے کریں گے؟ اس وقت کے پیش نظر ہم نے تمام قرآنی الفاظ کی ایک فہرست مرتب کی ہے۔ اس فہرست کو حروف تمہجی (ا۔ ب۔ ت۔ ث) کے مطابق ترتیب دیا ہے، اور ہر لفظ کے سامنے وہ مادہ دے دیا ہے جس کے ماتحت وہ لفظ ملیگا۔ مثلاً فہرست میں لفظ ”متقین“ م۔ م۔ کے ماتحت (بہ ترتیب م۔ ت۔ ق) دیا گیا ہے، اور اس کے سامنے لکھا گیا ہے۔ و۔ ق۔ ی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ لفظ ”متقین“، لغت میں ”و۔ ق۔ ی“ کے عنوان کے تحت ملیگا۔ یہ فہرست ترتیب سے صفحات سے زیادہ پر پھیلی ہوئی ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ یہ مکمل ہو، لیکن اس میں پھر بھی سہو و خطا کا امکان ہے۔ اگر آپ کو اس میں کوئی سہو یا غلطی نظر آئے تو اس سے مطلع فرمائیں تا کہ آئندہ اڈیشن میں مناسب اصلاح کر لی جائے۔

مبادیات اور فہرست میں، کوششیں بسیار کے باوجود، چند ایک طباعت کی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ انہیں فہرست کے آخر میں ”اغلاط نامہ“ میں درج کر دیا گیا ہے۔ آپ متعلقہ الفاظ کی تصحیح کر لیں۔

۱۶۔ جیسا کہ شروع میں کہا جا چکا ہے، اس لغت کی تدوین کا محرک جذبہ یہ تھا کہ جن حضرات کے دل میں قرآن کریم کا ذوق پیدا ہو چکا ہے وہ براہ راست اسے سمجھنے کے قابل ہو سکیں۔ یہ مقصد بڑی حد تک زیر نظر لغت سے پورا ہو جانے کی امید کی جا سکتی ہے۔ لیکن اکثر احباب کا خیال تھا (جس سے شعور و فکر کے بعد مجھے بھی متفق ہونا پڑا) کہ اس کے باوجود (یا یوں کہئے کہ اس کے ساتھ) قرآن کریم کے ایک رواں ترجمہ کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ جیسا کہ ابن قتیبہ نے کہا ہے (اور ابن قتیبہ ہی نے نہیں، اب یورپ کے اکثر فاضل مستشرقین بھی اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ) قرآن کریم کا ترجمہ کسی زبان میں بھی نہیں ہو سکتا۔ (اس کی تفصیل ”مفہوم القرآن“، میں ملیگی)۔ یہ بالکل درست ہے۔ میرے ملت العمر کے مطالعہ اور تدبیر فی القرآن نے خود مجھے بھی اسی نتیجہ پر پہنچایا ہے۔ چنانچہ میں نے اس مشکل مسئلہ پر ایک عرصہ تک غور کیا اور ایک ایسا اسلوب وضع کیا جو ترجمہ اور تفسیر کے بین بتین ہے۔ یہ کچھ اس سے ملتا جلتا ہے جسے انگریزی زبان میں (Paraphrasing) کہتے ہیں۔

اردو زبان میں اسے ”مفہوم“ کے لفظ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یعنی قرآن کا مفہوم اپنے الفاظ میں۔ میں نے قرآن کریم کے بعض مقامات کا ”مفہوم“ اس انداز سے متعین کیا اور اسے تجربہٴ مختلف احباب کے سامنے پیش کیا۔ یہ تجربہ بڑا مفید رہا۔ ان کی رائے تھی کہ اس سے قرآن کریم کا مفہوم سمجھنے میں دقت نہیں رہتی۔ اس تجربہ کے بعد میں نے، قرآنی الفاظ کے ان معانی کے رُو سے جو زیر نظر لغت میں دئے گئے ہیں، قرآن کریم کا مفہوم مرتب کیا ہے۔ اسی کا نام ”مفہوم القرآن“ ہے جو ابتدائی مسودہ کی شکل میں اس وقت موجود ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ زیر نظر لغت اور مفہوم القرآن کی اشاعت سے وہ دشواریاں رفع ہو جائیں گی جو قرآن مجید کے سمجھنے میں عام طور پر پیش آتی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ (لغت نہیں تو کم از کم) مفہوم القرآن انگریزی زبان میں بھی شائع ہو جائے تا کہ بیرونی دنیا (بالخصوص یورپ اور امریکہ) خدایا کی اس عظیم کتاب کو جو تمام نوع انسانی کی رہنمائی کا سامان اپنے اندر رکھتی ہے، براہ راست سمجھ لے اور اس طرح اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ اس کا یہ دعویٰ کس قدر سببی بر صداقت ہے کہ جو نظام اس نے عطا کیا ہے وہ نوع انسانی کی تمام مشکلات کا حل اپنے اندر رکھتا ہے۔ میں علیٰ وجہ البصیرت محسوس کرتا ہوں کہ مغربی ممالک اس نظام کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں لیکن یہ نظام ان کے سامنے نہیں آ رہا۔ یہ اسی صورت میں سامنے آ سکیگا جب قرآن کریم کو، اس کی اصلی شکل میں، دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔

۱۷۔ لغت (اور اس کے ساتھ مفہوم القرآن) سالہا سال کی دیدہ ریزی اور جگر کاوی سے مرتب تو ہو گئے لیکن اتنی ضخیم کتابوں کے چھپوانے کی مجھ میں کہاں استطاعت تھی؟ یہ وہ مقام تھا جہاں میں بے بس تھا۔ میری تصانیف سے جو کچھ (تھوڑا بہت) منافع حاصل ہوتا ہے وہ قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں صرف ہو جاتا ہے (بلکہ یوں کہئے کہ وہ اس کے لئے بھی کفایت نہیں کرتا۔ اس عظیم مشن کے متعدد گوشے ایسے ہیں جو سرمایہ کے نہ ہونے کی وجہ سے ابھی تک شرمندہٴ تعبیر نہیں ہو سکے)۔ اس بے بسی نے مجھے عرصہ تک وقف اضطراب رکھا تا آنکہ میرے ان قرآنی احباب نے جو میرے مشن سے متفق ہیں، از خود آگے بڑھ کر میرا یہ بوجھ ہلکا کر دیا، اور یوں میرے لئے اس دشوار گزار مرحلہ کو آسان بنا دیا۔ میں یہ الفاظ لکھ رہا ہوں اور میرا دل ان احباب کے لئے جذبات آمیز و امتنان سے لبریز ہو رہا ہے۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ وہ نہ شکر یہ



کے خواہاں ہیں، نہ ستائش کے متمنی۔ قرآن کا رشتہ بھی دنیا میں عجیب رشتہ ہے۔

اس کے بعد، طباعت کی عملی دشواریاں سامنے آئیں۔ آجکل لیتھو کی چھپائی جس بری طرح سے کتاب کو نسخ کر دیتی ہے اس کا مجھے تلخ تجربہ ہے۔ میں اس تجربہ کو، کم از کم لغت جیسی اہم کتاب کے سلسلہ میں، دھرانے کے لئے قطعاً تیار نہیں تھا۔ اوفسٹ کی چھپائی کے متعلق معلوم کیا تو وہ ہماری بساط سے کہیں زیادہ تھی۔ اب لے دے کے ٹائپ کی چھپائی رہ جاتی تھی۔ اس میں دشواری یہ تھی کہ ہمارے ہاں ابھی ایسا ٹائپ رائج نہیں ہوا جس کے ساتھ اعراب ہوں، اور اعراب الگ لگانے سے وہ اپنے صحیح مقام سے ادھر ادھر ہٹ جاتے ہیں۔ اس کے لئے کئی ایک مطابع میں تجربے کئے گئے۔ ایک پریس میں مبادیات اور فہرست کو چھپوا کر بھی دیکھ لیا۔ اس تمام تگ و تاز کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ لغت کی طباعت کی اطمینان بخش صورت اسی نہج سے ہو سکتی ہے کہ پریس اپنے زیر اہتمام ہو۔ اس کے لئے کافی عرصہ تک انتظار کرنا پڑا۔ بہر حال اب خدا خدا کر کے اس کا انتظام ہوا ہے اور میں اس قابل ہوا ہوں کہ لغت کی پہلی جلد احباب کی خدمت میں پیش کر سکوں۔ اس کی طباعت اب بھی میرے معیار کے مطابق نہیں (اس میں بھی بعض اوقات اعراب اپنے ٹھیک مقام پر نہیں لگ سکتے۔ لیکن میں نے اسے اس لئے گوارا کر لیا ہے کہ ”معیار“ کی تلاش میں، وقت کی اشد ضرورت کو بالآخر کب تک التوا میں ڈالا جا سکتا ہے؟ احباب کے تقاضوں کا تو یہ عالم ہے کہ -- سینہ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا۔ اس لئے اپنی طرف سے جسقدر بھی اچھے سے اچھا ہو سکا، اسے چھاپ دیا گیا ہے۔

اندازہ یہ ہے کہ لغات القرآن، چار یا پانچ جلدوں میں تکمیل تک پہنچ جائیگی۔ اس کے بعد ”مفہوم القرآن“ کی طباعت کی باری آئیگی۔ ”مفہوم القرآن“ کے لئے بھی احباب کے تقاضے جسقدر شدید ہیں اس کا مجھے احساس ہے۔ لیکن چونکہ اس مفہوم کی سند، صرف لغت زیر نظر میں مل سکیگی، اس لئے اسے لغت کی تکمیل سے پہلے شائع نہیں کیا جا سکتا۔ وَاَسَآ تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

واضح رہے کہ زیر نظر لغت میں قرآنی آیات کا اردو ترجمہ لغوی مفہوم کی رعایت سے دے دیا گیا ہے۔ مفہوم القرآن کا انداز اس سے الگ ہے۔ اس میں قرآن کریم کا ترجمہ نہیں بلکہ مفہوم پیش کیا گیا ہے۔

(۱۸) عام کتب لغت اسوقت مکمل ہوتی ہیں جب ان کی تمام جلدیں چھپ کر سامنے آجائیں۔ جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے زیر نظر لغت بھی اسی طرح مکمل ہوگا۔ لیکن یہ صرف لغت کی کتاب نہیں۔ اس میں قرآنی تعلیم کے بنیادی تصورات بھی آگئے ہیں۔ اس لحاظ سے اسکی ہر جلد اپنی جگہ مکمل اور خود مکتفی ہے۔ لہذا آپ اس کا انتظار نہ کیجئے کہ تمام جلدیں چھپ جائیں تو اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ آپ ہر جلد سے الگ الگ استفادہ کر سکتے ہیں۔ آپ اسے لغت کی طرح نہ دیکھئے، کہ جب کسی خاص لفظ کے معانی معلوم کرنے ہوں تو کتاب کھول کر وہ معانی دیکھ لئے اور پھر کتاب رکھ دی۔ آپ اسکا مسلسل مطالعہ کیجئے۔ اس طرح قرآنی تعلیم کے بنیادی تصورات ایک ایک کر کے آپ کے سامنے آتے جائینگے۔

(۱۹) اگرچہ لغت کا پورا مسودہ طباعت کے لئے تیار رکھا ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ طباعت کے دوران، مزید غور و فکر سے بعض اہم چیزیں آسن وقت سامنے آئیں جب متعلقہ جلد چھپ چکی ہو، یا قارئین کی طرف سے مفید مشورے، تجاویز یا وضاحت طلب اسور سامنے آئیں۔ اگر ایسا ہوا تو آخری جلد کے ساتھ ایک تکملہ شائع کر دیا جائیگا جس میں یہ تمام اسور آجائینگے۔

(۲۰) جیسا کہ میں نے ہمیشہ کہا ہے، میں اپنی کسی تحریر کو نہ سہو و خطا سے منزہ سمجھتا ہوں، نہ اس موضوع پر حرف آخر۔ میری دیگر تصانیف کی طرح یہ لغت بھی بہر حال انسانی کوشش ہے جس میں سہو و خطا کا اسکان اور حک و اضافہ کی گنجائش ہے۔ جو احباب مجھے میری غلطیوں سے مطلع اور اپنے مشوروں سے مستفید فرمائینگے میں انکا شکر گزار ہونگا بشرطیکہ یہ بغرض تعاون ہو، نہ کہ بحث و جدل کی خاطر۔ میں بحث میں الجھا نہیں کرتا۔

اگر میری اس کوشش نا تمام سے کچھ احباب بھی قرآن کریم کو براہ راست سمجھنے کے قابل ہو گئے تو میں سمجھونگا کہ مجھے میری محنت کا صلہ مل گیا۔ یہی میری زندگی کا مقصد اور یہی میری کاوشوں کا منتہی ہے۔  
ربنا تقبل منا انک انت الّسمیع العلیم۔

غلام احمد پرویز

مارچ ۱۹۶۰

۲۰- بی۔ گلبرگ

لاہور (پاکستان)



# لُغَاتُ الْعَرَبِ

## بَابُ أَوَّلٍ

### عَرَبِيٌّ لُغَتِي اسْتِفَادَةٌ كَيْ لِيءَ نَهْرِي مَعْلُومًا

یہ باب ان قارئین کے لئے لکھا گیا ہے جو عربی زبان اور اس کی گرامر سے واقف نہیں۔ اس میں صرف نحو کی دقیق اصطلاحات اور فنی باریکیوں سے بحث نہیں کی گئی، بلکہ مختصر اور سادہ الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ عربی الفاظ کی شکلیں کس طرح بدلتی ہیں اور اس تبدیلی سے معنوں میں کیا فرق پڑتا ہے؟

## عربی لغت کے استفادہ کے لئے ضروری معلوما

### عربی زبان کی لغت کی خصوصیت

آپ اردو زبان کی ڈکشنری میں (مثلاً) "مُسْتَعَلِمٌ" یا "تعلیم" کے الفاظ دیکھنا چاہیں تو مُسْتَعَلِمٌ آپ کو "م" کی تختی میں اور تعلیم "ت" کی تختی میں مل

جائے گا۔ لیکن اگر آپ یہی الفاظ عربی زبان کی ڈکشنری میں دیکھیں گے تو نہ متعلم "م" کی تختی میں ملے گا اور نہ ہی تعلیم "ت" کی تختی میں۔ یہ دونوں ع - ل - م (علم) کے باب میں ملیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ عربی زبان کی لغت (ڈکشنری) میں الفاظ کی ترتیب ان کے حروف کی ترتیب کے مطابق ہو۔ یہ پہلی دشواری ہے جو عربی نہ جاننے والوں کی راہ میں عربی زبان کی ڈکشنری سے الفاظ کے معانی معلوم کرنے کی راہ میں جائل ہوتی ہے۔ لیکن اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ایسا کیوں ہے تو یہی دشواری ایک طرف بہ بتا دیگی کہ عربی زبان کس قدر سائنٹیفک ہے اور دوسری طرف یہ کہ اس کے الفاظ کے معانی معلوم (بلکہ متعین) کرنے کس قدر آسان اور دلچسپ ہیں۔

عربی زبان کا ہر لفظ الگ الگ مستقل حیثیت نہیں رکھتا بلکہ جس طرح درخت کھ شاخیں ہتے 'پھول' پھل اس کے بیج یا جڑ سے نکلے ہوتے ہیں اسی طرح اس زبان کا ہر لفظ اپنی ایک جڑ اور اصل رکھتا ہے جس سے وہ وجود پذیر ہوتا ہے۔

**مادہ** | اس جڑ یا اصل کو مادہ (Root) کہتے ہیں۔ عربی زبان میں ایک مادہ سے سینکڑوں الفاظ (اسماء - افعال - صیغے وغیرہ) بنتے ہیں۔ ان الفاظ کی شکلیں مختلف ہوں گی لیکن ان میں سے ہر ایک میں اس جڑ (مادہ) کی خصوصیت ضرور موجود ہوگی ' نیز یہ کہ یہ الفاظ اور ان کی مختلف شکلیں یونہی اندھا دھند نہیں بن جاتیں۔ یہ

خاص قاعدوں کے مطابق سائنٹیفک طریقے سے بنتی ہیں اور ہر شکل اپنا خاص مفہوم رکھتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر کسی لفظ کا مادہ معلوم ہو اور ان قاعدوں سے واقفیت ہو جن کے مطابق اس مادہ سے مختلف الفاظ خاص شکلیں لئے ہوئے ابھرتے ہیں تو مادہ کے معنی معلوم ہو جاتے ہیں۔ ان تمام الفاظ کے معانی خود بخود سامنے آ جائیں گے۔ یہ وجہ ہے کہ عربی زبان کی ڈکشنری میں مختلف الفاظ کو ان کے حروف کی ترتیب سے نہیں دیا جاتا بلکہ انہیں ان کے مادہ کے تحت دیا جاتا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ اگر کسی لفظ کا مادہ معلوم کرنا آ جائے تو اس سے نہ صرف اس خاص لفظ کے معانی معلوم ہو جائیں گے بلکہ اس "خاندان" (شجرہ درخت) کے تمام افراد سے تعارف ہو جائیگا اور ہم ان کے خط و خال کو دیکھتے ہی بتا دینگے کہ یہ کس اصل کی شاخیں ہیں۔

اب ہم ایک مثال سے بتاتے ہیں کہ مادہ (بالعموم) کس طرح معلوم کیا جاتا ہے۔ مندرجہ ذیل الفاظ ہماری روزمرہ کی بولی میں شامل ہیں:

مادہ معلوم کرنیکا  
طریقہ

(۱) معلوم (۲) معلومات (۳) عالم (۴) علماء (۵) علم (۶) معلّم (۷) متعلّم (۸) متعلمہ (۹) معلّمہ (۱۰) تعلیم (۱۱) علوم (۱۲) علم (۱۳) علمی (۱۴) علامت (۱۵) علمیت (۱۶) علامہ

یہ تمام الفاظ عربی زبان کے ہیں جنہیں ہم بے تکان اپنی زبان میں لکھتے پڑھتے اور بولتے ہیں۔ آپ ان الفاظ کی ساخت پر غور کیجئے۔ ایک یا ت نمایاں طور پر نظر آ جائیگی۔ یعنی کچھ حروف ایسے ہیں جو ان تمام الفاظ میں مشترک طور پر پائے جاتے ہیں۔ یہ حروف ہیں "ع۔ ل۔ م۔" ان کے علاوہ باقی حروف ایسے ہیں جو کسی ایک لفظ میں پائے جاتے ہیں لیکن دوسرے میں موجود نہیں ہیں۔ مثلاً عالم میں "الف" ہے جو تعلّم میں نہیں۔ متعلّم میں "ت" ہے جو معلوم میں نہیں۔

وہ حروف جو تمام الفاظ میں مشترک پائے جاتے ہیں ان الفاظ کا مادہ (اصلی حروف)

کہلاتے ہیں۔ اس اصول کے مطابق مندرجہ بالا سواہ الفاظ کا مادہ "ع - ل - م" (علم) ہے۔

ایک مادہ سے جو مختلف الفاظ بنائے جاتے ہیں وہ اس مادہ کے "مشتقات" ہیں۔

[نوٹ بعض اوقات ایک لفظ جس انداز سے لکھا ہوا ہمارے سامنے آتا ہے اس کے ساتھ مادہ کے اصلی حروف اور زائد حروف کے علاوہ اور حروف بھی ملتے ہوئے ہوتے ہیں۔ اصل لفظ جس کا مادہ معلوم کرنا ہو، ان حروف کو الگ کرنے سے سامنے آتا ہے۔ مثلاً فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ فِي كَيْفِي هے۔ باقی حروف (ف - س - ك - هُم) اس کے ساتھ ملتے ہوئے ہیں۔ ان حروف کو الگ کر کے يَكْفِي كَا مادہ معلوم کیا جائیگا۔ عربی زبان سے تھوڑی سی واقفیت ہو جانے سے باسانی معلوم ہو جاتا ہے کہ کسی لفظ میں اس قسم کے حروف کون کون سے ہیں۔ یہ حروف خاص مقصد کے لئے آتے ہیں۔]

عربی زبان کے حروف ہجا (Alphabet) حسب ذیل ہیں :

الف اور همزه کا فرق	ا ب ت ث ج ح خ د ذ ر ز س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ك ل م ن ه و ی -
------------------------	--

زیر نظر لغت میں الفاظ انہی حروف کی ترتیب سے سامنے آئیں گے۔ ان حروف میں صرف ایک چیز قابل ہورہے اور وہ ہے الف اور همزه کا فرق۔ الف یرزبر 'زیر' پیش کچھ نہیں ہوتا۔ جیسے قَالٌ میں ق کے بعد الف ہے لیکن اس پر کوئی حرکت نہیں اس کے برعکس اَكَلٌ میں الف یرزبر ہے اس لئے اسے الف نہیں بلکہ همزه کہیں گے۔ اسی طرح یَأْتِي میں الف ہر جزم ہے۔ یہ بھی همزه ہے الف نہیں۔

عربی زبان کے کسی لفظ کے مادہ میں الف کبھی نہیں آئیگا، همزه آئیگا۔ اگر کسی مادہ میں الف نظر آئے تو سمجھ لیجئے کہ اس جگہ درحقیقت اصلی حرف واو یا ی تھا۔ الف اس واو یا ی سے بدل کر آیا ہے۔ مثلاً قَامٌ میں مادہ ق - و - م ہے۔ گویا قَامٌ اصل میں، قَوْمٌ تھا۔ واو، الف سے بدل گیا ہے۔ اسی طرح بِأَعِ كَا مادہ ب - ی - ع ہے۔ ی، الف سے بدل گئی ہے۔

**حروفِ علت** | عربی حروفِ ہجا میں تین حروف (ا - و - ی) حروفِ علت (Vowel) کہلاتے ہیں اور باقی حروف صحیحہ یا حروفِ صحت (Consonant) - علت بیماری کو کہتے ہیں - جس لفظ میں ان حروف میں سے کوئی حرف آجائے اس کے مادہ کے معلوم کرنے میں کچھ پریشانی ہو جاتی ہے (روگ لگ جاتا ہے) - اس لئے کہ یہ حروف اس لفظ کو اس کی صحیح حالت اور پورے وزن پر نہیں رہنے دیتے - ان امور کی تفصیل میں جانے کی آپ کو ضرورت نہیں - یہاں صرف اس قدر سمجھ لینا کافی ہوگا کہ جس مادہ میں واو ہو اسے واوی اور جس مادہ میں ی ہو اسے یائی کہتے ہیں - ان مادوں کا فرق ظاہر کرنے اور حروفِ علت کی پریشان کن تبدیلیوں کو سامنے لانے کے لئے ہم آگے چل کر کچھ مثالیں پیش کریں گے جنہیں سمجھ لینے سے حروفِ علت والے مادوں کا معلوم کر لینا بھی چنداں دشوار نہیں رہیگا -

**مادہ اور اسکے مشتقات** | ہر مادہ سے معین اوزاف پر ' افعال (Verbs) اور اسماء (Nouns) بنائے جاتے ہیں (انہیں اس مادہ کے "مشتقات" کہتے ہیں) حروف (Particles) مادہ سے نہیں بنتے -

[ عربی زبان میں دیگر زبانوں کی طرح حروف بڑی اہمیت رکھتے ہیں ان کا تفصیلی بیان آگے چل کر آئیگا ]

مختلف مادوں سے حسب ذیل افعال اور اسماء بنتے ہیں :

(نوٹ - اصطلاحات کی تشریح آگے چل کر آئیگی)

افعال اور ان کے مختلف ابواب :

- (۱) فعل ماضی - معلوم و مجہول - مثبت و منفی وغیرہ (مع جملہ اقسام) -
- (۲) فعل مضارع - معلوم و مجہول - مثبت و منفی - لام تاکید اور نون تاکید (ثقیلہ و خفیفہ) کے ساتھ - وغیرہ -
- (۳) امر - حاضر و غائب وغیرہ -
- (۴) نہی - حاضر و غائب -

## افعال

**فعل ماضی** | گزرے ہوئے زمانے کو ماضی کہتے ہیں۔ لہذا جو کام گذرے ہوئے زمانہ میں ہوا ہو یا کیا گیا ہو وہ ”فعل ماضی“ کہلاتا ہے۔ انگریزی گرامر میں اسے (Past Tense) کہتے ہیں۔

**فعل مضارع** | موجودہ زمانہ کو حال (Present) اور آنے والے کو مستقبل (Future) کہتے ہیں۔ عربی زبان میں ان دونوں زمانوں (یعنی حال و مستقبل) کے لئے ایک فعل استعمال ہوتا ہے جسے ”فعل مضارع“ کہتے ہیں۔ انگریزی میں اسے (Aorist Tense) کہا جاتا ہے۔

**فعل مثبت اور منفی** | جس فعل میں کسی کام کے کرنے کا ذکر ہو وہ فعل مثبت (Affirmative) کہلاتا ہے۔ جس فعل میں نہ کرنے کا ذکر ہو وہ فعل منفی (Negative)۔ فعل ماضی کو منفی بنانے کے لئے اس کے شروع میں ما بڑھا دیتے ہیں اور فعل مضارع کے شروع میں لا۔

**فعل کی ضمیریں** | عربی زبان میں فعل کے ہر صیغے میں ایک ضمیر (Pronoun) ہوتی ہے۔ مثلاً کَتَبَ کے معنی صرف ”لکھا“ نہیں بلکہ ”اس (مذکر) نے لکھا“۔ اسی طرح ”اُكْتُبْ“ کے معنی ہیں ”میں لکھتا ہوں“۔  
ضائر (Pronoun) کی تین قسمیں ہیں۔ غائب کی ضمیر (Third Person)۔ مخاطب کی ضمیر (Second Person)۔ اور متکلم کی ضمیر (First Person)۔ جس فعل میں غائب کی ضمیر ہوگی وہ ”غائب“ کہلائیگا۔ جس میں مخاطب کی ضمیر ہوگی وہ ”مخاطب“ اور جس میں متکلم کی ضمیر ہوگی وہ ”متکلم“۔

**مذکر و مؤنث** | عربی زبان میں مذکر (Masculine) اور مؤنث (Feminine) کے افعال (Verb) کے لئے بھی الگ الگ شکلیں ہوتی ہیں۔ مثلاً کَتَبَ - اس (مذکر) نے لکھا۔ کَتَبَتْ - اس (مؤنث) نے لکھا۔ یا ذَهَبَ - اس (مذکر) نے لکھا اور ذَهَبَتْ - اس (مؤنث) نے لکھا۔



واحد - تثنیہ - جمع | اردو زبان میں ایک کو واحد (Singular) اور ایک سے

زیادہ کو جمع (Plural) کہتے ہیں۔ لیکن عربی زبان میں

”دو“ کے لئے الگ صیغہ استعمال ہوتا ہے۔ اسے تَثْنِيَّةٌ یا مُشْتَبِهٌ (Dual) کہتے

ہیں۔ مثلاً كَتَبَ : اس ایک (مذکر) نے لکھا۔ كَتَبَا : ان دو (مذکروں) نے لکھا۔

اور كَتَبُوا : ان دو سے زیادہ یا سب (مذکروں) نے لکھا۔

آپ نے دیکھا کہ عربی زبان میں محض صیغہ بدل دینے سے کیا کیا فرق پڑ جاتا

ہے۔ اس اعتبار سے یہ زبان بڑی جامع ہے۔

فعل معلوم و مجہول | فعل (Verb) کی ابھی ایک اور قسم باقی ہے اور وہ ہے معلوم

و مجہول۔ فعل معلوم (Active) وہ ہے جس میں فاعل

(یعنی کام کرنے والا) معلوم ہو۔ مثلاً قَتَلَ کے معنی ہیں ”اس نے قتل کیا“۔ اس میں

معلوم ہے کہ قتل کرنے والا کون ہے۔ لیکن جب کہا جا۔ ”قُتِلَ“ (وہ قتل کیا گیا)

تو اس میں یہ معلوم نہیں کہ قاتل کون ہے۔ اول الذکر کو فعل معلوم یا

فعل معروف کہتے ہیں اور ثانی الذکر کو فعل مجہول (Passive)۔ آگے چل کر ہم

بتائیں گے کہ فعل معروف سے فعل مجہول بنتا کس طرح ہے۔

فعل کے متعلق یہ تفصیل معلوم ہو جانے کے بعد اب آپ فعل کے وزن اور صیغے دیکھئے۔

## فعل ماضی کے صیغے (گردان یا شکلیں)

فعل ماضی معلوم (مثبت)

غائب	مذکر	واحد	وہ گیا	ذَهَبَ
		مثنیٰ	وہ دو گئے	ذَهَبَا
		جمع	وہ سب گئے	ذَهَبُوا
	مؤنث	واحد	وہ گئی	ذَهَبَتْ
		مثنیٰ	وہ دو گئیں	ذَهَبْتَا
		جمع	وہ سب گئیں	ذَهَبْنَ
حاضر	مذکر	واحد	تو گیا	ذَهَبْتَ
		مثنیٰ	تم دو گئے	ذَهَبْتُمَا
		جمع	تم سب گئے	ذَهَبْتُمْ
	مؤنث	واحد	تو گئی	ذَهَبْتِ
		مثنیٰ	تم دو گئیں	ذَهَبْتُمَا
		جمع	تم سب گئیں	ذَهَبْتُنَّ
متکلم	مذکر و مؤنث	واحد	میں گیا یا میں گئی	ذَهَبْتُ
		مثنیٰ و جمع	ہم دو یا ہم سب گئے ہم دو یا ہم سب گئیں	ذَهَبْنَا

نوٹ - فعل ماضی منفی بنانے کے لئے شروع میں "مَا" بڑھا دیئے۔ مثلاً

مَا ذَهَبَ : وہ نہیں گیا۔

## فعل ماضی مجہول (مثبت)

فعل ماضی مجہول بنانے کے لئے پہلے حرف پر پیش اور دوسرے حرف

پر زبر ہو جاتا ہے۔

غائب	مذکر	واحد	وہ قتل کیا گیا	قُتِلَ
		مثنیٰ	وہ دو قتل کئے گئے	قُتِلَا
		جمع	وہ سب قتل کئے گئے	قُتِلُوا
	مؤنث	واحد	وہ قتل کی گئی	قُتِلَتْ
		مثنیٰ	وہ دو قتل کی گئیں	قُتِلَتَا
		جمع	وہ سب قتل کی گئیں	قُتِلْنَ
حاضر	مذکر	واحد	تو قتل کیا گیا	قُتِلْتُ
		مثنیٰ	تم دو قتل کئے گئے	قُتِلْتُمَا
		جمع	تم سب قتل کئے گئے	قُتِلْتُمْ
	مؤنث	واحد	تو قتل کی گئی	قُتِلْتِ
		مثنیٰ	تم دو قتل کی گئیں	قُتِلْتُمَا
		جمع	تم سب قتل کی گئیں	قُتِلْتُنَّ
مستکلم	مذکر و مؤنث	واحد	میں قتل کیا گیا، میں قتل کی گئی	قُتِلْتُ
		مثنیٰ و جمع	ہم دو یا ہم سب قتل کئے گئے ہم دو یا ہم سب قتل کی گئیں	قُتِلْنَا

نوٹ - مثنیٰ ماضی مجہول بنانے کے لئے "مَا"، بڑھا دیجئے۔ جیسے مَا قُتِلَ :

وہ قتل نہیں کیا گیا۔

## فعل مضارع (حال و استقبال) معلوم - مثبت

غائب	مذکر	واحد	وہ جانتا ہے یا جانے گا	يَعْلَمُ
		مثنیٰ	وہ دو جانتے ہیں یا جانیں گے۔	يَعْلَمَانِ
		جمع	وہ سب جانتے ہیں یا جانیں گے۔	يَعْلَمُونَ
	مؤنث	واحد	وہ جانتی ہے یا جانے گی	تَعْلَمُ
		مثنیٰ	وہ دو جانتی ہیں یا جانیں گی	تَعْلَمَانِ
		جمع	وہ سب جانتی ہیں یا جانیں گی	يَعْلَمْنَ
حاضر	مذکر	واحد	تو جانتا ہے یا جانے گا	تَعْلَمُ
		مثنیٰ	تم دو جانتے ہو یا جانو گے	تَعْلَمَانِ
		جمع	تم سب جانتے ہو یا جانو گے	تَعْلَمُونَ
	مؤنث	واحد	تو جانتی ہے یا جانے گی	تَعْلَمِينَ
		مثنیٰ	تم دو جانتی ہو یا جانو گی	تَعْلَمَانِ
		جمع	تم سب جانتی ہو یا جانو گی	تَعْلَمْنَ
متکلم	مذکر و مؤنث	واحد	میں جانتا ہوں یا جانوں گا میں جانتی ہوں یا جانوں گی	أَعْلَمُ
		مثنیٰ و جمع	ہم دو یا ہم سب جانتے ہیں یا جانیں گے ہم دو یا ہم سب جانتی ہیں یا جانیں گی	نَعْلَمُ

نوٹ - فعل مضارع منفی بنانے کے لئے شروع میں دو لا، بڑھا دیا جاتا ہے۔

مثلاً دو لا يَعْلَمُ : وہ نہیں جانتا ہے یا نہیں جانے گا،

## فعل مضارع مجہول - مثبت

فعل مجہول بنانے کے لیے پہلے حرف پر پیش اور تیسرے پر زبر لگایا جاتا ہے

غائب	مذکر	واحد	وہ قتل کیا جاتا ہے یا قتل کیا جائیگا	یَقْتُلُ
		مثنیٰ	وہ دو قتل کئے جاتے ہیں یا قتل کئے جائیں گے	یَقْتُلَانِ
		جمع	وہ سب قتل کئے جاتے ہیں یا قتل کئے جائیں گے	یَقْتُلُونَ
	مؤنث	واحد	وہ قتل کی جاتی ہے یا قتل کی جائیگی	تَقْتُلُ
		مثنیٰ	وہ دونوں قتل کی جاتی ہیں یا قتل کی جائیں گی	تَقْتُلَانِ
		جمع	وہ سب قتل کی جاتی ہیں یا قتل کی جائیں گی	یَقْتُلْنَ
حاضر	مذکر	واحد	تو قتل کیا جاتا ہے یا قتل کیا جائے گا	تَقْتُلُ
		مثنیٰ	تم دو قتل کئے جاتے ہو یا قتل کئے جاؤ گے	تَقْتُلَانِ
		جمع	تم سب قتل کئے جاتے ہو یا قتل کئے جاؤ گے	تَقْتُلُونَ
	مؤنث	واحد	تو قتل کی جاتی ہے یا قتل کی جائے گی	تَقْتُلِينَ
		مثنیٰ	تم دو قتل کی جاتی ہو یا قتل کی جاؤ گی	تَقْتُلَانِ
		جمع	تم سب قتل کی جاتی ہو یا قتل کی جاؤ گی	تَقْتُلْنَ
مشکل	مذکر و مؤنث	واحد	میں قتل کیا جاتا ہوں یا قتل کیا جاؤنگا میں قتل کی جاتی ہوں یا قتل کی جاؤنگی	أَقْتُلُ
		مثنیٰ و جمع	ہم دو یا ہم سب قتل کئے جاتے ہیں یا قتل کئے جائیں گے ہم دو یا ہم سب قتل کی جاتی ہیں یا قتل کی جائیں گی	نَقْتُلُ

نوٹ - منفی بنانے کے لئے شروع میں "لا" بڑھا دیا جاتا ہے۔ جیسے

لا یَقْتُلُ : وہ قتل نہیں کیا جاتا ہے یا قتل نہیں کیا جائے گا،

## بعض تغیرات

فعل ماضی اور فعل مضارع کے جو اوزان پیچھے دئے گئے ہیں (وہ ثلاثی مجرد کے ہیں) ان کے مطابق ہر فعل سے اتنی ہی شکلیں بنائی

جا سکتی ہیں۔ فعل معلوم (معروف) میں ماضی کے درمیانی یعنی دوسرے حرف پر الگ الگ حرکت (زبر، زیر، پیش) ہوتی ہے۔ مثلاً فعل ماضی عَلِمَ میں ل پر زیر ہے لیکن تَقَدَّلَ میں قی پر پیش ہے اور ذَهَبَ میں ہ پر زیر ہے۔ اسی طرح مضارع معروف میں بھی تیسرے حرف پر مختلف حرکات ہوتی ہیں، مثلاً يَعْلَمُ میں ل پر زیر ہے، يَنْصُرُ میں ص پر پیش ہے اور يَكْذِبُ میں ذ پر زیر ہے۔ ان درمیانی حروف کی حرکتوں کے اختلاف کے متعلق تفصیل سے اگلے باب میں لکھا جائے گا جہاں بتایا جائے گا کہ "ابواب اور ان کے خواص" کیا ہیں۔

یہ تو رہا درمیانی حرف کی حرکتوں کا بیان۔ فعل ماضی کے صیغوں کے آخر میں کوئی تغیر نہیں ہوتا لیکن فعل مضارع کے شروع میں بعض حروف کے آجانے سے اس کے صیغوں کے آخر میں کچھ تغیر ہو جاتا ہے۔ مثلاً اِنَّ - لَمَّ - لَمَّا۔ لام امر - لاء نہیں، میں سے جب کوئی حرف مضارع سے پہلے آجائے تو:

۱۔ مضارع کے جن صیغوں کے آخر میں ن نہیں ہوتا ان کے آخری حرف پر جزم آجاتا ہے۔ مثلاً يَعْلَمُ - تَعْلَمُ - اَعْلَمُ - تَعْلَمُ سے لَمَّ يَعْلَمُ - لَمَّ تَعْلَمُ - لَمَّ اَعْلَمُ - لَمَّ تَعْلَمُ۔

۲۔ جمع مؤنث کے صیغوں کو چھوڑ کر (جو اپنی حالت پر رہتے ہیں) باقی جن صیغوں کے آخر میں ن ہے وہ اڑ جاتا ہے۔ مثلاً:

يَعْلَمَانِ - يَعْلَمُونَ - تَعْلَمَانِ - تَعْلَمُونَ - لَمَّ يَعْلَمَانِ - لَمَّ تَعْلَمَانِ - لَمَّ يَعْلَمُونَ - لَمَّ تَعْلَمُونَ - لَمَّ اَعْلَمَانِ - لَمَّ تَعْلَمَانِ - لَمَّ اَعْلَمُونَ - لَمَّ تَعْلَمُونَ۔

جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے جمع مؤنث کے دو صیغوں کے ن ہر حال میں باقی

رہتے ہیں۔ مثلاً لَمَّ يَعْلَمَنَّ - لَمَّ تَعْلَمَنَّ -

۳۔ اسی طرح بعض حروف مضارع کے شروع میں آتے ہیں تو وہ مضارع کے ان صیغوں کے آخری حرف پر زبر لگا دیتے ہیں جن کے آخر میں ن نہیں ہوتا اور جن کے آخر میں ن ہوتا ہے ان میں وہی تغیر پیدا کرتے ہیں جو لَمَّ اور لَمَّا وغیرہ کرتے ہیں۔ وہ حروف یہ ہیں :

أَنَّ - لَنْ - كَى - لَكَى -

مثلاً يَعْلَمُ - تَعْلَمُ - اَعْلَمُ - نَعْلَمُ سے أَنَّ يَعْلَمُ - لَنْ تَعْلَمُ

لَكَى اَعْلَمُ -

اور يَعْلَمَانِ سے لَنْ يَعْلَمَا - يَعْلَمُونَ سے أَنَّ يَعْلَمُوا

وغیرہ۔ جمع مؤنث کے دو صیغوں کے آخری ن ہر حال میں باقی رہتے ہیں۔ مثلاً لَنْ يَعْلَمَنَّ - لَنْ تَعْلَمَنَّ -

۴۔ مضارع کے شروع میں لام ٹاکید اور آخر میں نون ٹاکید کے آنے سے بھی

مضارع میں بعض تغیرات پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً لَا يَحِطُّمُ کے آخر میں نون ٹاکید بڑھایا

جانے تو وہ لَا يَحِطَّمَنَّ ہو جانے گا۔ یعنی م کا پیش زبر سے بدل جائے گا۔ اسی طرح

أَحْتَسِنُ کے پہلے لام ٹاکید اور آخر میں نون ٹاکید بڑھانے سے لَا حَتْسِنَنَّ ہو گیا۔

یعنی كُ کا پیش زبر سے بدل گیا۔ (بفرض اختصار انہی مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے)۔

اب امر اور نہی کے صیغوں کو لیجئے۔

## امر کے صیغے (IMPERATIVE)

سذكر	واحد	تو جا	اَذْهَبْ
	مثنیٰ	تم دو جاؤ	اَذْهَبَا
	جمع	تم سب جاؤ	اَذْهَبُوا
مؤنث	واحد	تو جا	اَذْهَبِي
	مثنیٰ	تم دو جاؤ	اَذْهَبَا
	جمع	تم سب جاؤ	اَذْهَبْنَ

چونکہ امر (حکم) زیادہ تر سامنے والے شخص (مخاطب) کو دیا جاتا ہے اس لئے حاضر کے صیغوں سے امر کی شکلیں بنتی ہیں۔ علاوہ ازیں غائب اور متکلم کے صیغوں سے بھی امر آتا ہے۔ مثلاً لِيَفْعَلْ : اسے کرنا چاہئے یا وہ کرے۔

## نہی کے صیغے (PROHIBITIVE IMPERATIVE)

سذكر	واحد	تو مت جا	لَا تَذْهَبْ
	مثنیٰ	تم دو مت جاؤ	لَا تَذْهَبَا
	جمع	تم سب مت جاؤ	لَا تَذْهَبُوا
مؤنث	واحد	تو مت جا	لَا تَذْهَبِي
	مثنیٰ	تم دونوں مت جاؤ	لَا تَذْهَبَا
	جمع	تم سب مت جاؤ	لَا تَذْهَبْنَ

نہی کے صیغے بھی امر کی طرح حاضر کے لئے زیادہ استعمال ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں



غائب اور متکلم سے بھی نہیں کے صیغے مستعمل ہیں۔ مثلاً **لَا يَعْلَمُ** : وہ نہ جانے ،  
اسے نہیں جانتا چاہئے ،،۔ **لَا يُشْرِكُ** : وہ شرک نہ کرے ، اسے شرک نہیں کرنا  
چاہئے ،،۔ **لَا يَغْتَسِبُ** : وہ غیبت نہ کرے ، اسے غیبت نہیں کرنا چاہئے ،،۔

### اسم (NOUN)

یوں تو عربی زبان میں نام کو اسم کہتے ہیں لیکن اس میں اسم کا مفہوم بہت  
وسیع ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں عربی زبان کے تمام الفاظ صرف تین شکلوں میں  
تقسیم ہوتے ہیں۔ (۱) اسم (۲) فعل (۳) حرف۔ لہذا عربی زبان میں جو لفظ بھی فعل  
یا حرف نہیں ہوگا وہ اسم ہوگا۔

مختلف مادوں سے جو فعل بنتے ہیں وہ پہلے لکھے جا چکے ہیں۔

اسم کی متفرق  
شکلیں

جس طرح (سابقہ صفحات میں) افعال (ماضی۔ مضارع۔ امر۔  
نہی) کے اوزان اور ان کی مختلف شکلیں آپ کے سامنے آئی ہیں  
اسی طرح اسماء کے بھی متفرق اوزان اور مختلف شکلیں ہوتی

ہیں۔ مثلاً **مُشْرِكٌ** کے معنی ہیں شرک کرنے والا۔ لیکن آپ کہیں **مُشْرِكٌ** دیکھیں گے

کہیں **مُشْرِكَةٌ**۔ کہیں **مُشْرِكُونَ** اور کہیں **مُشْرِكِينَ** وغیرہ وغیرہ۔

لفظ **مُشْرِكٌ** میں یہ تبدیلیاں خاص مفہوم رکھتی ہیں۔ **مُشْرِكٌ** کے معنی ایک

(مذکر) مشرک۔ **مُشْرِكُونَ** اور **مُشْرِكِينَ** کے معنی ہیں بہت سے مشرک مرد۔

**مُشْرِكَةٌ** : ایک مشرک عورت۔ **مُشْرِكَاتٌ** : بہت سی مشرک عورتیں۔

نوٹ : ہم نے اوپر لکھا ہے کہ **مُشْرِكٌ** کی جمع **مُشْرِكُونَ** اور **مُشْرِكِينَ**

(دونوں) آتی ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ جہاں آپ کا جی چاہے **مُشْرِكُونَ**

کہہ دیں اور جہاں جی چاہے **مُشْرِكِينَ**۔ اس کے لئے خاص قاعدے مقرر ہیں، لیکن

چونکہ ان قواعد کا تعلق نحو سے ہے اور ان کا بیان بہت طویل طویل ' اس لئے ہم اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہئے۔ مقصد پیش نظر کے لئے اتنا کہہ دینا ہی کافی ہوگا کہ بعض حالتوں میں مُشَرِّکُونَ آتا ہے اور بعض میں مُشَرِّکِينَ۔

اس سے ظاہر ہے کہ اسم کی بھی مختلف شکلیں ہوتی ہیں۔ ان شکلوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، مذکر (نر) کو کہتے ہیں مَذْکَرٌ وَ مُؤنثٌ اور مؤنث (مادہ) کو۔ اکثر مذکر نام ایسے ہوتے ہیں جن کا مؤنث نہیں ہوتا۔ مثلاً (ہاری زبان میں) دریا۔ سمندر۔ آسمان۔ مذکر بولے جانے میں لیکن ان کا مؤنث کوئی نہیں ہوتا، ان کے برخلاف بہت سے مذکر نام ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے مقابلہ میں ان کا مؤنث بھی ہوتا ہے۔ مثلاً دھوئی کے مقابلہ میں دھوین۔ عربی زبان میں مذکر نام کو مؤنث بنانے کے لئے کچھ قاعدے مقرر ہیں۔ مثلاً:

(۱) مذکر اسم کے آخر میں ة (گولت) کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً عَالِمٌ (جانتے والا) عَالِمَةٌ (جانتے والی)۔

(یاد رکھئے۔ گولت (ة) زائد حروف میں ہوتی ہے، مادہ کے اصلی حروف میں نہیں ہوتی)۔

(۲) جو مذکر اسم اَفْعَلٌ کے وزن پر ہو اس کا مؤنث کبھی فُعَلٌ کے وزن پر اور کبھی فَعْلَاءٌ کے وزن پر آتا ہے۔ جیسے أَصْفَرٌ (جو أَفْعَلٌ کے وزن پر ہے) کا مؤنث صُفْرَى آئیگا (جو فُعَلٌ کے وزن پر ہے)۔ آخرُ بَرُوزِنُ اَفْعَلٌ کا مؤنث اُخْرَى (بروزن فُعَلٌ) ہوگا (۱) اور اَصْفَرٌ (بروزن اَفْعَلٌ) کا مؤنث صَفْرَاءُ (بروزن فَعْلَاءٌ) آئیگا۔

(۱) اَدْنَى کا مؤنث دُنْيَا بھی اسی قاعدے کے مطابق ہے۔

ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ عربی زبان میں ایک کے لئے واحد، دو کے لئے تثنیہ یا مثنیٰ اور دو سے زیادہ کے لئے جمع آتی ہے۔

واحد اسم کو تثنیہ بنانے کا قاعدہ یہ ہے کہ اس کے آخر میں ”ان“ یا ”ین“ بڑھا دیا جائے۔ ان اور ین سے پہلے جو حرف ہو اس پر زبر رکھنا اور آخری نون پر ہمیشہ زیر، مثلاً:

عَیْنٌ اِحَدٌ اَنکھ - سے تثنیہ - عَیْنَانِ یا عَیْنَیْنِ (دو آنکھیں) - یَدٌ اِحَدٌ اِحَدٌ اَیْکَ ہاتھ سے تثنیہ - یَدَانِ یا یَدَیْنِ (دو ہاتھ) - عَالِمَةٌ اِحَدٌ اِحَدٌ اِیْکَ جانتے والی عورت سے تثنیہ - عَالِمَتَانِ یا عَالِمَتَیْنِ (دو جانتے والی عورتیں)۔

مرکب اضافی (Possessive Construction) میں جب مضاف (Adjunct) تثنیہ ہو تو اس کا آخری نون اڑ جاتا ہے۔ مثلاً تَبَّتْ یَدَا اَبِی لَهَبٍ میں یَدَا درحقیقت یَدَانِ (تثنیہ) تھا لیکن چونکہ یہ مضاف تھا اس لیے اس کا نون اڑ گیا اور یَدَانِ کی جگہ صرف یَدَا رہ گیا۔ اسی طرح اَخْلَعَ نَعْلَیْکَ میں نَعْلَیْ مضاف ہے اس لئے اس کا نون اڑ گیا اور نَعْلَیْنِ کے بجائے صرف نَعْلَیْ رہ گیا۔

عربی زبان میں جمع کی دو بڑی قسمیں ہیں۔ جمع سالم (Sound Plural) اور جمع مُکَسَّرٌ (Broken Plural)۔ جمع سالم اسے کہتے ہیں جس میں واحد کی شکل اسی طرح صحیح و سالم باقی رہے اور مُکَسَّرٌ میں واحد کی شکل بدل جاتی یا اس کے حروف کی ترتیب ٹوٹ جاتی ہے۔ مثلاً عَالِمٌ (واحد) سے عَالِمُونَ جمع سالم ہے اور کِتَابٌ کی جمع کُتُبٌ جمع مُکَسَّرٌ ہے۔ اس میں لفظ کِتَابٌ (واحد) اپنی اصلی شکل پر نہیں رہا۔

جمع مذکور سالم بنانے کا قاعدہ یہ ہے کہ واحد کے آخر میں ”ون“ یا ”ین“ لگا

دیا جائے اور و سے پہلے حرف ہر نیش اور ی سے پہلے حرف پر زبر دیدیا جائے۔ (آخری نون پر ہمیشہ زبر رہیگا) مثلاً۔

عَالِمٌ سے جمع مذکر سالم - عَالِمُونَ یا عَالِمِينَ آئیگا۔

جمع مؤنث سالم بنانے کے لئے واحد کے آخر میں ات کا اضافہ کر دیا جائے، مثلاً۔

عَالِمٌ سے جمع مؤنث سالم عَالِمَاتٌ آئیگا۔

(ت کہہاں آئیگا اور ت کہہاں۔ اس کا تعلق نحو کے قاعدوں سے ہے)۔

وہ جمع جس میں واحد جوں کا توں نہیں رہتا بلکہ اس میں

### جمع مکسر

کچھ تبدیلی آجاتی ہے "جمع مکسر" کہلاتی ہے۔ مثلاً

کِتَابٌ کی جمع کُتُبٌ - رَسُولٌ کی جمع رُسُلٌ - قَلَمٌ کی جمع اَقْلَامٌ - رَجُلٌ کی جمع رِجَالٌ۔

اس جمع کے بہت سے اوزان ہیں اور مختلف وزنوں پر آنے والے اسموں کی مختلف وزنوں پر جمع بنائی جاتی ہے۔ یہاں چند کثیر الاستعمال جمعوں کے اوزان مع امثلہ درج کئے جاتے ہیں:

(۱) اَفْعَالٌ (کے وزن پر)۔ جیسے قَلَمٌ کی جمع اَقْلَامٌ اور رَبٌّ کی جمع اَرْبَابٌ۔

(۲) اَفْعَالٌ (کے وزن پر)۔ جیسے رَجُلٌ کی جمع اَرْجُلٌ اور نَفْسٌ کی جمع اَنْفُسٌ۔

(۳) اَفْعَلَةٌ (کے وزن پر)۔ جیسے لِسَانٌ کی جمع اَلْسِنَةُ۔

(۴) فِعْلَةٌ (کے وزن پر)۔ جیسے قَتْلٌ کی جمع فِئْتِمَةٌ۔

- (۵) فَعْلٌ (کے وزن پر) - جیسے صَوْرَةٌ کی جمع صَوْرٌ -
- (۶) فُعُولٌ (کے وزن پر) - جیسے بَيْتٌ کی جمع بَيْتٌ -
- (۷) فَعَلٌ (کے وزن پر) - جیسے قِطْعَةٌ کی جمع قِطْعٌ -
- (۸) فَعَالٌ (کے وزن پر) - جیسے ثَوْبٌ کی جمع ثِيَابٌ -
- (۹) فَعْلٌ (کے وزن پر) - جیسے أَحْوَرٌ کی جمع حَوْرٌ -
- (۱۰) فُعُولٌ (کے وزن پر) - جیسے كِتَابٌ کی جمع كُتُبٌ -
- (۱۱) فَعْمَلِيٌّ (کے وزن پر) - جیسے مَرِيضٌ کی جمع مَرَضِيٌّ -
- (۱۲) فَعْلَةٌ (کے وزن پر) - جیسے كَافِرٌ کی جمع كَافِرَةٌ -
- (۱۳) فُعُولٌ (کے وزن پر) - جیسے رَاكِعٌ کی جمع رُكْعٌ -
- (۱۴) فُعَلَاءٌ (کے وزن پر) - جیسے سَفِيهَةٌ کی جمع سَفَاهَاءٌ -
- (۱۵) أَفْعَالٌ (کے وزن پر) - جیسے غَنِيٌّ کی جمع أَغْنِيَاءٌ -
- (۱۶) فَعَالِلٌ (کے وزن پر) - جیسے نَمْرُقٌ کی جمع نَمَارِقٌ -
- (۱۷) فَعَائِلٌ (کے وزن پر) - جیسے أَرِيكَةٌ کی جمع أَرَائِكٌ -
- (۱۸) فَوَاعِلٌ (کے وزن پر) - جیسے كَاعِبٌ کی جمع كَوَاعِبٌ -
- (۱۹) أَفْعَالٌ (کے وزن پر) - جیسے اصْبِعٌ کی جمع اصْبَاعٌ -
- (۲۰) أَفْعَائِلٌ (کے وزن پر) - جیسے اسْطُورَةٌ کی جمع اسْطَائِرٌ -
- (۲۱) فَعَالِيْلٌ (کے وزن پر) - جیسے قِرْطَاسٌ کی جمع قِرَاطِيْسٌ -

(۲۲) مَفَا عِلُّ (کے وزن پر) - جیسے مَسْجِدٌ کی جمع مَسَاجِدٌ۔

(۲۳) مَفَا عَيْلٌ (کے وزن پر) - جیسے مَسْكِينٌ کی جمع مَسَاكِينٌ۔

انگریزی زبان کے ان دو فقروں پر غور کیجئے :

1. On my way to Lahore I saw a house.
2. The house was an old one.

نکرہ اور معرفہ

عربی : (۱) رَأَيْتُ فِي طَرِيقِي إِلَى لَاهُورِ بَيْتًا۔

(۲) وَكَانَ الْبَيْتُ قَدِيمًا جَدًّا۔

اردو ترجمہ : (۱) لاہور جاتے وقت میں نے ایک مکان دیکھا۔  
(۲) وہ مکان بہت پرانا تھا۔

پہلے فقرہ میں لفظ لاہور ایک شہر کا نام ہے ' اسے (Proper Noun) یا اسم معرفہ کہتے ہیں۔ عربی زبان میں بھی ایسے اسماء کو معرفہ ہی کہتے ہیں۔ اس سے آگے (بیتًا = A house) ہے۔ یعنی ایک مکان ' اسے (Common Noun) یا اسم نکرہ کہتے ہیں۔ عربی میں بھی اسے اسم نکرہ ہی کہتے ہیں۔

اگلے فقرہ میں الْبَيْتُ = The house کے معنی "کوئی مکان" نہیں بلکہ اس سے مطلب وہی مکان ہے جس کا ذکر پہلے فقرہ میں آچکا ہے۔ یعنی اب یہ لفظ (house) نکرہ یا (Common Noun) نہیں رہا بلکہ معرفہ (Proper Noun) بن گیا۔

گویا اسم معرفہ دو قسم کا ہوا۔ ایک تو وہ جو پہلے ہی معرفہ ہو۔ جیسے لاہور۔ زید وغیرہ اور ایک وہ جسے معرفہ بنا لیا جائے۔

عربی زبان میں اسم نکرہ ہر تنوین آتی ہے۔ تنوین دو زہر۔ دو زہر۔ دو پیش کو کہتے ہیں۔ انہیں تنوین اس لئے کہا جاتا ہے کہ جس حرف پر تنوین ہو اس کے آخر میں نون کی آواز نکلتی ہے۔ جیسے نَسْلًا، رَجُلٌ، قَلَمٌ۔

اسے سمجھ رکھئے کہ یہ ضروری نہیں کہ جس اسم پر تنوین ہو وہ ضرور نکرہ

ہی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں آپ دیکھیں گے کہ نوحؑ - لوطؑ - محمدؐ (علیہم السلام) جیسے انبیاء کرام کے اسماء پر تنوین ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ جو اسم نکرہ ہو اس پر تنوین ہو۔

نکرہ سے معرفہ بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ نکرہ سے پہلے اَل لگا دیا جائے۔ مثلاً بَيْت کے معنی ہیں کوئی گھر (A house) اور الْبَيْت کے معنی ہیں وہ خاص گھر (The house)۔ گویا عربی زبان کا اَل وہی کام کرتا ہے جو انگریزی زبان کا (Definite Article, The) کرتا ہے۔ جس اسم سے پہلے اَل آجائے اس پر تنوین نہیں آتی۔ اسم کے متعلق مذکورہ تفصیلات کے بعد اب ان مختلف اسماء کو دیکھنے جو مادہ سے مشتق ہوئے ہیں۔

۱۔ مصدر | اردو میں مصدر (مثلاً مارنا) سے افعال بنتے ہیں (اس نے مارا۔ وہ مارتا ہے۔ وہ مارے گا۔ تو مارا، وغیرہ) لیکن عربی زبان میں افعال 'مصدر اور جملہ اسماء وغیرہ دو حقیقت مادہ سے بنتے ہیں۔ مثلاً ضرب (ضرب) مادہ ہے۔ اس سے ضَرَبَ فعل ماضی بنا جس کے معنی ہیں "اس نے مارا"۔ اور الضَّرْبُ مصدر ہے جس کے معنی ہیں "مارنا۔ مار۔ چوٹ"۔ ثلاثی مجرد کے مصادر کے اوزان تو غیر معین ہیں لیکن ثلاثی مزید فیہ اور رباعی کے مصادر ان کے ابواب کے مطابق معینہ اوزان پر بنائے جاتے ہیں ۱

ثلاثی مجرد کے مصادر کے چند اہم اوزان درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

(۱) اگر فعل کسی فن یا پیشہ سے متعلق ہو تو اس کا مصدر "فِعَالَةٌ"،

کے وزن پر آتا ہے۔ مثلاً كِتَابَةٌ (کتابت)۔ تِجَارَةٌ (تجارت)۔ قِرَاءَةٌ (پڑھنا)۔

(۱) ثلاثی مجرد۔ ثلاثی مزید فیہ، رباعی وغیرہ اصطلاحات یہاں پہلی مرتبہ آئی ہیں۔ ان کی تفصیل کے لیے آئندہ باب دیکھنے جس میں "ابواب اور ان کے خواص" کا ذکر ہے۔

(۲) فَعَلَ وزن کی ماضی اگر لازم ہو تو اس کا مصدر فَعَّلَ کے وزن پر

آئیگا۔ جیسے غَضِبَ سے مصدر غَضِبَ - فَرِحَ سے مصدر فَرِحَ -

(۳) فَعَّلَ وزن کی ماضی اگر لازم ہو تو اس کا مصدر فَعْعَلُ کے وزن پر

آئیگا۔ جیسے قَعَدَ سے مصدر قَعَدَ - خَرَجَ سے مصدر خَرَجَ -

(۴) فَعِلَ اور فَعَّلَ کے وزنوں پر ماضی اگر متعدی ہو تو اس کا مصدر

فَعَّلَ کے وزن پر آتا ہے۔ جیسے سَمِعَ سے مصدر سَمِعَ اور نَصَرَ سے

مصدر نَصَرَ -

ہم نے یہ اوزان بطور مثال دیدئے ہیں ورنہ ثلاثی مجرد کے مصادر کے اور بھی

بہت سے اوزان ہیں۔

۲۔ مصدر میمی | مصدر کی ایک قسم مَفْعَلُ کے وزن پر آتی ہے اور وہ

مصدر میمی کہلاتی ہے۔ مثلاً شَرِبَ فعل سے مَشْرَبٌ مصدر میمی ہے اور یہی وزن اسم

ظرف کا بھی ہے۔

۳۔ اسم مَرَّة | کسی کام کو ایک بار کرنے کے لئے ہر فعل سے فَعْلَانَةٌ کے وزن

پر "اسم مَرَّة" بنا لیا جاتا ہے۔ مثلاً سَكَّرَةٌ (ایک بار مدھوش ہونا) - نَظْرَةٌ

(ایک بار دیکھنا)۔

۴۔ اسم نوع | کسی کام کی وضع ہیئت۔ ڈھنگ بتانے کے لئے اس فعل سے فَعْلَانَةٌ

کے وزن پر اسم نوع بنا لیا جاتا ہے۔ جیسے مَسِيرَةٌ (چلنے کا ڈھنگ وضع یا ہیئت)۔



ہر فعل سے اس کام کے کرنے یا ہونے کی جگہ یا وقت بتانے کے لئے **سَفَعَلَ** (ع ہر زہر اور زہر حسب قاعدہ) ۱

۵۔ اسم مکان و زمان  
(ظرف)

کے وزن پر اسم مکان یا زمان بنا لیا جاتا ہے۔

### اسم زمان و مکان کی شکلیں

مذکور	واحد	قتل کرنے کی جگہ، قتل گاہ قتل کرنے کا وقت یا زمانہ	مَقْتَلٌ
	مثنیٰ	دو قتل کرنے کی جگہیں قتل کرنے کے دو وقت یا دو زمانے	مَقْتَلَانِ مَقْتَلَيْنِ
	جمع	قتل کرنے کی جگہیں قتل کرنے کے اوقات یا زمانے	مَقَاتِلُ
مؤنث	واحد	قتل کرنے کی جگہ قتل کرنے کا وقت یا زمانہ	مَقْتَلَةٌ
	مثنیٰ	دو قتل کرنے کی جگہیں دو قتل کرنے کے وقت یا زمانے	مَقْتَلَتَانِ مَقْتَلَتَيْنِ
	جمع	قتل کرنے کی جگہیں قتل کرنے کے اوقات یا زمانے	مَقَاتِلُ

اسی طرح **مَغْرِبٌ** (سورج غروب ہونے کی جگہ یا وقت) - **مَسْجِدٌ** (سجدہ کرنے

۱۔ اگر مضارع کے "ع" ہر زہر یا پیش ہو تو اسم ظرف کے "ع" ہر زہر ہوگا

ورنہ زہر۔

کی جگہ یا وقت) - مَسْعَدٌ (بیٹھنے کی جگہ یا وقت) وغیرہ - یہ ثلاثی مجرد سے اسم زمان و مکان بنانے کا وزن ہے - ثلاثی مزید فیہ وغیرہ سے اسم مفعول کی شکل ان معنوں کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے، مثلاً مَغْتَسِلٌ (غسل کرنے کی جگہ یا غسل کرنے کا وقت) اور مَسْتَقِرٌّ (ٹھہرنے اور قرار پانے کی جگہ یا وقت) -

6- اسم آلہ | ہر فعل سے اس آلہ کے لئے جس کے ذریعہ وہ کام کیا جائے مَفْعَلٌ - مَفْعَالٌ کے وزنوں پر اسم آلہ بنایا جاتا ہے -

### اسم آلہ کی شکلیں

مذکور	واحد	مارنے یا چوٹ لگانے کا آلہ	مَضْرِبٌ - مَضْرَابٌ
	مثنی	مارنے یا چوٹ لگانے کے دو آلے	مَضْرِبَانِ - مَضْرَابَانِ مَضْرِبَيْنِ - مَضْرَابَيْنِ
	جمع	مارنے یا چوٹ لگانے کے آلے	مَضْرِبٌ - مَضْرَابٌ
مؤنث	واحد	مارنے یا چوٹ لگانے کا آلہ	مَضْرِبَةٌ
	مثنی	مارنے یا چوٹ لگانے کے دو آلے	مَضْرِبَتَانِ مَضْرِبَتَيْنِ
	جمع	مارنے یا چوٹ لگانے کے آلے	مَضْرِبٌ - مَضْرَابٌ

اسی طرح مَفْتَحٌ (کھولنے کا آلہ ، کنجی) - مِيزَانٌ (تولنے کا آلہ ، ترازو)

وغیرہ -

۷۔ اسم فاعل | ہر فعل سے اس کام کو کرنے والے کے لئے ایک اسم "فَاعِلٌ" کے وزن پر بنا لیا جاتا ہے۔

## اسم فاعل کی شکلیں

(ACTIVE PARTICIPLE NOUN)

مذکر	واحد	جاننے والا	عَالِمٌ
	مثنیٰ	دو جاننے والے	عَالِمَانِ عَالِمَيْنِ
	جمع	جاننے والے (بہت سے)	عَالِمُونَ عَالِمِينَ
مؤنث	واحد	جاننے والی	عَالِمَةٌ
	مثنیٰ	دو جاننے والیاں	عَالِمَتَانِ عَالِمَتَيْنِ
	جمع	جاننے والیاں (بہت سی)	عَالِمَاتٌ

اسی طرح ظَالِمٌ ، قَاتِلٌ ، جَاهِلٌ وغیرہ سے بھی شکلیں بنائی جا سکتی ہیں۔

یہ ثلاثی مجرد کے اسم فاعل کی شکلیں ہیں۔ ثلاثی مزید فیہ اور رباعی سے اسم فاعل کی شکلیں "ابواب اور ان کے خواص" میں دیکھئے۔

۸۔ اسم مفعول | ہر متعدی فعل سے اس چیز کے لئے جس پر کام کیا جائے ایک اسم "مفعول" کے وزن پر بنا لیا جاتا ہے۔

### اسم مفعول کی شکلیں (PASSIVE PARTICIPLE NOUN)

مذکور	واحد	قتل کیا ہوا	مقتول
	مثنیٰ	دو قتل کئے ہوئے	مقتولان مقتولین
	جمع	بہت سے قتل کئے ہوئے	مقتولون مقتولین
مؤنث	واحد	قتل کی ہوئی	مقتولة
	مثنیٰ	دو قتل کی ہوئیں	مقتولتان مقتولتین
	جمع	بہت سی قتل کی ہوئیں	مقتولات

اسی طرح معدودہ - معروف - منصوص وغیرہ سے تمام شکلیں بتائی جا سکتی ہیں۔ یہ ثلاثی مجرد کے افعال سے اسم مفعول کی شکلیں ہیں۔ ثلاثی مزید فیہ اور رباعی سے مفعول کا وزن "ابواب اور ان کے خواص" میں دیکھئے۔

۹ اسم صفت | عربی زبان میں اسم صفت (Adjective) کے بہت سے اوزان ہیں۔  
ان میں زیادہ استعمال ہونے والے اوزان حسب ذیل ہیں۔

(۱) فَعِيلٌ - جیسے کَرِيمٌ - لَطِيفٌ -

(۲) فَعْلٌ - جیسے حَسَنٌ -

(۳) فَعْلٌ - جیسے سَهْلٌ - صَعْبٌ -

(۴) أَفْعَلٌ - جیسے أَسْوَدٌ - أَبْيَضٌ - أَعْرَجٌ -

۱۰۔ اَفْعَلُ التَّفْضِيلِ | جب دو آدمیوں میں ' ایک دوسرے سے مقابلہ ہو  
اور ہم بتانا چاہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے

سے بڑھا ہوا (یا سب سے بڑھا ہوا) ہے تو اس کے لیے أَفْعَلٌ کے وزن پر أَفْعَلٌ و

التَّفْضِيلِ بنالی جاتی ہے۔ جیسے أَعْلَمُ (بہت زیادہ جانتے والا) وغیرہ۔ دو کے

درمیان مقابلہ ہو تو (Comparative Degree) کہیں گے اور سب کے ساتھ مقابلہ ہو تو  
(Superlative Degree)۔

## أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ کی شکلیں

مذکر	واحد	زیادہ چھوٹا - بہت چھوٹا	أَصْغَرُ
	مثنیٰ	دو زیادہ چھوٹے	أَصْغَرَانِ - أَصْغَرَيْنِ
	جمع	بہت سے زیادہ چھوٹے	أَصْغَرُونَ - أَصْغَرِينَ أَصْغَرٌ
مؤنث	واحد	زیادہ چھوٹی	صَغْرَى
	مثنیٰ	دو زیادہ چھوٹی	صَغْرَيَانِ صَغْرَيْنِ
	جمع	بہت سی زیادہ چھوٹی	صَغْرِيَاتٌ - صَغْرٍ

۱۱۔ اوزان مبالغہ | جب کسی صفت میں زور و شدت اور زیادتی کا اظہار کرنا ہو، تو مختلف فعلوں سے مبالغہ کے اوزان (Exaggerative Adjective)

(Adjective استعمال کئے جاتے ہیں، ان میں زیادہ استعمال ہونے والے یہ ہیں۔

(۱) فَعْمَالٌ - جیسے تَوَابٌ - عَلَامٌ - غَفَارٌ -

(۲) فَعْمَالٌ - جیسے صَدِيقٌ -

(۳) مَفْعَمَالٌ - جیسے مَسْكِينٌ -

(۴) فَعْمَالَةٌ - جیسے هَمَزَةٌ - لَمَزَةٌ -

(۵) فَعْلٌ - جیسے اَسْفٌ - فَرَحٌ -

(۶) فَعْمَالٌ - جیسے رَحِيمٌ - عَظِيمٌ -

(۷) فَعْمَالٌ - جیسے غَفُورٌ - وَدُودٌ - ظَلُومٌ -

(۸) فَعْمَالٌ - جیسے كِبَارٌ -

(۹) فَعْمَالٌ - جیسے قِيَوْمٌ -

(۱۰) فَعْمَالٌ - جیسے رَحْمَنٌ - غَضَبَانٌ -

ضمائر | جب ہم کہتے ہیں "حامد آیا" تو آپ کے ذہن میں فوراً ایک آدمی آجاتا ہے جس کا نام حامد ہے۔ اسے اسم ظاہر کہتے ہیں۔ یعنی بالکل

کھلا ہوا نام۔ لیکن جب ہم کہیں "وہ آیا" تو اگرچہ اس وقت بھی ہم کسی آدمی کے آنے کا ذکر کرتے ہیں لیکن اس سے متعین نہیں ہوتا کہ کون آیا۔

مگر جب ہم کہیں "حامد آیا۔ وہ بیمار تھا"۔ تو اب اس لفظ "وہ" سے

مطلب سمجھ میں آ گیا۔ یعنی "حامد"

لہذا لفظ "وہ" کے اندر حامد کا نام چھپا ہوا ہے۔ پوشیدہ اسموں کی کئی قسمیں

ہیں۔ مثلاً:

### (۱) اسم ضمیر (PRO-NOUN)

جب اس لئے ضمیر شروع میں آئیں تو ان کی شکل اس طرح ہوتی ہے۔

مستکلم			مخاطب (حاضر)			غائب			
جمع	مثنیٰ	واحد	جمع	مثنیٰ	واحد	جمع	مثنیٰ	واحد	
			اَنْتُمْ		اَنْتَ	هُم		هُوَ	مذکر
			اَنْتِ	اَنْتِ	اَنْتِ	هُنَّ	ہِیَ	ہِیَ	مؤنث
اَنْتُمْ	اَنْتِ	اَنْتِ	اَنْتُمْ	اَنْتِ	اَنْتِ	اَنْتُمْ	اَنْتِ	اَنْتِ	

لیکن جب ان ضائروں سے پہلے کوئی اسم یا فعل یا حرف مل کر آئے تو ان کی حسب

ذیل شکلیں ہو جاتی ہیں:

مستکلم			مخاطب (حاضر)			غائب			
جمع	مثنیٰ	واحد	جمع	مثنیٰ	واحد	جمع	مثنیٰ	واحد	
			کُمْ		کَ	ہُمْ		ہُوَ	مذکر
			کُنَّ	کُنَّ	کُنَّ	ہُنَّ	ہِیَ	ہِیَ	مؤنث
کُمْ	کُنَّ	کُنَّ	کُمْ	کُنَّ	کُنَّ	کُمْ	کُنَّ	کُنَّ	

پوشیدہ اسماء کی دوسری قسم اسم اشارہ (Demonstrative

(۲) اسم اشارہ

Pronoun) ہے۔ جیسے:

(۱) اشارہ قریب :

مؤنث			مذکر		
جمع	مثنی	واحد	جمع	مثنی	واحد
هَؤُلَاءِ	هَاتَانِ هَاتَيْنِ	هَذِهِ	هَؤُلَاءِ	هَٰذَانِ هَٰذَيْنِ	هَٰذَا

(ب) اشارہ بعید :

مؤنث			مذکر		
جمع	مثنی	واحد	جمع	مثنی	واحد
أُولَٰئِكَ	تَٰلِكَ تَٰئِكَ	تَٰلِكَ	أُولَٰئِكَ	ذَٰلِكَ ذَٰئِكَ	ذَٰلِكَ

نوٹ : ذَٰلِكَ اشارہ قریب اور بعید دونوں کے لئے آتا ہے۔

ہوشیدہ اسماء کی تیسری قسم اسم موصول (Relative Pronoun) ہے۔ جیسے :

(۳) اسم موصول

مؤنث			مذکر		
جمع	مثنی	واحد	جمع	مثنی	واحد
الَّتَاتِي	الَّتَانِ الَّتَيْنِ	الَّتِي	الَّذِينَ	الَّذَانِ الَّذَيْنِ	الَّذِي

ہوشیدہ اسماء کی چوتھی قسم اسم استفہام (Interrogative Pronoun) ہے۔ جیسے : مَنْ (کون)

(۴) اسم استفہام

شخص (اور مَا (کونسی چیز)۔



مادہ اور اس کے حروف | گزشتہ صفحات میں آپ ثلاثی مجرد - ثلاثی

مزید فیہ - رباعی وغیرہ اصطلاحی الفاظ پڑھ

چکے ہیں - ان کا تفصیلی بیان تو آئندہ باب میں آئے گا ' جہاں یہ بتایا جائیگا کہ " ابواب اور ان کے خواص " کیا ہوتے ہیں - اس مقام پر مختصر الفاظ میں دیکھئے کہ ان کا مطلب کیا ہے -

عربی زبان میں استعمال ہونے والے اکثر و بیشتر الفاظ کے مادے تین حروف پر مشتمل ہوتے ہیں - ان الفاظ کو ثَلَاثِي (تین حرفوں والا) کہتے ہیں - لیکن بعض مادے تین سے زیادہ حروف بھی رکھتے ہیں - جس مادہ میں چار حرف ہوں اسے رِبَاعِي اور جس میں پانچ ہوں اسے خَمْسِي کہتے ہیں - ذیل میں رباعی مادہ "زل زل" سے افعال اور اسماء کی ایک ایک شکل بطور مثال درج کی جاتی ہے -

ماضی معروف	مضارع معزوف	ماضی مجہول	مضارع مجہول	اسم
زَلَزَلَ	يَزْلِزِلُ	زَلَزَلَ	يَزْلِزِلُ	زَلَزِلٌ
نہی	اسم فاعل	اسم مفعول	مصدر	
لَا تَزْلِزِلْ	مَزْلِزِلٌ	مَزْلِزِلٌ	زَلَزَلَةٌ - زَلَزَالٌ	

نوٹ : قاعدے کی رو سے رباعی مادوں کو ثلاثی سے الگ لکھنا چاہئے لیکن بہت سے ارباب لغت انہیں ثلاثی کے تحت ہی لکھتے ہیں - اس لئے ہم نے بھی لغت میں انہیں (بیض مستثنیات) عام طور پر ثلاثی کے تحت لکھا ہے - لیکن اسکی تصریح کر دی ہے کہ یہ رباعی ہے -

مادہ میں حرف علت | جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے ' عربی کے ان الفاظ

کا مادہ تو نسبتاً آحافی سے معلوم ہو جاتا ہے جن

میں حروف صحت ہوں ' لیکن جن مادوں میں حروف علت ہوں ان کا دریافت کرنا قدرے دشوار ہوتا ہے ' بالخصوص واوی اور یائی میں یہ معاموم کرنا بہت مشکل ہوتا ہے

کہ اس مادہ میں واو ہے یا ی۔ بعض شکلوں میں اگر واوی کو یائی یا یائی کو واوی سمجھ لیا جائے تو معنوں میں بہت فرق پڑ جاتا ہے۔ مثلاً صَلَّیٰ ایک لفظ ہے۔ اگر اسے صلوا (مادہ) سے لیا جائے تو اس کے معنی ہونگے "صلوٰۃ ادا کرنا" اور اگر صلی (مادہ) سے لیا جائے تو اس کے معنی ہونگے "آگ میں جھونکنا"۔ چونکہ عربی نہ جاننے والوں کے لئے یہ متعین کرنا از بس دشوار (بلکہ ناممکن) ہے کہ کسی لفظ کا صحیح مادہ کیا ہے اس لئے ہم نے زیر نظر لغات کے شروع میں قرآن کریم کے تمام الفاظ کو انہی شکلوں میں لکھ کر جن میں وہ قرآن مجید میں آئے ہیں ان کے سامنے ان کا مادہ لکھ دیا ہے۔ آپ جس لفظ کے معنی معلوم کرنا چاہیں اسے پہلے اس فہرست میں دیکھ کر متعین کر لیں کہ اس کا مادہ کیا ہے پھر اس مادہ کے معنی لغات میں دیکھ لیں۔ ذیل میں ہم چند مثالیں درج کرتے ہیں جن سے آپ کو اندازہ ہو جائیگا کہ جن مادوں میں حروف علت آتے ہیں ان میں مختلف اوزان اور ابواب میں جا کر کیا کیا (تعجب انگیز اور پریشان کن) تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔

نوٹ: اس مقام پر آپ ابواب کے صرف نام دیکھ جائیے ان کا تفصیلی تعارف اور خواص آئندہ باب میں سامنے آئیں گے۔

## حروفِ علت والے مادوں میں تبدیلیوں کی مثالیں

پہلی مثال مادہ - و ع د

مادہ	فعل کی قسم	فعل ماضی	فعل مضارع	اسم	نہی
و	معلوم	وَعَدَ	يَعِدُ	عَدٌّ	لَا تَعْدُ
و	مجہول	وَعِدَ	يُوْعِدُ	وَعْدٌ	لَا تُوْعِدُ

## دیگر اسماء میں جا کر تبدیلیاں

مادہ	اسم فاعل	اسم مفعول	افعال التفضیل	اسم آلہ	اسم زمان و مکان
و	وَاعِدٌ	مَوْعِدٌ	أَوْعِدُ	مَوْعِدٌ	مَوْعِدٌ

## دوسری مثال مادہ د ع و

مادہ	قسم	ماضی	مضارع	امر	نہی
د ع و	معلوم	دَعَا	يَدْعُو	ادْعُ	لَا تَدْعُ
	مجهول	دُعِيَ	يُدْعَى	لِتُدْعَ	لَا تُدْعَ

## دیگر اسماء میں جا کر تبدیلیاں

مادہ	اسم فاعل	اسم مفعول	افعل التفضیل	اسم آلہ	اسم زمان و مکان
د ع و	دَاعٍ، الدَّاعِي	مَدْعُوٌّ	ادْعَى	مَدْعَى	مَدْعَى

## تیسری مثال مادہ و ق ی

مادہ	قسم	ماضی	مضارع	امر	نہی
و ق ی	معلوم	وَقَى	يَقِي	قِ	لَا تَقِ
	مجهول	وُقِيَ	يُوقَى	لِيُوقَ	لَا يُوقَ

## دیگر اسماء میں جا کر تبدیلیاں

مادہ	اسم فاعل	اسم مفعول	افعل التفضیل	اسم آلہ	اسم زمان و مکان
و ق ی	وَأَقٍ، الوَاقِي	مَوْقِيٌّ	أَوْقَى	مِيقَى	مَوْقَى

## چوتھی مثال مادہ ق و ل

مادہ	قسم	ماضی	مضارع	امر	نہی
ق و ل	معلوم	قَالَ	يَقُولُ	قُلْ	لَا تَقُلْ
ق و ل	مجهول	قِيلَ	يُقَالُ	لِيَقُلْ	لَا يُقُلْ

## دیگر اسماء میں جا کر تبدیلیاں

مادہ	اسم فاعل	اسم مفعول	افعل التفضیل	اسم آلہ	اسم زمان و مکان
ق و ل	قَائِلٌ	مَقُولٌ	أَقُولُ	مَقُولٌ	مَقَالٌ

## پانچویں مثال مادہ ب ی ع

مادہ	قسم	ماضی	مضارع	امر	نہی
ب ی ع	معلوم	بَاعَ	يَبِيعُ	بِعْ	لَا تَبِيعْ
ب ی ع	مجهول	بِيعَ	يُبَاعُ	لِيَبِيعْ	لَا يُبِيعْ

## دیگر اسماء میں جا کر تبدیلیاں

مادہ	اسم فاعل	اسم مفعول	افعل التفضیل	اسم آلہ	اسم زمان و مکان
ب ی ع	بَائِعٌ	مَبِيعٌ	أَبِيعُ	مَبِيعٌ	مَبِيعٌ

مختلف ابواب میں منتقل ہونے کے بعد

لفظ القرآن

۳۵

مبادیات

مادہ	قسم	فعل	تفعیل	انعمال	افتعمال	تفاعل	مفاعله	تفعل	استفعال
و ع د	معلوم	ماضی	و ع د	ا و ع د	ا ت ع د	ت و ا ع د	و ا ع د	ت و ع د	ا س ت و ع د
		مضارع	ی و ع د	ی و ع د	ی ت ع د	ی ت و ا ع د	ی و ا ع د	ی ت و ع د	ی س ت و ع د
	مجهول	ماضی	و ع د	ا و ع د	ا ت ع د	ت و و ع د	و و ع د	ت و ع د	ا س ت و ع د
		مضارع	ی و ع د	ی و ع د	ی ت ع د	ی ت و ا ع د	ی و ا ع د	ی ت و ع د	ی س ت و ع د
		امر	و ع د	ا و ع د	ا ت ع د	ت و ا ع د	و ا ع د	ت و ع د	ا س ت و ع د
و ع د		نہی	لَا ت و ع د	لَا ت و ع د	لَا ت ت ع د	لَا ت ت و ا ع د	لَا ت و ا ع د	لَا ت ت و ع د	لَا ت س ت و ع د
		فاعل	س و ع د	س و ع د	س ت ع د	س ت و ا ع د	س و ا ع د	س ت و ع د	س س ت و ع د
و ع د		مفعول	س و ع د	س و ع د	س ت ع د	س ت و ا ع د	س و ا ع د	س ت و ع د	س س ت و ع د



مختلف ابواب میں منتقل ہونے کے بعد

لغات القرآن

۳۷

مبادیات

مادہ	تسم	نعل	تفعل	افعال	افتعال	تفاعل	مفاعله	تفعّل	استفعال
وقی	معلوم	ماضی مضارع	یوقی	أوقی	یتوقی	توقی	واقی	توقی	استوقی
وقی	مجهول	ماضی مضارع	یوقی	أوقی	یتوقی	توقی	واقی	توقی	استوقی
وقی		مر	وقی	أوقی	توقی	واقی	واقی	توقی	استوقی
وقی		غی	لا توقی	لا توقی	لا تتوقی	لا تتوقی	لا تتوقی	لا تتوقی	لا تستوقی
وقی		فاعل اسم	موقی - الموقی	موقی - الموقی	متوقی - المتوقی	متوقی - المتوقی	مواقی - المواقی	متوقی - المتوقی	مستوقی - المستوقی
وقی		مفعول اسم	موقی	موقی	متوقی	متوقی	مواقی	متوقی	مستوقی

مختلف ابواب میں منتقل ہونے کے بعد

لغات القرآن

۳۸

مبادیات

سادہ	تسم	فعل	تَفْعِيلٌ	اَفْعَالٌ	اَفْتِعَالٌ	تَفَاعُلٌ	مُفَاعَلَةٌ	تَفَعُّلٌ	اِسْتِفْعَالٌ
قَوْلٌ	معلوم	ماضی	قَوْلٌ	اَقَالَ	اَقْتَالَ	تَقَاوَلٌ	قَاوَلٌ	تَقَوَّلٌ	اِسْتَقَالَ
قَوْلٌ	مجهول	مضارع	يُقَوِّلُ	يُقَيِّلُ	يَقْتَالُ	يَتَقَاوَلُ	يُقَاوِلُ	يَتَقَوَّلُ	يَسْتَقِيلُ
قَوْلٌ		ماضی	قَوْلٌ	اُقِيْلَ	اُقْتِيْلَ	تَقَوَّلُوا	قَوَّلُوا	تَقَوَّلُوا	اِسْتَقِيْلُوا
قَوْلٌ		مضارع	يُقَوِّلُ	يُقَالُ	يَقْتَالُ	يَتَقَاوَلُ	يُقَاوِلُ	يَتَقَوَّلُ	يَسْتَقَالُ
قَوْلٌ		امر	قَوْلٌ	اَقْلُ	اَقْتَلُ	تَقَاوَلُ	قَاوَلُ	تَقَوَّلُ	اِسْتَقِلُ
قَوْلٌ		نهی	لَا تَقَوِّلُ	لَا تَقْلُ	لَا تَقْتَلُ	لَا تَتَقَاوَلُ	لَا تُقَاوِلُ	لَا تَتَقَوَّلُ	لَا تَسْتَقِلُ
قَوْلٌ		فاعل اسم	مَقْوُولٌ	مَقِيْلٌ	مَقْتَالٌ	مُتَقَاوِلٌ	مُقَاوِلٌ	مُتَقَوَّلٌ	مُسْتَقِيْلٌ
قَوْلٌ		مفعول اسم	مَقْوُولٌ	مَقَالٌ	مَقْتَالٌ	مُتَقَاوِلٌ	مُقَاوِلٌ	مُتَقَوَّلٌ	مُسْتَقَالٌ



مختلف ابواب میں منتقل ہونے کے بعد

مادہ	قسم	نعل	تفعلیل	افعال	افتعال	تفاعل	سفاعله	تفعل	استفعال
بی ع	معلوم	ماضی	یبیع	اباع	ابتاع	تبايع	بایع	تبیع	استبیع
بی ع	مجهول	ماضی	یبیع	ابیع	ابتیع	تبیويع	بیويع	تبیع	استبیع
بی ع	مجهول	مضارع	یبیع	یباع	یبتاع	یتبایع	یتبایع	یتبیع	یتستبیع
بی ع	امر	امر	بیع	ایع	ابتع	تبايع	بایع	تبیع	استبیع
بی ع	نهی	نهی	لا یتبیع	لا یتبع	لا یتبع	لا یتبایع	لا یتبایع	لا یتبیع	لا یتستبیع
	فاعل اسم	فاعل اسم	مبیع	مبیع	مبتاع	متبایع	مبایع	متبیع	مستبیع
	مفعول اسم	مفعول اسم	مبیع	مباع	مبتاع	متبایع	مبایع	متبیع	مستبیع

نکھ باز گشت | مادہ اور اس کے مشتقات کا مختصر ما بیان آپ کے سامنے آچکا ہے۔ آگے بڑھنے سے بیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک

مثال کے ذریعے آپ کے سامنے وہ تمام مختلف شکلیں آجائیں جو گذشتہ صفحات میں آپ کی نگاہوں سے گذری ہیں۔ اس سے آپ کو اس کا بھی اندازہ ہو جائیگا کہ زیر نظر لغت میں آپ کو ایک عنوان کے تحت کس کس قسم کے الفاظ بالعموم ملیں گے۔ مثلاً مادہ ہے۔

### فتح یعنی ف - ت - ح

اس مادہ کے تحت آپ کو فُتِحَ (فعل ماضی معروف) - فُتِحَ (فعل ماضی مجہول) - يَفْتَحُ (فعل مضارع معروف) - يَفْتَحُ (فعل مضارع مجہول) - اِفْتَحَ (اسم) - لَاتَفْتَحُ (نہی) - فَاتِحٌ (اسم فاعل) - مَفْتُوحٌ (اسم مفعول) - مَفْتَحٌ (اسم ظرف) - مَفْتَحٌ و مِفْتَحٌ (اسم آلہ) - فَتَاحٌ (اسم مبالغہ) وغیرہ ملیں گے۔ ان کے علاوہ فتح کے مختلف ابواب سامنے آئیں گے۔ مثلاً اِفْتَحَ (باب اِفْعَال) - فَتَحَ (باب تَفْعِيل) - فَاتِحٌ (باب مَفَاعَلَه) - تَفَاتِحٌ (باب تَفَاعُل) - تَفْتَحُ (باب تَفْعِيل) - اِفْتَحَ (باب اِفْتِعَال) - اِنْفَتَحَ (باب اِنْفِعَال) - اسْتَفْتَحَ (باب اسْتِفْعَال) وغیرہ بھی لکھے ہوئے ملیں گے۔

نوٹ: زیر نظر لغت میں ہر مادہ کے تحت یہ تمام مشتقات نہیں دئیے گئے۔ جس طرح لغت میں صرف وہی مادے دئیے گئے ہیں جن سے متعلق کوئی لفظ قرآن کریم میں آیا ہے اسی طرح ہر مادہ کے تحت الفاظ کی صرف وہی شکلیں دی گئی ہیں جو قرآن مجید میں آئی ہیں (بعض مقامات میں ان تمام شکلوں کو بالتفصیل بیان کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی گئی) اس لئے کہ ہمارا یہ لغت قرآن کریم کا لغت ہے، عربی زبان کا مکمل لغت نہیں۔

## حروف

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے، عربی زبان کے تمام الفاظ تین قسموں کے ہوتے

ہیں۔ (۱) یا تو وہ لفظ نام ہوگا۔ اسے اسم کہا جاتا ہے۔ جیسے:

اللّٰهُ - مُحَمَّدٌ - قَلْبٌ - عَالِمٌ - قَتْلٌ - تَعْلِيمٌ - وغیرہ۔

(۲) یا وہ لفظ کسی کام کے کرنے یا ہونے کے لئے بولا جائے گا۔ اسے فعل

کہا جاتا ہے۔ مثلاً ذَهَبَ: وہ گیا (فعل ماضی)۔ يَأْكُلُ: وہ کھاتا ہے یا کھائے گا

(فعل مضارع) قُلْ: تو کہہ دے (فعل امر) وغیرہ

(۳) اور یا وہ حرف ہوگا۔ بالفاظ دیگر اگر کوئی لفظ نہ اسم ہے نہ فعل، تو

وہ لازماً حرف ہوگا۔ مثلاً اس فقرہ میں

أَنَا - أَذْهَبُ - إِلَى - الْبَيْتِ -

أَنَا اسم ضمیر ہے (معنی میں)۔ أَذْهَبُ فعل ہے (میں جاتا ہوں)۔ الْبَيْتِ

اسم ہے (معنی گھر)۔ اب رہ گیا إِلَى۔ سو یہ حرف ہے (معنی کی طرف)۔ فقرے کے

معنی ہونے۔ میں گھر کی طرف جاتا ہوں۔

ہر چند حرف نہ اسم ہے نہ فعل اور دیکھنے میں بھی

زبان کا سب سے چھوٹا جزو ہے (مستدرجہ بالا مثال میں

إِلَى پھر بھی وزن دار دکھائی دیتا ہے ورنہ خالی پ۔ ل بھی حروف ہیں)

لیکن زبان میں ان کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ زبان میں ربط پیدا کرتے ہیں۔ اسماء اور

افعال کو ایک دوسرے سے جوڑتے ہیں۔ گفتگو میں زور و قوت اور معنوں میں

ہمواری اور استواری پیدا کرتے ہیں۔ انہی سے اقرار اور انکار کا علم ہوتا ہے اور

انہی کے ذریعہ کلام میں استفہام۔ ترغیب۔ تاکید۔ تنبیہ کے معانی پیدا ہوتے ہیں۔

ان کی تبدیلی سے فعل کا پورے کا پورا مفہوم بدل جاتا ہے۔ مثلاً "رغبت"

عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی آپ بخوبی سمجھتے ہیں۔ اگر ہم (عربی زبان میں) کہیں رَغِبْتُ اَلَيْهِ تو اس کے معنی ہوں گے "میں اس کی طرف مائل ہوا"۔ لیکن اگر اَلِی (حرف) کی جگہ عَنِ آ جائے اور ہم کہیں رَغِبْتُ عَنْهُ تو اس کے معنی ہوں گے "میں نے اس سے اعراض برتا۔ اس سے منہ موڑا۔ اسے چھوڑ دیا"۔ آپ نے دیکھا کہ حرف (جو بظاہر نہ نام کا ہے نہ کام کا) کس طرح افعال کی ناک میں نکیل ڈالے انہیں ادھر سے اُدھر لٹے لٹے پھرتا ہے۔ یہ حروف وہی ہیں جنہیں انگریزی زبان میں (Prepositions) کہتے ہیں اور جن کی اہمیت کا غالباً آپ کو اندازہ ہے۔

اتنا ہی نہیں کہ یہ افعال کے معانی میں تبدیلی پیدا کر دیتے ہیں بلکہ بعض اوقات ایک حرف کتنے ایسے الفاظ کے معنی دے جاتا ہے جو اس فقرے میں کہیں نہیں ہوتے۔ یعنی وہ محذوف (Understood) ہوتے ہیں۔ مثلاً -

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُنْفَسِدَ مِنَ الْمَصْلِحِ - اس کا لفظی ترجمہ یہ ہوگا کہ اللہ مفسد کو مصلح سے جانتا ہے۔ لیکن اس سے بات واضح نہیں ہوتی۔ درحقیقت اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ مفسد کو مصلح سے الگ کر کے - تمیز کر کے - فرق کر کے جانتا ہے - وہ جانتا ہے کہ مفسد کون ہے اور مصلح کون - دیکھئے اس عبارت میں ایک حرف مِّن نے اس محذوف عبارت کا کام دے دیا۔ یا مثلاً قرآن میں ہے

اَلَا (اِنَّ لَا) تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ - اس کا ویسے ترجمہ یہ ہوگا کہ "اگر تم اس کی مدد نہیں کرتے تو یقیناً اللہ اس کی مدد کر چکا ہے"۔ لیکن اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اگر تم اس کی مدد نہیں کرتے تو نہ کرو۔ اس میں کچھ مضائقہ نہیں - کوئی حرج نہیں کوئی پرواہ نہیں - کیونکہ (جس طرح) اللہ اس کی مدد (فلاں موقع پر) کر چکا ہے (اب بھی کرے گا) - چنانچہ عربی

زبان میں یہ قاعدہ بن گیا ہے کہ اگر اَنْ (حرف شرط) کے جواب شرط سے پہلے فَقَدْ آجائے تو اس کا مفہوم وہ ہوتا ہے جسے اوپر بیان کیا گیا ہے۔

**حرف کی قسمیں** | حرف کے اس تمہیدی تعارف کے بعد اب یہ دیکھئے کہ اس کی قسمیں کتنی ہیں۔ یہ قسمیں حروف کے انداز استعمال

کی رو سے کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً

(۱) وہ حروف جو صرف افعال (Verbs) سے پہلے آتے ہیں۔ ان سے فعلوں کے معنوں میں کچھ اضافہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً - لَمْ - لَنْ - قَدْ - سَوْفَ وغیرہ۔

لَمْ اور لَنْ دونوں مضارع پر آتے ہیں اور دونوں "تاکید کے ساتھ

نفی" (نہ) کے معنی پیدا کرتے ہیں۔ لَمْ فعل مضارع کو فعل ماضی منفی کے معنوں میں

تبدیل کر دیتا ہے۔ جیسے يَأْكُلُ (وہ کھاتا ہے یا کھائیکا) سے پہلے لَمْ آجائے

تو لَمْ يَأْكُلُ کے معنی ہو جائینگے "اس نے قطعاً نہیں کھایا"۔ اسی طرح جب

ارع سے پہلے حرف لَنْ آجائے تو اس کے معنی منفی مستقبل کے ہو جاتے ہیں۔ مثلاً

لَنْ يَأْكُلُ : "وہ قطعاً نہیں کھائیکا"

(۲) دوسری قسم کے حروف وہ ہیں جو تنہا لفظوں پر نہیں بلکہ جملوں پر

آتے ہیں۔ مثلاً اِنَّ - اَنَّ - كَانَّ - لَيْتَ - لِكُنَّ - لَعَلَّ وغیرہ۔ جملوں کے پہلے آتے

ہیں اور جملہ میں خاص معنی پیدا کر دیتے ہیں۔ جیسے اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

يَقِيْنًا 'بے شک' یہ حقیقت ہے کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

(۳) تیسری قسم کے وہ حروف ہیں جو اسم سے پہلے آتے ہیں۔ ب - فِي - ل -

عَلٰى - مِنْ - اِلٰى - عِنِّ وغیرہ۔ جیسے بِاَلْقَلَمِ (قلم سے 'قلم کے ساتھ) فِي السِّيْتِ

(گھر میں)۔ اِلٰی اللّٰہ (اللہ کی طرف)۔ عربی زبان میں ان حروف کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس اہمیت میں اس وقت اور اضافہ ہو جاتا ہے جب ان سے پہلے فعل آئے۔ جیسا کہ ہم رَغِبْتُ اِلَيْهِ اور رَغِبْتُ عَنْهُ کی مثال میں بتا چکے ہیں۔

**حروف کا ترجمہ** | نمبر ۱ اور نمبر ۲ کے حروف تو اپنے معانی معین رکھتے ہیں لیکن نمبر ۳ کے حروف کچھ اس انداز سے آتے ہیں کہ اردو زبان میں ان کا لفظی ترجمہ نہیں کیا جا سکتا، بلکہ مفہوم کے اعتبار سے ہی کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً

(۱) عَلِيٌّ کے معنی "پر اوپر" ہیں۔ عربی زبان میں کہیں گے عَلِيٌّ سَفَرَ لیکن اردو میں اس کا ترجمہ "سفر پر" غیر فصیح ہوگا۔ "سفر میں" ٹھیک ہوگا۔ ہم یہ نہیں کہیں گے کہ "اگر تم سفر پر ہو"۔ ہم کہیں گے "اگر تم سفر میں ہو"۔

(۲) یا مثلاً ل کے معنی "لئے یا واسطے" ہیں۔ جیسے لَزِيْدٌ: زید کے لئے یا زید کے واسطے۔ لیکن جب ہم اس سے پہلے فعل لا کر قُلْتُ لَزِيْدٌ کہیں گے تو اس کا ترجمہ "میں نے زید کے لئے کہا" نہیں ہوگا، اس کا صحیح ترجمہ ہوگا "میں نے زید سے کہا"۔

اسی طرح ب کے معنی عموماً "ساتھ" یا "سے" کئے جاتے ہیں، لیکن مختلف فعلوں (VERBS) کے ساتھ آتے سے اس کا ترجمہ مختلف ہو جائیگا، جیسے

(۱) ذَهَبَ بِاِلْكُتَابِ: لفظی ترجمہ۔ وہ کتاب کے ساتھ گیا۔ یا محاورہ ترجمہ۔ وہ کتاب لے گیا۔

(۲) حَكَمَ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ: لفظی ترجمہ۔ اس نے ما انزل اللہ کے ساتھ فیصلہ کیا۔ یا محاورہ ترجمہ۔ اس نے ما انزل اللہ (قانون خداوندی) کے مطابق فیصلہ کیا۔

آپ نے دیکھا، ان مثالوں میں کہیں بھی ب کے معنی " سے " یا " ساتھ " نہیں۔  
زیر نظر لغت میں حروف کا عام ترجمہ دیا گیا ہے۔ لیکن اردو زبان میں ان کا ترجمہ  
(عبارت کے لحاظ سے) الگ الگ ہوگا۔ اس کے لئے کوئی خاص قاعدہ مقرر نہیں۔ زبان  
سے واقفیت اور تھوڑی سی مشق کے بعد سمجھ میں آ جاتا ہے کہ فلاں فتوہ میں  
حرف کا صحیح ترجمہ کیا ہونا چاہئے۔

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، عربی زبان میں حروف کو بڑی اہمیت  
**تفصیلی بیان** حاصل ہے جس کے پیش نظر آپ گرامر (اور بعض لغت) کی کتابوں  
میں حروف کے متعلق بڑی طویل بحثیں دیکھینگے۔ لیکن ہم نے اس مقام پر بھی، اور  
لغت کے اندر بھی بڑے اختصار سے کام لیا ہے اور فنی بحثوں، لفظی بازیکیوں اور  
علمی اصطلاحوں سے قطع نظر کر کے حروف کے صرف وہ معانی بیان کر دئے ہیں جن کا  
استعمال عام ہوتا ہے۔ مثلاً گرامر کی کتابوں میں واو عطف کی بہت سی قسمیں دی گئی ہیں  
لیکن ان سب کا ترجمہ " اور " (and) ہی ہوتا ہے۔ ہم نے ان اقسام سے بحث  
نہیں کی۔ نیز ہم اس بحث میں بھی نہیں الجھے کہ ایک حرف کے آنے سے اسم میں کیا  
کیا اعرابی، رفع (پیش) نصب (زبر) جر (زیر کی) تبدیلیاں ہو جاتی ہیں۔ مثلاً ان مبتدا  
کو نصب اور خبر کو رفع دیتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ہمارا مقصد صرف اتنا ہے کہ آپ  
کو عربی زبان کے الفاظ اور ان کی مختلف شکلوں کی اس قدر پہچان ہو جائے کہ مادہ کے  
معنی سمجھ لینے کے بعد ان مختلف شکلوں کا مفہوم بھی آپ کے سامنے آسکے اور اس  
طرح آپ قرآن کریم کو براہ راست سمجھنے کے قابل ہو سکیں۔ فنی نکات آفرینیوں اور  
اصطلاحی موشگافیوں سے بحث کرنا ہمارے پیش نظر نہیں۔

## ابواب اور ان کے خواص

یہ بتایا جا چکا ہے کہ عربی زبان میں ہر فعل مادہ سے بنتا ہے۔ مادہ ان اصلی حروف کو کہتے ہیں جن کے بغیر فعل کی پہلی شکل وجود میں نہ آسکے۔ فعل کا مادہ کبھی تین حروف کا ہوتا ہے اور کبھی چار کا۔ (اسماء کے مادہ میں باج اور چھ حروف بھی ہوتے ہیں) تین حرفی مادہ کو **ثَلَاثِي** کہتے ہیں۔ یہ **ثَلَاثَةٌ** سے بنا ہے جس کے معنی "تین" ہیں۔ عربی زبان میں زیادہ تر ثلاثی افعال ہیں۔ چار حرفی مادہ کو **رَبَاعِي** کہتے ہیں۔ یہ **أَرْبَعَةٌ** سے بنا ہے جس کے معنی "چار" ہیں۔ عربی زبان میں رباعی افعال کم استعمال ہوتے ہیں۔

اگر کسی فعل کا مادہ تین حروف کا ہو اور اس کی ماضی کی پہلی شکل میں بھی تین حروف ہی ہوں تو وہ ثلاثی مجرد کہلاتا ہے۔ لیکن جب مادہ تین حروف کا ہو مگر ماضی

**ثلاثی مجرد اور  
ثلاثی مزید فیہ**

کی پہلی شکل میں تین حروف سے زیادہ ہوں تو ایسے فعل کو ثلاثی مزید فیہ کہا جائیگا۔ آپ کو شاید اس پر تعجب ہوگا کہ جب مادہ تین ہی حروف کا ہے تو پھر فعل ماضی میں تین سے زیادہ حروف کیسے آسکتے ہیں؟ یہ اس طرح کہ ثلاثی مجرد میں کچھ حروف کا اضافہ کر دیتے ہیں اور اس اضافہ سے وہ ایک نیا باب بن جاتا ہے اور بسا اوقات اس کے معنی بدل جاتے ہیں۔ یہی وہ تبدیلیاں ہیں (یعنی ابواب اور ان کے خواص) جن کی وضاحت کے لئے موجودہ عنوان آپ کے سامنے لایا گیا ہے۔ "ابواب اور ان کی خاصیتیں" عربی زبان کی منفرد خصوصیت ہے جس سے یہ زبان لامحدود وسعتوں کی حامل ہو گئی ہے، لہذا آپ اس عنوان کو بڑے غور سے دیکھئے۔

ابواب ثلاثی مجرد کے بھی ہوتے ہیں اور ثلاثی مزید فیہ کے بھی۔ پہلے ثلاثی مجرد کے ابواب کو

**ثلاثی مجرد کے ابواب**

لیجئے۔ یہ وہ ابواب ہیں جن کا مادہ سہ حرفی ہے اور ماضی کی پہلی شکل بھی سہ حرفی ہے۔



اور اس میں کسی حرف کا مزید اضافہ نہیں ہوتا ہے ' صرف حرکت بدل جانے سے باب بدل جاتا ہے ' اور حرکت بھی تینوں حروف کی نہیں بلکہ صرف دوسرے (یعنی درمیانی) حرف کی حرکت بدلنے سے ایک نیا باب ظہور میں آجاتا ہے ۔

جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے ' فعل ثلاثی مجرد میں ماضی کی پہلی شکل تین حرف رکھتی ہے ۔ ان میں سے پہلا اور تیسرا (آخری) حرف ایک حالت میں رہتے ہیں لیکن دوسرا (درمیانی) حرف ایک حالت پر نہیں رہتا ' اس پر کبھی زیر کبھی زہر اور کبھی پیش آتا ہے ۔ یہی درمیانی حرف فعل مضارع میں بھی بدلتا رہتا ہے ۔ ہر نئی شکل جو فعل سے نکلتی ہے اور اس کے فعل مضارع کے درمیانی حروف کی حرکتوں (زیر ۔ زہر ۔ پیش) سے مل کر بنتے کہ "باب" کہلاتی ہے ۔

ماضی اور مضارع کے درمیانی حروف کی حرکتوں کے اعتبار سے ثلاثی مجرد کے چھ ابواب مستعمل ہیں :-

نمبر	فعل ماضی	فعل مضارع	کیفیت
۱	فَتَحَّ	يُفْتَحُ	درمیانی حرف "ت" ہے ۔ فعل ماضی میں اس پر زہر ہے اور فعل مضارع میں بھی اس پر زہر ہے ۔
۲	ضَرَبَ	يَضْرِبُ	درمیانی حرف "ز" ہے ۔ فعل ماضی میں اس پر زہر ہے اور فعل مضارع میں اس پر زہر ہے ۔
۳	كَتَبَ	يَكْتُبُ	درمیانی حرف "ت" ہے ۔ فعل ماضی میں اس پر زہر ہے اور فعل مضارع میں اس پر پیش ہے ۔
۴	عَلِمَ	يَعْلَمُ	درمیانی حرف "ل" ہے ۔ فعل ماضی میں اس پر زہر ہے اور فعل مضارع میں اس پر زہر ہے ۔
۵	ثَقُلَ	يَثْقُلُ	درمیانی حرف "ق" ہے ۔ فعل ماضی میں اس پر پیش ہے اور فعل مضارع میں بھی اس پر پیش ہے ۔
۶	وَرِثَ	يَرِثُ	درمیانی حرف "ز" ہے ۔ فعل ماضی میں اس پر زہر ہے اور فعل مضارع میں بھی اس پر زہر ہے ۔

(نوٹ ۔ ثلاثی مجرد کے اول الذکر پانچ ابواب عام طور پر آتے ہیں ۔ آخری چھٹا

باب قرآن میں شاذ آیا ہے ۔)

مندرجہ بالا چھ متفرق شکلیں ہیں جو فعل ماضی اور فعل مضارع کے درمیانی حروف کی حرکتوں کے اختلاف سے پیدا ہوتی ہیں اور یہی ثلاثی مجرد کے ابواب ہیں۔ ان میں سے ہر شکل ایک باب کہلاتی ہے۔ ان ابواب کا معنوں سے کچھ تعلق نہیں۔ یہ فقط اتنا بتاتے ہیں کہ عربی زبان میں جس قدر ثلاثی مجرد کے افعال (ماضی - مضارع) آئینگے وہ انہی شکلوں کے اندر آئینگے۔ لیکن اگر ایک ہی باب میں درمیانی حرکتوں کو بدل دیا جائے تو اس طرح بعض اوقات معنوں میں فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً :-

کیفیت	فعل مضارع	فعل ماضی	
ماضی اور مضارع میں درمیانی حرف پر پیش ہے اس کے معنی ہیں "دور ہوا"	و ۸ ۷ یبعث	و ۸ ۷ بعث	۱
فعل ماضی میں درمیانی حرف پر زہر اور فعل مضارع میں درمیانی حرف پر زہر ہے۔ اب اس کے معنی ہیں "ہلاک ہوا" مر گیا	و ۸ ۷ یبعث	و ۸ ۷ بعث	
فعل ماضی میں درمیانی حرف پر زیر اور فعل مضارع میں درمیانی حرف پر زہر ہے۔ اس کے معنی ہیں "غمگین ہوا" رنجیدہ ہوا (فعل لازم)۔	و ۸ ۷ یحزن	و ۸ ۷ حزن	۲
فعل ماضی کے درمیانی حرف پر زیر اور فعل مضارع کے درمیانی حرف پر پیش ہے۔ معنی "غمگین کیا" رنجیدہ کیا (فعل متہدی)	و ۸ ۷ یحزن	و ۸ ۷ حزن	

ثلاثی مجرد کے علاوہ ایسے افعال جن میں اصلی حروف تو تین ہی ہوں، لیکن ماضی کی پہلی شکل میں تین سے زیادہ حروف ہوں ثلاثی مزید کہلاتے ہیں۔ ان کے مختلف ابواب مختلف وزن پر آتے ہیں جن میں بیشتر استعمال ہونے والے ابواب قرآن مجید میں بارہ ہیں اور یہ حسب ذیل ہیں :-

### ثلاثی مزید فیہ کے ابواب

کیفیت	ثلاثی مزید فیہ		ثلاثی مجرد (نہز مادہ کے حروف)	باب (مصدری وزن)	نمبر شمار
	فعل ماضی	فعل مضارع			
اس باب میں ثلاثی مجرد کے درمیانی حرف کو مشدد کر دیا جاتا ہے۔	و ۸ ۷ یکرم	و ۸ ۷ کرم	و ۸ ۷ کرم	و ۸ ۷ کرم	۱
	و ۸ ۷ یعلم	و ۸ ۷ علم	و ۸ ۷ علم		

کیفیت	ثلاثی مزید فیہ		ثلاثی مجرد (نیز مادہ کے حروف)	باب (مصدری وزن)	نمبر شمار
	فعل مضارع	فعل ماضی			
اس باب میں ثلاثی مجرد کے ماضی پر ایک "ہمزہ" کا اضافہ کیا جاتا ہے۔	و ۸ و یُحْسِنُ	۸ ۸ ۸ اَحْسَنَ	و و حَسَنَ	۸ ۸ اَفْعَالٌ	۲
	و ۸ و یَنْعَمُ	۸ ۸ ۸ اَنْعَمَ	و و نَعِمَ		
اس باب میں ثلاثی مجرد کے پہلے حرف کے بعد الف کا اضافہ کیا جاتا ہے۔	و و یَجَاهِدُ	۸ ۸ ۸ جَاهَدَ	و و جَهَدَ	و و و مَفَاعِلَةٌ	۳
	و و یَقَاتِلُ	۸ ۸ ۸ قَاتَلَ	و و قَاتَلَ		
اس باب میں ثلاثی مجرد کی ماضی سے قبل "ت" اور پہلے حرف کے بعد "الف" بڑھایا جاتا ہے۔	و و یَتَكَاثَرُ	۸ ۸ ۸ تَكَاثَرَ	و و كَثَرَ	و و تَفَاعِلٌ	۴
	و و یَتَغَامَزُ	۸ ۸ ۸ تَغَامَزَ	و و غَمَزَ		
اس باب میں ثلاثی مجرد سے قبل "ت" بڑھا کر درمیانی حرف مُشَدَّدٌ کر دیا جاتا ہے۔	و و یَتَقَطِّعُ	۸ ۸ ۸ تَقَطَّعَ	و و قَطَّعَ	و و و تَفْعَلٌ	۵
	و و یَتَعَلَّمُ	۸ ۸ ۸ تَعَلَّمَ	و و عَلَّمَ		
اس باب میں ثلاثی مجرد سے قبل "ان" کا اضافہ کیا جاتا ہے۔	و ۸ و یَنْقَلِبُ	۸ ۸ ۸ اِنْقَلَبَ	و و قَلَبَ	۸ ۸ اِنْفِعَالٌ	۶
	و ۸ و یَنْفَجِرُ	۸ ۸ ۸ اِنْفَجَرَ	و و فَجَرَ		
اس باب میں شروع میں "ہمزہ" اور ثلاثی مجرد کے پہلے حرف کے بعد "ت" بڑھائی جاتی ہے۔	و ۸ و یَسْتَتِرُ	۸ ۸ ۸ اِسْتَتَرَ	و و تَرَبَّ	۸ ۸ اِفْتِعَالٌ	۷
	و ۸ و یَسْتَسِبُّ	۸ ۸ ۸ اِسْتَسَبَّ	و و كَسَبَ		
اس باب میں ثلاثی مجرد پر "اس" کا اضافہ کیا جاتا ہے۔	و ۸ ۸ و یَسْتَكْبِرُ	۸ ۸ ۸ اِسْتَكْبَرَ	و و كَبَرَ	۸ ۸ ۸ اِسْتَفْعَالٌ	۸
	و ۸ ۸ و یَسْتَغْفِرُ	۸ ۸ ۸ اِسْتَغْفَرَ	و و غَفَرَ		

کیفیت	ثلاثی مزید فیہ		ثلاثی مجرد (نیز مادہ کے حروف)	باب (مصدری وزن)	نمبر قرآن
	فعل مضارع	فعل ماضی			
اس باب میں ثلاثی مجرد کے شروع میں ہمزه کا اضافہ اور آخری حرف کو مشدد کیا جاتا ہے۔	سَوَدُ	اَسْوَدَ	سَوَدُ	اَفْعِلَالٌ	۹
	يَسْوُدُ	اَبْيَضَ	يَبْيِضُ		
اس باب میں باب تمہیں ۹ پر آخری مشدد حرف سے قبل الف کا اضافہ کیا جاتا ہے۔	يَسْوَدُ	اَسْوَدَ	دَهَمَ	اَفْعِيَالٌ	۱۰
	يَسْوَدُ	اَسْوَدَ	دَهَمَ		
اس باب میں شروع میں ہمزه کے علاوہ پہلے اور دوسرے حرف کو مشدد کیا جاتا ہے (بعض اسے باب تفعیل کی ایک متغیر شکل قرار دیتے ہیں)۔	يَزْمَلُ	اَزْمَلَ	زَمَلَ	اَفْعَلٌ	۱۱
	يَسْوَدُ	اَسْوَدَ	دَهَمَ		
اس باب میں شروع میں ہمزه اور پہلے حرف کے بعد الف لایا جاتا ہے نیز پہلے حرف کو مشدد کیا جاتا ہے (بعض اسے باب تفاعل کی متغیر شکل قرار دیتے ہیں)۔	يَسْوَدُ	اَسْوَدَ	ثَقَلَ	اَفَاعِلٌ	۱۲
	يَسْوَدُ	اَسْوَدَ	ثَقَلَ		

نوٹ - ان ابواب کا مصدر اسی وزن پر آنے کا جو باب کے خانے میں درج ہیں۔

مثالیں ذرا آگے چل کر آئیں گی۔

یہاں آپ کے دل میں لازماً یہ سوال پیدا ہوگا کہ ان تبدیلیوں سے بالآخر مقصود کیا ہوتا ہے؟ ان تبدیلیوں سے مقصود معانی میں وسعت اور ان کے درمیان معنوی فرق و اختلاف پیدا کرنا ہے۔ یعنی ایک ہی فعل جب باب تفعیل میں ہو تو اس کے معنی اور ہوتے ہیں اور باب افعال میں ہو تو اور۔ ان ابواب کی یہ خصوصیات (یعنی خاص معنی) مستقل حیثیت رکھتے ہیں۔ لہذا (اگرچہ ان خصوصیات میں بعض اوقات استثناء بھی ہو جاتی ہے) کسی فعل کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے دیکھنا یہ چاہئے کہ :

۱۔ اس مادہ کے معنی کیا ہیں اور

۲۔ وہ کس باب میں ہے۔

یہ عربی زبان کی وہ خصوصیت ہے جو کہیں اور نہیں ملتی۔ ذیل میں ہم ان ابواب کی خصوصیتیں (مختصراً) درج کرتے ہیں۔ آپ انہیں غور سے دیکھیں۔

## ابواب ثلاثی مزید فیہ کے خواص

اب ثلاثی مزید فیہ کے مختلف ابواب کے خواص دیکھئے۔ واضح رہے کہ ہم نے مختلف ابواب کے تمام خواص درج نہیں کئے۔ صرف اسی قدر خواص دئے ہیں جو قرآن کریم میں استعمال شدہ الفاظ کے سمجھنے میں مدد دے سکتے ہیں۔

### ۱۔ باب تَفْعِيلِ :-

(اس باب سے مصدر تَفْعِيلِ کے وزن پر آئیگا۔ مثلاً تَكْرِيْمٌ - تَنْزِيْلٌ)

ثلاثی مجرد کو باب تَفْعِيلِ میں لے جائیں تو مندرجہ ذیل فوائد و خواص مطلوب ہوتے ہیں :

(۱) لازم فعل متعدی بن جاتا ہے۔ مثالیں :

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب تَفْعِيلِ	معنی
ثَبَّتَ	مضبوطی سے جا ثبت ہوا۔	ثَبَّتَ	مضبوطی سے جاپایا ثبت کیا۔
كَرَّمَ	شریف و باعزت ہوا	كَرَّمَ	شریف و باعزت بنایا

(۱) کبھی کبھی تَفْعِيلِ کے علاوہ تَفْعِيلَةٌ اور فَعَالٍ کے وزن پر بھی

اس کا مصدر آ جاتا ہے۔ جیسے جَرَّبَ سے مصدر تَجْرِيْبٌ اور تَجْرِبَةٌ۔ اور كَذَّبَ

سے مصدر تَكْذِيْبٌ و كَذَابٌ۔ بالخصوص جب مادہ میں آخری حرف صحیح نہ ہو

بلکہ حرف علت ہو تو مصدر ہمیشہ تَفْعِيلَةٌ کے وزن پر آئیگا۔ جیسے صَلَّى سے تَصْلِيَةٌ

اور سَمَّى سے تَسْمِيَةٌ۔

(۲) ثلاثی مجرد کا فعل متعدی جو ایک مفعول چاہتا ہے اس باب میں آنے کے بعد

دو مفعول چاہنے لگتا ہے۔ جیسے :

معنی و مثال	ثلاثی مزید فیہ باب تفعیل	معنی و مثال	ثلاثی مجرد
سنا یا۔ سَمِعَ زَيْدٌ حَامِدًا الْخَيْرَ: زید نے حامد کو خیر سنا۔ یہاں ”حَامِدًا اور الْخَيْرَ“ دو مفعول ہیں۔	سَمِعَ	اس نے سنا۔ سَمِعَ زَيْدٌ الْخَيْرَ: زید نے خیر سنی۔ یہاں ”الْخَيْرَ“ مفعول ہے۔	سَمِعَ
سمجھایا۔ فَهَمَّ حَامِدٌ ذَاكِرًا الْكَلَامَ حامد نے ذاکر کو بات سمجھائی، یہاں ”ذَاكِرًا اور الْكَلَامَ“ دو مفعول ہیں۔	فَهَمَّ	اس نے سمجھا۔ فَهَمَّ حَامِدٌ الْكَلَامَ حامد نے بات سمجھی۔ یہاں ”الْكَلَامَ“ مفعول ہے۔	فَهَمَّ

(۳) کسی کام میں زور و شدت، زیادتی و کثرت اور مبالغہ کے معنی پیدا ہو جانے

ہیں۔ جیسے :

معنی	ثلاثی مزید فیہ باب تفعیل	معنی	ثلاثی مجرد
بہت زیادہ کاٹنا، خوب اچھی طرح کاٹنا۔ کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کیا۔	قَطَعَ	اس نے کاٹا	قَطَعَ
بکثرت قتل کیا۔ بری طرح قتل کیا۔	قَتَلَ	مار ڈالا، قتل کیا۔	قَتَلَ

(۴) کسی کام کو بتدریج تھوڑا تھوڑا اور بار بار کرنے کے لئے :

تلائی مجرد	معنی	تلائی مزید فیہ باب تفعیل	معنی
نَزَلَ	اترا ، نازل ہوا	نَزَّلَ	اتارا ، نازل کیا ، بار بار تھوڑا تھوڑا بتدریج اتارا ۔
ذَكَرَ	یاد کیا	ذَكَرَ	یاد دلایا بار بار یاد دلایا ۔

(۵) کسی کام کو کسی کی طرف منسوب کرنے کے لئے بھی یہ باب استعمال کیا

جاتا ہے ۔ مثلاً :

تلائی مجرد	معنی	تلائی مزید فیہ باب تفعیل	معنی
كَذَبَ	جھوٹ بولا	كَذَّبَ	اسے جھٹلایا ، جھوٹا بتایا ۔ اسکی طرف جھوٹ کو منسوب کیا ۔
صَدَقَ	سچ بولا	صَدَّقَ	اسے سچا بتایا ۔ اس کی تصدیق کی ۔ سچ اسکی طرف منسوب کیا ، سچ کر کے دکھایا ۔

(۶) کسی کیفیت کو دور کرنے اور سلب کرنے کے لئے بھی یہ باب استعمال ہوتا

ہے۔ مثلاً:

معنی	ثلاثی مزید فیہ باب تفعیل	معنی	ثلاثی مجرد
اس کی بیماری دور کی۔	مَرَضَ	وہ بیمار ہوا۔	مَرَضَ
جانور کی حرارت غریزی نکالی 'اسے ذبح کیا'	ذَكَى	حرارت غریزی۔	ذُكِيَ

(۷) باب افعال کے مخالف معنوں کے لئے بھی آتا ہے۔ مثلاً:

أَفْرَطَ (باب افعال) حد سے تجاوز کیا۔ افراط۔

فَرَطَ (باب تفعیل) حد سے کمی کی۔ تفریط۔

(۹) بعض اوقات یہ ثلاثی مجرد کے معنوں میں آتا ہے۔ مثلاً بَشَرَ اور بَشَّرَ

کے معنی ایک ہیں۔

باب تفعیل سے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

مصدر	اسم مفعول	اسم فاعل	نہی	امر	فعل مضارع		فعل ماضی	
					مجهول	معلوم	مجهول	معلوم
تعلیم	تعلیم	تعلیم	لا تعلم	تعلم	یتعلم	یتعلم	تعلم	تعلم

(۲) باب افعال کے خواص

(اس باب سے) (حروف صحت والے مادوں کا) مصدر افعال کے وزن پر آئے گا۔

مثلاً اِسْلَامٌ - اِكْرَامٌ

ثلاثی مجرد کو افعال میں منتقل ہونے سے مندرجہ ذیل فوائد مطلوب

ہوتے ہیں۔



(۱) ثلاثی مجرد کے فعل لازم کو فعل متعدی بنانے کے لئے - جیسے :-

معنی	ثلاثی مزید فیہ باب افعال	معنی	ثلاثی مجرد
اسنے خوش کیا	أَفْرَحَ	وہ خوش ہوا	فَرِحَ
اسنے با عزت و سر بلند کیا	أَعَزَّ	وہ با عزت و سر بلند ہوا	عَزَّ

(۲) ثلاثی مجرد اگر متعدی ہے اور ایک مفعول چاہتا ہے تو اسے دو مفعول والا  
متعدی فعل بنانے کے لئے - جیسے :-

مثال	ثلاثی مزید فیہ باب افعال	مثال	ثلاثی مجرد
أَقْرَأَ زَيْدًا حَامِدًا کتا با : زید نے حامد کو کتاب پڑھائی - یہاں "حامداً اور کتا با" دو مفعول ہیں -	أَقْرَأَ پڑھایا	قَرَأَ زَيْدٌ كِتَابًا : زید نے کتاب پڑھی یہاں "کتاباً" مفعول ہے -	قَرَأَ اس نے پڑھا

(۳) کسی "وقت یا جگہ میں داخل ہونا" بتانے کے لئے - مثلاً :-

أَصْبَحَ (باب افعال) وہ صبح کے وقت میں داخل ہوا -

أَمْسَى (باب افعال) وہ شام کے وقت میں داخل ہوا -

أَعْرَقَ (باب افعال) وہ عراق میں داخل ہوا -

(۴) کسی "حالت یا صفت کا پایا جانا" بتانے کے لئے :- جیسے

كَبِّرَ (باب افعال) اسے بڑا پایا -

(۵) کبھی یہ باب ثلاثی مجرد کے ہم معنی ہوتا ہے۔ مثلاً

الْحَقِّ (باب افعال) بِمَعْنَى لِحَقِّ (ثلاثی مجرد) : پیچھے سے آکر ملا۔

(۶) کسی صفت کے زائل ہونے اور سبب کرنے کے لئے۔ مثلاً

أَعْتَبَ (باب افعال) عتاب زائل کیا۔

(۷) باب ثلاثی مجرد متعدی کا لازم بنتا ہے۔ جیسے کَسِبَهُ (ثلاثی مجرد

متعدی) عَلِمَ وَجْهَهُ :- اسے منہ کے بل گرایا، فَاكْتَسَبَ (باب افعال

لازم) تو وہ منہ کے بل کر گیا

اس باب سے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

مصدر	اسم مفعول	اسم فاعل	نہی	امر	فعل مضارع		فعل ماضی	
					مجهول	معلوم	مجهول	معلوم
اسلام	مسلم	مسلم	لا تسلم	اسلم	يسلم	يسلم	اسلم	اسلم

### (۳) باب مُفَاعَلَةٍ کے خواص

(اس باب سے مصدر مُفَاعَلَةٌ اور فِعَالٌ کے وزن پر آتا ہے۔ مثلاً

وَجَاهِدَةٌ وَجِهَادٌ، مُسَابِقَةٌ وَمُسَابِقٌ)۔

ثلاثی مجرد کو باب ”مُفَاعَلَةٍ“ میں لے جانے سے مندرجہ ذیل فوائد مطلوب

ہوتے ہیں :

(۱) دو آدمیوں کا ایک ہی کام میں ایک دوسرے کے ساتھ مصروف ہونا مثلاً

جب دو آدمی آپس میں جنگ کر رہے ہوں تو قَاتِلٌ کی جگہ قَاتِلٌ کہا جائیگا۔ یعنی

دونوں ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔ مثالیں دیکھئے :

تلائی مجرد	معنی	تلائی مزید فیہ باب مفاعله	معنی
حَرْبٌ - ۵۸	جنگ، لڑائی	حَارَبَ	ایک دوسرے کے خلاف لڑے
جَاهِدٌ	اس نے پوری کوشش کی	جَاهَدَ	ایک نے دوسرے کو زیر کرنے کے لئے اپنی پوری طاقت صرف کی
ضَرَبٌ	نقصان پہنچایا	ضَارَبٌ	ایک نے دوسرے کو نقصان پہنچایا

(۲) کسی کام میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے اور مقابلہ کرنے کے لئے - جیسے:

تلائی مجرد	معنی	تلائی مزید فیہ باب مفاعله	معنی
سَبَقٌ	وہ آگے بڑھا	سَابَقَ	ایک نے دوسرے سے آگے بڑھنے اور سبق لیجانے کی کوشش کی، آگے بڑھنے میں مقابلہ کیا۔
سَرِعٌ	وہ تیز رفتار ہوا	سَارَعَ	ایک نے دوسرے سے جلدی کرنے میں مقابلہ کیا

(۳) باب تفعیل کی طرح کسی کام میں کثرت و زیادتی بتانے کے لئے - مثلاً:

ضَاعَفَ (باب مفاعله): کئی گنا بڑھایا، دو چند، چند - چند کیا۔

(۴) باب افعالی کی طرح لازم کو متعدی بنانے کے لئے بھی کبھی کبھی یہ باب

مستعمل ہوتا ہے - مثلاً :

تلائی مجرد	معنی	تلائی مزید فیہ باب مفاعلہ	معنی
بَعُدَ	دور ہوا	بَاعَدَ	دور کیا
		وَارَى	چھپایا

(۵) کبھی اس کے معنی - تلائی مجرد کے ہوتے ہیں - مثلاً :

نَافَقَ (باب مفاعلہ) اس نے منافقت کی۔

قَاتَلَ (باب مفاعلہ) اس نے مار ڈالا، قتل کیا، بمعنی قَتَلَ (تلائی مجرد)۔

بَارَكَ (باب مفاعلہ) اس نے خیر کا اضافہ کیا، برکت دی۔

اس باب کے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

مصدر	اسم مفعول	اسم فاعل	نہی	امر	فعل مضارع		فعل ماضی	
					مجهول	معلوم	مجهول	معلوم
قَاتَلَ	مَقَاتِلَةٌ	مَقَاتِلٌ	لَا تَقَاتِلْ	قَاتِلْ	يُقَاتِلُ	يُقَاتِلُ	قَاتَلَ	قَاتَلَ

#### (۴) باب تَفَاعُلٍ کے خواص

(اس باب سے مصدر تَفَاعُلٍ کے وزن پر آئیگا۔ مثلاً تَقَابَلُوا)

تلائی مجرد کو باب تَفَاعُلٍ میں منتقل کرنے سے مندرجہ ذیل فائدے مطلوب

ہوتے ہیں :

(۱) دو یا دو سے زیادہ افراد کا ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کوئی کام کرنا :

ایک شخص کا دوسرے کے ساتھ (مفاعلہ کے باب کی طرح) یا ایک جماعت کا دو-ری جماعت

کے ساتھ کسی کام کو کرنا (اب مفاعله میں بالعموم ایک فرد دوسرے فرد کے مقابل میں ہوتا ہے اور باب تفاعل میں عام طور پر ایک جماعت دوسری جماعت کے مقابل ہوتی ہے)۔  
مثلاً:

معنی	ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب تفاعل	معنی
آپس میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہونے	قَبِلَ	سامنے ہوا۔	تَقَابَلَا	آپس میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہونے
آپس میں ایک نے دوسرے کو دیکھا۔	رَأَى	دیکھا	تَرَآءَى	آپس میں ایک نے دوسرے کو دیکھا۔

(۲) باب "مُفَاعَلَةٌ" کا اثر قبول کرنے کے لئے آتا ہے۔ اگر "مُفَاعَلَةٌ" میں فاعل و مفعول درکار ہوں تو اس باب (تَمَاعُلٌ) میں صرف فاعل درکار ہوگا:

باب مفاعله	معنی	باب تفاعل	معنی
بَاعَدَهُ	اسے دور کیا	تَبَاعَدَا	وہ دور ہو گیا

نوٹ - غور کیجئے۔ دور ہونے میں دونوں ایک دوسرے سے دور ہوتے ہیں لیکن جب ایک کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ دور ہو گیا تو اس سے بات واضح ہو جاتی ہے یعنی دونوں کا ذکر ضروری نہیں ہوتا۔

(۳) کبھی یہ باب ثلاثی مجرد کا ہم معنی ہوتا ہے۔ جیسے:-

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب تفاعل	معنی
عَالَ	بلند ہوا	تَعَالَى	بلند ہوا

اس باب سے مشتق افعال و اسما کے مثالی اوزان

فعل ماضی	فعل مضارع	اسم	نہی	اسم فاعل	اسم مفعول اور یہی اسم مکان و زمان بھی ہے	مصدرہ
تَنَزَّاهُ	يَتَنَزَّاهُ	تَنَزَّاهُ	لَا تَنَزَّاهُ	مَتَنَزَّاهُ	مَتَنَزَّاهُ	تَنَزَّاهُ

### (۵) باب تَفَعَّل کے خواص

(اس باب سے مصدر تَفَعَّل کے وزن پر آنے کا۔ جیسے تَقَدَّمَ)

ثلاثی مجرد کو باب "تَفَعَّل" میں لے جانے سے مندرجہ ذیل فوائد مطلوب

ہوتے ہیں :-

(۱) باب تَفَعَّل میں جس کام کو کیا جائے اس کا اثر قبول کو لینے اور اس

کام کے ہو جانے کے لئے یہ باب استعمال ہوتا ہے۔ جیسے :-

باب تَفَعَّل	معنی	باب تَفَعَّل	معنی
تَقَطَّعَ	کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوا۔	تَقَطَّعَ	کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کیا
تَقَدَّمَ	آگے آیا، پیش ہوا۔	تَقَدَّمَ	آگے بھیجا، پیش کیا

(۲) کسی کام کا یکے بعد دیگرے تھوڑا تھوڑا ہونا یا کرنا۔ جیسے :-

تَجَرَّعَ (باب تَفَعَّل) گھونٹ گھونٹ پیا۔

(۳) کسی کام کو کرنے اور اس کے فوائد سے متمتع ہونے کے لئے زور لگانا اور

جد و جہد کرنا - جیسے :-

تَعَلَّمْ (باب تَفَعَّلُ) اس نے (کوشش اور کاوش سے) علم حاصل کیا ۔

تَدَبَّرْ (باب تَفَعَّلُ) اس نے (سعی و محنت سے) غور کیا پیچھا کیا ۔

(۴) کسی کام کو چھوڑنا اور اس سے دور ہونا - مثلاً :-

”هَجُودٌ“ کے معنی نیند اور سونا ہیں ۔

تَهَجَّدَ (باب تَفَعَّلُ) میرے معنی ہوں گے) : اس نے سونا چھوڑا ۔

یعنی جاگا ۔

(۵) باب تَفَعَّلُ کے ہم معنی ہوتا ہے - جیسے :-

باب تَفَعَّلُ	معنی	باب تَفَعَّلُ	معنی
تَفَكَّرَ	اس نے غور و فکر کیا -	فَكَّرَ	اس نے غور و فکر کیا -

اس باب کے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

مصدر	اسم (و اسم طرف)	اسم فاعل	اسم	فعل مضارع		فعل ماضی	
				مجهول	معروف	مجهول	معروف
تَدَبَّرَ	تَدَبُّرًا	تَدَبَّرَ	تَدَبَّرَ	تَدَبَّرُ	تَدَبَّرَ	تَدَبَّرَ	تَدَبَّرَ

(۶) باب اِنْفَعَالٍ کے خواص

(اس باب سے مصدر اِنْفَعَالٍ کے وزن پر آنے کا - جیسے اِنْقِلَابٌ)

ثلاثی مجرد کو باب انفعال میں لے جانے سے مندرجہ ذیل فوائد پیدا ہوتے ہیں :-

(۱) ثلاثی مجرد کے جن افعال میں اثر اندازی اور زور لگا کر کرنے کا مفہوم

پایا جاتا ہے ، یہ باب ان افعال کا اثر قبول کرنے اور ویسا ہو جانے کے لئے استعمال ہوتا ہے

نیز متعدی فعل کو لازم کر دیتا ہے۔ مثلاً :-

تلائی مجرد	معنی	تلائی مزید فیہ باب اَنْفَعَالِ	معنی
قَلَّبَ	پلٹا، پھیرا، الٹا	اَنْقَلَبَ	پلٹ گیا، پھر گیا، الٹ گیا۔
فَلَقَ	پھاڑا	اَنْدَاقَ	پھٹ گیا۔

اس باب کے مشتق افعال و اسما کے ممالی اوزان

فعل ماضی	فعل مضارع	امر	نہی	اسم فاعل	صرف زمان و مکان	مصدر
اَنْقَلَبَ	يَنْقَلِبُ	اَنْقَلِبْ	لَا تَنْقَلِبْ	مَنْقَلِبُ	مَنْقَلِبُ	اَنْقَلَبَ

نوٹ۔ یہ باب لازم ہی آتا ہے اور کسی لازم فعل سے نہ مجہول بنایا جاتا ہے۔

تہ اسم مفعول۔

## ۷۔ باب اَفْتَعَالِ کے خواص

(اس باب سے مصدر اَفْتَعَالِ کے وزن پر آنے کا۔ مثلاً اَكْتَسَابُ)

تلائی مجرد کو باب اَفْتَعَالِ میں لے جانے سے مندرجہ ذیل فوائد مستحرف

ہوتے ہیں۔

(۱) تلائی مجرد فعل کا اثر قبول کرنا اور جو کام کیا جائے اس کا ہو جانا جیسے :

تلائی مجرد	معنی	تلائی مزید فیہ باب اَفْتَعَالِ	معنی
جَمَعَ	جمع کیا، اکٹھا کیا۔	اَجْتَمَعَ	جمع ہو گیا، اکٹھا ہوا۔
هَدَى	راستہ بتایا، رہنمائی کی۔	اِهْتَدَى	راستہ پر لگا، رہنمائی ہوئی، راستہ معلوم ہوا۔



(۲) کسی کام میں محنت کرنا اور انتہائی زور لگانا، مثلاً :

تلائی مجرد	معنی	تلائی مزید فیہ باب افتعال	معنی
كَسَبَ	اس نے کمایا	اَكْتَسَبَ	اس نے محنت اور انتہائی زور لگا کر کمایا۔
جَهَدَ	کوشش کی	اجْتَهَدَ	پوری کوشش اور انتہائی زور لگایا۔

(۳) اپنے جی سے کسی کام کو بنا لینا اور گھڑ لینا :- جیسے

تلائی مجرد	معنی	تلائی مزید فیہ باب افتعال	معنی
كَتَبَ	لکھا	اَكْتَتَبَ	اپنی طرف سے لکھ لیا۔
خَلَقَ	بنایا	اَخْتَلَقَ	اپنے جی سے بنا لیا، گھڑ لیا، تراش لیا۔

(۴) کسی کام کو چاہنا اور اسے طلب کرنا۔ نیز کسی چیز کو پیش کرنا اور

اظہار کرنا۔ مثلاً :-

تلائی مجرد	معنی	تلائی مزید فیہ باب افتعال	معنی
عَدَرَ	اس نے معاف کیا۔ عذر قبول کیا	اعْتَدَرَ	اس نے معافی چاہی۔ عذر پیش کیا۔

(۵) باب تَمَّعَا عَلٰی کی طرح اس باب میں بھی باہمی اشتراک کا مفہوم پایا جاتا

ہے۔ مثلاً:

تلائی مجرد	معنی	تلائی مزید فیہ باب افتعال	معنی
قَتَلَ	قتل کیا	اَقْتَتَلَ	باہم قتل کیا
سَبَقَ	آگے بڑھا	اَسْتَبَقَ	آپس میں ایک دوسرے سے سبقت کی۔

اس باب کے مشتق اسماء و افعال کے مثالی اوزان

مصدر	اسم مفعول	اسم فاعل	نہی	اسم	فعل مضارع		فعل ماضی	
					مجهول	معلوم	مجهول	معلوم
اَشْتَمَلُ	اَشْتَمَلُ	اَشْتَمَلُ	اَشْتَمَلُ	اَشْتَمَلُ	اَشْتَمَلُ	اَشْتَمَلُ	اَشْتَمَلُ	اَشْتَمَلُ

## (۸) باب اِسْتِفْعَالِ کے خواص

تلائی مجرد کو باب "استفعال" میں منتقل کرنے سے مندرجہ ذیل فوائد مطلوب

ہوتے ہیں:

(۱) کسی کام کو چاہنا، اسے ضبب کرنا اور مانگنا۔ مثلاً:

تلائی مجرد	معنی	تلائی مزید فیہ باب استفعال	معنی
تَضَمَّرَ	اس نے مدد کی	اَسْتَضَمَّرَ	اس نے مدد چاہی، مدد مانگی
عَفَّرَ	استے بچایا، محفوظ رکھا	اَسْتَعَفَّرَ	اس نے حفاظت چاہی۔ بچاؤ کا طالب ہوا۔

(۲) مفعول میں فعل کی صفت کو پانا یا سمجھنا - جیسے :

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب استفعال	معنی
ضَعُفٌ	کمزور ہوا	اَسْتَضَعَفَ	اسے کمزور پایا، یا کمزور سمجھا۔

(۳) کسی کام کا اثر قبول کرنے اور اس کے ساتھ جیسا کیا جائے ویسا ہو جانے

کے لئے بھی اس باب کو استعمال کیا جاتا ہے - جیسے :

اَسْتَجَابَ (باب استفعال) پکار کا جواب دیا، آواز کو قبول کیا۔

(۴) کبھی یہ باب ثلاثی مجرد کے ہم معنی ہوتا ہے - جیسے :

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب استفعال	معنی
قَرَّ	و ٹھرا	اَسْتَقَرَّ	وہ ٹھرا

اس باب کے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

مصدر	اسم		نہی	امر	فعل مضارع		فعل ماضی	
	مفعول	فاعل			مجهول	معلوم	مجهول	معلوم
قَوَّ	قَوَّ	قَوَّ	لَا تَقْوُ	اقْوُ	قَوَّ	قَوَّ	قَوَّ	قَوَّ
سَتَنَصَّرَ	سَتَنَصَّرَ	سَتَنَصَّرَ	لَا تَسْتَنْصِرُ	اسْتَنْصِرْ	سَتَنَصَّرَ	سَتَنَصَّرَ	سَتَنَصَّرَ	سَتَنَصَّرَ

## (۹) باب اِفْعِلَال کے خواص

(ابواب نمبر ۹ تا ۱۲ بہت کم استعمال ہوتے ہیں)

(۱) یہ باب کسی رنگ یا عیب کو ہٹانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے :

اسم	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب افعلال	معنی
اَبِیضٌ	سفید	اَبِیضٌ	سفید ہوا۔
اَسْوَدٌ	کالا	اَسْوَدٌ	سیاہ ہوا۔

اس باب کے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی	فعل مضارع	امر	نہی	اسم فاعل	مصدر
اَبِیضٌ	یَبِیضُ	اَبِیضْ	لَا تَبِیضُ	وَبِیضٌ	اَبِیضًا

## (۱۰) باب اِفْعِیْلَال کے خواص

باب اِفْعِیْلَال در اصل باب افعلال (نمبر ۹) کی ایک قسم ہے اس لئے اسی کے

خواص رکھتا ہے۔ نیز حرف ”ی“ کے اضافہ کی وجہ سے معنی میں زور وبالغہ پایا جاتا ہے۔ مثلاً :

اَدَّهَامٌ (باب افعلال) سخت سپاہ ہوا۔

اس باب کے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی	فعل مضارع	امر	نہی	اسم فاعل	مصدر
اَدَّهَامٌ	یَدِّهَامُ	اَدِّهَامْ	لَا تَدِّهَامُ	وَدِّهَامٌ	اَدِّهَامًا

## ۱۱، ۱۲۔ باب اِفْعَلٌ اور باب اِفَاعِلٌ کے خواص

یہ ابواب در اصل باب تَفَعَّلٌ اور باب تَفَاعَلٌ کی بدلی ہوئی شکلیں ہیں

اور انہی ابواب کے خواص اپنے اندر رکھتے ہیں۔ مثالیں :

باب اِفْعَلٌ	معنی	باب اِفَاعِلٌ	معنی
اَزَمَلَ	(۱) اس نے چادر اوڑھی۔ (۲) اس نے ساتھی بنایا۔	اِثْمَالَ	وہ بوجھل اور بھاری ہوا۔
اِطْهَرَ	اس نے پاکی اختیار کی، پاک ہوا۔	اِدَّارَكَ	ایک دوسرے کو ملا۔ ایک نے دوسرے کو پایا۔

## رُبَاعِيٌّ مَجْرَدٌ اور مزید فیہ کے ابواب

جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے، ثلاثی وہ فعل ہے جس میں سادہ یعنی اصلی حروف کی

تعداد تین ہو۔ اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ (۱) مجرد (۲) مزید فیہ۔ ”مجرد“

وہ جس کی ماضی کی پہلی شکل میں صرف تین حروف ہوتے ہیں۔ ”مزید فیہ“ وہ جس

کی ماضی کی پہلی شکل میں تین سے زیادہ حروف ہوں لیکن پھر حال اصلی حروف تین ہی

ہوں۔ مثال کے طور پر ”نَصَرَ“، فعل ماضی کی پہلی شکل ہے۔ اس میں تین حروف ہیں۔

یہ ثلاثی مجرد ہے۔ لیکن ”اَسْتَنْصَرَ“، جو اگرچہ نَصَرَ میں ہی کچھ حرفوں

کے اضافہ سے بنا ہے، ثلاثی مجرد نہیں بلکہ ثلاثی مزید فیہ ہے۔

وہ فعل جس کی ماضی کی پہلی شکل میں چار حروف ہوں اور وہ چاروں اصلی ہوں اور ان میں کوئی بھی زائد نہ ہو فعل رباعی کہلاتا ہے۔ اگر ماضی کی پہلی شکل میں

رباعی  
مجرد۔ مزید فیہ

صرف چار حروف ہوں تو وہ فعل رباعی مجرد کہلائے گا، لیکن جب اصلی حروف تو چار ہی ہوں لیکن ماضی کی پہلی شکل میں چار سے زیادہ حروف ہوں تو اسے رباعی مزید فیہ کہینگے۔

عربی میں عموماً ثلاثی افعال زیادہ استعمال ہوتے ہیں، رباعی کم استعمال ہوتے ہیں اور اسی لئے رباعی کے ابواب بھی کم ہیں۔ رباعی مجرد کا تو صرف ایک باب ہے۔

### (۱) باب فَعَلَّةٌ

وہ فعل جس کا مادہ (اصلی حروف) چار حرفوں پر مشتمل ہو اور ماضی کی پہلی شکل میں بھی صرف چار حرف ہوں، رباعی مجرد کہلاتا ہے۔ اور اس کا ایک باب ہے۔ یہ باب عموماً متعدی ہوتا ہے۔ مثالیں :

وَسَّوَسَ : اس نے خیال یا وسوسہ ڈالا۔

زَلَزَلَ : اس نے ہلایا۔

اس باب کے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

مصدر	اسم مفعول	اسم فاعل	نہی	اس	فعل مضارع		فعل ماضی	
					مجهول	معلوم	مجهول	معلوم
(۱)	زَلَزَلٌ	مَزَلَزُولٌ	لَا تَزْزِلْ	زَلَزَلٌ	يَزْلِزِلُ	يَزْلِزِلُ	زَلَزَلَ	زَلَزَلَ
(۲)	زَلَزَالٌ							

نوٹ۔ مصدر میں دوسرا وزن کم مستعمل ہے۔

## رباعی مزید فیہ اور اُس کے ابواب

جب فعل ماضی کی پہلی شکل میں اصل چار حروف کے ساتھ ساتھ کچھ زائد حروف بھی ہوں تو وہ فعل ”رباعی مزید فیہ“ کہلاتا ہے۔ اس کے ابواب یہ ہیں۔

## (۱) باب اِفْعِلَالٌ

اس باب میں ماضی کی پہلی شکل اِطْمَأَنَّ ہے یہ طِمْأَنَّ سے بنی ہے۔ اِطْمَأَنَّ میں شروع کا الف اور آخر میں ن پر تشدید زیادہ ہے۔ اسی طرح اِشْمَعِرٌ اور اِشْمَازٌ۔

اس باب کے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی	فعل مضارع	اسم	نہی	اسم فاعل	مصدر
اِطْمَأَنَّ	يُطْمِئِنُّ	اِطْمِئِنٌّ	لَا تُطْمِئِنُّ	مُطْمِئِنٌّ	اِطْمِئِنَانٌ

## (۲) باب تَفْعَلُلٌ

رباعی مزید کا ایک باب جو رہا ہی مجرد کے باب کا اثر قبول کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے اس کی ماضی کی پہلی شکل تَفْعَلُلٌ کے وزن پر آتی ہے۔ جیسے : تَزْحَزِحُ ، تَزَلْزَلُ۔

اس باب کے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی	فعل مضارع	اسم	نہی	اسم فاعل	مصدر
تَزْحَزَحَ	يَتَزَحَّزَحُ	تَزْحَزِحٌ	لَا تَزْحَزِحُ	مَتَزَحِّحٌ	تَزْحَزِحَانٌ

اسید ہے کہ عربی گرامر کے ان مختصر سے نکات سے (عربی نہ جاننے والے) قارئین اتنا سمجھ گئے ہونگے کہ عربی الفاظ کے مادے کیا ہوتے ہیں۔ ان مادوں سے الفاظ کی مختلف شکلیں کیسے بنتی ہیں اور ان شکلوں سے الفاظ کے معنوں میں کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ معلومات نہ صرف زیر نظر لغت سے استفادہ میں بڑی مدد دینگی بلکہ عربی زبان کے سمجھنے میں بھی مدد و معاون ثابت ہونگی۔

آئندہ باب میں قارئین کے سامنے ایک فہرست آئیگی جس میں قرآن کریم کے تمام الفاظ ان کی اصلی شکل میں (یعنی جس شکل میں وہ قرآن میں آئے ہیں) دئے گئے ہیں اور ہر لفظ کے سامنے اس کا مادہ دیا گیا ہے تاکہ لغت سے الفاظ کے معنی معلوم کرنے میں دقت نہ ہو۔



# لُغَاتُ الْعَرَبِيَّةِ

## بَابُ وَ

جیسا کہ سابقہ باب میں لکھا جا چکا ہے ' عربی زبان کے ہر لفظ کا (بجز حروف کے) ایک مادہ ہوتا ہے اور لغت میں وہ لفظ اپنے مادہ کے تحت لکھا جاتا ہے۔ عربی جانتے والوں کے لئے تو یہ معلوم کر لینا مشکل نہیں ہوتا کہ فلاں لفظ کا مادہ کیا ہے، لکن جو لوگ عربی زبان سے واقف نہیں ان کے لئے الفاظ کے مادے معلوم کرنا مشکل (بلکہ بعض اوقات ناممکن) ہوتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جب کسی کو ایک لفظ کا مادہ ہی معلوم نہیں ہوگا تو وہ اسے لغت میں تلاش کیسے کریگا؟ مثلاً ایک لفظ ہے "مُتَّقِيْنَ"۔ عربی نہ جانتے والا اسے "م ت" کے نیچے تلاش کرے گا، اور اس کا ذہن کبھی اس طرف منتقل نہیں ہوگا کہ یہ لفظ "وق ی" کے تحت ملے گا جو اس کا مادہ ہے۔ چونکہ ہماری کوشش یہ ہے کہ اس لغت کی مدد سے عربی نہ

جاننے والے حضرات قرآنی مطالب کو براہ راست سمجھ سکیں اس لئے ان کی سہولت کے لئے قرآنی الفاظ کی ایک فہرست مرتب کر دی گئی ہے۔ اس فہرست میں قرآن کا ہر لفظ اسی شکل میں دیا گیا ہے جس میں وہ قرآن کے اندر موجود ہے اور اس کے سامنے وہ مادہ دیا گیا ہے جس کے تحت وہ لفظ لغت میں ملے گا۔ آپ قرآن کے جس لفظ کے معانی معلوم کرنا چاہیں، اسے فہرست میں عام ڈکشنریوں کے قاعدے کے مطابق تلاش کریں۔ پھر اس کے سامنے جو مادہ دیا گیا ہو اسے زیر نظر لغت میں (ڈکشنری کے قاعدے کے مطابق) اس کے مقام میں دیکھ لیں۔ مطلوبہ لفظ اس مادہ کے تحت مل جائیگا۔

اس فہرست میں :

(۱) عام طور پر قرآنی الفاظ پر اعراب (زیر- زیر- پیش- جزم وغیرہ) نہیں دئے گئے۔ ایسا کیا جاتا تو فہرست (بلا ضرورت) طویل ہو جاتی۔ مثلاً اسْتَغْفِرُ - اسْتَغْفِرُ - اسْتَغْفِرُ کو الگ الگ لکھنے کی بجائے ایک ہی جگہ (استغفر کی شکل میں بلا اعراب) لکھ دیا گیا ہے اور اس کے سامنے اس کا مادہ (غ ف ر) دیدیا گیا ہے۔ البتہ جہاں اعراب کے بدل جانے سے مادہ بدل جاتا ہے وہاں الفاظ پر اعراب لگا دئے گئے ہیں۔ مثلاً صَفًّا کا مادہ (ص ف ف) ہے اور صَفًّا کا مادہ (ص ف و)۔ ان پر اعراب دیدئے گئے ہیں۔

اسی طرح عربی میں مختلف وجوہ کی بنا پر اسم کے آخری حرف ہر زیر (یا) زیر (یا) پیش (یا) آئے ہیں۔ فہرست میں ایسے الفاظ کی بھی صرف ایک شکل دی گئی ہے۔ مثلاً قرآن میں کہیں عَلِمًا ہے۔ کہیں الْعَلِمُ، عَلِمٌ الْعَلِمُ، عَلِمٌ اور الْعَلِمُ۔ فہرست میں آپ کو صرف (علم) ملے گا۔

(۲) عربی زبان میں بعض اوقات اصل لفظ سے پہلے (ال) یا (ف) وغیرہ کے حروف آ جاتے ہیں۔ مثلاً الْجَبِيتُ - یا فَمَذَكَّرٌ۔ زیر نظر فہرست میں ایسے الفاظ اپنی اصل شکل میں ملیں گے۔ یعنی (الْجَبِيتُ) آپ کو (ال) کے نیچے نہیں ملے گا بلکہ

بیسیت کے مقام پر ملے گا۔ لیکن جہاں (اَل) کسی لفظ کا جزو ہے تو وہ لفظ (اَل) ہی کے تحت ملے گا۔ مثلاً (اَلْوَاخ)۔ ہمیں اس کا احساس ہے کہ عربی زبان نہ جانتے والوں کے لئے بعض اوقات یہ متعین کرنا بھی مشکل ہوگا کہ (اَل) اس لفظ کا اصلی جزو ہے یا نہیں۔ لیکن اس دشواری کا اس کے سوا کوئی حل نہیں کہ ایسے الفاظ کو آپ (اَل) کے تحت بھی دیکھ لیں اور (اَل) کے بغیر اصل لفظ کے تحت بھی۔

اسی طرح عربی میں متعدد حروف 'اسم اور فعل سے پہلے' اور مختلف ضمیریں اسم اور فعل کے بعد' اس طرح ملا کر لکھی جاتی ہیں کہ عربی نہ جانتے والوں کے لئے انہیں الگ الگ کر کے الفاظ کی اصلی شکلیں جاننا مشکل ہو جاتا ہے۔ مثلاً اَفْتَبَارُوْهُ جُمُوعَہِ اُ + ف + تُمَارُوْنَ + وُ + کَا۔ اور فُقِنَا جُمُوعَہِ ف + ق + نَا، کَا۔ اور فَاَلْهَمَهَا جُمُوعَہِ ف + اَلْهَم + هَا، کَا۔ اور اَلْهَكْمُ جُمُوعَہِ اَلْهِي + كُمْ کَا۔ لہذا ان میں سے جس لفظ (یا حرف) کے معنی دیکھنے مقصود ہوں اسے الگ کر کے لغت میں دیکھئے۔

(۳) بعض اوقات لفظ کے مادہ میں بھی تھوڑی سی دقت پیش آجاتی ہے۔ ایسا ان مادوں میں ہوتا ہے جن میں (ی) یا (و) آئے۔ مثلاً (تَسْرَاقِي) کا مادہ (رقی) بھی ہو سکتا ہے اور (رق و) بھی۔ ایسے الفاظ کی صورت میں فہرست میں دونوں مادے دیدئے گئے ہیں۔ لیکن اگر کسی جگہ ایسا نہ کیا جاسکا ہو تو ان مادوں کو (ی) میں بھی دیکھ لینا چاہئے اور (و) میں بھی۔ اس ضمن میں مزید دیکھئے تتمہ ص ۱۸۰۲ جلد چہارم عنوان تمہید۔

(۴) فہرست میں حروف منقطعہ مثلاً اَلْوَاخ۔ کَسْبِيْعِيْعَص۔ وغیرہ نہیں دئے گئے۔ اس ضمن میں مزید دیکھئے تتمہ ص ۱۸۰۵ جلد چہارم عنوان تمہید۔

آخر میں اتنا واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ اگرچہ کوشش کی گئی ہے کہ یہ فہرست ہر لحاظ سے مکمل ہو لیکن اس کے باوجود ہو سکتا ہے کہ اس میں بعض قرآنی الفاظ نہ آسکے ہوں یا کوئی اور غلطی رہ گئی ہو۔ قارئین سے درخواست ہے کہ اگر انہیں کہیں اس قسم کا سہو یا غلطی نظر آئے تو اس سے مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اس کی تصحیح کر دی جائے۔

اب فہرست الفاظ ملاحظہ فرمائیے۔ ہر صفحہ پر تین خانے ہیں۔ اور ہر خانے میں "لفظ" کے نیچے قرآنی الفاظ ہیں اور "مادہ" کے نیچے وہ مقام جہاں وہ الفاظ لغت میں ملیں گے۔



## قرآنی الفاظ کی فہرست

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
أ	أ	أخذین	ا خ ذ	أسفوا	ا س ف
آباء	ا ب و	آخر	ا خ ر	أسن	ا س ن
آت	ا ت ی	آخران	،،	أصاا	ا ص ل
آتی	،،	آخرة	،،	أفاق	ا ف ق
آتوا	،،	آخرون	،،	أفلین	ا ف ل
آتی	،،	آخرین	،،	أكلون	ا ک ل
آتیت	،،	آدم	ا د م	آل	ا و ل
آتیة	،،	آذان	ا ذ ن	آلاء	ا ل و (الی)
آتیتم	،،	آذن	،،	آلآن	ا ل ا و ن
آتیتموا	،،	آذنا	،،	آلاف	ا ل ف
آتین	،،	آذنت	،،	آلهة	ا ل ه
آتینا	،،	آذوا	ا ذ ی	آمر	ا م ر
آثار	ا ث ر	آذیتمو	،،	آمرون	،،
آثر	،،	آزر	ا ز ر	آمن	ا م ن
آثم	ا ث م	آزفة	ا ز ف	آمنا	،،
آمین	،،	آسی	ا س و	آمنت	،،

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
آمنة	ا م ن	ائتيا	ا ت ي	ابرئى	ب ر ا
آمنتم	»	اأذن	ا ذ ن	ابرار	ب ر ر
آمنوا	»	اأذنوا	»	ابراهيم	ا ب ر ا ه ي م
آمنون	»	أئمة	ا م م	ابرح	ب ر ح
آمنين	»	اهـ	ا م ر	ابرص	ب ر ص
آمين	ا م م	أب	ا ب و	ايموا	ب ر م
آن	ا و ن	أب	ا ب ب	ايسلوا	ب س ل
آن	ا ن ي	أبى	ا ب ي	ايشروا	ب ش ر
آناه	»	ابايل	ا ب ل	ابصار	ب ص ر
آنس	ا ن س	اباريق	ب ر ق	ابصر	»
آنستم	»	أبت	ا ب و	ابصرونا	»
آنف	ا ن ف	ابتدعوا	ب د ع	ابعث	ب ع ث
آلية	ا ن ي	ابتغ	ب ت ر	ابعثوا	»
أوى	ا و ي	ابتغ	ب غ ي	ابغى	ب غ ي
أووا	»	ابتغى	»	ابق	ا ب ق
أوى	»	ابتغاء	»	ابغى	ب ق ي
أوبنا	»	ابتغوا	»	ابكى	ب ك ي
آيات	ا ي ي	ابتغى	»	ابكار	ب ك ر
آية	»	ابتغيت	»	ابكم	ب ك م
آيتين	»	ابتلى	ب ل و	اهل	ا ب ل
أئت	ا ت ي	ابتاوا	»	ابلعى	ب ل ع
انتمروا	ا م ر	ابجر	ب ح ر	ابلغ	ب ل غ
انتمن	ا م ن	ابدا	ا ب د	ابلغت	»
انتوا	ا ت ي	ابدل	ب د ل	ابلغوا	»

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
ابليس	ب ل س	اتبعتهم	ت ب ع	اتل	ت ل و
ابن <sup>ا</sup>	ب ن ی	اتبعنا	»	اتلوا	»
ابن <sup>ا</sup> <sup>ا</sup> بن	ب ن و (بنی)	اتبعوا	»	اتم	ت م م
ابن السبیل	ب ن و + س ب ل	اتت	ا ت ی	اتم	»
ابناء	ب ن و (بنی)	اتخاذ	ا خ ذ	اتمت	»
ابنة	»	اتخذ	»	اتمنا	»
ابنتی	»	اتخذت	»	اتموا	»
ابنوا	ب ن ی	اتخذتم	»	اتوا	ا ت ی
ابنیه	ب ن و	اتخذتموا	»	اتوب	ت و ب
ابو	ا ب و	اتخذنا	»	اتوكا	و ك ا
ابوا	ا ب ی	اتخذوا	»	اتيا	ا ت ی
ابواب	ب و ب	اتخذی	»	اتيت	»
ابوین	ا ب و	اتراب	ت ر ب	اتین	»
ابی	»	اترفتم	ت ر ف	اتینا	»
ابی لهب	ا ب و + ل ه ب	اترفنا	»	اثاب	ث و ب
ایض	ب ی ض	اترفوا	»	اثاث	ا ث ث
ایضت	»	اترك	ت ر ك	اثارة	ا ث ر
ابین <sup>ا</sup> <sup>ا</sup> بن	ا ب ی	اتسق	و س ق	اثاروا	ث و ر
ابین <sup>ا</sup> <sup>ا</sup> بن	ب ی ن	اتقی	و ق ی	اثاقلتم	ث ق ل
اتی	ا ت ی	اتقی	»	اثبتوا	ث ب ت
اتباع	ت ب ع	اتقن	ت ق ن	اثخنتموا	ث خ ن
اتبع	»	اتقوا	و ق ی	اثر	ا ث ر
اتبعت	»	اتقیین	»	اثرن	ث و ر
		اتقیین	»	اثقال	ث ق ل

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
اثقلت	ث ق ل	اجرمنا	ج ر م	احب	ح ب ب
اثل	ا ث ل	اجرموا	»	احباء	»
اثم	ا ث م	اجسام	ج س م	احبار	ح ب ر
اثمر	ث م ر	اجعل	ج ع ل	احببت	ح ب ب
اثنان	ث ن ی	اجعلوا	»	احبط	ح ب ط
اثنين	»	اجل	ا ج ل	احترقت	ح ر ق
اثم	ا ث م	اجلب	ج ل ب	احتمل	ح م ل
اجاء	ج ی ء	اجلت	ا ج ل	احتملوا	»
اجاج	ا ج ج	اجلدوا	ج ل د	احتسبن	ح ن ک
اجتبی	ج ب ی	اجلین	ا ج ل	احد	ا ح د
اجتم	ج و ب	اجمعوا	ج م ع	احدی	»
اجتیبیت	ج ب ی	اجمعون	»	احدث	ح د ث
اجتیبنا	»	اجمعین	»	احذر	ح ذ ر
اجتث	ج ث ث	اجنب	ج ن ب	احذروا	»
اجترهوا	ج ر ح	اجنة	ج ن ن	احرص	ح ر ص
اجتمعت	ج م ع	اجنح	ج ن ح	احزاب	ح ز ب
اجتمعوا	»	اجنحة	»	احس	ح س س
اجتنبوا	ج ن ب	اجور	ا ج ر	احسان	ح س ن
اجد	و ج د	اجیب	ج و ب	احسن	»
اجداث	ج د ث	اجیبیت	»	احسنم	»
اجدر	ج د ر	اجیبوا	»	احسنوا	»
اجبر	ا ج ر	احادیث	ح د ث	احسوا	ح س س
اجبر	ج و ر	احاط	ح و ط	احشروا	ح ش ر
اجرام	ج ر م	احاطت	»	احصى	ح ص ی

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
احصرتم	ح ص ر	احمی	ح م ی	اخ و	ا خ و
احصرو	»	احیی	ح ی ی	اخذان	ا خ د ن
احصین	ح ص ن	»	»	اخذود	ا خ د د
احصنت	ح ص ن	احیط	ح و ط	اخذ	ا خ ذ
احصوا	ح ص ی	احوی	ح و و	اخذة	ا خ ذ
احصینا	»	احیی	ح ی ی	اخذت	»
احضرت	ح ض ر	احییت	»	اخذتم	»
احضت	ح و ط	احیینا	»	اخذن	»
احطنا	»	اخ	ا خ و	اخذنا	»
احفظوا	ح ف ظ	اخاف	خ و ف	اخذوا	»
احق	ح ق ق	اخالف	خ ل ف	اخر	ا خ ر
احقاب	ح ق ب	اخبار	خ ب ر	اخری	»
احقاف	ح ق ف	اخبثوا	ح ب ث	اخراج	خ ر ج
احکم	خ ک م	اخذ	ا خ و	اخرت	ا خ ر
احکمت	»	اخذار	خ ی ر	اخرج	خ ر ج
احل	ح ل ل	اخرت	»	اخرجت	»
احلام	ح ل م	اخذرنا	»	اخرجتم	»
احلت	ح ل ل	اخذصموا	ح ص م	اخرجنا	»
احل	»	اخذلاف	خ ل ف	اخرجوا	»
احللنا	»	اخذلاق	خ ل ق	اخذنا	ا خ ر
احلوا	»	اخذلط	خ ل ط	اخذی	خ ز ی
احال	ح م ل	اخذلب	خ ل ف	اخذیت	»
احمد	ح م د	اخذلتم	»	اخذسوا	خ س ا
احمل	ح م ل	اخذلوا	»	اخذسرون	خ س ر



لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
اخشوا	خ ش ی	اخوة	ا خ و	ادفعوا	د ف ع
اخضر	خ ض ر	اخيار	خ ی ر	اذکر	ذ ک ر
اخطاتم	خ ط ا	اخيہ	ا خ و	ادل	د ل ل
اخطانا	خ ط ا	اد	ا د د	ادنى	د ل و
اخفى	خ ف ی	اداء	ا د ی	ادنى	د ن و
اخفض	خ ف ض	اداراتم	د ر ا	ادوا	ا د ی
اخفي	خ ف ی	ادارك	د ر ك	ادهى	د ه ی
اخفيتم	»	اداركوا	د ر ك	اذ	ا ذ
اخلاء	خ ل ل	ادبار	د ب ر	اذّا	ا ذ ن
اخلاص	خ ل ص	ادبر	»	اذّا	ا ذ ا
اخلد	خ ل د	ادخل	د خ ل	اذاعوا	ذ ی ع
اخلصنا	خ ل ص	ادخلا	»	اذاق	ذ و ق
اخلصوا	»	ادخلنا	»	اذان	ا ذ ن
اخلع	خ ل ع	ادخلوا	»	اذبح	ذ ب ح
اخلف	خ ل ف	ادخلي	»	اذکر	ذ ک ر
اخلفت	»	ادرى	د ر ی	اذکروا	»
اخلفتم	»	ادراءوا	د ر ا	اذقان	ذ ق ن
اخلفنا	»	ادرك	د ر ك	اذقنا	ذ و ق
اخلفوا	»	ادرى	د ر ی	اذل	ذ ل ل
اخلق	خ ل ق	ادريس	ا د ر ی س	اذلة	»
اخن	خ و ن	ادع	د ع و	اذلين	»
اخوات	ا خ و	ادعوا	»	اذن	ا ذ ن
اخوال	خ و ل	ادعياء	»	اذنت	»
اخوان	ا خ و	ادفع	د ف ع		

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
اذنین	ا ذ ن	ارتدوا	ر د د	ارسل	ر س ل
اذهب	ذ ه ب	ارتضى	ر ض ی	ارسلت	ر س ل
اذهبوا	ر	ارتقب	ر ق ب	ارسلتم	ر س ل
اذهبتم	ر	ارتقبوا	ر	ارسلنا	ر س ل
اذهبوا	ر	ارجاء	ر ج و	ارسلوا	ر س ل
اذى	ا ذ ی	ارجع	ر ج ع	ارصاد	ر ص د
ار	ر أ ی	ارجعوا	ر	ارض	ا ر ض
ارائك	ا ر ک	ارجعي	ر	ارضعت	ر ض ع
اراد	ر و د	ارجل	ر ج ل	ارضعن	ر ض ع
ارادا	ر	ارجم	ر ج م	ارضعي	ر ض ع
ارادوا	ر	ارجوا	ر ج و	ارعوا	ر ع ی
اراذل	ر ذ ل	ارجه	ر	ارغب	ر غ ب
اربي	ر ب و	ارحام	ر ح م	اركب	ر ک ب
ارباب	ر ب ب	ارحم	ر	اركبوا	ر ک ب
اربة	ا ر ب	اردی	ر د ی	ارکس	ر ک س
اربع	ر ب ع	اردت	ر و د	ارکسوا	ر ک س
اربعه	ر	اردم	ر	ارکض	ر ک ض
اربعین	ر	اردن	ر	ارکعوا	ر ک ع
ارتاب	ر ی ب	اردنا	ر	ارکعی	ر ک ع
ارتابت	ر	ارذل	ر ذ ل	ارم	ا ر م
ارتابوا	ر	ارذلون	ر	اروا	ر أ ی
ارتبتم	ر	ارزق	ر ز ق	ارهبوا	ر ه ب
ارتد	ر د د	ارزقوا	ر	ارهق	ر ه ق
ارتدا	ر	ارسی	ر س و	اری	ر أ ی

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
ارید	ر و د	اساور	س و ر	استحوذ	ح و ذ
ارینا	ر ا ی	اسیاب	س ب ب	استحیاء	ح ی ی
از	ا ز ز	اسباط	س ب ط	استحيوا	»
ازاغ	ز ی غ	اسبغ	س ب غ	استحيي	ح ی ی
ازدادو	ز ی د	استاجر	ا ج ر	استخرج	خ ر ج
ازدجر	ز ج ر	استاجرت	»	استخف	خ ف ف
ازر	ا ز ر	استاذن	ا ذ ن	استخلص	خ ل ص
ازفت	ا ز ف	استاذنوا	»	استخلف	خ ل ف
ازکی	ز ک و	استبدال	ب د ل	استرق	س ر ق
ازل	ز ل ل	استبرق	ا س ب ر ق	استرهبوا	ر ه ب
ازلام	ز ل م	استبشروا	ب ش ر	استزل	ز ل ل
ازلفت	ز ل ف	استبقا	س ب ق	استسقى	س ق ی
ازلفنا	»	استبقوا	»	استشهدوا	ش ه د
ازواج	ز و ج	استجاب	ج و ب	استضمفوا	ض ع ف
ازید	ز ی د	استجابوا	»	استطاع	ط و ع
ازین	ز ی ن	استجار	ج و ر	استطاعوا	»
ازینت	»	استجب	ج و ب	استطعت	»
اساء	س و ا	استجبتم	»	استطعتم	»
اساتم	»	استجبیب	»	استطعنا	ط ع م
اساءوا	»	استجیبوا	»	استطعننا	ط و ع
اساری	ا س ر	استحيوا	ح ب ب	استعجال	ع ج ل
اساطیر	س ط ر	استحفظوا	ح ف ظ	استعجلتم	»
اسأل	س ا ل	استحق	ح ق ق	استعد	ع و ذ
اسألوا	»	استحقا	»	استعصم	ع ص م

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
استعلی	ع ل و	استکبرتم	ک ب ر	استیقنت	ی ق ن
استعمر	ع م ر	استکبروا	و	اسجد	س ج د
استعیثوا	ع و ن	استکثرت	ک ث ر	اسجدوا	و
استغاث	غ و ث	استکثرتم	و	اسجدی	و
استغشوا	غ ش ی	استمتعتم	م ت ع	اسجار	س ح ر
استغفار	غ ف ر	استمتعوا	و	اسحق	س ح ق
استغفر	و	استمسك	م س ك	اسخط	س خ ط
استغفرت	و	استمع	س م ع	أسر	ا س ر
استغفروا	و	استمعوا	و	أسر	س ر ی
استغفیری	و	استنصبر	ن ص ر	أسر	س ر ر
استغلاظ	غ ل ظ	استمتع	م ت ع	أسری (فعل)	س ر ی
استغنی	غ ن ی	استنصبروا	ن ص ر	أسری (اسم)	ا س ر
استفت	ف ت ی	استنكفوا	ن ك ف	اسرائیل	ا س ر ا ئ ی ل
استفتحوا	ف ت ح	استوی	س و ی	اسرار	س ر ر
استفز	ف ز ز	استوت	و	اسراف	س ر ف
استقاموا	ق و م	استوقد	و ق د	اسرخ	س ر ح
استقر	ق ر ر	استویت	س و ی	اسررت	س ر ر
استقم	ق و م	استویتم	و	أسرع	س ر ع
استقیماً	و	استهزی	ه ز أ	اسرف	س ر ف
استقیموا	و	استهزه، وا	و	اسرفوا	و
استكاثوا	ك و ن	استهوت	ه و ی	اسروا	س ر ر
استكبار	ك ب ر	استیاس	ی أ س	اسس	ا س س
استكبر	و	استیاسوا	و	استطاعوا	ط و ع
استكبرت	و	استیسر	ی س ر	اسعوا	س ع ی

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
اسفا	ا م ف	اسلمنا	س ل م	اشحۃ	ش ح ح
اسفی	و	اسلموا	و	اشد	ش د د
اسفار	س ف ر	اسلنا	س ی ل	اشداء	و
اسفر	و	اسم	س م و	اشدد	و
اسفل	س ف ل	اسماء	و	اشر	ا ش ر
اسفلین	و	اسمع	س م ع	اشرار	ش ر ر
اسقط	س ق ط	اسمعوا	و	اشراط	ش ر ط
اسقی	س ق ی	اسمعیل	اسمعیل	اشراق	ش ر ق
اسقینا	و	اسوا	س و	اشربوا	ش ر ب
اسکن	س ک ن	اسواق	س و ق	اشربی	و
اسکنا	و	اسوة	ا م و	اشرح	ش ر ح
اسکنت	و	اسود	س و د	اشرقت	ش ر ق
اسکنوا	و	اسودت	و	اشرك	ش ر ک
اسلام	س ل م	اسورة	س و ر	اشرکت	و
اسلحة	س ل ح	اسیر	ا س ر	اشرکتکم	و
اسلفت	س ل ف	اشاء	ش ی	اشرکتکموا	و
اسلفتم	و	اشارات	ش و ر	اشرکنا	و
اسلک	س ل ک	اشتات	ش ت ت	اشرکوا	و
اسلکوا	و	اشتدت	ش د د	اشعار	ش ع ر
اسلکی	و	اشتری	ش ر ی	اشفقتم	ش ف ق
اسلم	س ل م	اشتروا	و	اشفقن	و
اسلما	و	اشتعل	ش ع ل	اشق	ش ق ق
اسلمت	و	اشتملت	ش م ل	اشقی	ش ق ی
اسلعتم	و	اشتهت	ش ه و	اشکر	ش ک ر

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
اشکروا	ش ک ر	اصحاب	ص ح ب	اصلب	ص ل ب
اشکرا	ش ک و	اليمين	ی م ن	اصلح	ص ل ح
اشمأزت	ش م ز	اصحاب	ص ح ب	اصلحا	»
اشهاد	ش ه د	الفيل	ف ی ل	اصلحنا	»
اشهد	»	اصحاب	ص ح ب	اصلوا	ص ل ی
اشهدت	»	الكهف	ک ه ف	اصلى	»
اشهدوا	»	اصدع	ص د ع	اصم	ص م م
اشهر	ش ه ر	اصدق	ص د ق	اصنام	ص ن م
اشياء	ش ی ا	اصر	ا ص ر	اصنع	ص ن ع
اشیاع	ش ی ع	اصرف	ص ر ف	اصوات	ص و ت
اصاب	ص و ب	اصروا	ص ر ر	اصوافه	ص و ف
اصابت	»	اصطادوا	ص ی د	اصول	ا ص ل
اصابع	ص ب ع	اصطبر	ص ب ر	اصيب	ص و ب
اصب	ص ب و	اصطفى	ص ف و	اصيل	ا ص ل
اصباح	ص ب ح	اصطفيت	»	اضاء	ض و ا
اصبتم	ص و ب	اصطفينا	»	اضاءت	»
أصبح	ص ب ح	اصطنعت	ص ن ع	اضاعوا	ض ی ع
اصبحت	»	اصغر	ص غ ر	اضحك	ض ح ك
اصبتم	»	اصفى	ص ف و	اضرب	ض ر ب
اصبحوا	»	اصفاد	ص ف د	اضربوا	»
اصبر	ص ب ر	اصفح	ص ف ح	اضطر	ض ر ر
اصبروا	»	اصفحوا	»	اضطرتتم	»
اصبنا	ص و ب	اصل	ا ص ل	اضعاف	ض ع ف
اصحاب	ص ح ب	اصلاب	ص ل ب	اضعف	»
		اصلاح	ص ل ح		

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
اضغاث	ض غ ث	اطفا	ط ف أ	اعتدى	ع د و
اضغاث احلام	ض غ ث ح ل م	اطفال	ط ف ل	اعتدت	و
		اطلع	ط ل ع	اعتدنا	و
اضغان	ض غ ن	اطلعت	و	اعتدوا	و
اضل	ض ل ل	اطان	ط م ن (طأن)	اعتدینا	و
اضلا	و	اطانتم	و	اعتری	ع ر ی
اضلتم	و	اطانوا	و	اعترفنا	ع ر ف
اضلان	و	اطمس	ط م س	اعترفوا	و
اضلوا	و	اطمع	ط م ع	اعتزل	ع ز ل
اضمم	ض م م	اطوار	ط و ر	اعتزلتموا	و
اضیع	ض ی ع	اطهر	ط ه ر	اعتزلوا	و
اطاع	ط و ع	اطهروا	و	اعتصموا	ع ص م
اطاعوا	و	اطیرنا	ط ی ر	اعتلوا	ع ت ل
اطراف	ط ر ف	اطيروا	و	اعتمر	ع م ر
اطرحوا	ط ر ح	اطیعوا	ط و ع	اعثرنا	ع ث ر
اطعام	ط ع م	اظفر	ظ ف ر	اعجاز	ع ج ز
اطعم	ط و ع	اظلم	ظ ل م	اعجب	ع ج ب
اطعموا	و	اظن	ظ ن ن	اعجبت	و
اطعم	ط ع م	اظهر	ظ ه ر	اعجل	ع ج ل
اطعموا	و	اعادة	ع و د	اعجمی	ع ج م
اطعن	ط و ع	اعان	ع و ن	اعجمین	و
اطعنا	و	اعبد	ع ب د	اعد	ع د د
اطغی	ط غ ی	اعبدوا	و	اعداء	ع د و
اطغیت	و	اعتبروا	ع ب ر	اعدت	ع د د

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
اعدل	ع د ل	اعقاب	ع ق ب	اغترف	غ ر ف
اعدلوا	،،	اعقب	،،	اغدوا	غ د و
اعدوا	ع د د	اعلى	ع ل و	اغرقنا	غ ر ق
اعذب	ع ذ ب	اعلام	ع ل م	اغرقوا	،،
اعراب	ع ر ب	اعلم	،،	اغرينا	غ ر و
اعراض	ع ر ض	اعلموا	،،	اغسلوا	غ س ل
اعراف	ع ر ف	اعلنت	ع ل ن	اغشيت	غ ش ي
اعرج	ع ر ج	اعلنتم	،،	اغشيننا	،،
اعرض	ع ر ض	اعلون	ع ل و	اغضض	غ ض ض
اعرضتم	،،	اعمى	ع م ي	اغطش	غ ط ش
اعرضوا	،،	اعمال	ع م ل	اغفر	غ ف ر
اعز	ع ز ز	اعمام	ع م م	اغفلنا	غ ف ل
اعزة	،،	اعمل	ع م ل	اغلال	غ ل ل
اعصار	ع ص ر	اعملوا	،،	اغلب	غ ل ب
اعصر	ع ص ر	اعناب	ع ن ب	اغلظ	غ ل ظ
اعصي	ع ص ي	اعناق	ع ن ق	اغنى	غ ن ي
اعط	ع ط و	اعنت	ع ن ت	اغنت	،،
اعطى	،،	اعوذ	ع و ذ	اغنياء	،،
اعطوا	،،	اعهد	ع ه د	اغوى	غ و ي
اعطينا	،،	اعيب	ع ي ب	اغويت	،،
اعظ	و ع ظ	اعيدوا	ع و د	اغويننا	،،
اعظم	ع ظ م	اعيد	ع و ذ	اف	ا ف ف
اعف	ع ف و	اعين	ع ي ن	افاء	ف ي أ
اعفوا	،،	اعينوا	ع و ن	افاض	ف ي ض



لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
افاق	ف و ق	افل	ا ف ل	اقتربتموا	ق ر ف
افاك	أ ف ك	افلت	»	اقتل	ق ت ل
افئدة	ف أ د	افلح	ف ل ح	اقتلوا	»
اقت	ق ت ی	اقتان	ق ن ن	اقدام	ق د م
اقتح	ق ت ح	اقتواج	ف و ج	اقتدمون	»
اقتدی	ق د ی	اقتواه	ف و ه	اقتذبی	ق ذ ب
اقتدت	»	اقتوز	ف و ز	اقترا	ق و أ
اقتدوا	»	اقتوض	ف و ض	اقتروا	»
اقتراء	ق ر ی	اقتبضوا	ق ی ض	اقترب	ق ر ب
اقتری	»	اقتام	ق و م	اقتربون	»
اقتربت	»	اقتاموا	»	اقتربتم	ق ر ر
اقتربنا	»	اقتاویل	ق و ل	اقتربنا	»
اقتوا	ق ت ی	اقتبر	ق ب ر	اقترضتم	ق ر ض
اقترغ	ق ر غ	اقتبل	ق ب ل	اقترضوا	»
اقترق	ق ر ق	اقتبلت	»	اقتسط	ق س ط
اقتسحوا	ق س ح	اقتبلنا	»	اقتسطوا	»
اقتسدوا	ق س د	اقتبلوا	»	اقتسم	ق س م
اقتصح	ق ص ح	اقتت	ق ت ت	اقتسمتم	»
اقتضی	ق ض و	اقتتل	ق ت ل	اقتسوا	»
اقتضتم	ق ی ض	اقتتلوا	»	اقتصی	ق ص و
اقتعل	ق ع ل	اقتحم	ق ح م	اقتصد	ق ص د
اقتعلوا	»	اقتد	ق د و	اقتصص	ق ص ص
اقتق	ا ق ق	اقترب	ق ر ب	اقتض	ق ض ی
اقتك	ا ق ك	اقتربت	»	اقتضوا	»

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
اقطار	ق ط ر	اکالون	ا ک ل	اکفر	ک ف ر
اقطع	ق ط ع	اکبر	ک ب ر	اکفرون	»
اقطعوا	»	اکبرن	»	اکفروا	»
اقعد	ق ع د	اکتالوا	ک ی ل	اکفل	ک ف ل
اقعدوا	»	اکتب	ک ت ب	اکل	ا ک ل
اقفال	ق ف ل	اکتبوا	»	اکلا	»
أَقْلُ	ق و ل	اکتب	»	اکلام	ک ل م
أَقْلُ	ق ل ل	اکتسب	ک س ب	اکلوا	ا ک ل
اقلام	ق ل م	اکتسبت	»	اکلام	ک م م
اقلت	ق ل ل	اکتسبن	»	اکملت	ک م ل
اقلعي	ق ل ع	اکتسبوا	»	اکمه	ک م ه
اقم	ق و م	اکثر	ک ث ر	اکن	ک و ن
اقمت	»	اکثرت	»	اکنان	ک ن ن
اقمتم	»	اکثروا	»	اکنة	»
اقمن	»	اکدی	ک د ی	اکنتم	»
اقنی	ق ن ی	اکرام	ک ر م	اکواب	ک و ب
اقتنی	ق ن ت	اکراه	ک ر ه	اکون	ک و ن
افوات	ق و ت	اکرم	ک ر م	اکید	ک ی د
اقول	ق و ل	اکرمن	»	أَلْ	ا ل
اقوم	ق و م	اکرمی	»	أَلُّ	ا ل ل
اقیموا	»	اکره	ک ر ه	أَلَّا	الَّا
اک	ک و ن	اکرهت	»	أَلَّا	الَّا
اکابر	ک ب ر	اکسوا	ک س و	أَلَّا	الَّا
اکاد	ک و د	اکشف	ک ش ف	أَلَّا-آ+لا	الَّا-آ+لا

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
الى	الى	الى	الى	الى	الى
الآن	الله	الذين	الذي	اون	الآن
اله	اللههم	الزم	ل ز م	اله	اله
الله	الواح	الزمن	ل ز م	الله	الله
الهي	الوان	السنة	ل س ن	الهي	الهي
الباب	الوف	العن	ل ع ن	الباب	الباب
التفت	الهي	العوا	ل غ و	التفت	التفت
التقى	الهم	الف	ال ف	التقى	التقى
التقنا	الى	القاف	ل ف ف	التقنا	التقنا
التقط	اليباس	الفت	ال ف	التقط	التقط
التقم	اليباس	الفوا	ل ف ي	التقم	التقم
التقيم	اليسع	الفيما	ل ف ي	التقيم	التقيم
التمسوا	اليوم	الفين	ال ف	التمسوا	التمسوا
التنا	ام	الفينا	ل ف ي	التنا	التنا
التي	ام	التي	ل ق ي	التي	التي
الحداد	اما	التي	ل ق ي	الحداد	الحداد
الحداف	اما	القاب	ل ق ب	الحداف	الحداف
الحق	اماء	القت	ل ق ي	الحق	الحق
الحقتم	امات	القوا	ل ق ي	الحقتم	الحقتم
الحقنا	امارة	القي	ل ق ي	الحقنا	الحقنا
الد	امام	القيما	ل ق ي	الد	الد
الد	امانة	القيت	ل ق ي	الد	الد
اللاذنان	امانات	القينا	ل ق ي	اللاذنان	اللاذنان
		اللائي	الذي		

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
امانی	م ن ی	امروا	ا م ر	ادم	ا م م
أَمَّتْ	ا م ت	امس	ا م س	امن	ا م ن
أَمَّتْ	م و ت	امساک	م س ک	امنت	»
أُمَّةٌ	ا م و	امسعوا	م س ح	امنة	»
أُمَّةٌ	ا م م	امسک	م س ک	امتم	»
امتازوا	م ی ز	امسکم	»	امن	م ن ن
امتحن	م ح ن	امسکن	»	امني	م ن ی
امتحنوا	»	امسکوا	»	امنية	»
امتع	م ت ع	امشاج	مشج	اموات	م و ت
امتعة	»	امشوا	م ش ی	اموال	م و ل
امتلت	م ل أ	امضوا	م ض ی	اموت	م و ت
امثال	م ث ل	امطر	م ط ر	امور	ا م ر
امثل	»	امطرت	»	امهات	ا م م
أَمَدٌ	ا م د	امطرونا	»	امهل	م ه ل
أَمَدٌ	م د د	امعاء	م ع ی	امي	ا م م
امددنا	»	امكثوا	م ک ث	امیت	م و ت
أَمْرٌ	ا م ر	امکن	م ک ن	امین	ا م ن
أَمْرٌ	م ر ر	امل	ا م ل	امیون	ا م م
أَمْرٌ	ا م ر	املاً	م ل أ	اسین	»
أَمْرٌ	م ر أ	املی	م ل و	انَّ	انَّ
امرأة	»	املاق	م ل ق	أَنَّ	أَنَّ
امرأتان	»	املك	م ل ک	أَنَّ	أَنَّ
امرت	ا م ر	املي	م ل و	انَّ	انَّ
امرئاً	»	املیت	»	انَّ	انَّ

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
أَنْفِي	أَنْفِي	أَنْفِي	ن ب أ ن ب و	انبياء	ن ب أ ن ب و
أَنَا	أَنَا	أَنْتَ	أَنْتَ	أَنْتَ	الذاد
أَنَا	أَنَا	أَنْتِ	أَنْتِ	أَنْتِ	الذر
أَنَا	أَنَا	أَنْتِ	أَنْتِ	أَنْتِ	انذرت
أَنَا	أَنَا	أَنْتِ	أَنْتِ	أَنْتِ	انذرتنا
أَنَا	أَنَا	أَنْتِ	أَنْتِ	أَنْتِ	انذروا
أَنَا	أَنَا	أَنْتِ	أَنْتِ	أَنْتِ	انزل
أَنَا	أَنَا	أَنْتِ	أَنْتِ	أَنْتِ	انزلت
أَنَا	أَنَا	أَنْتِ	أَنْتِ	أَنْتِ	انزلتموا
أَنَا	أَنَا	أَنْتِ	أَنْتِ	أَنْتِ	انزلنا
أَنَا	أَنَا	أَنْتِ	أَنْتِ	أَنْتِ	انس
أَنَا	أَنَا	أَنْتِ	أَنْتِ	أَنْتِ	انسى
أَنَا	أَنَا	أَنْتِ	أَنْتِ	أَنْتِ	انساب
أَنَا	أَنَا	أَنْتِ	أَنْتِ	أَنْتِ	انسان
أَنَا	أَنَا	أَنْتِ	أَنْتِ	أَنْتِ	انسلك
أَنَا	أَنَا	أَنْتِ	أَنْتِ	أَنْتِ	انسوا
أَنَا	أَنَا	أَنْتِ	أَنْتِ	أَنْتِ	انسى
أَنَا	أَنَا	أَنْتِ	أَنْتِ	أَنْتِ	انشأ
أَنَا	أَنَا	أَنْتِ	أَنْتِ	أَنْتِ	انشاء
أَنَا	أَنَا	أَنْتِ	أَنْتِ	أَنْتِ	انشاءم
أَنَا	أَنَا	أَنْتِ	أَنْتِ	أَنْتِ	انشأنا
أَنَا	أَنَا	أَنْتِ	أَنْتِ	أَنْتِ	انشر
أَنَا	أَنَا	أَنْتِ	أَنْتِ	أَنْتِ	انشرنا
أَنَا	أَنَا	أَنْتِ	أَنْتِ	أَنْتِ	انشروا
أَنَا	أَنَا	أَنْتِ	أَنْتِ	أَنْتِ	انشق

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
انشئت	ش ق ق	انفجرت	ف ج ر	انكر	ن ك ر
انصاب	ن ص ب	انفخ	ن ف خ	انمما	ان + ما
انصار	ن ص ر	انفخوا	»	انه	ن ه ی
انصب	ن ص ب	انفذوا	ن ف ذ	انهی	»
انصبوا	ن ص ت	انفروا	ن ف ر	انهار	ن ه ر
انصح	ن ص ح	انفس	ن ف س	انهار	ن ه ر
انصر	ن ص ر	انفصام	ف ص م	انهار	ن ه ر
انصرفوا	ص ر ف	انفضو	ف ض ض	انفی	آ فی
انصروا	ن ص ر	انفطرت	ف ط ر	انیب	ن و ب
انطق	ن ط ق	انفق	ن ف ق	انیبوا	»
انطلق	ط ل ق	انفقت	»	او	ا و
انطلقا	»	انفقتم	»	اواب	ا و ب
انطلقتم	»	انفقوا	»	اوابین	»
انطلقوا	»	انفلق	ف ل ق	اوارى	و ر ی
انظر	ن ظ ر	انقذ	ن ق ذ	اواه	ا و ه
انظروا	»	انقص	ن ق ص	اوبار	و ب ر
انظری	»	انقض	ن ق ض	اوبی	ا و ب
انعام	ن ع م	انقلب	ق ل ب	اوتی	ا ت ی
انعم	»	انقلبتم	»	اوتین	»
انعمت	»	انقلبوا	»	اوتاد	و ت د
انعمنا	»	انکث	ن ک ث	اوتوا	ا ت ی
انف	ا ن ف	انکال	ن ک ل	اوتی	»
انفاق	ن ف ق	انکحوا	ن ک ح	اوتی	»
انفال	ن ف ل	انکدرت	ک د ر	اوتیت	»

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
اوتیم	»	اوهية	و ع ی	اهانن	ه و ن
اوتینا	»	اوف	و ف ی	اهب	و ه ب
اوتان	و ث ن	اوفی	»	اهبط	ه ب ط
اوجس	و ج س	اوقوا	»	اهبطا	»
اوجفتم	و ج ف	اوقد	و ق د	اهبطوا	»
اوحی	و ح ی	اوقدوا	»	اهتدی	ه د ی
اوحی	»	اول	ا و ل	اهتدوا	»
اوحیت	»	أولى	»	اهتدیت	»
اوحینا	»	أولى	و ل ی	اهتدیتم	»
اودیه	و د ی	أولاً	أولاً	اهتزت	ه ز ز
اوذوا	ا ذ ی	أولسک	أولسک	اهجر	ه ج ر
اوذی	»	أولات	و د و أولو	اهجروا	»
اوذینا	»	أولات	و د و أولو	اهد	ه د ی
اورث	و ر ث	الأحمال	+ ح م ل	اهدی	»
اورثتمو	»	اولاد	و ل د	اهدوا	»
اورثنا	»	اولی لك	و ل ی	اهدی	»
اورثوا	»	اولو	و د و أولو	اهش	ه ش ش
اورد	و ر د	اولی النعمة	و د و أولو + ن ع م	اهل	ه ل ل
اوزار	و ز ر	اولون	ا و ل	اهل	ه ل ل
اوزع	و ز ع	اولیاء	و ل ی	اهلة	ه ل ل
اوسط	و س ط	اولیان	»	اهلك	ه ل ك
اوصی	و ص ی	اولین	ا و ل	اهلكت	»
اوضعوا	و ض ع	اوهن	و ه ن	اهلکنا	»
اوعی	و ع ی	اهان	ه و ن	اهلکوا	»

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
اهلون	ا ه ل	ایام	ی و م	ایدنا	ای د
اهت	ه م م	ایامی	ای م	ایدی	ی د ی
اهواء	ه و ی	ایان	ایان	ایقاظ	ی ق ظ
اهوی	»	ایانا	ایا + نا	ایکة	ای ک
اهون	ه و ن	ایاه	» + ه	ایلاف	ا ل ف
ای	ای	ایاها	» + ها	ایمان	ی م ن
ای	ای	ایاهم	» + هم	ایمان	ا م ن
ایاب	ا و ب	ایای	» + ی	ایمن	ی م ن
ایاک	ایا + ک	ایة	ای ی	این	این
ایاکما	ایا + کما	ایتاه	ا ت ی	این	این
ایاکم	ایا + کم	اید	ای د	این	این
		ایدت	»	این	این

## ب

ب	ب	باخع	ب خ ع	بازغة	ب ز غ
باد	ب د و	بادون	ب د و	باس	ب ا س
بائس	ب ا س	بادی	»	بساء	»
بئر	ب ا ر	بارد	ب ر د	بأسرة	ب س ر
بیس	ب ا س	بارزة	ب ر ز	بأسط	ب س ط
بائع	ب ی ع	بازون	»	بأسطون	»
باء	ب و ا	بارك	ب ر ک	بأسقات	ب س ق
بئیس	ب ا س	بارکنا	»	باشروا	ب ش ر
باب	ب و ب	بارئ	ب ر ا	باطل	ب ط ل
بابل	ب ا ب ل	بازغ	ب ز غ	باطن	ب ط ن



لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
باطنة	ب ط ن	بدءوا	ب د أ	بروج	ب ر ج
باعد	ب ع د	بدأنا	»	برهان	ب ر ه
باغ	ب غ ي	بدت	ب د و	برهانان	»
باق	ب ق ي	بدر	ب د ر	بري	ب ر ا
باقون	»	بدع	ب د ع	بريثون	»
باقيات	»	بدعة	»	برية	» - ب ر ي
باقية	»	بدل	ب د ل	بس	ب س س
بال	ب و ل	بدلنا	»	بساط	ب س ط
بالغ	ب ل غ	بدلوا	»	بست	ب س س
بالغة	»	بدن	ب د ن	بسر	ب س و
بالغون	»	بدو	ب د و	بسط	ب س ط
بايع	ب ي ع	بديع	ب د ع	بسطة	»
بايعتم	»	بر	ب ر ر	بسطت	»
بث	ب ث ث	برا	ب ر أ	بشر	ب ش ر
بحار	ب ح ر	براء	»	بشرى	»
بحر بحران	»	براءة	»	بشركوا	»
بحرين	»	برد	ب ر د	بشرنا	»
بحيرة	»	بررة	ب ر ر	بشروا	»
بخس	ب خ س	برز	ب ر ز	بشرين	»
بخل	ب خ ل	برزت	»	بشير	»
بخلوا	»	برزخ	ب ر ز خ	بصائر	ب ص ر
بدا	ب د و	برزوا	ب ر ز	بصر	»
بدأ	ب د أ	برق	ب ر ق	بصرت	»
بدار	ب د ر	بركات	ب ر ك		

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
بعل	ب ص ل	بعولة	ب ع ل	بعل	ب ل
بصير	ب ص ر	بعيد	ب ع د	بلي	ب ل ي
بصيرة	»	بعير	ب ع و	بلاء	ب ل و
بضاعة	ب ض ع	بغى	ب غ ي	بلاد	ب ل د
بضع	»	»	»	بلاغ	ب ل غ
بطائن	ب ط ن	بغال	ب غ ل	بلد	ب ل د
بطانة	»	بغت	ب غ ي	بلدة	»
بطر	ب ط ر	بغته	»	بلغ	ب ل غ
بطرت	»	بغضاء	ب غ ض	بلغا	»
بطش	ب ط ش	بغوا	ب غ ي	بلغت	»
بطشة	»	»	»	بلغن	»
بطشتم	»	بقر	ب ق ر	بلغنا	»
بطل	ب ط ل	بقرات	»	بلغوا	»
بطن	ب ط ن	بقرة	»	بلونا	ب ل و
بطون	»	بقعة	ب ق ع	بليغ	ب ل غ
بعث	ب ع ث	بقل	ب ق ل	بني	ب ن ي
بعثر	ب ع ث ر	بقي	ب ق ي	بناء	»
بعثرت	»	بقية	»	بنات	ب ن و ي
بعثنا	ب ع ث	بكاة	ب ك ك	بنان	ب ن ن
بعد	ب ع د	بكت	ب ك ي	بنوا	ب ن ي
بعدت	»	بكر	ب ك ر	بنون	ب ن و
بعض	ب ع ض	بكرة	»	بني	ب ن و
بعل	ب ع ل	بكم	ب ك م	بني اسرائيل	ب ن ي اسرائيل
بعوضة	ب ع ض	بكي	ب ك ي		

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
بنیان	ب ن ی	بهتان	ب ه ت	بیع	ب ی ع
بنی	»	بهجة	ب ه ج	بین	ب ی ن
بیننا	»	بهیج	»	بین ابیدی	» + ی د ی
بوا	ب و ا	بهیمة	ب ه م	بینا	»
بوانا	»	بیات	ب ی ت	بینات	»
بوار	ب و ر	بیان	ب ی ن	بینة	ب ی ن
بور	»	بیت	ب ی ت	بینوا	»
بورک	ب ر ک	بیض	ب ی ض	بیوت	ب ی ت
بهت	ب ه ت	بیضاء	»		

## ت

ت	ت	تاتون	ات ی	تارکوا	ت ر ک
تائب	ت و ب	تاتی	»	توز	أ ز ز
تائبات	»	توثررون	ا ث ر	تاس	ا س و
تائبون	»	تائیم	ا ث م	تاسرون	ا س ر
تاب	»	تاجر	ا ج ر	تاسوا	ا س و
تابا	»	تاجیل	ا ج ل	تافک	ا ف ک
تابی	أ ب ی	تاخذوا	ا خ ذ	تاکل	ا ک ل
تابع	ت ب ع	تاخذون	»	تاکلوا	»
تابعین	»	تاخر	ا خ ر	تاکلون	»
تابوا	ت و ب	تودوا	ا د ی	تالمون	ا ل م
تابوت	تابوت	تاذن	ا ذ ن	تالیات	ت ل و
تاتنی	ا ت ی	تارة	ت و ر	تاسر	ا م ر
تاتوا	»	تارك	ت ر ک	تاسرون	»

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
تامرین	ا م ر	تبذر	ب ذ ر	تبغی	ب ع ی
تامن	ا م ن	تبدیر	»	تبعی	ب ق ی
تاویل	ا و ل	تبرأ	ب ر أ	تبعون	ب ك ی
تَبَّ	ت و ب	تبری	»	تبلی	ب ل و
تَبَّ	ت ب ب	تبرانا	»	تبلغ	ب ل غ
تباب	»	تبرءوا	»	تبلغوا	»
تبارک	ت ب ر	تبرج	ب ر ج	تبلوا	ب ل و
تباشروا	ب ش ر	تبرجن	»	تبلون	»
تبايعم	ب ی ع	تبرنا	ت ب ر	تبنون	ب ن ی
تبت	ت و ب	تبروا	ب ر ر	تبوء	ب و ء
تبت	ت ب ب	تبسط	ب س ط	تبوءا	»
تبتس	ب ا س	تبسل	ب س ل	تبوءوا	»
تبتم	ت و ب	تبسم	ب س م	تبور	ب و ر
تبتغون	ب غ ی	تبشر	ب ش ر	تبهت	ب ه ت
تبتغی	»	تبشرون	»	تبیان	ب ی ن
تبتل	ب ت ل	تبصر	ب ص ر	تبیید	ب ی د
تبتیل	ب ت ل	تبصرة	»	تبیض	ب ی ض
تبعسوا	ب ع س	تبصرون	»	تبع	ت ب ع
تبعلوا	ب ع ل	تبطوا	ب ط ل	تبین	ب ی ن
تبد	ب د و	تبع	ت ب ع	تبینت	»
تبدل	ب د ل	تبعثون	ب ع ث	تبینوا	»
تبدوا	ب د و	تبعوا	ت ب ع	تبدلوا	ب د ل
تبدون	ب د و	تبع	ب ع ی	تبع	ت ب ع
تبدی	»	تبعون	»	تبعان	ت ب ع
تبدیل	ب د ل	تبعون	»		

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
تتبعون	و	تتوفى	و ف ی	تجوع	ج و ع
تتبيب	ت ب ب	تتولوا	و ل ی	تجهر	ج ہ ر
تتيسر	ت ب ر	تثبیت	ث ب ت	تجھروا	ج ہ ر
تتجافى	ج ف و	تثريب	ث ر ب	تجهلون	ج ہ ل
تتخذ	ا خ ذ	تثقفن	ث ق ف	تحتاجون	ح ج ج
تتخذون	و	تثير	ث و ر	تخاضون	ح ض ض
تتذكرون	ذ ك ر	تجادل	ج د ل	تخاور	ح و ر
تترى	و ت ر	تجادلون	و	تجبرون	ح ب ر
تترك	ت ر ك	تجارة	ت ج ر	تجسبون	ح ب س
تتركون	و	تجارون	ج أ ر	تخط	ح ب ط
تتفرقوا	ف ر ق	تجاهدون	ج د د	تخبون	ح ب ب
تتفكر	ف ك ر	تجتنبون	ج ن ب	تحت	تحت
تتقلب	ق ل ب	تجددوا	و ج د	تحدث	ح د ث
تتقون	و ق ی	تجدون	و	تحدثون	و
تتكبر	ك ب ر	تجربون	ج ر م	تتذرون	ح ذ ر
تتلى	ت ل و	تجرى	ج ر ی	تعترون	ح ر ث
تتلقى	ل ق ی	تجربان	و	تعرض	ح ر ص
تتلوا	ت ل و	تجزى	ج ز ی	تتحرك	ح ر ك
تتاون	و	تجزون	و	تتحرم	ح ر م
تتارى	م ر ی	تجسوا	ج س س	تتحرموا	و
تتمنوا	م ن ی	تجعل	ج ع ل	تتحروا	ح ر ی
تتناجوا	ن ج و	تجعلون	و	تحریر	ح ر ر
تتنزل	ن ز ل	تجلى	ج ل و	تتحزن	ح ز ن
تتوبوا	ت و ب	تجمعوا	ج م ع	تتحزنون	و

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
تخزق	ح ز ن	تخيد	ح ي د	تخزق	خ س ر
تخس	ح س س	تخيظوا	ح و ط	تخسر	خ س ر
تخسب	ح س ب	تخيون	ح ي ي	تخشى	خ ش ي
تخسبون	»	تخيى	ح ي ي	تخشع	خ ش ع
تخسدون	ح س د	تخاصم	خ ص م	تخشوا	خ ش ي
تخسوا	ح س س	تخاطب	خ ط ب	تخضعن	خ ض ع
تخسنوا	ح س ن	تخاف	خ و ف	تخط	خ ط ط
تخسون	ح س س	تخافا	»	تخطف	خ ط ف
تخشرون	ح ش ر	تخافت	خ ف ت	تخفى	خ ف ي
تخصن	ح ص ن	تخافون	خ و ف	تخفوا	»
تخصنون	»	تخافي	»	تخفون	»
تخصوا	ح ص ي	تخالطوا	خ ل ط	تخفي	»
تخط	ح و ط	تختب	خ ب ت	تخفيف	خ ف ف
تحكم	ح ك م	تختانون	خ و ن	تختل	خ ل و
تحكمون	»	تختصموا	خ ص م	تخلدون	خ ل د
تخل	ح ل ل	تختصمون	»	تخاف	خ ل ف
تخلوا	»	تختلقون	خ ل ف	تخلق	خ ل ق
تخله	»	تخر	خ ر ر	تخلفون	»
تخلقوا	ح ل ق	تخرج	خ ر ج	تخوف	خ و ف
تعمل	ح م ل	تخرجون	»	تخونون	خ و ن
تعملون	»	تخرصون	خ ر ص	تخويف	خ و ف
تحنث	ح ن ت	تخرق	خ ر ق	تخبرون	خ ي ر
تحويل	ح و ل	تخزون	خ ز ي	تدارك	د ر ك
تحيه	ح ي ي	تخز	»	تداينتم	د ي ن

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
تدخرون	ذ خ ر	تذکرة	ذ ک ر	تربصتم	ر ب ص
تدخل	د خ ل	تذكرون	»	تربصوا	»
تدخلوا	»	تذكروا	»	تربصون	»
تدرسون	د ر س	تذکیر	»	ترتابوا	ر ی ب
تدرک	د ر ک	تذل	ذ ل ل	ترتدوا	ر د د
تدرون	د ر ی	تذلیل	»	ترتیل	ر ت ل
تدری	»	تذودان	ذ و د	ترثوا	و ر ث
تدع	د ع و	تذوقوا	ذ و ق	ترجع	ر ج ع
تدعی	»	تذهب	ذ ه ب	ترجعون	»
تدعوا	»	تذهبوا	»	ترجف	ر ج ف
تدعون	»	تذهبون	»	ترجمون	ر ج م
تدلی	د ل و	تذهل	ذ ه ل	ترجو	ر ج و
تدلوا	»	ترأى	ر أ ی	ترجون	»
تدمر	د م ر	ترأى	»	ترجى	»
تدمیر	»	ترأىب	ت ر ب	ترحم	ر ح م
تدور	د و ر	ترأىت	ر أ ی	ترحمون	»
تدهن	د ه ن	تراب	ت ر ب	ترد	ر د د
تدیرون	د و ر	تراث	و ر ث	تردی	ر د ی
تذبحوا	ذ ب ح	تراض	ر ض ی	تردن	ر و د
تذر	و ذ ر	تراضوا	»	تردون	ر د د
تذرن	»	تراضیم	»	تردین	ر د ی
تذروا	ذ ر و	ترأىی	رقی-رق و	ترزق	ر ز ق
تذرون	و ذ ر	تراود	ر و د	ترزقان	»
تذکر	ذ ک ر	تربص	ر ب ص	ترضی	ر ض ی

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
ترضع	ر ض ع	ترهق	ر ه ق	تساءلون	س ا ل
تربون	ر ض ی	تری	ر ا ی	تساقط	س ق ط
ترغبون	ر غ ب	تربحون	ر و ح	تسأل	س ا ل
ترفع	ر ف ع	ترید	ر و د	تسالون	،،
ترفعوا	،،	تریدون	،،	تسأوا	س ا م
ترقی	ر ق ی	ترین	ر ا ی	تسبح	س ب ح
ترقب	ر ق ب	تزال	ز و ل	تسبحون	،،
ترک	ت ر ک	تزاور	ز و ر	تسبق	س ب ق
ترکب	ر ک ب	تزد	ز ی د	تسبوا	س ب ب
ترکبون	،،	تزداد	،،	تسبیح	س ب ح
ترکبوا	،،	تزدری	ز ر ی	تستأخرون	ا خ ر
ترکت	ت ر ک	تزر	ز ر	تستانسوا	ا ن س
ترکتتم	،،	تزرعون	ز ر ع	تستبدلون	ب د ل
ترکتتموا	،،	تزعمون	ز ع م	تستبین	ب ی ن
ترکضوا	ر ک ض	تزغ	ز ی غ	تسترون	س ت ر
ترکن	ت ر ک	تزکی	ز ک و	تستجیبون	ج و ب
ترکن	ر ک ن	تزکو	،،	تستخرجون	خ ر ج
ترکنا	ت ر ک	تزل	ز ل ل	تستخفون	خ ف ف
ترکنوا	ر ک ن	تزدوا	ز و د	تسترضعوا	ر ض ع
ترکوا	ت ر ک	تزلوا	ز و ل	تستطع	ط و ع
ترمی	ر م ی	،،	،،	تستطیع	،،
ترون	ر ا ی	ترهق	ز ه ق	تستطیعون	،،
ترهبون	ر ه ب	تریدون	ز ی د	تستعجل	ع ج ل
		تزیلوا	ز ی ل	تستعجلون	،،



لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
تستعجلوا	ع ج ل	تسریح	س ر ح	تسیمون	س و م
تستغفر	غ ف ر	تسمع	ت س ع	تشاء	ش ی أ
تستفرون	ف ر ن	تسعة	س ع	تشاؤن	ش و ن
تستغيثون	غ و ث	تسعة عشر	س ع ش ر	تشابه	ش ب ہ
تستفتت	ف ت ی	تسعون	س ع ن	تشابهت	ش ب ہ ت
تستفتحوا	ف ت ح	تسعی	س ع ی	تساقون	ش ق ق
تستفتیان	ف ت ی	تسفکون	س ف ک	تساور	ش و ر
تستقدمون	ق د م	تسقط	س ق ط	تشتروا	ش ر ی
تستسموا	ق س م	تسقی	س ق ی	تشتکی	ش ک و
تستکبرون	ک ب ر	تسکن	س ک ن	تشتہی	ش ہ و
تستکثر	ک ث ر	تسکتون	س ک ت ن	تشخص	ش خ ص
تستمعون	س م ع	تسلکوا	س ل ک	تشریون	ش ر ب
تستووا	س و ی	تسلموا	س ل م	تشرک	ش ر ک
تستوی	س و ی	تسلمیم	س ل م	تشرکون	ش ر ک ن
تستهزون	ه ز أ	تسمع	س م ع	تشطط	ش ط ط
تسجد	س ج د	تسمعون	س م ع ن	ت شعرون	ش ع ر
تسجدوا	س ج د و ا	تسمی	س م و	تشتی	ش ق ی
تسحر	س ح ر	تسمیة	س م ی	تشتق	ش ق ق
تسحرون	س ح ر ن	تسنیم	س ن م	تشکرون	ش ک ر
تسخرون	س خ ر	تسوء	س و ء	تثمت	ش م ت
تسر	س ر ر	تسوی	س و ی	تشهد	ش ہ د
تسرحون	س ر ح	تسود	س و د	تشهدون	ش ہ د ن
تسرقوا	س ر ف	تسوروا	س و ر	تشیع	ش ی ع
تسرون	س ر ر	تسیر	س ی ر	تصاحب	ص ح ب

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
تصبح	ص ب ح	تصلية	ص ل ی	تطوع	ط و ع
تصبحون	،،	تصنع	ص ن ع	تطعمون	ط ع م
تصبر	ص ب ر	تصنعون	،،	تطغوا	ط غ ی
تصبرون	ص ب ر	تصوموا	ص و م	تطلع	ط ل ع
تصدى	ص د ی	تصيب	ص و ب	تطمئن	ط م ن
تصدق	ص د ق	تصیبوا	،،	تطمعون	ط م ع
تصدقوا	،،	تصیر	ص ی ر	تطوع	ط و ع
تصدقون	،،	تضار	ض ر ر	تطهر	ط ه ر
تصدون	ص د د	تضاروا	،،	تطهرن	،،
تصدية	ص د ی	تضحى	ض ح و	تطهیر	،،
تصدیق	ص د ق	تضحكون	ض ح ك	تطیرنا	ط ی ر
تصرف	ص ر ف	تضربوا	ض ر ب	تطیعوا	ط و ع
تصرفون	،،	تضرع	ض ر ع	تظاہرا	ظ ه ر
تصرف	،،	تضرعوا	،،	تظاہرون	،،
تصطلون	ص ل ی	تضرون	ض ر ر	تظلم	ظ ل م
تصعدون	ص ع د	تضع	و ض ع	تظلمون	،،
تصعر	ص ع ر	تضعون	،،	تظما	ظ م ا
تصغى	ص غ و	تضل	ض ل ل	تظن	ظ ن ن
تصف	و ص ف	تضلوا	،،	تظنون	،،
تصفحوا	ص ف ح	تضلیل	،،	تظهرون	ظ ه ر
تصفون	و ص ف	تضییقوا	ض ی ق	تعارفوا	ع ر ف
تصلی	ص ل ی	تطئوا	و ط أ	تعاسرتم	ع س ر
تصلحون	ص ل ح	تطاول	ط و ل	تعاطى	ع ط و
تصل	ص ل و	تطرد	ط ر د	تعالی	ع ل و
تصل	و ص ل				

ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ
ع م ل	تعملون	ع ر ی	تعری	ع ل و	تعالوا
ع و د	تعودوا	ع ر ج	تعرج	،،	تعالین
ع و ل	تعولوا	ع ر ض	تعرض	ع و ن	تعاونوا
و ع ی	تعی	،،	تعرضوا	ع ب ث	ثعبثون
غ ب ن	تغابن	،،	تعرضون	ع ب د	تعبد
غ س ل	تغتسلوا	ع ر ف	تعرف	،،	تعبدوا
غ ر ر	تغرر	،،	تعرفون	،،	تعبدون
غ ر ب	تغرب	،،	تعریف	ع ب ر	تعبرون
غ ر ق	تغرق	ع ز ز	تعز	ع د و	تعبدوا
غ ش ی	تغشی	ع ز ر	تعزروا	ع د د	تعبدون
غ ف ر	تغفر	ع ز م	تعزموا	ع ذ ر	تعذرو
،،	تغفروا	ت ع س	تعس	ع ث ی	تعثو
غ ف ل	تغفلون	ع ض ل	تعضوا	ع ج ب	تعجب
غ ل ب	تغلبون	و ع ظ	تعظون	،،	تعجبون
غ ل و	تغلوا	ع ف ف	تعفف	،،	تعجبین
غ م ص	تغمضوا	ع ف و	تعمفوا	ع ج ل	تعجل
غ ن ی	تغن	ع ق ل	تعقلون	ع د و	تعبد
،،	تغنی	ع ل م	تعلم	و ع د	تعبد
غ ی ض	تغیض	،،	تعلموا	،،	تعبدان
غ ی ظ	تغیظ	ع ل و	تعلمون	،،	تعبدان
ف خ ر	تفاخر	ع ل ن	تعلمون	ع د ل	تعدل
ف د ی	تفادون	ع ل و	تعلموا	،،	تعدلوا
ف و ت	تفاوت	ع م ی	تعمی	ع د و	تعبدوا
ف ت أ	تفتئو	ع م د	تعمدت	ع د د	تعبدون
		ع م ل	تعمل	ع ذ ب	تعذب

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
تفتح	ف ت ح	تفعل	ف ع ل	تقدموا	ق د م
تفترون	ف ر ی	تفعلون	»	تقر	ق ر ر
تفتري	»	تفقد	ف ق د	تقرأ	ق ر أ
تفتن	ف ت ن	تفتقدون	»	تقرب	ق ر ب
تفتنون	»	تفتقون	ف ق ه	تقربا	»
تفتث	ت ف ث	تفتكهن	ف ك ه	تقربوا	»
تفجر	ف ج ر	تفلقون	ف ل ح	تقربون	»
تفجير	»	تفندوا	ف ن د	تقرض	ق ر ض
تفرح	ف ر ح	تفور	ف و ر	تقرضوا	»
تفرحوا	»	تفي	ف ی أ	تقسطوا	ق س ط
تفرضوا	ف ر ض	تفيض	ف ی ض	تقسموا	ق س م
تفرق	ف ر ق	تفيضون	»	تتشعر	ق ش ع ر
تفرقوا	»	تقاة	و ق ی	تتصروا	ق ص ر
تفرون	ف ر ر	تقاتل	ق ت ل	تقصص	ق ص ص
تفريق	ف ر ق	تقاتلون	»	تقضي	ق ض ی
تنسحوا	ف س ح	تناسموا	ق س م	تقطع	ق ط ع
تنسدون	ف س د	تقبل	ق ب ل	تقطعت	»
تنسقون	ف س ق	تقبلوا	»	تقطعوا	»
تفسر	ف س ر	تقتل	ق ت ل	تقطعون	»
تنشلا	ف ش ل	تقتلون	»	تقع	و ق ع
تنشلوا	»	تقتیل	»	تعد	ق ع د
تفصیل	ف ص ل	تقدروا	ق د ر	تعدوا	»
تفضحوا	ف ض ح	تقدير	»	تقف	ق ف و
تفضیل	ف ض ل	تقدم	ق د م	تقلب	ق ل ب

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
تقلبون	ق ل ب	تکرمون	ک ر م	تلذ	ل ذ ذ
تقم	ق و م	تکره	ک ر ه	تلظی	ل ظ ی
تقنطوا	ق ن ط	تکروهون	،،	تلفت	ل ف ت
تقوی	و ق ی	تکسب	ک س ب	تلفح	ل ف ح
تقول	ق و ل	تکسبون	،،	تلقاء	ل ق ی
تقولون	،،	تکفر	ک ف ر	تلقى	،،
تقوم	ق و م	تکفرون	،،	تلقف	ل ق ف
تقوموا	،،	تکاف	ک ل ف	تلقوا	ل ق ی
تقومیم	،،	تکلم	ک ل م	تلقون	،،
تقهر	ق ه ر	تکلمون	،،	تلك	ذ لك
تقی	و ق ی	تکلمیم	،،	تلكم	،،
تقیموا	ق و م	تکلموا	ک م ل	تلكم	،،
تک	ک و ن	تکن	ک ن ن. ک و ن	تلمزو	ل م ز
تکائر	ک ث ر	تکنزون	ک ن ز	تلوت	ت ل و
تکاد	ک و د	تکوی	ک و ی	تلوسون	ل و م
تکبروا	ک ب ر	تکون	ک و ن	تاوون	ل و ی
تکبیر	،،	تکونا	،،	تلهی	ل ه و
تکتب	ک ت ب	تکونون	،،	تلیت	ت ل و
تکتبوا	،،	تل	ت ل ل	تلین	ل ی ن
تکتبوا	ک ت م	تلی	ت ل و	تم	ت م م
تکتبون	،،	تلاق	ل ق ی	تمائیل	م ث ل
تکذبان	ک ذ ب	تلاوة	ت ل و	تمار	م ر ی
تکذبون	،،	تلبثوا	ل ب ث	تماروا	،،
تکذیب	،،	تلبسون	ل ب س	تمارون	،،

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
تمام	ت م م	تمنى	م ن ی	تناوش	ن و ش
تمت	»	تمن	م ن ن	تنبی	ن ب ا
تمثرون	م ر ی	تمنع	م ن ع	تنبتون	»
تمترن	»	تمنن	م ن ن	تنبت	ن ب ت
تمتع	م ت ع	تمسوا	م ن ی	تنبتون	»
تمتعوا	»	تمسوا	م ن ن	تنشرون	ن ش ر
تمتعون	»	تمسوا	م ن ی	تنصبران	ن ص ر
تمثل	م ث ل	تموت	م و ت	تنته	ن ه ی
تمد	م د د	تموتون	»	تنتهوا	»
تمدون	»	تمور	م و ر	تنجی	ن ج و
تمر	م ر ر	تمهید	م ه د	تنحتون	ن ح ت
تمرحون	م ر ح	تمید	م ی د	تنذر	ن ذ ر
تمرون	م ر ر	تمیز	م ی ز	تنزع	ن ز ع
تمس	م س س	تمیلوا	م ی ل	تنزل	ن ز ل
تمسمن	»	تناهزوا	ن ب ز	تنزلت	»
تمسکوا	م س ک	تناجوا	ن ج و	تنزیل	»
تمسوا	م س س	تناجیم	»	تنسی	ن س ی
تمسون	م س و	تناد	ن د و	تنسون	»
تمشون	م ش ی	تنادوا	»	تنشق	ش ق ق
تمشی	»	تنازعتم	ن ز ع	تنصر	ن ص ر
تمکرون	م ک ر	تنازعوا	»	تنصروا	»
تملی	م ل و	تناصرون	ن ص ر	تنصرون	»
تملک	م ل ک	تعال	ن ی ل	تنطقون	ن ط ق
تملکون	»	تنالوا	»	تنظر	ن ظ ر

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
تنظرون	ن ظ ر	تنهى	ن ه ی	توصية	و ص ی
تنفخ	ن ف خ	تنيا	و ن ی	تواعدون	و ع د
تنفذ	ن ف د	تواب	ت و ب	توعظون	و ع ظ
تنفذون	ن ف ذ	تواين	،،	توف	و ف ی
تنفروا	ن ف ر	تواخذ	أ خ ذ	توفى	،،
تنفس	ن ف س	توارت	و ر ی	توفت	،،
تنفع	ن ف ع	تواصوا	و ص ی	توفكون	ا ف ك
تنفقون	ن ف ق	تواعدتم	و ع د	توفون	و ف ی
تنقذ	ن ق ذ	تواعدون	،،	توفيت	،،
تنقص	ن ق ص	توب	ت و ب	توفيق	و ف ق
تنقصوا	،،	توبة	،،	توقدون	و ق د
تنقضوا	ن ق ض	توبوا	،،	توقروا	و ق ر
تمقلبوا	ق ل ب	تونزلان	ا ت ی	توقنون	ی ق ن
تنقم	ن ق م	توقى	،،	توكل	و ك ل
تنقمون	،،	توثرون	ا ث ر	توكلات	،،
تنكح	ن ك ح	توجل	و ج ل	توكلنا	،،
تنكحوا	،،	توجه	و ج ه	توكلوا	،،
تنكرون	ن ك ر	تود	و د د	توكيد	و ك د
تنكصون	ن ك ص	تودون	،،	تول	و ل ی
تنكيل	ن ك ل	تؤذون	ا ذ ی	نولى	،،
تنوء	ن و ء	تورون	و ر ی	تولوا	،،
تنوير	ت ن و ر	توربه	تورات	تولون	،،
تنهر	ن ه ر	توسوس	و س و س	توليتهم	،،
تنهون	ن ه ی	نوصون	و ص ی	تومر	ا م ر

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
تومرون	ا م ر	تهتز	ه ز ز	تهنوا	و ه ن
تومن	ا م ن	تهجد	ه ج د	تهوی	ه و ی
تومنون	و	تهجرون	ه ج ر	تیسوا	ی ا س
تووی	ا و ی	تهدوا	ه د ی	تیسر	ی س ر
تهاجروا	ه ج ر	تهدی	و	تیمموا	ی م م
تهتدون	ه د ی	تهلك	ه ل ك	تین	ت ی ن
تهتدی	و	تهلكة	و		
ث					
ثابت	ث ب ت	ثجاج	ث ج ج	ثلی	ث ل ث
ثاقب	ث ق ب	ثری	ث ر ی	ثم	ث م
ثالث	ث ل ث	ثعبان	ث ع ب	ثم	ث م
ثالثة	و	ثقل	ث ق ل	ثمانی	ث م ن
ثامن	ث م ن	ثقفتموا	ث ق ف	ثمانیة	و
ثانی	ث ن ی	ثقفوا	و	ثمانین	و
ثاوی	ث و ی	ثقلان	ث ق ل	ثمر	ث م ر
ثبات	ث ب ی	ثقلت	و	ثمرة	و
ثبت	ث ب ت	ثقیل	و	ثمن	ث م ن
ثبتنا	و	ثلاث	ث ل ث	ثمود	ث م د
ثبتوا	و	ثلاثون	و	ثواب	ث و ب
ثبط	ث ب ط	ثلثة	ث ل ل	ثوب	و
ثبوت	ث ب ت	ثلث	ث ل ث	ثجرب	ث ر ب
ثبور	ث ب ر	ثلثان	و	ثياب	ث و ب
				ثیبات	ث ی ب



## ج

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
جاء	ج ی أ	جالوت	ج ا ل و ت	جبل	ج ب ل
جاءت	»	جامدة	ج م د	جبله	»
جائر	ج و ر	جامع	ج م ع	جبين	ج ب ن
جاؤا	ج ی أ	جان	ج ن ن	جثى	ج ث و
جئت	»	جاننا	ج ی أ	جحدوا	ج ح د
جئتم	»	جانب	ج ن ب	ججيم	ج ح م
جئتموا	»	جاوز	ج و ز	جد	ج د د
جابوا	ج و ب	جاوزا	»	جدار	ج د ر
جائية	ج ث و	جاوزنا	»	جدال	ج د ل
جامين	ج ث م	جاهد	ج ه د	جدد	ج د د
جادل	ج د ل	جاهدا	»	جدر	ج د ر
جادلت	»	جاهدوا	»	جدلا	ج د ل
جادلتم	»	جاهل	ج ه ل	جدل	»
جادلوا	»	جاهلون	»	جدید	ج د د
جار	ج و ر	جاهلية	»	جذاذ	ج ذ ذ
جاريات	ج ر ی	جيب	ج ب ب	جذع	ج ذ ع
جارية	»	جبار	ج ب ر	جذوة	ج ذ و
جاز	ج ز ی	جبارين	»	جذوع	ج ذ ع
جاسوا	ج و س	جبال	ج ب ل	جراد	ج ر د
جاعل	ج ع ل	جباه	ج ب ه	جرحتم	ج ر ح
جاعلون	»	جبت	ج ب ت	جرز	ج ر ز
		جبريل	ج ب ر ی ل	جرف	ج ر ف

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
جرم	ج ر م	جم	ج م م	جنود	ج ن د
جروح	ج ر ح	جال	ج م ل	جنی	ج ن ی
جرین	ج ر ی	جالة	»	جو	ج و و
جزء	ج ز ا	جمع	ج م ع	جواب	ج و ب - ج ب ی
جزاء	ج ز ی	جمعان	»	جوار	ج و ا ر ی
جزعنا	ج ز ع	جمعة	»	جوارح	ج و ا ر ح
جزوع	»	جمعنا	»	جودی	ج و د
جزیت	ج ز ی	جمعوا	»	جوع	ج و ع
جزیة	»	جمل	ج م ل	جوف	ج و ف
جسد	ج س د	جملة	»	جهاد	ج ه د
جسم	ج س م	جميع	ج م ع	جهار	ج ه ر
جعل	ج ع ل	جميل	ج م ل	جهاز	ج ه ز
جعلوا	»	جن	ج ن ن	جهالة	ج ه ل
جعلت	»	جنا	ج ن ی	جهد	ج ه د
جعلتم	»	جنات	ج ن ن	جهر	ج ه ر
جعلنا	»	جناح	ج ن ح	»	»
جعلوا	»	جناحی	»	جهز	ج ه ز
جفاء	ج ف و	جنبه	ج ن ب	جهنم	ج ه ن م
جفان	ج ف ن	جنة	ج ن ن	جهول	ج ه ل
جلاء	ج ل و	جنتان	»	جیاد	ج و د
جلی	»	جنحوا	ج ن ح	جیب	ج ی ب
جلایمب	ج ل ب	جند	ج ن د	جید	ج ی د
جلال	ج ل ل	جنف	ج ن ف	جیوب	ج ی ب
جلدة	ج ل د	جنوب	ج ن ب	جی	ج ی ا

## ح

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
حاج	ح ج ج	حافین	ح ف ف	حجاب	ح ج ب
حاجة	ح و ج	حاق	ح ی ق	حجارة	ح ج ر
حاججتم	ح ج ج	حاقة	ح ق ق	حجة	ح ج ج
حاجز	ح ج ز	حاکمین	ح ک م	حجج	»
حاجزین	»	حال	ح و ل	حجر	ح ج ر
حاجوا	ح ج ج	حام	ح م ی	حجرات	»
حاد	ح د د	حامدون	ح م د	حجور	»
حاذرون	ح ذ ر	حاملات	ح م ل	حدائق	ح د ق
حارب	ح ر ب	حاملین	»	حداد	ح د د
حاسبنا	ح ص ب	حامیة	ح م ی	حلب	ح د ب
حاسبین	»	حسب	ح ب ب	حدث	ح د ث
حامد	ح م د	حبال	ح ب ل	حدود	ح د د
حاش	ح ا ش	حیبه	ح ب ب	حدیث	ح د ث
حاشرین	ح ش ر	حبة	»	حدید	ح د د
حاصب	ح ص ب	حیظ	ح ب ط	حذر	ح ذ ر
حاضرة	ح ض ر	حیظت	»	حر	ح ر ر
حاضری	»	حیک	ح ب ک	حرام	ح ر م
حافرة	ح ف ر	حبل	ح ب ل	حرب	ح ر ب
حافظ	ح ف ظ	حتى	حتى	حرث	ح ر ث
حافظات	»	حتم	ح ت م	حرج	ح ر ج
حافظوا	»	حیثا	ح ث ث	حرد	ح ر د
حافظون	»	حج	ح ج ج	حرس	ح ر س

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
حرصت	ح ر ص	حسبوا	ح س ب	حضور	ح ص ر
حرصتم	»	حسد	ح س د	حصون	ح ص ن
حرض	ح ر ض	حشرات	ح س ر	حصید	ح ص د
حرف	ح ر ف	حسرة	»	حصیر	ح ص ر
حرقوا	ح ر ق	حسرقی	»	حضر	ح ض ر
حرم	ح ر م	حسن	ح س ن	حضرُوا	»
حرمان	»	حسنى	»	حطام	ح ط م
حرمت	»	حسانات	»	حطب	ح ط ب
حرمانا	»	حسنة	»	حطاة	ح ط ط
حرموا	»	حسنت	»	حطمة	ح ط م
حرور	ح ر ر	حسنيين	»	حظ	ح ظ ا
حریر	»	حسوم	ح س م	حفدة	ح ف د
حریص	ح ر ص	حسیب	ح س ب	حفرة	ح ف ر
حریق	ح ر ق	حسیر	ح س ر	حفظ	ح ف ظ
حزب	ح ز ب	حسین	ح س ن	حفظة	»
حزین	»	حشر	ح ش ر	حفظنا	»
حزن	ح ز ن	حشرت	»	حففنا	ح ف ف
حساب	ح س ب	حشرنا	»	حفي	ح ف ی
حسابیه	»	حصاد	ح ص د	حفیظ	ح ف ظ
حسان	ح س ن	حصب	ح ص ب	حق	ح ق ق
حسب	ح س ب	حصحص	ح ص ص (حصحص)	حق الیقین	ح ق ق + ی ق ن
حسیان	»	حصدتم	ح ص د	حقب	ح ق ب
حسبت	»	حصرت	ح ص ر	حقت	ح ق ق
حسبتم	»	حصل	ح ص ل	حقیق	»

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
حکام	ح ک م	حمئة	ح م أ	حوايا	ح و ي
حکم	»	حمد	ح م د	حوب	ح و ب
حکمة	»	حمر	ح م ر	حوت	ح و ت
حکمت	»	حمل	ح م ل	حور	ح و ر
حکمتم	»	حملت	»	حول	ح و ل
حکيم	»	حملتم	»	حولين	»
حل	ح ل ل	حملنا	»	حي	ح ي ي
حلائل	»	حملوا	»	حيوة	»
حلاف	ح ل ف	حمولة	»	حية	»
حلال	ح ل ل	حمية	ح م ي	حيتان	ح و ت
حلفتم	ح ل ف	حميد	ح م د	حيث	حيث و حيث و حيث
حلقوم	ح ل ق	حمير	ح م ر	حيثا	»
حلتهم	ح ل ل	حميم	ح م م	حيران	ح ي ر
حلم	ح ل م	حناجر	ح ن ج ر	حيل	ح و ل
حلوا	ح ل ي	حنان	ح ن ن	حيلة	»
حلي	»	حذث	ح ن ث	حين	ح ي ن
حلية	»	حنفاء	ح ن ف	حينئذ	حين + اذ
حليم	ح ل م	حنيد	ح ن ذ	حيوا	ح ي ي
حمأ	ح م أ	حنيف	ح ن ف	حيوان	»
حار	ح م ر	حنين	ح ن ن	حيولك	»
حالة	ح م ل	حوارى	ح و ر	حيتم	»
			خ		
خائبين	خ ي ب	خائف	خ و ف	خائفة	خ و ن
خائفين	خ و ض	خائفين	»	خائفين	»

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
خاب	خ ی ب	خافية	خ ف ی	خاب	خ ی ب
خاتم	خ ت م	خال	خ و ل	خاتم	خ ت م
خادع	خ د ع	خالات	»	خادع	خ د ع
خارج	خ ر ج	خالد	خ ل د	خارج	خ ر ج
خارجین	»	خالدین	»	خارجین	»
خازنین	خ ز ن	خالص	خ ل ص	خازنین	خ ز ن
خاسی	خ س أ	خالصة	»	خاسی	خ س أ
خاسین	»	خالقین	خ ل ف	خاسین	»
خاسرة	خ س ر	خالق	خ ل ق	خاسرة	خ س ر
خاسرون	»	خالقون	»	خاسرون	»
خاشع	خ ش ع	خالقین	»	خاشع	خ ش ع
خاشعات	»	خالیه	خ ل و	خاشعات	»
خاشعة	»	خامدون	خ م د	خاشعة	»
خاشعون	»	خامسة	خ م س	خاشعون	»
خامة	خ ص ص	خاننا	خ و ن	خامة	خ ص ص
خاضعین	خ ض ع	خانوا	»	خاضعین	خ ض ع
خاضوا	خ و ض	خاویة	خ و ی	خاضوا	خ و ض
خاطئة	خ ط أ	خبا	خ ب أ	خاطئة	خ ط أ
خاطثون	»	خبائث	خ ب ث	خاطثون	»
خاطیة	خ ط ب	خبال	خ ب ل	خاطیة	خ ط ب
خاف	خ و ف	خبت	خ ب و	خاف	خ و ف
خافت	»	خبث	خ ب ث	خافت	»
خافضة	خ ف ض	خبر	خ ب ر	خافضة	خ ف ض
خافوا	خ و ف	خبز	خ ب ز	خافوا	خ و ف

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
خرقت	خ ر ق	خصم	خ ص م	خلاف	خ ل ف
خرقوا	»	خصم خصم	»	خلاق	خ ل ق
خروا	خ ر ر	خصمون	»	خلال	خ ل ل
خروج	خ ر ج	خصيم	»	خلت	خ ل و
خزائن	خ ز ن	خضيم	خ و ض	خلة	خ ل ل
خزلة	»	خضير	خ ض ر	خلد	خ ل د
خزى	خ ز ي	خطا	خ ط ا	خلصوا	خ ل ص
خسار	خ س ر	خطاب	خ ط ب	خلطاء	خ ل ط
خسر	»	خطايا	خ ط ا	خلطوا	»
خسران	»	خطب	خ ط ب	خلف	خ ل ف
خسروا	»	خطبة	»	خلفاء	»
خسف	خ س ف	خطف	خ ط ف	خلفة	»
خسفنا	»	خطفة	»	خلفتوا	»
خسوف	»	خطوات	خ ط و	خلفوا	»
خشب	خ ش ب	خطينة	خ ط ا	خلق	خ ل ق
خشع	خ ش ع	خفاف	خ ف ف	خلقت	»
خشعت	»	خففت	خ و ف	خلقنا	»
خشوع	»	خففت	خ ف ف	خلقوا	»
خشى	خ ش ي	خفيم	خ و ف	خلوا	خ ل و
خشيت	»	خفف	خ ف ف	خلود	خ ل د
خشية	»	خفى	خ ف ي	خليفة	خ ل ف
خشنيا	»	خفية	»	خليل	خ ل ل
خصاصة	خ ص ص	خفيف	خ ف ف	خمر	خ م ر
خصام	خ ص م	خلا	خ ل و	خمس	خ م س
		خلائف	خ ل ف		

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
خمسة	خ م س	خوان	خ و ن	خیر	خ ی ر
خمسين	»	خوض	خ و ض	خيرات	»
خبط	خ م ط	خوف	خ و ف	خيرة	»
خنازير	خنزير	خول	خ و ل	خيطة	خ ی ط
خناس	خ ن س	خولنا	»	خيطة الابيض	خ ی ط + ب ی ض
خنزير	خنزير	خياط	خ ی ط	خيطة الاسود	خ ی ط + س و د
خنس	خ ن س	خيام	خ ی م	خيفة	خ و ف
خوار	خ و ر	خيالة	خ و ن	خيل	خ ی ل
خوالف	خ ل ف				

## د

دآئين	د أ ب	دار	د و ر	دخان	د خ ن
دائرة	د و ر	داع	د ع و	دخل	د خ ل
دآثم	د و م	داعى	»	دخات	»
دآمون	»	دافع	د ف ع	دخلتم	»
داود	داود	دافق	د ف ق	دخلتموا	»
دأب	د أ ب	ماء دافق	م و ه + د ف ق	دخلوا	»
دأيا	»	دامت	د و م	دخول	»
دابئة	د ب ب	دامو	»	دراسة	د ر س
داير	د ب ر	دان	د ن و	دراهم	د ر ه م
داحضة	د ح ض	دانية	»	درجات	د ر ج
داخرون	د خ ر	دبر	د ب ر	درجة	»
داخرين	»	دحى	د ح و - ی	درست	د ر س
داخلون	د خ ل	دحورا	د ح ر	درسوا	»



لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
درك	د ر ك	دفع	د ف ا	دمدم	د م د م
دری	د ر و	دفع	د ف ع	دمر	د م ر
دسی	د س س (د س و)	دفعتم	د ف ع ت م	دمع	د م ع
دسر	د س ر	دك	د ك ك	دنی	د ن و
دع	و د ع	دكاه	د ك ا ه	دنیا	د ن ی ا
دع	د ع ع	دكت	د ك ت	دوآثر	د و ا ث ر
دعا	د ع و	دكة	د ك ة	دواب	د و ا ب
دعاء	د ع ا	دكتنا	د ك ت ن ا	دولة	د و ل ة
دعائی	د ع ا ی	دل	د ل ل	دون	د و ن
دعوا	د ع و ا	دلی	د ل و	دهاق	د ه ا ق
دعوی	د ع و ی	دلو	د ل و	دهان	د ه ا ن
دعوة	د ع و ة	دلوك	د ل و ك	دهر	د ه ر
دعوت	د ع و ت	دلیل	د ل ل	دهن	د ه ن
دعوتم	د ع و ت م	دم	د م و	ديار	د ی ا ر
دعوتهموا	د ع و ت ه م و ا	دماء	د م ا	دیه	د ی ه
دعی	د ع ی	دمت	د م ت	دین	د ی ن
دعیم	د ع ی م	دمتم	د م ت م	دینار	د ی ن ا ر
ذ					
ذا	ذ ا	ذئب	ذ ا ب	ذاقوا	ذ ا ق و ا
ذا	ذ و	ذات	ذ ا ت	ذالك	ذ ا ل ك
ذالنون	ذ ا ل ن و ن	ذاریات	ذ ا ر ی ا ت	ذاکرات	ذ ا ک ر ا ت
ذائقة	ذ ا ق ة	ذاقا	ذ ا ق ا	ذاکرین	ذ ا ک ر ی ن
ذائقون	ذ ا ق و ن	ذاقت	ذ ا ق ت	ذالك	ذ ا ل ك

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
ذلكم	ذ ا	ذرية	ذ ر و (ذرى)	ذمة	ذ م م
ذلكما	ذ	ذريات	ذ	ذنب	ذ ن ب
ذلكن	ذ	ذوق	ذ و ق	ذنوب	ذ
ذان	ذ	ذكر	ذ ك ر	ذو	ذ و
ذاتك	ذ	ذكرى	ذ	ذوالكفل	ذ و الكفل
ذاهب	ذ ه ب	ذکران	ذ	ذوالقرنين	ذ و القرنين
ذباب	ذ ب ب	ذکرت	ذ	ذوا	ذ و
ذبح	ذ ب ح	ذکرتم	ذ	ذواتا	ذ
ذبحوا	ذ	ذکروا	ذ	ذواتى	ذ
ذر	و ذ ر	ذکرين	ذ	ذوقوا	ذ و ق
ذرى	ذ	ذکور	ذ	ذوى	ذ و
ذرا	ذ ر ا	ذکيتهم	ذ ک و	ذه	ذ ا
ذراننا	ذ	ذل ل	ذ ل ل	ذهاب	ذ ه ب
ذراع	ذ ر ع	ذلة	ذ	ذهب	ذ
ذراعى	ذ	ذلل	ذ	ذهبت	ذ
ذرة	ذ ر ر	ذلت	ذ	ذهبنا	ذ
ذرع	ذ ر ع	ذللنا	ذ	ذهبوا	ذ
ذروا	ذ ر و	ذلول	ذ	ذى	ذ و
وذروا	و ذ ر				

ر

رابطوا	ر ب ط	رابية	ر ب و	راجفة	ر ج ف
رابع	ر ب ع	رأت	ر آ ي	راحمين	ر ح م
رايبا	ر ب و	راجعون	ر ج ع	راد	ر د د

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
رادقة	ر د ف	راودتن	ر و د	ربا	ر ب و
رادو	ر د د	راودوا	،،	ربیون	ر ب ب
رادې	،،	رؤس	ر ا س	رتق	ر ت ق
رازقین	ر ز ق	رءوف	ر ا ف	رتل	ر ت ل
رأس	ر ا س	رای	ر ا ی	رتلنا	،،
رءوس	،،	رئ	،،	رج	ر ج ج
راسخون	ر س خ	رویا	،،	رجال	ر ج ل
راسیات	ر س و	رایت	،،	رجت	ر ج ج
راشدون	ر ش د	رأیم	،،	رجز	ر ج ز
راضية	ر ض ی	رایتموا	،،	رجس	ر ج س
راعنا	رعن(رعی)	راین	،،	رجع	ر ج ع
راعون	ر ع ی	رب	ر ب ب	رجعی	،،
راغ	ر و غ	ربو	ر ب و	رجعت	،،
راغب	ر غ ب	ربائب	ر ب ب	رجعتم	،،
راعبون	،،	رباط	ر ب ط	رجعنا	،،
رافة	ر ا ف	رباع	ر ب ع	رجعوا	،،
رافع	ر ف ع	ربانیون	ر ب ب	رجفة	ر ج ف
رافعة	،،	ربانیین	،،	رجل	ر ج ل
راق	ر ق ی	ربت	ر ب و	رجلان	،،
راکع	ر ک ع	ربحت	ر ب ح	رجلین	،،
راکعون	،،	ربطنا	ر ب ط	رجم	ر ج م
ران	ر ی ن	ربع	ر ب ع	رجمنا	،،
رأوا	ر ا ی	ربما	ر ب	رجوع	ر ج ع
راودت	ر و د	ربوة	ر ب و	رجوم	ر ج م

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
رحیم	ر ح م	رزق	ر ز ق	رغب	ر غ ب
رحال	ر ح ل	رزقنا	،،	رغد	ر غ د
رحبت	ر ح ب	رزقوا	،،	رفات	ر ف ت
رحل	ر ح ل	رس	ر س س	رفث	ر ف ث
رحلة	،،	رسالة	ر س ل	رفد	ر ف د
رحما	ر ح م	رسل	،،	رفرف	ر ف ف
رحم	،،	رسول	،،	رفع	ر ف ع
رحماء	،،	رشاد	ر ش د	رفعت	،،
رحمة	ر ح م	رشد	،،	رفعنا	،،
رحمن	،،	رشید	،،	رفیق	ر ف ق
رحمنا	،،	رصد	ر ص د	رفیع	ر ف ع
رحیق	ر ح ق	رضاعة	ر ض ع	رق	ر ق ق
رحیم	ر ح م	رضوا	ر ض ی	رقاب	ر ق ب
رخاء	ر خ و	رضوان	،،	رقبة	،،
رد	ر د د	رضي	،،	رقود	ر ق د
ردأ	ر د أ	رضیت	،،	رقی	ر ق ی
ردت	ر د د	رضیم	،،	رقیب	ر ق ب
رددت	،،	رطب	ر ط ب	رقم	ر ق م
رددنا	،،	رعاء	ر ع ی	ركاب	ر ك ب
ردف	ر د ف	رعاية	،،	ركام	ر ك م
ردم	ر د م	رعب	ر ع ب	ركب	ر ك ب
ردوا	ر د د	رعد	ر ع د	ركبا	،،
ردوا	،،	رعوا	ر ع ی	ركبان	،،
رزاق	ر ز ق	رغب	ر غ ب	ركبوا	،،

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
رکز	ر ک ز	رواسی	ر س و	رهط	ر ه ط
رکع	ر ک ع	رواکد	ر ک د	رهق	ر ه ق
رکن	ر ک ن	روح	ر و ح	رهوا	ر ه و
رکوب	ر ک ب	روضات	ر و ض	رهین	ر ه ن
رسی	ر م ی	روضه	،،	رهینة	،،
رماح	ر م ح	روع	ر و ع	رئاء	ر ا ی
رماد	ر م د	روم	ر و م	ریاح	ر و ح
رمان	ر م ن	رویدا	ر و د	ربب	ر ی ب
رمز	ر م ز	رهان	ر ه ن	ربیة ریح	،،
رمضان	ر م ض	رهب	ر ه ب	ریحان	ر و ح
رسیت	ر م ی	رهبان	،،	ریش	ر ی ش
رسم	ر م م	رهبانیه	،،	ربع	ر ی ع
رواح	ر و ح	رهبة	،،		

## ز

زاجرات	ز ج ر	زالنا	ز و ل	زجاجة	ز ج ج
زاد	ز ی د	زانی	ز ن ی	زجر	ز ج ر
زادت	،،	زائیه	،،	زجرة	،،
زادوا	،،	زاهدين	ز ه د	زحزح	ز ح ز ح
زارعون	ز ر ع	زاهق	ز ه ق	زحف	ز ح ف
زاغ	ز ی غ	زبانیه	ز ب ن	زخرف	ز خ ر ف
زاغت	،،	زبد	ز ب د	زد	ز ی د
زاغوا	،،	زبر	ز ب ر	زدنا	،،
زالت	ز و ل	زبور	،،	زراپی	ز ر ب

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
زراع	زرع	زلزلت	زلزل (زلزل)	زوجت	زوج
زرتم	زور	زلزلة	„	زوجنا	„
زرق	زرق	زلزلوا	„	زوجين	„
زرع	زرع	زلف	ز ل ف	زور	زور
زرع	زرع	زلفى	„	زهرة	زهرة
زعمت	„	زلفة	„	زهق	زهق
زعمتم	„	زلق	ز ل ق	زهوق	زهوق
زعم	„	زلل	ز ل ل	زيت	زيت
زعم	„	زلتم	„	زيتون	زيتون
زفير	ز ف ر	زمر	ز م ر	زيتونة	زيتونة
زقوم	ز ق م	زمرهم	ز م ه ر	زيد	زيد
زكى	ز ك و	زنا	ز ن ي	زيغ	زيغ
زكوة	„	زنجبيل	زنجبيل	زيلنا	زيلنا
زكريا	ز ك ر ي ا	زنوا	و ز ن	زين	زين
زكى	ز ك و	زنى	ز ن م	زيننا	زيننا
زكية	„	زول	ز و ل	زينت	زينت
زلم	ز و ل	زوج	ز و ج	زينتة	زينتة
زلزال	زلزل (زلزل)	زوجان	„	زينوا	زينوا

## س

س	س	سائحون	س ي ح	ساجحات	س ب ح
ساء	س و ء	سائغ	س و غ	سائغات	س ب غ
سائبة	س ي ب	سائق	س و ق	سابق	س ب ق
ساءت	س و ء	سائل	س أ ل	سائقات	„
سائحات	س ي ح	سائلين	„	سائقوا	„

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
سابقون	س ب ق	سال	س أ ل	سابقوا	س ب ح
ساجد	س ج د	سئل	س	سبع	س ب ع
ساجدون	س	سألت	س	سبعة	س
ساحة	س ي ح	سألت <sup>٨</sup>	س ي ل	سبق	س ب ي
ساحر	س ح ر	سئلت	س أ ل	سبقتم	س ب ق
ساحران	س	سألتم	س	سبقوا	س
ساحرون	س	سألتموا	س	سبل	س ب ل
ساحل	س ح ل	سالمون	س ل م	سبيل	س
ساحرين	س خ ر	سالوا	س أ ل	سنة	س ت ت
سادة	س و د	سئلوا	س	ستر	س ت ر
سادمس	س د س	سامدون	س م د	ستين	س ت ت
سار	س ي ر	سامر	س م ر	سجى	س ج و
سارب	س ر ب	سامرى	س	سجد	س ج د
سارعوا	س ر ع	سؤل	س أ ل	سجدوا	س
سارق	س ر ق	ساوى	س و ي	سجدوا	س
سارقة	س	ساهرة	س ه ر	سجرت	س ج ر
سارقون	س	ساهم	س ه م	سجل	س ج ل
ساعة	س و ع س ي ع	ساهون	س ه و	سجن	س ج ن
سافل	س ف ل	سبا	س ب أ	سجود	س ج د
سافلين	س	سبات	س ب ت	سجيل	س ج ل
ساق	س و ق	سبب	س ب ب	سجين	س ج ن
ساقط	س ق ط	سبت	س ب ت	سحاب	س ح ب
ساقى	س و ق	سبع	س ب ع	سحابة	س
ساكن	س ك ن	سبحان	س	سحار	س ح ر

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
سحاح	س ح ت	سراج	س ر ج	سفاهة	س ف ه
سحر	س ح ر	سراح	س ر ح	سفر	س ف ر
سحران	»	سرادق	س ر د ق	سفرة	»
سحرة	»	سراع	س ر ع	سفلج	س ف ل
سحروا	»	سرب	س ر ب	سفه	س ف ه
سحقی	س ح ق	سرحوا	س ر ح	سفهاء	»
سحیق	»	سرد	س ر د	سفینة	س ف ن
سحز	س ح ز	سرر	س ر ر	سفیه	س ف ه
سحزنا	»	سرق	س ر ق	سقی	س ق ی
سحزوا	»	سرمد	س ر م د	سقاية	»
سحزى	»	سرور	س ر ر	سقر	س ق ر
سحخط	س ح ط	سرى	س ر ی - و	سقط	س ق ط
سد	س د د	سریر	س ر ر	سقطوا	»
سدی	س د ی	سربع	س ر ع	سقف	س ق ف
سدر	س د ر	سطحت	س ط ح	سقنا	س و ق
سدرة	»	سعی	س ع ی	سقوا	س ق ی
سدس	س د س	سعة	و س ع	سقیا	»
سدید	س د د	سعدوا	س ع د	سقیمت	»
سدین	»	سعر	س ع ر	سقیم	س ق م
سر	س ر ر	سعرت	»	سکاری	س ک ر
سراء	»	سعوا	س ع ی	سکت	س ک ت
سراثر	»	سعی	»	سکر	س ک ر
سراب	س ر ب	سعید	س ع د	سكرة	»
سراپیل	س ر ب ل	سعیبر	س ع ر	سکرت	»



لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
سكن	س ك ن	ساعون	س م ع	سنة	س ن و ه
سكنتم	و	سما	س م و	سنة	س ن ن
سكين	و	سان	س م ن	سندس	س ن د س
سكينة	و	سموات	س م و	سنن	س ن ن
سل	س أ ل	سمع	س م ع	سنين	س ن و ه
سلالة	س ل ل	سمعت	و	سوء	س و ه
سلاسل	س ل س ل	سمعتهم	و	سوى	س و ي
سلام	س ل م	سمعتموا	و	سواء	و
سلسبيل	س ب ل	سمعنا	و	سواى	س و أ
سلسلة	س ل س ل	سمعوا	و	سوات	و
سلط	س ل ط	سمك	س م ك	سوءة	س و ه
سلطان	و	سموا	س م و	سواع	س و ا ع
سلطانيه	و	سموم	س م م	سؤال	س أ ل
سلف	س ل ف	سمى	س م و	سؤل	و
سلقوا	س ل ق	سدت	و	سود	س و د
سلك	س ل ك	سميتمو	و	سور	س و ر
سلكنا	و	سميح	س م ع	سورة	و
سلم	س ل م	سمين	س م ن	سوط	س و ط
سلمتم	و	سن	س ن ن	سوف	س و ف
سلموا	و	سنا	س ن ي	سوق	س و ق
سلوى	س ل و	سنابل	س ن ب ل	سول	س و ل
سليم	س ل م	سنبل	و	سوات	و
سليان	س ل يان	سنبله	و	سوى	س و ي
سم	س م م	سنة	و س ن	سويت	و

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
سهول	س ه ل	سيحوا	س ي ح	سيق	س و ق
سي <sup>ء</sup>	س و ء	سيد	س و د	سيل	س ي ل
سيئات	و	سير	س ي ر	سيما	س و م
سيئة	و	سيرة	و	سيناء	سيناء
سيئت	و	سيرت	و	سينين	سينين
سيارة	س ي ر	سيروا	و		
ش					
شاء	ش ي ء	شان	ش ن	شر	ش ر ر
شئت	و	شاني <sup>ء</sup>	ش ن أ	شراب	ش ر ب
شمتا	و	شاور	ش و ر	شرب	و
شمتهم	و	شاهد	ش ه د	شربوا	و
شمتنا	و	شاهدون	و	شرح	ش ر ح
شاخصة	ش خ ص	شبه	ش ب ه	شرد	ش ر د
شاربون	ش ر ب	شياء	ش ت و	شردنة	ش ر ذ م
شارك	ش ر ك	شتى	ش ت ت	شمر	ش ر ر
شاطى	ش ط أ	شجر	ش ج ر	شرع	ش ر ع
شاعر	ش ع ر	شجرة	و	شرعة	و
شافعين	ش ف ع	شج	ش ح ح	شرعوا	و
شاقوا	ش ق ق	شجوم	ش ي ح م	شرقي	ش ر ق
شاكر	ش ك ر	شداد	ش د د	شرقية	و
شاكرون	و	شددنا	و	شرك	ش ر ك
شاكلة	ش ك ل	شدوا	و	شركاء	و
شامخات	ش م خ	شديد	و	شروا	ش ر ي

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
شريعة	ش ر ع	شق	ش ق ق	شهادات	ش ه د
شريك	ش ر ك	شقاق	»	شهد	»
شطا	ش ط أ	شقة	»	شهداء	»
شطر	ش ط ر	شققنا	»	شهدتم	»
شطط	ش ط ط	شقوا	ش ق ی	شهدنا	»
شعائر	ش ع ر	شقوة	»	شهدوا	»
شعب	ش ع ب	شقي	»	شهر	ش ه ر
شعر	ش ع ر	شك	ش ك ك	شهريين	»
شعراء	ش ع ر	شكر	ش ك ر	شهوة	ش ه و
شعری	»	شكرتم	»	شهوات	»
شعوب	ش ع ب	شكل	ش ك ل	شهود	ش ه د
شعيب	شعيب	شكور	ش ك ر	شهور	ش ه ر
شغف	ش غ ف	شال	ش م ل	شهيد	ش ه د
شغل	ش غ ل	شائل	»	شهيدین	»
شغلت	»	شمس	ش م س	شهيق	ش ه ق
شَفَا	ش ف و	شنان	ش ن أ	شي	ش ی أ
شَفَاء	ش ف ی	شوی	ش و ی	شياطين	ش ط ن
شفاة	ش ف ع	شواظ	ش و ظ	شيب	ش ی ب
شفة	ش فه (شفو)	شوب	ش و ب	شيبة	»
شفتين	»	شوری	ش و ر	شيخ	ش ی خ
شفع	ش ف ع	شوكة	ش و ك	شیطان	ش ط ن
شفعاء	»	شهاب	ش ه ب	شيع	ش ی ع
شفق	ش ف ق	شهب	»	شيعة	»
شفيع	ش ف ع	شهادة	ش ه د	شيوخ	ش ی خ
				شية	و ش ی

## ص

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
صائم	ص و م	صال	ص ل ی	صائف	ص ح ف
صائمات	»	صالح	ص ل ح	صخر	ص خ ر
صائبون	ص ب ا	صالح	ص ل ح	صخرة	»
صابر	ص ب ر	صالحات	»	صد	ص د د
صابرة	»	صالحون	»	صدتم	»
صابروا	»	صالحين	»	صددنا	»
صابرون	»	صالوا	ص ل ی	صدر	ص د ر
صاحب	ص ح ب	صامتون	ص م ت	صدع	ص د ع
صاحب	ص ح ب ح و ت	صهب	ص ب ب	صدف	ص د ف
الحوث		صباح	ص ب ح	صدفين	»
صاحبة	ص ح ب	صبار	ص ب ر	صدق	ص د ق
صاحبي	»	صبينا	ص ب ب	صدقات	»
صاخة	ص خ خ	صبح	ص ب ح	صدقة	»
صادق	ص د ق	صبر	ص ب ر	صدقت	»
صادقات	»	صبرتم	»	صدقنا	»
صادقون	»	صبرنا	»	صدقوا	»
صارمين	ص ر م	صبروا	»	صدوا	ص د د
صاعقة	ص ع ق	صبيغ	ص ب غ	صدود	»
صاغرون	ص غ ر	صبغة	»	صدور	ص د ر
صافات	ص ف ف	صبوا	ص ب ب	صدهد	ص د د
صافنات	ص ف ن	صبي	ص ب و	صدیقی	ص د ق
صافون	ص ف ف	صعاف	ص ح ف	صدیقة	»

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
صديقون	ص د ق	صَفَا	ص ف ف	صنع	ص ن ع
صِرٌّ	ص و ر	صَفَا	ص ف و	صنعة	»
صِرٌّ	ص ر ر	صَفَح	ص ف ح	صنعوا	»
صِرَاطٌ	ص ر ط	صَفَر	ص ف ر	صنوان	ص ن و
صِرَّةٌ	ص ر ر	صَفَرَاءُ	»	صواب	ص و ب
صِرْحٌ	ص ر ح	صَفِيفٌ	ص ف ف	صواع	ص و ع
صِرْصِرٌ	ص ر ر	صَفْوَانٌ	ص ف و	صواعق	ص ع ق
صِرْعَالِيٌّ	ص ر ع	صَكَّتْ	ص ك ك	صواف	ص ف ف
صِرْفٌ	ص ر ف	صَلٌ	ص ل و	صوامع	ص م ع
صِرْفَتٌ	»	صَلَّى	»	صوت	ص و ت
صِرْفَانٌ	»	صَلْوَةٌ	»	صور	ص و ر
صِرْيَخٌ	ص ر خ	صَلَبٌ	ص ل ب	صورة	»
صِرِيمٌ	ص ر م	صَلَبُوا	»	صورنا	»
صَبَدٌ	ص ع د	صَلَحٌ	ص ل ح	صوم	ص و م
صَبَقٌ	ص ع ق	صَلَدٌ	ص ل د	صهر	ص ه ر
صَبَقًا	»	صَالِحٌ	ص ل ص ل	صياصي	ص ي ص
صَبُودٌ	ص ع د	صَلَرًا	ص ل و	صيام	ص و م
صَبِيدٌ	»	صَلَوَاتٌ	»	صيب	ص و ب
صَبَارٌ	ص غ ر	صَلَّى	ص ل ي	صبيحة	ص ي ح
صَبْتٌ	ص غ و	صَمٌ	ص م م	صيد	ص ي د
صَبِيرٌ	ص غ ر	صَمَدٌ	ص م د	صيف	ص ي ف
صَبِيرَةٌ	»	صَمَوًا	ص م م		
صَفٌ	ص ف ف				

## ض

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
ضائق	ض ی ق	ضراء	ض ر ر	ضغث	ض غ ث
ضاحك	ض ح ك	ضرار	»	ضفادع	ض ف د ع
ضاحكة	»	ضرب	ض ر ب	ضل	ض ل ل
ضار	ض ر ر	ضربت	»	ضلال	»
ضاق	ض ی ق	ضربتم	»	ضلالة	»
ضائق	»	ضربنا	»	ضلالت	»
ضال	ض ل ل	ضربوا	»	ضللتنا	»
ضالین	»	ضرب	ض ر ر	ضلوا	»
ضامر	ض م ر	ضرب	ض ر ع	ضنك	ض ن ك
ضان	ض ا ن	ضعاف	ض ع ف	ضنین	ض ن ن
ضبیح	ض ب ح	ضعف	»	ضیاء	ض و ا
ضحی	ض ح و	ضعفاء	»	ضیر	ض ی ر
ضحكت	ض ح ك	ضعفوا	»	ضیزی	ض و ز
ضد	ض د د	ضعفین	»	ضیف	ض ی ف
ضر	ض ر ر	ضعیف	»	ضیق	ض ی ق

## ط

طائر	ط ی ر	طائفین	ط و ف	طاعة	ط و ع
طائعين	ط و ع	طائفین	»	طاعم	ط ع م
طائف	ط و ف	طاب	ط ی ب	طاعوت	ط ع ی
طائفة	»	طارد	ط ر د	طاغون	»
طائفان	»	طارق	ط ر ق	طاغیة	»

ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ
ط م ع	طمع	ط ع م	طعموا	ط غ ی	طاغین
ط و ی	طوی	ط ع ن	طعن	ط و ف	طاف
ط و ف	طوافون	»	طعنوا	ط و ق	طاقة
ط ی ب	طوبی	ط غ ی	طغی	ط و ل	طال
ط و د	طود	»	طغوا	ط ل ب	طالب
ط و ر	طور	»	طغوی	ط ل و ت	طالوت
ط و ع	طوع	»	طغیان	ط م م	طامة
»	طوعت	ط ف ق	طفق	ط ب ق	طباق
ط و ف	طوفان	»	طفقا	ط ی ب	طبیم
ط و ل	طول	ط ف ل	طفل	ط ب ع	طبع
»	طویل	ط ل ل	طل	ط ب ق	طبق
ط ه ر	طهر	ط ل ق	طلاق	ط ی ب	طین
»	طهرا	ط ل ب	طلب	ط ح ی	طحی
»	طهور	ط ل ح	طلح	ط ر ق	طرائق
ط و ی	طی	ط ل ع	طلع	ط ر د	طردت
ط ی ب	طیب	»	طلعت	ط ر ف	طرف
»	طیبات	ط ل ق	طلاق	»	طرفی
»	طیبة	»	طلاقتم	ط ر ی	طری
»	طیبون	»	طلقتمو	ط ر ق	طریق
ط ی ر	طیر	»	طلقوا	»	طریقة
ط ی ن	طین	ط ل ع	طلوع	ط ع م	طعام
		ط م س	طمست	»	طعم
		»	طمسنا	»	طعمتم

## ظ

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
ظالم	ظ ل م	ظلم	ظ ل ل	ظمان	ظ م أ
ظالمة	»	ظلل	»	ظن	ظ ن ن
ظالمون	»	ظللنا	»	ظنا	»
ظالمين	ظ ن ن	ظلم	ظ ل م	ظننا	»
ظاهر	ظ ه ر	ظلمات	»	ظننت	»
ظاهرة	»	ظلمة	»	ظننتم	»
ظاهروا	»	ظلمت	»	ظنونا	»
ظاهرين	»	ظلمتم	»	ظنون	»
ظعن	ظ ع ن	ظلمنا	»	ظهر	ظ ه ر
ظفر	ظ ف ر	ظلموا	»	ظهرد	»
ظل	ظ ل ل	ظلوا	ظ ل ل	ظهري	»
ظلال	»	ظلوم	ظ ل م	ظهير	»
ظلام	ظ ل م	ظليل	ظ ل ل	ظهيرة	»
ظلمة	ظ ل ل	ظماء	ظ م أ		
ظلت	»				

## ع

عائدون	ع و د	عابري	ع ب ر	عَاد	عَاد
عائل	ع ي ل (عول)	عابر	»	عَاد	ع و د
عابد	ع ب د	عائبة	ع ت و	عادوا	»
عابدات	»	عاجلة	ع ج ل	عادون	ع د و
عابدون	»	عَاد	ع د و	عاديات	»
عابدين	»				



لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
عادیتم	ع د و	عامل	ع م ل	عتو	ع ت و
عادیین	ع د د	عاملة	»	عتوا	»
عارضین	ع ر ض	عاملون	»	عتی	»
عاشروا	ع ش ر	عامین	ع و م	عتید	ع ت د
عاصف	ع ص ف	عاهد	ع ه د	عتیق	ع ت ق
عاصفات	»	عاهدا	»	عثر	ع ث ر
عاصفة	»	عاهنت	»	عجاب	ع ج ب
عاصم	ع ص م	عاهدتم	»	عجاف	ع ج ف
عافین	ع ف و	عاهدوا	»	عجب	ع ج ب
عاقب	ع ق ب	عباد	ع ب د	عجبت	»
عاقبة	»	عبادة	»	عجبتهم	»
عاقبتهم	»	عبث	ع ب ث	عجبوا	»
عاقبوا	»	عبد	ع ب د	عجزت	ع ج ز
عافر	ع ق ر	عبدت	»	عجل	ع ج ل
عاکف	ع ک ف	عبدتهم	»	عجلت	»
عال	ع ل و	عبدنا	»	عجلتم	»
عالم	ع ل م	عبدین	»	عجلنا	»
عالمون	»	عبرة	ع ب ر	عجوز	ع ج ز
عالمین	»	عبس	ع ب س	عجول	ع ج ل
عالی	ع ل و	عبقری	ع ب ق ر	عجیب	ع ج ب
عالیة	»	عبوس	ع ب س	عد	ع د د
عالیهم	»	عبید	ع ب د	عداوة	ع د و
عالین	»	عتت	ع ت و	عدة	ع د د
عام	ع و م	عتل	ع ت ل	عدتم	ع و د

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
عدد	ع د د	عرفات	ع ر ف	عسوس	ع س ع س
عسوس	ع د س	عرفت	»	عسل	ع س ل
عدل	ع د ل	عرفوا	»	عسيم	ع س ي
عدن	ع د ن	عرم	ع ر م	عسر	ع س ر
عدنا	ع و د	عروة	ع ر و	عشاء	ع ش و
عدو	ع د و	عروش	ع ر ش	عشار	ع ش ر
عدوان	»	عريض	ع ر ض	عشر	»
عدوة	»	عز	ع ز ز	عشرة	»
عذاب	ع ذ ب	عزة	»	عشرون	»
عذب	»	عزرتهموا	ع ز ر	عشي	ع ش ي
عذبنا	»	عزروا	»	عشية	»
عذت	ع و ذ	عزونا	ع ز ن	عشير	ع ش ر
عذر	ع ذ ر	عزلت	ع ز ل	عشيرة	»
عراه	ع ر ي	عزم	ع ز م	عصا	ع ص و
عرب	ع ر ب	عزمت	»	عصي	ع ص ي
عربي	»	عزموا	»	عصبة	ع ص ب
عرجون	ع ر ج ن	عزى	ع ز ز	عصر	ع ص ر
عرش	ع ر ش	عزير	ع ز ير	عصف	ع ص ف
عرض	ع ر ض	عزیز	ع ز ز	عصم	ع ص م
عرضة	»	عزین	ع ز و	عصوا	ع ص ي
عرضتم	»	عسى	ع س ي	عصي	ع ص و
عرضنا	»	عسر	ع س ر	عصي	ع ص ي
عرضوا	»	عسرى	»	عصيان	»
عرف	»	عسرة	»	عصيب	ع ص ب

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
عصيت	ع ص ي	عقد	ع ق د	عَلِمُوا	ع ل و
عصيم	»	عقدة	»	علي	»
عصينا	»	عقدت	»	عليا	»
عضد	ع ض د	عقدتم	»	علم	ع ل م
عضوا	ع ض ض	عقر	ع ق ر	عليون	ع ل و
عضين	ع ض و	عقروا	»	عليهم	علي + هم
عطاء	ع ط و	عقلوا	ع ق ل	عم	عن + ما
عطف	ع ط ف	عقود	ع ق د	عم	ع م م
عطلت	ع ط ل	عقيم	ع ق م	عات	»
عظ	و ع ظ	علا	ع ل و	عاد	ع م د
عظام	ع ظ م	على	على	عارة	ع م ر
عظم	»	علام	ع ل م	عمد	ع م د
عظوا	و ع ظ	علامات	»	عمر	ع م ز
عظيم	ع ظ م	علانية	ع ل ن	عمران	»
عفا	ع ف و	علق	ع ل ق	عمرة	»
عفريت	عفريت	علقة	»	عمروا	»
عفو	ع ف و	علم	ع ل م	عمل	ع م ل
عفونا	»	علماء	»	عملت	»
عفي	»	علمت	»	علمتم	»
عقاب	ع ق ب	علمتم	»	عملوا	»
عقب	»	علمتموا	»	عموا	ع م ي
عقبى	»	علمنا	»	عمون	»
عقبة	»	علموا	»	عمي	»
عقبى	»	و و علموا	ع ل و	عميان	»

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
عمیت	ع م ی	عنكبوت	ع ن ك ب	عمیت	ع م ی
عمیق	ع م ق	عنید	ع ن د	عمیق	ع م ق
عمین	ع م ی	عوان	ع و ن	عمین	ع م ی
عن	عن	عوج	ع و ج	عن	عن
عناب	ع ن ب	عورات	ع و ر	عناب	ع ن ب
عنبت	ع ن ت	عورة	،،	عنبت	ع ن ت
عنبت	ع ن و	عوقب	ع ق ب	عنبت	ع ن و
عنم	ع ن ت	عهد	ع ه د	عنم	ع ن ت
عند	عند	عهدنا	،،	عند	عند
عنق	ع ن ق	عهن	ع ه ن	عنق	ع ن ق
غ					
غائبه	غ ی ب	غافرين	غ ف ر	غائبه	غ ی ب
غائبون	،،	غافل	غ ف ل	غائبون	،،
غائبین	،،	غافلات	،،	غائبین	،،
غائط	غ و ط	غالب	غ ل ب	غائط	غ و ط
غائظون	غ ی ظ	غاوون	غ و ی	غائظون	غ ی ظ
غابرين	غ ب ر	غبرة	غ ب ر	غابرين	غ ب ر
غار	غ و ر	غشاء	غ ث و	غار	غ و ر
غارمین	غ ر م	غد	غ د و	غارمین	غ ر م
غاسق	غ س ق	غدا	،،	غاسق	غ س ق
غاشية	غ ش ی	غداة	،،	غاشية	غ ش ی
غافر	غ ف ر	غدق	غ د ق	غافر	غ ف ر
غادو	غ د و	غادوا	،،	غادو	غ د و
غادوت	،،	غادوت	،،	غادوت	،،
غراب	غ ر ب	غراب	غ ر ب	غراب	غ ر ب
غرابیب	،،	غرابیب	،،	غرابیب	،،
غرام	غ ر م	غرام	غ ر م	غرام	غ ر م
غرب	غ ر ب	غربت	غ ر ب	غرب	غ ر ب
،،	،،	غربي	،،	،،	،،
،،	،،	غربية	،،	،،	،،
غرد	غ ر ر	غرت	غ ر ر	غرد	غ ر ر

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
غرف	غ ر ف	غفران	غ ف ر	غرف	غ م ر
غرفات	»	غفرنا	»	غمة	غ م م
غرفة	»	غفلة	غ ف ل	غمام	»
غرق	غ ر ق	غفور	غ ف ر	غنم	غ ن م
غروب	غ ر ب	غل	غ ل ل	غنمتم	»
غرور	غ ر ر	غلاظ	غ ل ظ	غني	غ ن ي
غزى	غ ز و	غلام	غ ل م	غوى	غ و ي
غزل	غ ز ل	غلامين	»	غواش	غ ش ي
غساق	غ س ق	غلب	غ ل ب	غواص	غ و ص
غسقى	»	غلبت	»	غور	غ و ر
غسلين	غ س ل	غلبوا	»	غول	غ و ل
غشى	غ ش ي	غلت	غ ل ل	غوى	غ و ي
غشاوة	»	غلطة	غ ل ظ	غويننا	»
غصب	غ ص ب	غلف	غ ل ف	غمي	»
غصة	غ ص ص	غلقت	غ ل ق	غيابت	غ ي ب
غضب	غ ض ب	غلمان	غ ل م	غيب	»
غضبان	»	غلوا	غ ل ل	غيث	غ ي ث
غضبوا	»	غلي	غ ل و - ي	غير	غ ي ر
غطاء	غ ط و	غليظ	غ ل ظ	غيض	غ ي ض
غفار	غ ف ر	غم	غ م م	غيظ	غ ي ظ
غفر	»	غمرة	غ م ر	غيوب	غ ي ب

## ف

ف و ز

فائزون

ف ي أ

فآت

ف

ف

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
فأء وا	ف ي أ	فالق	ف ل ق	فجره	ف ج ر
فات	ف و ت	فان	ف ن ي	فجرت	»
فأمة	ف أ و	فاه	ف و ه	فجرنا	»
فئتان	»	فئى	ف ت ي	فجوة	ف ج و
فئتين	»	فتاح	ف ت ح	فجور	ف ج ر
فاتحين	ف ت ح	فتح	»	فحشا	ف ح ش
فاتنين	ف ت ن	فتحت	»	فخار	ف خ ر
فاجر	ف ج ر	فتحننا	»	فخور	»
فأحشة	ف ح ش	فتحوا	»	فداء	ف ذ ي
فار	ف و ر	فترة	ف ت ر	فدية	»
فارض	ف ر ض	فتقنا	ف ت ق	فديننا	»
فارغ	ف ر غ	فتنا	ف ت ن	فرات	ف ر ت
فارقا	ف ر ق	فتنة	»	فرادى	ف ر د
فارقوا	»	فتنم	»	فراار	ف ر ر
فارهين	ف ر ه	فتنوا	»	فراش	ف ر ش
فاز	ف و ز	فتون	»	فراق	ف ر ق
فاسق	ف س ق	فتيات	ف ت ي	فرت	ف ر ر
فاصلين	ف ص ل	فتيان	»	فرث	ف ر ث
فاطر	ف ط ر	فتية	»	فرج	ف ر ج
فاعل	ف ع ل	فتيل	ف ت ل	فرجت	»
فاقرة	ف ق ر	فج	ف ج ج	فرح	ف ر ح
فالق	ف ق ع	فجاج	»	فرحوا	»
فاكهة	ف ك ه	فجار	ف ج ر	فرحون	»
فاكهون	»	فجر	»	فرد	ف ر د

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
فردوس	ف ر د س	فريضة	ف ر ض	فطر	ف ط ر
فورت	ف ر ر	فريق	ف ر ق	فطرة	و
فورتيم	و	فريقان	و	فطور	و
فورش	ف ر ش	فريقين	و	فظ	ف ظ ظ
فرشنا	و	فزع	ف ز ع	فعال	ف ع ل
فريض	ف ر ض	فزعوا	و	فعل	و
فريضتم	و	فساد	ف س د	فعله	و
فريضنا	و	فسدت	و	فعلت	و
فرط	ف ر ط	فسدتا	و	فعلتم	و
فرطت	و	فسق	ف س ق	فعلن	و
فرطتم	و	فسقوا	و	فعلنا	و
فرطنا	و	فستيسره	ي س ر	فعلوا	و
فرع	ف ر ع	فسوق	ف س ق	فقر	ف ق ر
فرعون	فرعون	فشلتهم	ف ش ل	فقراء	و
فرغت	ف ر غ	فصايل	ف ص ل	فقير	و
فرق	ف ر ق	فصل	و	فك	ف ك ك
فرقان	و	فصلت	و	فكر	ف ك ر
فرقة	و	فصلنا	و	فكهين	ف ك ه
فرقت	و	فصيلته	و	فلان	ف ل ن
فرقنا	و	فضة	ف ض ض	فلق	ف ل ق
فرقوا	و	فضل	ف ض ل	فلك	ف ل ك
فروا	ف ر ر	فضلت	و	فواحش	ف ح ش
فروج	ف ر ج	فضلنا	و	فؤاد	ف أ د
فري	ف ر ي	فضلوا	و	فواق	ف و ق

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
فواكه	ف ك ه	فوز	ف و ز	فهمنا	ف ه م
فوت	ف و ت	فوق	ف و ق	فهي	ف ي
فوج	ف و ج	فوم	ف و م	فيل	ف ي ل
فور	ف و ر				
ق					
ق	و ق ي	قاسية	ق س و	قام	ق و م
قَابُلٌ	ق و ل	قاصد	ق ص د	قاموا	و
قَابِلُونَ	ق ي ل	قاصرات	ق ص ر	قانت	ق ن ت
قَائِمٌ	ق و م	قاصرات	ق ص ر +	قانتات	و
قَائِمَةٌ	و	الطرف	ط ر ف	قانتون	و
قَائِمُونَ	و	قاصف	ق ص ف	قانتين	ق ن ط
قاب	ق و ب	قاض	ق ض ي	قانع	ق ن ع
قاب قوسين	ق و ب + ق و س	قاضية	و	قاهر	ق ه ر
قابل	ق ب ل	قاطعة	ق ط ع	قبائل	ق ب ل
قاتل	ق ت ل	قاع	ق ي ع	قبر	ق ب ر
قاتلا	و	قاعد	ق ع د	قبس	ق ب س
قاتلوا	و	قاعدون	و	قبض	ق ب ض
قادر	ق د ر	قال	ق و ل	قبضة	و
قارعة	ق ر ع	قالا	و	قبضت	و
قارون	ق ا ر و ن	قالت	و	قبضنا	و
قاسطون	ق س ط	قالنا	و	قبل	ق ب ل
قاسم	ق س م	قائوا	و	قبلة	و
		قالين	ق ل ي - و	قبور	ق ب ر



لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
قبول	ق ب ل	قدمت	ق د م	قربان	ق ر ب
قبیل	»	قدمتم	»	قربنا	»
قتال	ق ت ل	قدمتموا	»	قوة	ق ر ر
قتر	ق ت ر	قدمنا	»	قرح	ق ا ر ح
قتره	»	قدموا	»	قردة	ق ر د
قتل	ق ت ل	قدور	ق د ر	قرض	ق ر ض
قتلی	»	قدوس	ق د س	قرطاس	ق ر ط س
قتلت	»	قدیر	ق د ر	قرن	و ق ا ر
قتلم	»	قدیم	ق د م	قرن	ق ر ن
قتلتموا	»	قذف	ق ذ ف	قرناء	»
قتلنا	»	قذفنا	»	قرنین	»
قتلوا	»	قری	ق ر ی	قروء	ق ر أ
قتور	ق ت ر	قرأ	ق ر أ	قرون	ق ر ن
قثاء	ق ث أ	قری	»	قربی	ق ر ر
قصد	ق ص د	قرأت	»	قرب	ق ر ب
قد	ق د د	فرار	ق ر ر	قرية	ق ر ی
قدت	»	فراطیس	ق ر ط س	قریتین	»
قدح	ق د ح	قرآن	ق ر أ	قریش	ق ر ی ش
فدد	ق د د	قرانا	»	قرین	ق ر ن
قدر	ق د ر	قرب	ق ر ب	قست	ق س و
قدرنا	»	قربا	»	قسط	ق س ط
قدروا	»	قربی	»	قسطاس	»
قدس	ق د س	قربات	»	قسم	ق س م
قدم	ق د م	قربة	»	قسمة	»

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
قسمنا	ق س م	قطران	ق ط ر	قلم	ق ل م
قسوة	ق س و	قطع	ق ط ع	قلن	ق و ل
قسورة	ق س ر	قطعت	،،	قلنا	،،
قسيسين	ق س س	قطعتن	،،	قلوب	ق ل ب
قص	ق ص ص	قطعن	،،	قليل	ق ل ل
قصاص	،،	قطعنا	،،	قليلة	،،
قصد	ق ص د	قطير	ق ط م ر	قم	ق و م
قصر	ق ص ر	قطوف	ق ط ف	قمتن	،،
قصص	ق ص ص	قعد	ق ع د	قمر	ق م ر
قصصنا	،،	قعدوا	،،	قمطير	ق م ط ر
قصمنا	ق ص م	قعوا	و ق ع	قمل	ق م ل
قصوى	ق ص و	قعود	ق ع د	قميص	ق م ص
قصور	ق ص ر	قعيد	،،	قناطير	ق ن ط ر
قصي	ق ص ص	قفوا	و ق ف	قنطار	،،
قصي	ق ص و	قفينا	ق ف و	قنطوا	ق ن ط
قضى	ق ض ي	قفل	ق و ل	قنوان	ق ن و
قضب	ق ض ب	قفل	ق ل ل	قنوط	ق ن ط
قضوا	ق ض ي	قلى	ق ل ي	قوا	و ق ي
قضي	،،	قلاؤد	ق ل د	قوى	ق و ي
قضيت	ق ض ي	قلمب	ق ل ب	قوارير	ق ر ر
قضيتن	،،	قلبوا	،،	قواعد	ق ع د
قضينا	،،	قلبين	،،	قوام	ق و م
قط	ق ط ط	قلت	ق و ل	قوامون	،،
قطر	ق ط ر	قلتم	،،	قوة	ق و ي

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
قوتلتهم	ق ت ل	قولى	ق و ل	قيضنا	ق ي ض
قوتلوا	،،	قوم	ق و م	قيعة	ق ي ع
قوس	ق و س	قوموا	،،	قيل	ق و ل
وسين	،،	قوي	ق و ي	قيله	،،
قول	ق و ل	قهار	ق ه ر	قيهم	ق و م
قولا	،،	قيام	ق و م	قيمة	،،
قولوا	،،	قيامه	،،	قيوم	،،
ك					
ك	ك	كارهون	ك ر ه	كالوا	ك ي ل
ك	ك	كارهين	،،	كامله	ك م ل
ك	ك	كاس	ك ا س	كاملين	،،
كاتب	ك ي ت ب	كاشف	ك ش ف	كان	ك ا ن
كاتبوا	،،	كاشفة	،،	كانما	،،
كاتبون	،،	كاشفوا	،،	كان	ك و ن
كاتبين	،،	كاطمين	ك ظ م	كانا	،،
كاد	ك و د	كف	ك ف ي	كانت	،،
كادت	،،	كافة	ك ف ف	كانتا	،،
كادح	ك د ح	كافر	ك ف ر	كانوا	،،
كادوا	ك و د	كافرة	،،	كاهن	ك ه ن
كاذب	ك ذ ب	كافرون	،،	كاهن	ك ا ه ن
كاذبة	،،	كافرين	،،	كاهن	ك ا ه ن
كاذبون	،،	كافور	،،	كاهن	ك ا ه ن
كاذبين	،،	كالجون	ك ل ح	كاهن	ك ا ه ن

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
كُسِبَتْ	ک ب ت	كدنا	ک ی د	كسبا	ک س ب
كَبِتُوا	»	كذاب	ک ذ ب	كسبت	»
كَبِد	ک ب د	كذالك	ک ذ ا	كسبتم	»
كَبِر	ک ب ر	كذالكم	»	كسبوا	»
كَبِرَى	»	كذب	ک ذ ب	كسف	ک س ف
كَبِرَاء	»	كذبت	ک ذ ب	كسوة	ک س و
كَبِرت	»	كذبتهم	»	كسونا	»
كَبِكَبُوا	ک ب ب	كذبتنا	»	كشطت	ک ش ط
كَبِرِيَاء	ک ب ر	كذبوا	»	كشف	ک ش ف
كَبِيرَة	»	كرام	ک ر م	كشفت	»
كتاب	ک ت ب	كراما	ک ر م	كشفتنا	»
كتايبه	»	كاتبين	ک ت ب	كظيم	ک ظ م
كتب	»	كرب	ک ر ب	كعبة	ک ع ب
كتبت	»	كرة	ک ر ر	كعين	»
كتبتنا	»	كرئين	»	كف	ک ف ف
كتم	ک ت م	كرمي	ک ر م	كفا	»
كثر	ک ث ر	كرمت	ک ر م	كفلى	ک ف ی
كثرة	»	كرمنا	»	كفات	ک ف ت
كثرت	»	كروه	ک ر ه	كفار	ک ف ر
كثيب	ک ث ب	كروهتموا	»	كفارة	»
كثير	ک ث ر	كروهوا	»	كفر	»
كثيرة	»	كريم	ک ر م	كفران	»
كدت	ک و د	كساد	ک س د	كفرة	»
كدح	ک د ح	كسالى	ک س ل	كفرت	»
		كسب	ک س ب		

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
كفرتم	ك ف ر	كلام	ك ل م	كنا	ك و ن
كفروا	»	كاب	ك ل ب	كنت	»
كفروا	»	كلنا	كلا	كنتم	»
كففت	ك ف ف	كلم	ك ي ل	كنتم	»
كفل	ك ف ل	كلم	ك ل م	كنز	ك ن ز
كفلين	»	كلما	ك ل ل	كنزتم	»
كفو	ك ف أ - و	كلمات	ك ل م	كنس	ك ن س
كفوا	ك ف ف	كامة	»	كنودس/كواكب	ك ن د ب ك و ك ب ك و ن
كفور	ك ف ر	كاوا	ا ك ل	كونوا	»
كفي	ك ف ف	كلبي	»	كوني	»
كفيل	ك ف ل	كم	ك م (حرف)	كهف	ك ه ف
كفينا	ك ف ي	كم	ك م (ضمير)	كهل	ك ه ل
كل	ك ل ل	كما	ك ما	كيف	ك ي ف (حرف)
كل	ك ل ل	كل (حرف)	»	كي	ك ي
كلا	ك ل ا	كلوا	ك م	كيد	ك ي د
كلا	ك ل ا	كن	ك و ن	كيدوا	»
كلا	ك ل ا	كن	ك ن ن	كيل	ك ي ل
كلالة	ك ل ل	كن	ك و ن + ك ن (ضمير)		

## ل

ل	ل (حرف جر)	لاشين	ل ب ث	لاعين	ل ع ب
ل	ل (حرف تاكيد)	لآت	لآت	لاعنون	ل ع ن
لا	لا (حرف)	لآت	لآت	لاغية	ل غ و
لاثم	ل و م	لازم	ل ز ب	لاقي	ل ق ي

ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ
ل غ ب	لغوب	ل ح ی	لحیة	ل ک ن	لکن
ل ف ف	لغیف	ل د د	لذ	ل ک ن	لکن
ل ق ی	لقاء	ل د ی	لدی	ل ک ن	لکن
»	لقی	ل د ن	لدن	ل ک ن	لکن
ل ق م ن	لقمان	ل د ی + ی	لددی	ل م س	لامسم
ل ق ی	لقوا	ل د ی + ن ا	لددینا	ل ا ل ا	لؤلؤ
»	لقیا	ل ذ ذ	لذذ	ل ه و	لاهیه
»	لقیم	ل ز م	لزام	ل ب م	لباس
»	لقینا	ل م ن	لسان	ل ب ث	لبث
ل ک ی + ل ا	لکيلا	ل ی س	لست	»	لبثت
ل م ا	لم	»	لستم	»	لبثتم
ل م	لم	»	لستن	»	لبثنا
ل م ا	لما	ل ط ف	لطیف	ل ب د	لبد
ل م م	لما	ل ظ ی	لظی	ل ب م	لبس
ل م + رأی	لم تر	ل ع ب	لعب	»	لبسنا
ل و م	لمن	ل ع ل	لعل	ل ب ن	لبن
ل م ح	لمح	ل ع ن	لعن	ل ب س	لبوس
ل م ز	لمزة	»	لعنا	ل ج ج	لجة
ل م م	لمسنا	»	لعنة	»	لجوا
»	لمسوا	»	لعنت	»	لجی
ل م م	لمم	»	لعنوا	ل ح م	لحم
ل ن	لن	ل غ و	لغو	ل ح ن	لحن
ل ی ن	لنت			ل ح م	لحوم

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
لَو	ل و م	لَو	ل و م	لَو	ل و م
لواحة	ل و ن	لواحة	ل و ن	لواحة	ل و ح
لواذ	ل و ی	لواذ	ل و ی	لواذ	ل و ذ
لواقح	ل و ه	لواقح	ل و ه	لواقح	ل ق ح
لوامة	ل و ه ب	لوامة	ل و ه ب	لوامة	ل و م
لوح	ل و ه و	لوح	ل و ه و	لوح	ل و ح
لوط	ل و ی	لوط	ل و ی	لوط	ل و ط
لَوَلاً	ل و ی ل	لَوَلاً	ل و ی ل	لَوَلاً	ل و ل
لَوَمَا	ل و ی	لَوَمَا	ل و ی	لَوَمَا	ل و م
لومة	ل و م	لومة	ل و م	لومة	ل و م

## م

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
ما	م ا	مَاذَا	م ا ذ ا	مَا	م ا
ماء	م و ه	مَارِب	م ا ر ب	مَاء	م و ه
مائة	م و ی	مَارِج	م ا ر ج	مَائَةٍ	م و ی
مائتين	م و ی	مَارِد	م ا ر د	مَائَتَيْنِ	م و ی
مائدة	م و ی د	مَارُوت	م ا ر و ت	مَائِدَةٍ	م و ی د
مأب	م ا و ب	مَاعُون	م ا ع و ن	مَأْبٍ	م ا و ب
مات	م و ت	مَآكثُونَ	م ا ك ث	مَاتَ	م و ت
ماتوا	م و ت	مَآكِرِينَ	م ا ك ر	مَاتُوا	م و ت
ماتي	م ا ت ی	مَآكُول	م ا ك ل	مَاتِي	م ا ت ی
ماجوج	م ا ج و ج	مَال	م و ل	مَآجُوجٍ	م ا ج و ج
مأدمت	م ا د م ت	مَالِثُونَ	م ل ا	مَأْدَمَتٍ	م ا د م ت
ماد مستم	م ا د م ت م	مَالِك	م ل ك	مَادٍ مُسْتَمٍ	م ا د م ت م

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
مبثوثة	ب ث ث	مناب	ت و ب	متصدقة	ص د ق
مبدل	ب د ل	متاع	م ت ع	متصدقين	»
مبدي	ب د و	متبر	ت ب ر	مطهرة	ط ه ر
مبذرين	ب ذ ر	متبرجات	ب ر ج	متطهرين	»
مبرهون	ب ر أ	متبعون	ت ب ع	متعال	ع ل و
مبرمون	ب ر م	متتابعين	»	بتمعت	م ت ع
مبسوطتان	ب س ط	متجاورات	ج و ر	تمعت	»
مبشر	ب ش ر	متجانف	ج ن ف	متعتم	»
مبشرات	»	متحرف	ح و ف	متعمدا	ع م د
مبشرون	»	متحيز	ح ي ز	متعنا	م ت ع
مبصر	ب ص ر	متخذ	أ خ ذ	متعوا	»
مبصرات	»	متخذات	»	متفرقة	ف ر ق
مبصرون	»	متراكب	ر ك ب	متفرقون	»
مبطلون	ب ط ل	متربة	ت ر ب	متقابلين	ق ب ل
مبعدون	ب ع د	متربص	ر ب ص	متقلب	ق ل ب
مبعوثون	ب ع ث	متربصون	»	متقلبان	»
مبلسون	ب ل س	متردية	ر د ي	متقون	و ق ي
مبلغ	ب ل غ	مترفوا	ت ر ف	متقين	»
مبوا	ب و أ	مترفين	»	مشكاً	و ك أ
مبين	ب ي ن	متشابه	ش ب ه	متكئون	»
مبينات	»	متشابهات	»	متكئين	»
مبينه	»	متشاكسون	ش ك س	متكبر	ك ب ر
مت	م و ت	متصدع	ص د ع	متكبرين	»
متى	م تى	متصدقات	ص د ق	متكفين	ك ل ف



لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
متلقیان	ل ق ی	مجالس	ج ل س	محراب	ح ر ب
مستهم	ت م م	مجاهد	ج ه د	محرر	ح ر ر
مستهم	م و ت	مجتمعون	ج م ع	محرم	ح ر م
متنا	»	مجدوذ	ج ذ ذ	محرمة	»
متنافسون	ن ف س	مجری	ج ر ی	محرورم	»
متوسمین	و س م	مجرم	ج ر م	محروربون	»
متوفی	و ف ی	مجرمون	»	محسن	ح س ن
متوکل	و ک ل	مجمع	ج م ع	محسنات	»
متوکلون	»	مجموع	»	محسنون	»
متوکلین	»	مجموعون	»	محسنین	»
متین	م ت ن	مجنون	ج ن ن	محسور	ح س ر
مشابهة	ث و ب	مجوس	م ج و س	محشورة	ح ش ر
مثالي	ث ن ی	محبیب	ج و ب	محصنات	ح ص ن
مشبور	ث ب ر	محبید	م ج د	محصنة	»
مشقال	ث ق ل	مهاریب	ح ر ب	محصنین	»
مثناة	»	محاسبة	ح س ب	محضر	ح ض ر
مشقون	»	مجال	م ح ل	محضرون	»
مثل	م ث ل	مجة	ح ب ب	محظور	ح ظ ر
مثلی	»	محتضر	ح ض ر	محفوظ	ح ف ظ
مثلات	»	محتظر	ح ظ ر	محکبات	ح ک م
مثلي	»	محبوبون	ح ج ب	محكمة	»
مثلی	ث ن ی	محجور	ح ج ر	محل	ح ل ل
مشوی	ث و ی	محدث	ح د ث	محلین	ح ل ق
مشوبة	ث و ب	محدور	ح ذ ر	محلي	ح ل ل

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
محلّه	ح ل ل	مخلصون	خ ل ص	مدهنون	د ه ن
محمد	ح م د	مخلصين	»	مدين	مدين
محمود	»	مخلف	خ ل ف	مدينة	م د ن
محوّنا	م ح و	مخلفون	»	مدينون	د ي ن
محيي	ح ي ي	مخالفة	خ ل ق	مدينين	»
محييا	»	مخمصة	خ م ص	مذموم	ذ ا م
محيص	ح ي ص	مد	م د د	مذبذبين	ذ ب ب
محيض	ح ي ض	مدآئن	م د ن	مذعنين	ذ ع ن
محيط	ح و ط	مداد	م د د	مذكر	ذ ك ر
محيطة	»	مدبر	د ب ر	مذكور	»
مخاض	م خ ض	مدبرات	»	مذموم	ذ م م
مخبتين	خ ب ت	مدبرين	د ب ر	مس	م ر ر
مختال	خ ي ل	مدة	م د د	مسء	م ر أ
مختلف	خ ل ف	مدت	»	مسراء	م ر ي
مختوم	خ ت م	مدثر	د ث ر	مسات	م ر ر
مخدول	خ ذ ل	مدحضين	د ح ض	مراضع	ر ض ع
مخرج	خ ر ج	مدحور	د ح ر	مراغم	ر غ م
مخرجون	»	مدخل	د خ ل	مرافق	ر ف ق
مخرجين	»	مدد	م د د	مسة	م ر ر
مخسرين	خ س ر	مددنا	»	مست	»
مخضرة	خ ض ر	مدرار <sup>٨</sup>	د ر ر	مستاب	ر ي ب
مخضود	خ ض د	مدركون	د ر ك	مستان	م ر ر
مخلدون	خ ل د	مذكر	ذ ك ر	مستفق	ف ق
مخلص	خ ل ص	مدهامتان	د ه م	مستقبون	

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
مزاج	م ز ج	مرصوص	ر ص ص	مرساج	م ر ج
مزجاة	ز ج و	مرض	م ر ض	مرجان	و
مزهزح	ز ح ز ح	مرضی	و	مرجع	ر ج ع
مزدجر	ز ج ر	مرضات	ر ض ی	مرجفون	ر ج ف
مزقم	م ز ق	مرضت	م ر ض	مرجوا	ر ج و
مزقنا	و	مرضعة	ر ض ع	مرجوبین	ر ج م
مزمّل	ز م ل	مرضیة	ر ض ی	مرجون	ر ج و
مزن	م ز ن	مرعی	ر ع ی	مرح	م ر ح
مزید	ز ی د	مرفق	ر ف ق	مرحب	ر ح ب
مس	م س س	مرفود	ر ف د	مرحمة	ر ح م
مساجد	س ج د	مرفوع	ر ف ع	مرد	ر د د
مساس	م س س	مرقوعة	و	مردفین	ر د ف
مسافحات	س ف ح	مرقد	ر ق د	مردوا	م ر د
مسافحین	و	مرقوم	ر ق م	مردود	ر د د
مساق	س و ق	مرکوم	ر ک م	مردودون	و
مساکن	س ک ن	مروا	م ر ر	مرسی	ر س و
مساکین	و	مروة	م ر و	مرسل	ر س ل
مستول	س أ ل	مری	م ر أ	مرسلات	و
مستولون	و	مریب	ر ی ب	مرسلة	و
مسیعون	س ب ح	مریة	م ر ی	مرسلوا	و
مسیوقین	س ب ق	مریج	م ر ج	مرسلون	و
مست	م س س	مرید	م ر د	مرشد	ر ش د
مستأخرین	أ خ ر	مریض	م ر ض	مرصاد	ر ص د
مستانسین	أ ن س	مریم	م ر یم	مرصد	و

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
مستبشرة	ب ش ر	مستهزون	ه ز أ	مسكوب	س ك ب
مستبصرين	ب ص ر	مستيقنين	ي ق ن	مساكونة	س ك ن
مستبين	ب ي ن	مسجد	س ج د	مسكين	و
مستخف	خ ف ي	مسجور	س ج ر	مسلم	م ل م
مستخلفين	خ ل ف	مسجونين	س ج ن	مسلمات	و
مستسلمون	م ل م	مسح	م م ح	مسلمة	و
مستضعفون	ض ع ف	مسحرين	س ح ر	مسلمون	و
مستطر	س ط ر	مسحور	و	مسلمين	و
مستطير	ط ي ر	مسحورون	و	مسمى	م م و
مستعان	ع و ن	مسخر	م خ ر	مسمع	م م ع
مستغفرين	غ ف ر	مسخرات	و	مسنا	م م س
مستقبل	ق ب ل	مسخنا	م س خ	مسندة	م ن د
مستقدمين	ق د م	مسد	م س د	مسنون	س ن ن
مستقر	ق ر ر	مسرف	م ر ف	مسود	م و د
مستقيم	ق و م	مسرفون	و	مسودة	و
مستكبر	ك ب ر	مسرفين	و	مسومة	م و م
مستكبرون	و	مسرور	س ر ر	مسومين	و
مستمر	م ر ر	مسطور	م ط ر	مسي	م م و
مستمسكون	م س ك	مسغبة	م غ ب	مسيح	م م ح
مستمع	س م ع	مسفرة	م ف ر	مسيطر	س ط ر
مستمعون	و	مسفوح	س ف ح	مسيطرون	و
مستنفرة	ن ف ر	مسك	م س ك	مشاء	م ش ي
مستودع	و د ع	مسكن	م ك ن	مشارب	ش ر ب
مستور	س ت ر	مسكنة	و	مشارق	ش ر ق

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
مشتمة	ش أ م	مصباح	ص ب ح	مضاعفة	ض ع ف
مشتبه	ش ب ه	مصبحین	ص ب ح	مضمت	م ض ی
مشترکون	ش ر ک	مصدق	ص د ق	مضطر	ض ر ر
مشحون	ش ح ن	مصدقات	ص د ق	مضعفون	ض ع ف
مشرب	ش ر ب	مصدقین	،	مضفة	م ض غ
مشرق	ش ر ق	مصر	م ص ر	مضل	ض ل ل
مشرقین	،	مصرخ	ص ر خ	مضلین	،
مشرك	ش ر ك	مصروف	ص ر ف	مطاع	ط و ع
مشركات	،	مصطفین	ص ف و	مطر	م ط ر
مشركة	،	مصفی	،	مطففین	ط ف ف
مشركون	،	مصفر	ص ف ر	مطلع	ط ل ع
مشركین	،	مصنوفة	ص ف ف	مطلعون	،
مشعر	ش ع ر	مصلى	ص ل و	مطالقات	ط ل ق
مشفقون	ش ف ق	مصلح	ص ل ح	مطلوب	ط ل ب
مشكوة	ش ك و	مصلحون	،	مطمئن	ط م ن
مشكور	ش ك ر	مصليين	ص ل و	مطمئنة	،
مشوا	م ش ی	مصور	ص و ر	مطمئنين	،
مشهد	ش ه د	مصیب	ص و ب	مطوعين	ط و ع
مشهود	،	مصيبة	،	مطويات	ط و ی
مشي	م ش ی	مصير	ص ی ر	مطهر	ط ه ر
مشيد	ش ی د	مصیطر	س ط ر	مطهرة	،
مشيدة	،	مضی	م ض ی	مطهرون	،
مضاييح	ص ب ح	مضاجع	ض ج ع	مظالم	ظ ل م
مصانع	ص ن ع	مضار	ض ر ر	مظالمون	،

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
مظلوم	ظ ل م	معرضون	ع ر ض	معين	ع ي ن - م ع ن
مع	مع	معرضين	،،	مغارات	غ و ر
معاجزين	ع ج ز	معروشات	ع ر ش	مغارب	غ ر ب
معاد	ع و د	معروف	ع ر ف	مغاضب	غ ض ب
معاذ	ع و ذ	معروفة	،،	مغانم	غ ن م
معاذير	ع ذ ر	معز	م ع ز	مغتسل	غ ص ل
معارج	ع ر ج	معزل	ع ز ل	مغرب	غ ر ب
معاش	ع ي ش	معزولون	،،	مغربين	،،
معاشيش	،،	معشار	ع ش ر	مغرقون	غ ر ق
معتبين	ع ت ب	معشر	،،	مغرم	غ ر م
معتد	ع د و	معصرات	ع ص ر	مغرمون	،،
معتدون	،،	معصية	ع ص ي	مغشي	غ ش ي
معتز	ع ر ر	معطلة	ع ط ل	مغضوب	غ ض ب
معجز	ع ج ز	معقب	ع ق ب	مغفرة	غ ف ر
معجزين	،،	معقبات	،،	مغلوب	غ ل ب
معدود	ع د د	معكوف	ع ك ف	مغلولة	غ ل ل
معدودات	،،	معلقة	ع ل ق	مغنم	غ ن م
معدودة	،،	معلم	ع ل م	مغنون	غ ن ي
معذب	ع ذ ب	معلوم	،،	مغير	غ ي ر
معذبون	،،	معلومات	،،	مغيرات	غ و ر
معدبين	،،	معمر	ع م ر	مفاتيح	ف ت ح
معذرة	ع ذ ر	معمور	،،	مفاتيح	،،
معذرون	،،	مموقين	ع و ق	مفاز	ف و ز
معرة	ع ر ر	معيشة	ع ي ش	مفازة	،،

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
مفتحة	ف ت ح	مفتحم	ق ح م	مقطوعة	ق ط ع
مفتر	ف ر ي	مقتدر	ق د ر	مقعد	ق ع د
مفتري	»	مقتدرون	»	مقحمون	ق م ح
مفترون	»	مقتدون	ق د و	مقنطرة	ق ن ط ر
مفتريات	»	مقتر	ق ت ر	مقنعي	ق ن ع
مفتون	ف ت ن	مقترفون	ق ر ف	مقوين	ق و ي
مشر	ف ر ر	مقترنين	ق ر ن	مقويت	ق و ت
مفرطون	ف ر ط	مقتسمين	ق س م	مقبيل	ق ي ل
مفروض	ف ر ض	مقتصد	ق ص د	مقيم	ق و م
مفسد	ف س د	مقتصبة	ق ص د	مقيمين	»
مفسدون	»	مقدار	ق د ر	مكاه	م ك و
مفصل	ف ص ل	مقدس	ق د س	مكان	ك و ن
مفصلات	»	مقدسة	»	مكانة	م ك ن
مفعول	ف ع ل	مقدور	ق د ر	مكب	ك ب ب
مفلحون	ف ل ح	مقربة	ق ر ب	مكة	م ك ك
مقابر	ق ب ر	مقربون	»	مكتوب	ك ت ب
مقاعد	ق ع د	مقرنين	ق ر ن	مكث	م ك ث
مقاليد	ق ل د	مقسطين	ق س ط	مكذبون	ك ذ ب
مقام	ق و م	مقسبات	ق س م	مكذوب	»
مقامة	»	مقسوم	»	مكر	م ك ر
مقاسع	ق م ع	مقصرين	ق ص ر	مكروا	»
مقبوحين	ق ب ح	مقبورات	»	مكرم	ك ر م
مقبوضة	ق ب ض	مقضى	ق ض ي	مكرمة	»
مقت	م ق ت	مقطوع	ق ط ع	مكرمون	»

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
مكرنا	م ك ر	ملقون	ل ق ي	مسكات	م س ك
مكروا	»	ملقيات	ل ق ي	مطير	م ط ر
مكروه	ك ر ه	مَلَك	ال ك + م ل ك	مملوك	م ل ك
مكظوم	ك ظ م	مَلِك	م ل ك	معن	م ن + م ن
مكابين	ك ل ب	ملكوت	»	مجنوعة	م ن ع
مكن	م ك ن	ملكوت	»	ممنون	م ن ن
مكننا	»	ملكوت	ال ك + م ل ك	من	م ن
مكنون	ك ن ن	ملكين	»	من	م ن
مكيال	ك ي ل	ملوك	م ل ك	من	م ن ن
مكيدون	ك ي د	ملوم	ل و م	منوة	م ن وة
مكين	م ك ن	ملومين	»	مناد	م ن د و - ي
ملا	م ل أ	ملي	م ل و	منادى	»
ملاء	»	مليك	م ل ك	منازل	م ن ز ل
ملكه	»	مليم	ل و م	مناسك	م ن س ك
ملائكة	ال ك - م ل ك	مم	م ن + م ا	مناص	م ن و ص
ملكث	م ل أ	ما	»	مناع	م ن ع
ملاقي	ل ق ي	مات	م و ت	منافع	م ن ف ع
ملاقوا	»	ممترين	م ر ي	مناققات	م ن ف ق
ملة	م ل ل	ممد	م د د	مناققون	»
ملتحد	ل ح د	ممدود	»	مناققين	»
ملجأ	ل ج أ	ممدودة	»	مناكب	م ن ك ب
ملح	م ل ح	ممرد	م ر د	منام	م ن و م
ملعونة	ل ع ن	ممزق	م ز ق	منبث	م ن ب ث
ملعونين	»	مسك	م س ك		



لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
منتشر	ن ش ر	منصور	ن ص ر	منور	ن و ر
منتصر	ن ص ر	منضود	ن ض د	مخّر	م خ ر
منتظرون	ن ظ ر	منطق	ن ط ق	وزن	و ز ن
منتقمون	ن ق م	منظرون	ن ظ ر	وضع	و ض ع
منتهی	ن ه ی	منع	م ن ع	وطن	و ط ن
منتهون	،،	منفطر	ف ط ر	واقع	و ق ع
منثور	ن ث ر	منفقون	ن ف ق	واقعا	،،
منجوا	ن ج و	منفکین	ف ک ک	واقیت	و ق ت
منخنة	خ ن ق	منفوش	ن ف ش	موئل	و أ ل
من ذا	من + ذا	منقعر	ق ع ر	موالی	و ل ی
منذر	ن ذ ر	منقلب	ق ل ب	موودة	و أ د
منذرون	،،	منقلبون	،،	موبق	و ب ق
منذرين	،،	منقوص	ن ق ص	موت	م و ت
منزل	ن ز ل	منكر	ن ك ر	موتی	،،
منزلون	،،	منكرة	،،	مؤتفكات	أ ف ك
منزلين	،،	منكرون	،،	مؤتفكة	،،
منسأة	ن س أ	مننا	م ن ن	سوقوا	م و ت
منسك	ن س ك	منوع	م ن ع	مؤتون	أ ت ی
منسی	ن س ی	منون	م ن ن	موثق	و ث ق
منشآت	ن ش أ	منهاج	ن ه ج	موج	م و ج
منشئون	،،	منهمر	م ه ر	سوجل	أ ج ل
منشرة	ن ش ر	منی	م ن ی	مودة	و د د
منشرين	،،	منیب	ن و ب	مؤذن	أ ذ ن
منشور	،،	منیبين	،،	سور	م و ر

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
مورود	و ر د	مولود	و ل د	مهلکی	ه ل ک
موریات	و ر ی	مولی	و ل ی	مهلكین	»
موزون	و ز ن	مومن	م ا م ن	مها	مها
موسلی	موسلی	مؤمنة	»	مهیل	ه ی ل
موسعون	و س ع	مؤمنون	»	مهین	ه ی م ن
موص	و ص ی	مومنین	»	مهین	ه و ن
مؤصدة	أ ص د	موهن	و ه ن	مهین	م ه ن
موضوعة	و ض ع	مهاجر	ه ج ر	میت	م و ت
موضوئة	و ض ن	مهاجرات	»	میتة	»
موطا	و ط أ	مهاجرین	»	میتون	»
موعد	و ع د	مهاد	م ه د	میثاق	و ث ق
موعدة	»	مهان	ه و ن	میراث	و ر ث
موعظة	و ع ظ	مهتد	ه د ی	میزان	و ز ن
موعود	و ع د	مهتدون	»	میسر	ی س ر
موفوا	و ف ی	مهتدین	»	میسرة	»
موفور	و ف ر	مهجور	ه ج ر	میسور	»
موفون	و ف ی	مهد	م ه د	میعاد	و ع د
موقدة	و ق د	مهتد	»	میقات	و ق ت
موقنون	ی ق ن	مهزوم	ه ز م	میكال	م ی ک ال
موقوت	و ق ت	مهطعین	ه ط ع	میل	م ی ل
موفوذة	و ق ذ	مهل	م ه ل	میلة	»
موفوفون	و ق ف	مهلك	ه ل ک	میمنة	ی م ن
مولی	و ل ی	مهلكون	»		
مؤلفة	أ ل ف	مهلكوا	»		

## ن

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
ن (ثقیله یا خفیفه)	ن	ناشرات	ن ش ر	نبی	ن ب أ
ن (وقایه)	ن	ناشطات	ن ش ط	نَبِیَّات	ن ب ت
نا	نا (ضمیر)	ناصبه	ن ص ب	نَبِیَّات	ن ب ت
نأ	ن أ ی	ناصح	ن ص ح	نَبِیَّات	ن ب ت
ناثم	ن و م	ناصحون	ن ص ح	نَبِیَّات	ن ب ت
ناتی	أ ت ی	ناصر	ن ص ر	نَبِیَّات	ن ب ت
نؤی	نؤ	ناصرین	ن ص ر	نَبِیَّات	ن ب ت
ناج	ن ج و	ناصبه	ن ص و	نَبِیَّات	ن ب ت
ناجیتیم	نؤ	ناضرة	ن ض ر	نَبِیَّات	ن ب ت
ناخذ	أ خ ذ	ناظرة	ن ظ ر	نَبِیَّات	ن ب ت
نادی	ن د و - ی	ناظرین	ن ظ ر	نَبِیَّات	ن ب ت
نادت	نؤ	ناعمة	ن ع م	نَبِیَّات	ن ب ت
نادمین	ن د م	ناقوا	ن ف ق	نَبِیَّات	ن ب ت
نادوا	ن د و - ی	ناقلة	ن ف ل	نَبِیَّات	ن ب ت
نادی	نؤ	ناقة	ن و ق	نَبِیَّات	ن ب ت
نادیتیم	نؤ	ناقور	ن ق ر	نَبِیَّات	ن ب ت
نادینا	نؤ	ناكبون	ن ك ب	نَبِیَّات	ن ب ت
نار	ن و ر	ناكسوا	ن ك س	نَبِیَّات	ن ب ت
نازعات	ن ز ع	ناكل	أ ك ل	نَبِیَّات	ن ب ت
ناس	ن ا ن س	ناهون	ن ه ی	نَبِیَّات	ن ب ت
ناسكو	ن س ك	نبا	ن ب أ	نَبِیَّات	ن ب ت
ناشئة	ن ش أ	نبؤ	نؤ	نَبِیَّات	ن ب ت

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
ثبیت	ب ی ت	نحب	ج و ب	نحن	نحو
لبیون	ن ب أ	نجد	و ج د	نحي	ح ی ی
لبین	ب ی ن	نجدین	ن ج د	نخاف	خ و ف
لبیین	ن ب أ	نجزی	ج ز ی	نختم	خ ت م
لتبراً	ب ر أ	نفس	ن ج م	نخرة	ن خ ر
لتبع	ت ب ع	نجعل	ج ع ل	نخرج	خ ر ج
لتبوا	ب و أ	نجم	ن ج م	نجزی	خ ز ی
لتجاوز	ج و ز	نجمع	ج م ع	نخسف	خ س ف
لتخذ	ا خ ذ	نجنی	ن ج و	نخشی	خ ش ی
لتخطف	خ ط ف	نجوی	،،	نخفی	خ ف ی
لتربص	ر ب ص	نجوت	،،	نخل	ن خ ل
لترك	ت ر ك	نجوم	ن ج م	نخلة	،،
لتقبل	ق ب ل	نجی	ن ج و	نخاف	خ ل ف
لتقنا	ن ت ق	نجینا	ن ج و	نخلق	خ ل ق
لتكلم	ك ل م	نحاس	ن ح م	نخوض	خ و ض
لتلوا	ت ل و	نحسب	ن ح ب	نخوف	خ و ف
لتنزل	ن ز ل	نحرق	ح ر ق	نخيل	ن خ ل
لتوفی	و ف ی	نفس	ن ح م	نداء	ن د و - ی
لتوكل	و ك ل	نفسات	،،	ندامة	ن د م
لثبت	ث ب ت	نحضر	ح ض ر	نداول	د و ل
نح	ن ج و	نحفظ	ح ف ظ	ندخل	د خ ل
نحی	،،	نحل	ن ح ل	ندری	د ر ی
نجاه	،،	نحلة	،،	ندعوا	د ع و
نجازی	ج ز ی	نحمل	ح م ل	ندل	د ل ل

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
ندى	ن د و	نزداد	ز ی د	نسف	ن س ف
نذر	ن ذ ر	نزع	ن ز ع	نسفت	و
نذَرُ	و ذ ر	نزعنا	و	نسفع	س ف ع
نذرت	ن ذ ر	نزع	ن ز ع	نسقط	س ق ط
نذرتم	و	نزل	ن ز ل	نسقي	س ق ی
نذق	ذ و ق	نزلة	و	نسك	ن س ك
نذکر	ذ ك ر	نزلت	و	نسكن	س ك ن
نذل	ذ ل ل	نزلنا	و	نسل	ن س ل
نذور	ن ذ ر	نزید	ز ی د	نسلخ	س ل خ
نذهب	ذ ه ب	نساء	ن س و	نسلک	س ل ك
نذیر	ن ذ ر	نسارع	س ر ع	نسلم	س ل م
نذیق	ذ و ق	نسئل	س ا ل	نسم	و س م
نری	ر ا ی	نسب	ن س ب	نسمع	س م ع
نراود	ر و د	نسبح	س ب ح	نسوا	ن س ی
نرب	ر ب و	نسبق	س ب ق	نسوة	ن س و
نرث	و ر ث	نستحوذ	ح و ذ	نسوق	س و ق
نرد	ر د د	نستحيي	ح ی ی	نسوی	س و ی
نرزق	ر ز ق	نستدرج	د ر ج	نسی	ن س ی
فرسل	ر س ل	نستعين	ع و ن	نسي	ن س ا
نرفع	ر ف ع	نستنسخ	ن س خ	نسيا	ن س ی
نری	ر ا ی	نسجد	س ج د	نسيت	و
نرید	ر و د	نسخة	ن س خ	نسيتم	و
نزاعة	ن ز ع	نسخر	س خ ر	نسير	س ی ر
نزد	ز ی د	نسر	نسر	نسينا	ن س ی

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
نشاء	ش ي أ	نصروا	ن ص ر	نطيع	ط و ع
نشأة	ن ش أ	نصف	ن ص ف	نظر	ن ظ ر
نشتري	ش ر ي	نصلي	ص ل ي	نظرة	،،
نشد	ش د د	نصوح	ن ص ح	نظل	ظ ل ل
نشر	ن ش ر	نصيب	ن ص ب	نظن	ظ ن ن
نشرت	،،	نصيب	ص و ب	نعاج	ن ع ج
نشرح	ش ر ح	نصير	ن ص ر	نعاس	ن ع س
نشرك	ش ر ك	نضاختان	ن ض خ	نعبد	ع ب د
نشط	ن ش ط	نضجت	ن ض ج	نعجة	ن ع ج
نشور	ن ش ر	نضرب	ض ر ب	نعمجز	ع ج ز
نشوز	ن ش ز	نضرة	ن ض ر	نعمد	ع و د
نشهد	ش ه د	نضطر	ض ر ر	نعمد	و ع د
نصاري	نصاري	نضع	و ض ع	نعمد	ع د د
نصب	ن ص ب	نضيد	ن ض د	نعمد	ع ذ ب
نصبت	،،	نضيع	ض ي ع	نعف	ع ف و
نصبر	ص ب ر	نطيع	ط ب ع	نعقل	ع ق ل
نصح	ن ص ح	نطعم	ط ع م	نعلم	ع ل م
نصحت	،،	نطقة	ن ط ف	نعلمن	ع ل ن
نصحوا	،،	نطق	ن ط ق	نعلمي	ن ع ل
نصدق	ص د ق	نطمس	ط م س	نعم	ن ع م
نصر	ن ص ر	نطمع	ط م ع	نعماء	،،
نصراني	نصاري	نطوي	ط و ي	نعماء	نعم+ما
نصرف	ص ر ف	نطيحة	ن ط ح	نعم	ن ع م
نصرنا	ن ص ر				

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
نعمر	ع م ر	نفسد	ف س د	نقصر	ق ر ر
نعمل	ع م ل	نفتت	ن ف ش	نقره	ق ر أ
نعود	ع و د	نفصل	ف ص ل	نقرب	ق ر ب
نعید	»	نفضل	ف ض ل	نقص	ن ق ص
نعیم	ن ع م	نفع	ن ف ع	نقص	ق ص ص
نقادر	غ د ر	نفعت	»	نقصص	»
نغرق	غ ر ق	نعمل	ف ع ل	نقض	ن ق ض
نغریں	غ ر و	نفق	ن ف ق	نقضت	»
نغفر	غ ف ر	نفقات	»	نقع	ن ق ع
نفاثات	ن ف ث	نفقة	»	نقعد	ق ع د
نقاد	ن ف د	نقصد	ف ق د	نقلب	ق ل ب
نفاق	ن ف ق	نفقه	ف ق ه	نقوموا	ن ق م
نفتن	ف ت ن	نفور	ن ف ر	نقول	ق و ل
نفحة	ن ف ح	نفوس	ن ف س	نقیم	ن ق ب
نفخ	ن ف خ	نقیر	ن ف ر	نقیر	ن ق ر
نفخة	»	نقاتل	ق ت ل	نقیض	ق ی ض
نفخت	»	نقب	ن ق ب	نقیم	ق و م
نفخنا	»	نقبوا	»	نک	ک و ن
نقد	ن ف د	نقتبس	ق ب س	نکاح	ن ک ح
نقدت	»	نقتل	ق ت ل	نکال	ن ک ل
نقد	ن ف ر	نقدر	ق د ر	نکتب	ک ت ب
نفرغ	ف ر غ	نقدس	ق د س	نکتل	ک ی ل
نفرق	ف ر ق	نقذف	ق ذ ف	نکتّم	ک ت م
نفس	ن ف س	نقصر	ن ق ر	نکت	ن ک ث

ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ
ن ص و	نواصي	ن م ل	نمل	ن ک ث	نکشوا
ا ت ی	نؤت	،	نملة	ن ک ح	نکح
ا ث ر	نؤثر	م ل و	نملی	،	نکحتم
لوح	لوح	م ن ن	نمن	ن ک د	نکد
و ح ی	نوحی	م ن ع	نمتع	ک ذ ب	نکذب
ا خ ر	نوخر	م و ت	نموت	ن ک ر	نکر
ن د و - ی	نودوا	،	نمیت	،	نکروا
،	نودی	م ی ر	نمیر	ک س و	نکسوا <sup>ا</sup>
ن و ر	نور	ن م م	نمیم	ن ک س	نکسوا <sup>ا</sup>
و ر ث	نورث	ن ب ا	ننبی	ن ک ص	نکص
و ف ی	نوف	ن ج و	ننجی	ک ف ر	نکفر
و ل ی	نولی	ن ز ع	ننزع	ک ل ف	نکلف
ن و م	نوم	ن ز ل	ننزل	ک ل م	نکلم
ا م ن	نومن	ن س ی	ننس	ک و ن	نکن
ن و ن	نون	،	ننسی	،	نکون
ن ه ی	نهی	ن س خ	ننسخ	ن ک ر	نکیر
ن ه ر	نهار	ن س ف	ننسف	ل ز م	نلزم
ه د ی	نهتدی	ن ش ا	ننشی	ل ع ب	نلعب
،	نهدی	ن ش ز	ننشز	ل ع ن	نلعن
ن ه ر	نهر	ن ص ر	ننصر	ل ق ی	نلقی
ه ل ک	نهلك	ن ظ ر	ننظر	ن م ر ق	ننمارق
ن ه ی	نهوا	ن ق ص	ننقص	م ب ع	نمتع
،	نهیت	ن ک س	ننکس	م د د	نمد
ی س ر	نيسر	ن ه ی	ننهی	م ک ن	نمکن
ن و ل	نیل	ن و ی	نوی		



## و

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
و	و	واقعة	وق ع	وجلون	وج ل
وابل	وب ل	وال	ول ی	وجوه	وج ه
واثق	وث ق	والد	ول د	وجه	»
واجفة	وج ف	والدات	»	وجهة	»
واحد	وح د	والدة	»	وجهت	»
واحدة	»	والدين	»	وجیه	»
واد	ودی	واهية	و ه ی	وحد	وح د
وادی المقدس	» + ق دم	وبال	وب ل	وحده	»
وارث	ور ث	وبيل	»	وحوش	وح ش
وارثون	ور ث	وتر	وت ر	وحي	وح ی
وارد	ور د	وتين	وت ن	وحید	وح د
واردون	»	وثاق	وث ق	ود	و د
وازره	وز ر	وثقی	»	ود	و د
واسع	وس ع	وجبت	وج ب	ود	و د
واسعة	»	وجد	وج د	ودت	»
واصب	وص ب	وجدا	»	ودع	ود ع
واعدنا	وع د	وجدت	»	ودق	ود ق
واعظ	وع ظ	وجدتم	»	ودوا	ود د
واعظین	»	وجدنا	»	ودود	»
واعية	وع ی	وجدوا	»	ورآء	ور ی
واق	وق ی	وجلة	وج ل	ورث	ور ث
واقع	وق ع	وجلت	»		

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
ورثوا	ورث	وصيد	وصد	وقع	وقع
ورد	ورد	وصيلة	وصل	وقعة	وقعة
وردة	وردة	وصينا	وصى	وقعت	وقعت
وردوا	وردوا	وضع	وضع	وقفوا	وقفوا
ورق	ورق	وضعت	وضعت	وقود	وقود
ورقة	ورقة	وضعنا	وضعنا	وكز	وكز
وريد	وريد	وطأ	وطأ	وكل	وكل
وزر	وزر	وطر	وطر	وكلنا	وكلنا
وزن	وزن	وعاء	وعى	وكيل	وكيل
وزنوا	وزنوا	وعد	وعد	ول	ول
وزير	وزير	وعدت	وعدت	ولي	ولي
وسط	وسط	وعدنا	وعدنا	ولاية	ولاية
وسطى	وسطى	وعدوا	وعدوا	ولد	ولد
وسطن	وسطن	وعظت	وعظت	ولدان	ولدان
وسع	وسع	وعيد	وعيد	ولدت	ولدت
وسعت	وسعت	وفى	وفى	ولدن	ولدن
وسق	وسق	وفاق	وفاق	ولوا	ولوا
وسراس	وسراس	وفد	وفد	ولي	ولي
وسوم	وسوم	وفيت	وفيت	وليت	وليت
وسوسة	وسوسة	وفى	وفى	وليم	وليم
وسيلة	وسيلة	وقى	وقى	وليحة	وليحة
وصى	وصى	وقار	وقار	وليد	وليد
وصف	وصف	وقب	وقب	وورى	وورى
وصلنا	وصلنا	وقت	وقت	وهاب	وهاب
وصية	وصية	وقر	وقر		

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
وهاج	و ه ج	وهبنا	و ه ب	وی + کان	ساده
وهب	و ه ب	وهن	و ه ن	ویل	و ی ل
وهبت	و ه ب	وهنوا	و ه ن و ا	ویلتی	و ی ل ت ی
ه					
ه	ه (ضمیر)	هارون	ه ا ر و ن	هدیت	ه د ی ت
ه	ه (سکته)	هكذا	ه ا + ک + ذ ا	هدیه	ه د ی ه
ه	ه (وقف)	هالك	ه ا ل ک	هدینا	ه د ی ن ا
ها	ها (ضمیر)	هالکین	ه ا ل ک ی ن	هرب	ه ر ب
ها	ها (حرف تبیینیه)	هامان	ه ا م ا ن	هزل	ه ز ل
هـَاؤُ لآء	هؤلاء	هامة	ه ا م د	هزموا	ه ز م و ا
هاؤم	هاؤم (اسم فعل)	هاویة	ه ا و ی ه	هزوا	ه ز و ا
هاتوا	ه ا ت و ا	ههنا	ه ه ن ا	هزی	ه ز ی
هاتین	ه ا ت ی ن	ههب	ه ه ب	هشیم	ه ش ی م
هاجر	ه ا ج ر	هباء	ه ب و ا	هضم	ه ض م
هاجرن	ه ا ج ر ن	هجر	ه ج ر	هضمیم	ه ض م ی م
هاجروا	ه ا ج ر و ا	هد	ه د	هل	ه ل
هادوا	ه ا د و ا	هدی	ه د ی	هالك	ه ا ل ک
هادی	ه ا د ی	هدایة	ه د ا ی ه	هلم	ه ل م
هَذَا	هَذَا	هدمت	ه د م ت	هلوع	ه ل و ع
هَذَان	هَذَا	هدنا	ه د ن ا	هم	ه م
هذه	هَذَا	هدوا	ه د و ا	هم	ه م
هار	ه ا ر	هدهد	ه د ه د	هما	ه م ا
هاروت	ه ا ر و ت	هدی	ه د ی	هماز	ه م ا ز

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
همت	ه م م	هنيئا	ه ن أ	هي	ه ي أ
همزات	ه م ز	هو	ه و	هيئة	ه ي ة
همزة	ه م	هوى	ه و ي	هيت	ه ي ت
همس	ه م س	هواء	ه و اء	هم	ه م
هموا	ه م م	هود	ه و د	هين	ه و ن
هن	ه ن	هون	ه و ن	هينة	ه ي ن ة
هنالك	ه ن ا ل ك	هي	ه ي	هيات	ه ي ا ت

## ي

ي	ي (ضمير)	ياخذون	أ خ ذ	يالمون	أ ل م
يا	يا (حرف ندا)	يوخر	أ خ ر	يالبون	أ ل و
يا ايها	ه	يودي	أ د ي	يا ليتها	يا ل ي ت ه ا
ياب	أ ب ي	ياذن	أ ذ ن	يامر	أ م ر
يابس	ي ب س	يبعث	ب ع ث	يامرون	ه
يابسات	ه	يشس	ي أ س	ياسن	أ م ن
ياتل	أ ل و	يشن	ه	يامنوا	ه
ياتمرون	أ م ر	يشسوا	ه	يان	أ ن ي
ياتون	أ ت ي	يافكون	أ ف ك	يسؤد	أ و د
ياتي	ه	ياقوت	يا ق و ت	يسؤد	أ د ي
ياتيان	ه	ياكل	أ ك ل	يؤس	ي أ س
ياتين	ه	ياكلان	ه	يؤيد	أ ي د
ياجوج	ياجوج (اجج)	ياكان	ه	يبايعن	ب ي ع
ياخذ	أ خ ذ	ياكلون	ه	يبايعون	ه

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
یبتغ	ب غ ی	یبطش	ب ط ش	یتبدل	ب د ل
یبتغون	»	یبطشون	»	یتبروا	ت ب ر
یتکن	ب ت ک	یبطل	ب ط ل	یتبع	ت ب ع
یتللی	ب ل و	یبعث	ب ع ث	»	»
یبت	ب ث ث	یبعثون	»	یتبوء	ب و ا
یبعث	ب ح ث	یبغون	ب غ ی	یتبین	ب ی ن
یبغس	ب خ س	یبغی	»	یتجرع	ج ر ع
یبغسون	»	یبغیان	»	یتجنب	ج ن ب
یبخل	ب خ ل	یقی	ب ق ی	یتحاجون	ح ج ج
یبخلون	»	یکون	ب ک ی	یتحاکموا	ح ک م
یبده	ب د ا	یبلی	ب ل ی	یتخالفون	خ ف ت
یدل	ب د ل	یبلس	ب ل س	یتخبط	خ ب ط
یدلون	»	یبلیغ	ب ل غ	یتخذ	أ خ ذ
یدون	ب د و	یبلغا	»	یتخذون	»
یددی	ب د ا	یبلغوا	»	یتخطف	خ ط ف
یددین	ب د و	یبلغون	»	یتخلفون	خ ل ف
یبس	ب س ی	یبلو	ب ل و	یتخیرون	خ ی ر
یبسط	ب س ط	یبلون	»	یتدبرون	د ب ر
یبسطوا	»	یبلی	»	یتذکر	ذ ک ر
یبشر	ب ش ر	یبور	ب و ر	یتذکرون	»
یبصر	ب ص ر	یبیتون	ب ی ت	بتر	و ت ر
یبصرون	»	یبین	ب ی ن	یتراجعا	ر ج ع
یبطی	ب ط ا	یتاخر	أ خ ر	یتربص	ر ب ص
یبطن	»	یتاسی	ی ت م	یتربصن	»

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
یتربصون	ر ب ص	یتفكرون	ف ک ر	یتنافس	ن ف س
یترددون	ر د د	یتقیوا	ف ی أ	یتناهون	ن ه ی
یترقب	ر ق ب	یتقبن	ق ب ل	یتنزل	ن ز ل
یترقبون	،	یتقدم	ق د م	یتواری	و ر ی
یترك	ت ر ك	یتقون	و ق ی	یتوب	ت و ب
یتركوا	،	یتقی	،	یتوبون	،
یتزکی	ز ک و	یتکثون	و ک أ	یتوفی	و ف ی
یتساءلون	س أ ل	یتکبرون	ک ب ر	یتوفون	،
یتسللون	س ل ل	یتکلم	ک ل م	یتوکل	و ک ل
یتسنه	س ن ه	یتکلمون	،	یتوکاون	،
یتضرعون	ض ر ع	یتلی	ت ل و	یتولی	و ل ی
یتطهر	ط ه ر	یتلاومون	ل و م	یتولون	،
یتطهرون	،	یتلطف	ل ط ف	یتیم	ی ت م
یتعارفون	ع ر ف	یتلتی	ل ق ی	یتیمین	،
یتعد	ع د و	یتلو	ت ل و	یتیهون	ت ی ه
یتعلمون	ع ل م	یتلون	،	یشب	ث ب ت
یتغامزون	غ م ز	یتم	ت م م	یشبوا	،
یتغیر	غ ی ر	یتاسا	م س س	یشخن	ث خ ن
یتنجس	ف ج ر	یشمتعون	م ت ع	یشرب	ث ر ب
یتفرقا	ف ر ق	یتمطی	م ط ی	یتقفوا	ث ق ف
یتفرقون	،	یتمنوا	م ن ی	یشنون	ث ن ی
یتفضل	ف ض ل	یتمنون	،	یحادل	ج د ل
یتفطرن	ف ط ر	یتناجون	ن ج و	یحادلون	،
یتفقها	ف ق ه	یتنازعون	ن ز ع	یحار	ج و ر

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
یحارون	ج ا ر	یحیب	ج و ب	یحرمون	ح ر م
یحاورون	ج و ر	یحیر	ج و ر	یحزن	ح ز ن
یجاہد	ج ہ د	یحاجون	ح ج ج	یحزنون	،،
یجاہدون	،،	یحادون	ح د د	یحسب	ح س ب
یحییٰ	ج ب ی-و	یحاربون	ح ر ب	یحسبون	،،
یحییٰ	،،	یحاسب	ح س ب	یحسدون	ح س د
یحئنبون	ج ن ب	یحاط	ح و ط	یحسنون	ح س ن
یحجد	ج ح د	یحافظون	ح ف ظ	یحشر	ح ش ر
یحجدون	،،	یحاور	ح و ر	یحشرون	،،
یحجد	و ج د	یحب	ح ب ب	یحض	ح ض ض
یحجدون	،،	یحیب	،،	یحضرون	ح ض ر
یحجر	ج ر ر	یحبرون	ح ب ر	یحضن	ح ی ض
یحرم	ج ر م	یحبس	ح ب س	یحطم	ح ط م
یحیری	ج ر ی	یحبط	ح ب ط	یحرف	ح ف ی-و
یحزی	ج ز ی	یحبطن	،،	یحفظن	ح ف ظ
یحزون	،،	یحبون	ح ب ب	یحفظون	،،
یحعل	ج ع ل	یحسب	ح س ب	یحقق	ح ق ق
یحعلون	،،	یحسبون	،،	یحکم	ح ک م
یحلی	ج ل و	یحسبوا	،،	یحکمان	،،
یحمحون	ج م ح	یحث	ح د ث	یحکمون	،،
یحمع	ج م ع	یحذر	ح ذ ر	یحل	ح ل ل
یحمعون	،،	یحذرون	،،	یحانون	ح ل ف
یحنب	ج ن ب	یحرفون	ح ر ف	یحلل	ح ل ل
یحهلون	ج ہ ل	یحرم	ح ر م	یحلون	،،

ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ
خ ل ف	يخلفون	خ ذ ل	يخذل	ح ل ي	يحملون <sup>۸۵</sup>
خ ل ق	يخلق	خ ر ب	يخربون	ح م ي	يحمي
»	يخلقون	خ ر ج	يخرج	ح م د	يحمدوا
خ و ض	يخوضون	»	يخرجا	ح م ل	يحمل
خ و ف	يخوف	»	يخرجن	»	يحملن
»	يخوفون	»	يخرجون	»	يحملون
خ ي ل	يخيل	خ ر ص	يخرصون	ح م م	يحموم
ي د ي	يد	خ ر ر	يخرون	ح و ر	يحور
»	يدا	خ ز ي	يخزي	ح و ل	يحول
د ف ع	يدافع	خ س ر	يخسر	ح ي ي	يحيي
د ب ر	يدبر	»	يخسرون	يحيي	يحيي <sup>۸۶</sup>
»	يدبروا	خ س ف	يخسف	ح و ط	يحيطون
د ح ض	يدحضوا	خ ش ي	يخشى	ح ي ق	يحيق
د خ ل	يدخل	»	يخشون	خ د ع	يخادعون
»	يدخلون	خ ص ف	يخسفان	خ و ف	يخاف
د ر أ	يدرؤن	خ ص م	يخصمون	»	يخافون
د ر س	يدرسون	خ ط ف	يخطف	»	يخافا
د ر ك	يدرك	خ ف ي	يخفي	خ ل ف	يخالفون
د ر ي	يدري	خ ف ف	يخفف	خ ي ر	يختار
د س س	يدس	خ ف ي	يخفون	خ و ن	يختانون
د ع و	يدع <sup>۸۷</sup>	»	يخفين	خ ص ص	يختص
د ع ع	يدع <sup>۸۸</sup>	خ ل و	يخل	خ ل ف	يختلفون
د ع و	يدعوا	خ ل د	يخلد	خ ت م	يختم
»	يدعو	خ ل ف	يخالف	خ د ع	يخدعون



لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
یدعون	د ع و	یربوا	ر ب و	یرزقون	ر ز ق
یدعون	د ع ع	یربى	،،	یرسل	ر س ل
یدمغ	د م غ	یرتاب	ر ی ب	یرشدون	ر ش د
یدنین	د ن و	یرتابوا	،،	یرضی	ر ض ی
یدهنون	د ه ن	یرتد	ر د د	یرضمن	ر ض ع
یدی	ی د ی	یرتدد	،،	یرضون	ر ض ی
یدینون	د ی ن	یرتع	ر ت ع	یرضین	،،
یذبح	ذ ب ح	یرتقوا	ر ق ی	یرغب	ر غ ب
یذبحون	،،	یرث	و ر ث	یرغبون	،،
یذر	و ذ ر	یرثون	،،	یرغبوا	،،
یذرون	،،	یرجع	ر ج ع	یرفع	ر ف ع
یذکر	ذ ک ر	یرجعون	،،	یرقبون	ر ق ب
یذکرون	،،	یرجموا	ر ج م	یرکبون	ر ک ب
یذوق	ذ و ق	یرجوا	ر ج و	یرکضون	ر ک ض
یذوقون	،،	یرجون	،،	یرکعون	ر ک ع
یذهب	ذ ه ب	یرحم	ر ح م	یرکم	ر ک م
یذها	،،	یرد	ر د د	یرسون	ر م ی
یذهبن	،،	یرود	ر و د	یرسی	،،
یذهبوا	،،	یرودوا	ر د د	یروا	ر ا ی
یذیق	ذ و ق	یردون	،،	یرون	،،
یری	ر ا ی	یردون	،،	یرهبون	ر ه ب
یراون	،،	یردن	ر و د	یرهق	ر ه ق
یراد	ر و د	یردوا	ر د ی	یری	ر ا ی
یربط	ر ب ط	یرزق	ر ز ق	یرید	ر و د

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
یریدان	ر و د	یسام	س ا م	یستخفون	خ ف ی
یریدون	،،	یسامون	،،	یستخلف	خ ل ف
یریکموا	ر ا ی + کم	یستون	س ب ت	یستسخرو	س خ ر
یزال	ز و ل	یسبح	س ب ح	یستصرخ	ص ر خ
یزالون	،،	یسبحن	،،	یستضعف	ض ع ف
یزجی	ز ج و	یسبحون	،،	یستضعفون	،،
یزداد	ز ی د	یسبق	س ب ق	یستطع	ط و ع
یزدادوا	،،	یسبقون	،،	یستطیع	،،
یزرون	و ز ر	یسبوا	س ب ب	یستطیعون	،،
یزعمون	ز ع م	یستاخرون	ا خ ر	یستعتبوا	ع ت ب
یزفون	ز ف ف	یستاذن	ا ذ ن	یستعتبون	،،
یزکی	ز ک و	یستاذنون	،،	یستعجل	ع ج ل
یزکون	،،	یستبدل	ب د ل	یستعجلون	،،
یزلقون	ز ل ق	یستبدلون	،،	یستعفف	ع ف ف
یزنون	ز ن ی	یستبشرون	ب ش ر	یستعففن	،،
یزنین	،،	یستثنون	ث ن ی	یستغشون	غ ش ی
یزوج	ز و ج	یستجیب	ج و ب	یستغفر	غ ف ر
یزید	ز ی د	یستجیبون	،،	یستغفرون	،،
یزیدون	،،	یستحبون	ح ب ب	یستغیثان	غ و ث
یزیع	ز ی غ	یستحسرون	ح س ر	یستغیثوا	،،
یسارعون	س ر ع	یستحیون	ح ی ی	یستفتحون	ف ت ح
یساقون	س و ق	یستحیی	،،	یستفتون	ف ت ی
یسئل	س ا ل	یستخرجا	خ ر ج	یستفز	ف ز ز
یسئلون	،،	یستخفف	خ ف ف	یستفزون	،،

ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ
س ق ی	یسقون	س ج ن	یسجن	ق د م	یستقدمون
»	یستقین	س ح ب	یسحبون	ق و م	یستقیم
س ل ک ن	یسکن	س ح ت	یسحت	ل ک ب ر	یستکبر
»	یسکنوا	س خ ر	یسخر	»	یستکرون
س ل ب	یسلب	»	یسخرون	س م ع	یستمع
س ل ط	یسلط	س خ ط	یسخطون	»	یستمعون
س ل ک	یسلك	ی س ر	یسر	ن ب ا	یستنبئون
س ل م	یسلم	»	یسر	ن ب ط	یستنبطون
»	یسلموا	»	یسر	ن ق ذ	یستنقذوا
»	یسلمون	س ر ی	یسری	ن ک ح	یستنکح
س م ع	یسمع	ی س ر	یسری	»	یستنکحها
»	یسمعون	س ر ف	یسرف	ن ک ف	یستنکف
س م و	یسمون	»	یسرفوا	و ف ی	یسترفون
س م ن	یسمن	س ر ق	یسرق	س و ی	یسترفون
س و ا	یسوا	»	یسرقن	»	یسترفی
س و م	یسوم	ی س ر	یسرنا	»	یسترفیان
»	یسومون	س ر ر	یسرون	ه ز ا	یسترفی
س ی ر	یسیر	س ط ر	یسطرون	»	یسترفأ
ی س ر	یسیر	س ط و	یسطون	»	یسترفون
س ی ر	یسیروا	و س ع	یسع	ی ق ن	یستیقن
س و غ	یسغ	س ع ی	یسعی	س ج د	یسجد
ش ی ا	یشاء	»	یسعون	»	یسجدان
»	یشاؤون	س ف ک	یسفک	»	یسجدون
»	»	س ق ی	یسقی	س ج ر	یسجرون

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
يشاقق	ش ق ق	يشهدون	ش ه د	يصرون	ص ر ر
يشترون	ش ر ي	يصب	ص ب ب	يصرطرخون	ص ر خ
يشترى	»	يصبح	ص ب ح	يصفى	ص ف و
يشتهون	ش ه و	يصبغوا	»	يصعد	ص ع د
يشرب	ش ر ب	يصر	ص ب ر	يصعقون	ص ع ق
يشربون	»	يصبروا	»	يصفحوا	ص ف ح
يشرح	ش ر ح	يصبجون	ص ح ب	يصفون	و ص ف
يشرك	ش ر ك	يصد	ص د د	يصلوا	ص ل ي
يشركن	»	يصدر	ص د ر	يصلب	ص ل ب
يشركون	»	يصدعون	ص د ع	يصلبوا	»
يشرون	ش ر ي	يصدفون	ص د ف	يصلح	ص ل ح
يشرى	»	يصدق	ص د ق	يصلحا	»
يشعر	ش ع ر	يصدقوا	»	يصلحون	»
يشعرون	»	يصدفون	»	يصلحون	»
يشفع	ش ف ع	يصد	ص د د	يصلحون	ص ل ي
يشفعون	»	يصدوا	»	يصلحون	و ص ل
يشفى	ش ف ي	يصدون	»	يصلحون	ص ل و
يشقى	ش ق ي-و	يصدن	»	يصلحون	»
يشقق	ش ق ق	يصر	ص ر ر	يصلحون	»
يشقى	ش ق ي-و	يصرف	ص ر ف	يصلحون	»
يشكر	ش ك ر	يصرفون	»	يصلحون	»
يشكرون	»	يصرمون	ص ر م	يصلحون	»
يشوي	ش و ي	يصرمن	»	يصلحون	»
يشهد	ش ه د	يصبوا	ص ر ر	يصلحون	»

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
يضاعف	ض ع ف	يطغى	ط غ ي	يظنون	ظ ن ن
يضاهئون	ض ه ي	يطفثوا	ط ف أ	يظهر	ظ ه ر
يضحكون	ض ح ك	يطلب	ط ل ب	يظهرون	ظ ه ر
يضرب	ض ر ر	يطلع	ط ل ع	يعبؤ	ع ب أ
يضرب	ض ر ب	يطمئن	ط م ن	يعبد	ع ب د
يضربن	ض ر ب ن	يطمئث	ط م ث	يعبدوا	ع ب د و
يضربون	ض ر ب و ن	يطمع	ط م ع	يعبدون	ع ب د و ن
يضرعون	ض ر ع	يطعمون	ط م ع و ن	يعتدون	ع د و
يضرون	ض ر ر	يطوف	ط و ف	يعتذرون	ع ذ ر
يضع	و ض ع	يطوفوا	ط و ف و ا	يعتزلوا	ع ز ل
يضعن	و ض ع ن	يطوفون	ط و ف و ن	يعتصم	ع ص م
يضل	ض ل ل	يطوقون	ط و ق	يعجب	ع ج ب
يضلل	ض ل ل	يطهر	ط ه ر	يعجز	ع ج ز
يضلون	ض ل و ن	يطهرون	ط ه ر و ن	يعجزون	ع ج ز و ن
يضى	ض و أ	يطير	ط ي ر	يجل	ع ج ل
يضيع	ض ي ع	يطيروا	ط ي ر و ا	بعد	و ع د
يضيفوا	ض ي ف	يطيع	ط و ع	يعدلون	ع د ل
يضيق	ض ي ق	يطيعون	ط و ع و ن	يعدون	ع د و
يطاع	ط و ع	يطيقون	ط و ق	بعذب	ع ذ ب
يطاف	ط و ف	يظاهرون	ظ ا ه ر و ن	يعرج	ع ر ج
يظنون	و ط أ	يظلمون	ظ ل م و ن	يعرجون	ع ر ج و ن
يظعن	ط ب ع	يظلم	ظ ل م	يعرشون	ع ر ش
يطعم	ط ع م	يظلمون	ظ ل م و ن	يعرض	ع ر ض
يضعون	ض ع و ن	يظن	ظ ن ن	يعرضوا	ع ر ض و ا

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
يعرضون	ع ر ض	يعلمان	ع ل م	يغضضون	غ ض ض
يعرف	ع ر ف	يعلمون	»	يغضون	»
يعرفن	»	يعلمون	ع ل ن	يغفر	غ ف ر
يعرفون	»	يعمر	ع م ر	يغفرون	»
يعزب	ع ز ب	يعمروا	»	يغل	غ ل ل
يعش	ع ش و	يعمل	ع م ل	يغلب	غ ل ب
يعص	ع ص ي	يعملون	»	يغلبوا	»
يعصرون	ع ص ر	يعمّهون	ع م ه	يغلبون	»
يعصم	ع ص م	يعودون	ع و د	يغلل	غ ل ل
يعصون	ع ص ي	يعودون	ع و ذ	يغلي	غ ل و ي
يعصين	»	يعوق	يعوق <sup>و ٨٦</sup>	يغنوا	غ ن ي
يعض	ع ض ض	يعيد	ع و د	يغني	»
يعطوا	ع ط و	يعيدوا	»	يغنيا	»
يعطي	»	يعمي	ع ي ي	يغوث <sup>و ٨٦</sup>	يغوث <sup>و ٨٦</sup>
يعظ	و ع ظ	يغاث	غ و ث	يغوصون	غ و ص
يعظم	ع ظ م	يغاثوا	»	يغوي	غ و ي
يعفوا	ع ف و	يغادر	غ د ر	يغير	غ ي ر
يعفون	»	يغيب	غ ي ب	يغيروا	»
يعقب	ع ق ب	يغر	غ ر ر	يغيظ	غ ي ظ
يعقل	ع ق ل	يغرر	»	يفتح	ف ت ح
يعقلون	»	يغرق	غ ر ق	يفتدوا	ف د ي
يعقبوب <sup>٨٦٨</sup>	يعقبوب	يغرن	غ ر ر	يفتدي	»
يعكفون	ع ك ف	يغشوا	غ ش ي	يفتر	ف ت ر
يعلم	ع ل م	يغشي	»	يفترى	ف ر ي

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
يَفْتَرُونَ	ف ر ي	يفلح	ف ل ح	يقرض	ق ر ض
يقترى	»	يفلحون	»	يقسم	ق م م
يفترين	»	يقاتل	ق ت ل	يقسمان	»
يفتن	ف ت ن	يقاتلون	»	يقسمون	»
يفتنون	»	يقال	ق و ل	يقص	ق ص ص
يفتنن	»	يقبض	ق ب ض	يقصرون	ق ص ر
يفتني	ف ت ي	يقبضن	»	يقصون	ق ص ص
يفجر	ف ج ر	يقبضون	»	يقضى	ق ض ي
يفجرون	»	يقبل	ق ب ل	يقضون	»
يفر	ف ر ر	يقتتلان	ق ت ل	يقطع	ق ط ع
يفرح	ف ر ح	يقترف	ق ر ف	يقطعون	»
يفرحون	»	يقترفون	»	يقططين	يقططين
يفرط	ف ر ط	يقتروا	ق ت ر	يقطب	ق ل ب
يفرطون	»	يقتل	ق ت ل	يقتل	ق ل ل
يفرق	ف ر ق	يقتلن	»	يقنت	ق ن ت
يفرقون	»	يقتلوا	»	يقنط	ق ن ط
يفسح	ف س ح	يقتلون	»	يقنطون	»
يفسد	ف س د	يقدر	ق د ر	يقول	ق و ل
يفسدون	»	يقدرون	»	يقولا	»
يفسقون	ف س ق	يقدم	ق د م	يقولون	»
يفصل	ف ص ل	يقذف	ق ذ ف	يقوم	ق و م
يفعل	ف ع ل	يقذفون	»	يقومان	»
يفعلون	»	يقراءون	ق ر أ	يقميا	»
يفتهون	ف ق ه	يقربوا	ق ر ب	يقيموا	»

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
یقیمون	ق و م	یکفرون	ک ف ر	یلج	و ل ج
یقین	ی ق ن	یکفل	ک ف ل	یلحدون	ل ح د
یساء	ک و ن	یکفلون	،،	یلحقوا	ل ح ق
یکاد	ک و د	یکفون	ک ف ف	یلد	و ل د
یکادون	،،	یکفی	ک ف ی	یلدوا	،،
یکبت	ک ب ت	یکؤ	ک ل أ	یلعب	ل ع ب
یکبر	ک ب ر	یکاف	ک ل ف	یلعبون	،،
یکبروا	،،	یکلم	ک ل م	یلعن	ل ع ن
یکتب	ک ت ب	یکن	ک و ن	یلفظ	ل ف ظ
یکتبون	،،	یکنزون	ک ن ز	یلق	ل ق ی
یکم	ک ت م	یکور	ک و ر	یلقی	،،
یکتمن	،،	یکون	ک و ن	یلقوا	،،
یکتمون	،،	یکونا	،،	یلقون	،،
یکد	ک و د	یکونون	،،	یلمز	ل م ز
یکذب	ک ذ ب	یکیدون	ک ی د	یلمزون	،،
یکذبون	،،	یلاقوا	ل ق ی	یلون	و ل ی
یکره	ک ر ه	یلبشون	ل ب ث	یلوون	ل و ی
یکرهون	،،	یلبس	ل ب س	یله	ل ه و
یکسب	ک س ب	یلبسوا	،،	یلهث	ل ه ث
یکسبون	،،	یلبسون	،،	یم	ی م م
یکشف	ک ش ف	یلت	و ل ت	یمارون	م ر ی
یکف	ک ف ف	یلتفت	ل ف ت	یمت	م و ت
یکف	ک ت ی	یلتقط	ل ق ط	یمتروون	م ر ی
یکفر	ک ف ر	یلتقیان	ل ق ی	یمتع	م ت ع
یکفروا	،،				



لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
يَتَمَعُونَ	م ت ع	يَنْ	م ن ن	يَنْبِذُ	ن ب ذ
يَمْحُ	م ح و	يَمْحَى	م ن ي	يَنْبَغِي	ب غ ي
يَمْحَصُ	م ح ص	يَمْنَعُونَ	م ن ع	يَنْبُوعٌ	ن ب ع
يَمْحَقُ	م ح ق	يَمْنُونَ	م ن ن	يَنْتَصِرُونَ	ن ص ر
يَمْحُو	م ح و	يَمْنِي	م ن ي	يَنْتَظِرُ	ن ظ ر
يَمُدُّ	م د د	يَمُوتُ	م و ت	يَنْتَظِرُونَ	»
يَمُدُّ	»	يَمُوتُونَ	»	يَنْتَقِمُ	ن ق م
يَمْدُونَ	»	يَمُوتُوا	»	يَنْتَهَى	ن ه ي
يَمْرُونَ	م ر ر	يَمُوجُ	م و ج	يَنْتَهُونَ	»
يَمْسُ	م س س	يَمْهَدُونَ	م ه د	يَنْجِي	ن ج و
يَمْسَسُ	»	يَمِيتُ	م و ت	يَنْجَحُونَ	ن ح ت
يَمْسِكُ	م س ك	يَمِيْزُ	م ي ز	يَنْذِرُ	ن ذ ر
يَمْسِكُونَ	»	يَمِيلُونَ	م ي ل	يَنْذِرُونَ	»
يَمْشُونَ	م ش ي	يَمِينُ	م ي ن	يَنْزِعُ	ن ز ع
يَمْشِي	»	يَنْابِيعُ	ن ب ع	يَنْزِعُ	ن ز ع
يَمْكُثُ	م ك ث	يَنْادُونَ	ن د ي و	يَنْزِعُ	»
يَمْكُرُ	م ك ر	يَنْادِي	»	يَنْزِعُ	»
يَمْكُرُونَ	»	يَنْزِعُ	ن ز ع	يَنْزِفُونَ	ن ز ف
يَمْكَنُ	م ك ن	يَنْالُ	ن و ل	يَنْزِلُ	ن ز ل
يَمْكَنُونَ	»	يَنْالُونَ	»	يَنْسِي	ن س ي
يَمْلُ	م ل ل	يَنْشُونَ	ن أ ي	يَنْسِخُ	ن س خ
يَمْلِكُ	م ل ك	يَنْسِي	ن ب أ	يَنْسِفُ	ن س ف
يَمْلِكُونَ	»	يَنْبَأُ	»	يَنْسَلُونَ	ن س ل
يَمْلِلُ	م ل ل	يَنْبِئُ	ن ب ت	يَنْسِي	ن س ي

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
يشوا	ن ش أ	ينقص	ن ق ص	يوثر	أ ث ر
يشى	،،	ينقصوا	،،	يوثرون	،،
ينشر	ن ش ر	ينقض	ق ض ض	يوثق	و ث ق
ينشرون	،،	ينقضون	ن ق ض	يوجه	و ج ه
ينصر	ن ص ر	ينقلب	ق ل ب	يوح	و ح ي
ينصرون	،،	ينقلبون	،،	يوحي	،،
ينطق	ن ط ق	ينكت	ن ك ث	يوحون	،،
ينطقون	،،	ينكثون	،،	يوحي	،،
ينطلق	ط ل ق	ينكح	ن ك ح	يوخذ	أ خ ذ
ينظر	ن ظ ر	ينكحون	،،	يؤخر	أ خ ر
ينظرون	،،	ينكر	ن ك ر	يؤد	أ د ي
ينع	ي ن ع	ينكرون	،،	يؤد	،،
ينعق	ن ع ق	ينكسون	ن ك س	يؤد	و د د
ينغضون	ن غ ض	ينهي	ن ه ي	يودون	،،
ينفخ	ن ف خ	ينهون	،،	يوذن	أ ذ ن
ينفد	ن ف د	ينيب	ن و ب	يؤذون	أ ذ ي
ينفروا	ن ف ر	يواخذ	أ خ ذ	يؤذى	أ ذ ي
ينفضوا	ف ض ض	يوادون	و د د	يؤذين	،،
ينمتع	ن ف ع	يوازي	و ر ي	يورث	و ر ث
ينفعون	،،	يواطئوا	و ط أ	يوزعون	و ز ع
ينفق	ن ف ق	يوبق	و ب ق	يوسف	يوسف
ينفقون	،،	يؤت	أ ت ي	يوسوس	و س و س
ينفوا	ن ف ي	يوتى	،،	يوهى	و ص ي
ينقدون	ن ق ذ	يوتون	،،	يوصل	و ص ل

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
یوصین	وص ی	یوقتون	ی ق ن	یهبط	ه ب ط
یوعدون	و ع د	یول	و ل ی	یهتدون	ه د ی
یوعظ	و ع ظ	یولج	و ل ج	یهجعون	ه ج ع
یوعظون	و ع ظ	یولد	و ل د	یهد	ه د ی
یوعون	و ع ی	یولف	ا ل ف	یهدی	و
یوف	و ف ی	یولون <sup>۸</sup>	و ل ی	یهدون	ه د ی
یونی	و	یولون <sup>۸</sup>	ا ل و	یهرعون	ه ر ع
یوقضون	و ف ض	یوم	ی و م	یهزم	ه ز م
یوق	و ف ق	یسومئذ <sup>۸</sup>	و + اذا	یهلك	ه ل ك
یوفك	أ ف ك	بومرون	ا م ر	یهلكون	و
یوفكون	و	یومن	ا م ن	یهن	ه و ن
یوفون	و ف ی	یومنون	و	یهود <sup>۸</sup>	یهود
یوفی	و	یومین <sup>۸</sup>	ی و م	یهودی	یهود
یوقی	و ق ی	یونس	یونس	یهیبی	ه ی أ
یوقد	و ق د	یهاجر	ه ج ر	یهیج	ه ی ج
یوقدون	و ق د	یهاجروا	و	یهیمون	ه ی م
یوقع	و ق ع	یهب	و ه ب	یهیس	ی أ س

## اغلاط نامہ مبادیات و فہرست

کوشش کے باوجود طباعت میں غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ بہتر ہو کہ آپ ان غلطیوں کی تصحیح ابھی کر لیں۔ ان میں بعض مقاسات پر تو صرف حروف اڑ گئے ہیں۔ مثلاً صفحہ ۷ سطر ۱۰۔ کم کرنے والا۔ صفحہ ۱۳۔ نہیں کے صفحے۔ صفحہ ۷۳۔ سر بجائے امر۔ صفحہ ۳۳ سطر ۱۲۔ مضارع۔ صفحہ ۳۸۔ وزان بجائے اوزان۔ لیکن ذیل کی غلطیاں ایسی ہیں جن کا اثر معانی پر پڑتا ہے اس لئے ان کی تصحیح بہت ضروری ہے۔

صفحہ سطر	تصحیح	صفحہ سطر	تصحیح
۲۲	۵	۱۲۵	ماہرۃ کے سامنے م ہ ر
		۱۳۱	صلی کی جگہ صلی
۳۰	۱	۱۵۱	مستم کے سامنے ت م م
۳۵	۵		متوکل کے سامنے و ک ل
۳۹	۶	۱۶۱	نا کے سامنے نا
		۱۶۲	تبراء کی جگہ تبرأ
۷۵		۱۶۳	نذہب کے سامنے ذ ہ ب
۷۶		۱۷۳	یحکم کے سامنے ح ک م
۸۸		۱۷۷	یسفی کے بجائے یسفی
۸۹		۱۷۸	پہلا کالم آخری سطر کے
۱۰۳			بجائے یشہد۔ ش ہ د
۱۱۳		۱۸۳	یؤذون کے سامنے ا ذ ی
۱۲۳			زالتا کے سامنے ز و ل
			فعل کی جگہ فعل
			افعال کی جگہ افعال
			یسواعد کی جگہ یواعد
			استبیع کی جگہ استبیع
			آنس کے سامنے ان م
			ہوا کی جگہ ابوا
			اقطار کے سامنے ق ط ر
			الہم کے سامنے ل ہ م
			تصبر کے سامنے ص ب ر
			حصل کے سامنے ح ص ل
			زالتا کے سامنے ز و ل



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## تتمہ

ہم نے لغات القرآن، جلد اول (صفحہ ۳۳) پر لکھا تھا کہ اگر لغات کی طباعت کے دوران، مزید غور و فکر سے بعض اہم نکات سامنے آئے، یا قارئین کی طرف سے مفید مشورے، تجاویز یا وضاحت طلب امور موصول ہوئے، تو آخری جلد کے ساتھ ایک تتمہ شائع کر دیا جائیگا۔ یہ تتمہ اسی مقصد کے پیش نظر شائع کیا جا رہا ہے۔ اس میں بیشتر اضافے یا ترمیمات جلد اول سے متعلق ہیں۔ جہاں تک طباعت کی غلطیوں کا تعلق ہے، ان میں سے صرف انہی اغلاط کی تصحیح کی گئی ہے جن سے مفہوم پر اثر پڑتا تھا۔ دیگر معمولی غلطیوں، یا آیات میں بعض مقامات پر اعراب کی غلطیوں کو چھوڑ دینا گیا ہے۔ جب اردو کے ٹائپ میں عربی عبارت چھاپی جائے تو اس میں اعراب کی غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ آیات کا قرآن کریم کے نسخے سے مقابلہ کر لینا چاہئے۔ یہ ضروری ہے۔ ان اضافوں یا تبدیلیوں کے بعد بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ جو کچھ اس لغات میں لکھا گیا ہے وہ حرف آخر ہے۔ یہ بہر حال ایک انسانی کوشش ہے جس میں اصلاح کی گنجائش ہر وقت رہتی ہے۔

## میادیات

صفحہ ۱۵ - سطر ۹ - ”جو اسم بنتے ہیں“ میں ”اسم“ کی جگہ ”فعل“ ہونا چاہئے۔

## تمہید

ہم نے صفحہ ۷۳ - نمبر (۳) کے تحت لکھا ہے کہ سادوں میں جہاں ”و“ یا ”ی“ آئے وہاں مادہ کا تعین کرنے میں دقت پیش آتی ہے۔ اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ جب مادہ کا آخری حرف ”و“ یا ”ی“ ہو تو اس

مادہ میں بیشتر ”و“ یا ”ی“ دونوں ہی شکلیں جائز ہوتی ہیں۔ ایسے مادوں کو جن کے آخر میں ہم نے ”و“ دیا ہے، ”ی“ میں بھی دیکھ لینا چاہئے۔ بعض جگہ ہم نے فہرست میں مادہ بتاتے ہوئے آخری حرف ”و“ لکھ دیا ہے لیکن لغت میں آخر میں ”و“ کی بجائے ”ی“ ہے۔ مثلاً آس، تاس۔ تاسوا۔ اسوا۔ میں ہم نے مادہ بتاتے وقت ”اس و“ لکھا ہے اور لغت میں ان کی تشریح ”ا۔ س۔ ی“ کے عنوان کے تحت دی گئی ہے۔ لہذا جہاں مادہ کے آخر میں ”و“ ہو اور وہ ”و“ میں نہ ملے تو اس کے ساتھ ”ی“ میں بھی دیکھ لیجئے۔ اسی طرح جہاں مادہ کا آخری حرف ”ی“ ہو اور وہ ”ی“ میں نہ ملے تو اسے ”و“ میں بھی دیکھ لیجئے۔

بعض الفاظ جو قرآن کریم میں نہیں ملتے اور فہرست میں آگئے ہیں :-

لفظ	مادہ
بائع	ب ی ع
بدعتہ	ب د ع
ذہ	ذ ا
کفا	ک ف ف
محاسبہ	ح ص ب



(۴) ایک اہم بات حروف تہجی کی ترتیب کے ضمن میں ہے۔ عربی زبان میں (ن - و - ہ) بھی ترتیب وار لکھتے ہیں اور (ن - ہ - و) بھی۔ ہم نے ”فہرست الفاظ قرآنی“ میں (ن - و - ہ) کی ترتیب کو ملحوظ رکھا لیکن اصل لغات میں سہواً یہ ترتیب (ن - ہ - و) کی ہو گئی۔ یہی ترتیب شروع سے اخیر تک چلی جاتی ہے۔ اس لئے آپ کو لغات میں (ن) کے بعد (ہ) ملیگی اور اس کے بعد (و)۔ مادے تلاش کرنے وقت اس ترتیب کو ذہن میں رکھئے۔ واضح رہے کہ مادوں میں تو ”تھ“ کے بعد ”و“ کی ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے لیکن خود حرف ”و“ لغت میں ”تھ“ سے پہلے ملے گا۔ ملاحظہ ہو۔  
صفحہ (۱۶۸۰) اور (۱۷۷۷)۔

اب اصل لغات کی طرف آئیے۔

ا

صفحہ ۱۹۰

نمبر (۵) میں آلم\* تتر\* برائے\* تعجب بتایا گیا ہے، لیکن اس قسم کا مرکب عموماً دعوت غورو فکر دینے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح ”آفلا“ اور ”آولا“، ”آفلتم\* اور ”آولتم\* وغیرہ بھی۔

ا ب د

صفحہ ۱۹۲

دوسرے پیریگراف کے آخری حصہ سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ جہنم کی بالآخر کوئی حد زمانی ہے، اس کے بعد جہنم ختم ہو جائیگا اور جہنمی اس سے نکل کر کہیں اور چلے جائینگے۔ قرآن کریم کے متعدد مقامات میں یہ تصریح موجود ہے کہ جہنم سے نکل جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جو کچھ ہم نے کہا ہے وہ صرف یہ ہے کہ یہ ابدیت اس قسم کی ابدیت نہیں جس قسم کی ابدیت خدا کے لئے مخصوص ہے۔ اسکی تشریح اگلا پیرا کر رہا ہے۔

ابراہیم

صفحہ ۱۹۳

أُمَّةٌ قَانِيَةٌ۔

”ام م“۔ (صفحہ ۲۶۱) میں أُمَّةٌ کے معنی اسام بھی دئے ہوئے ہیں۔ نیز اسکے معنی وہ شخص بھی ہیں جو ہر قسم کے خیر کا منبع و سرچشمہ ہو۔

”امام،، کی تائید قرآن کریم میں دوسری جگہ اِنْتِیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمْتَاً (۱۳۳) سے کر دی ہے۔ اس لئے، جیسا کہ عنوان (۱ - م - م) میں لکھا گیا ہے، آیت (۱۳۳) میں اُمَّتٌ کے معنی امام اور مقتدا بھی کئے جاسکتے ہیں۔

## ا ب ی

صفحہ ۱۹۶

- (۱) اس مادہ میں چوتھی سطر کے آخر میں جہاں الِابْتِءُ وَالْاَبْتِءُ لکھا گیا ہے وہاں سے الِابْتِءُ حذف کر دیا جائے۔
- (۲) نیچے سے چوتھی سطر میں یٰٓاٰیُّہِیْ کی جگہ یٰٓاٰیُّہِیْ ہونا چاہئے۔

## ا ج ج

صفحہ ۲۰۲

سَمِعْتُمْ اٰجَلَةَ النُّوْمِ میں نے لوگوں کی مخلوط حرکتوں اور آوازوں کا شور ماسنا۔

صفحہ ۲۰۳

شعر سے اوپر کے پیریگراف میں کہا گیا ہے کہ جب کسی مردہ قوم پر دوسری سہذ اور ترقی یافتہ قوم استیلاء کر لیتی ہے تو اس سے کچھ عرصہ کے بعد اس مردہ قوم کو زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ خدا خود یہ چاہتا ہے کہ طاقتور قومیں، کمزور قوموں کو اپنا غلام بنائیں تاکہ کمزور قوموں کو ازسرنو زندگی مل جائے۔ قرآن کریم کی تعلیم تو یہ ہے کہ طاقتور قوموں کا فریضہ یہ ہے کہ وہ کمزور قوموں کی کمزوریوں کو رفع کر کے انہیں انسانیت کی صف میں کھڑے ہونے کے قابل بنا دیں۔ اس نے کہا یہ ہے کہ اگر طاقتور قومیں ایسا نہ کریں تو کمزور قومیں خود ایک دن اٹھ کر ان کی غلامی کے جوئے کو گلے سے اتار پھینکیں گی۔

## ا ج ر

صفحہ ۲۰۵

دوسرا پیرا۔ بہ مفہوم لین نے قاموس کے حوالے سے دیا ہے۔

## ا ج ل

صفحہ ۲۰۶

اَجَلٌ مدتِ معینہ کو بھی کہتے ہیں اور اس آخری حد کو بھی جہاں وہ مدت ختم ہو جاتی ہے۔

## اح د

صفحہ ۲۰۷

پانچویں سطر میں آحَدٌ الْاَحَدَيْنِ لکھا ہے۔ صحیح ”آحَدٌ الْاَحَدَيْنِ“ ہے۔

## اخ ذ

صفحہ ۲۰۸

دوسری سطر۔ مَا خَذَ كِي بَجَائِ مَا خَذَ ہونا چاہئے۔

## اد م

صفحہ ۲۱۴

اخیر میں لکھئے۔ ہو سکتا ہے کہ انسانی زندگی کے جس تمدنی دور سے قرآن کریم نے اس تمثیلی داستان کا آغاز کیا ہے، اس میں کوئی عظیم شخصیت ”آدم“ کے نام کی ہو اور اس دور کو اسی کی طرف منسوب کر دیا گیا ہو۔ یا اس دور کی نسبت سے اس شخصیت کو اس نام سے پکارا گیا ہو۔ ہم نے انہیں بالیقین ”نبی“، اس لئے نہیں لکھا کہ قرآن کریم نے زمرہ انبیاء میں ان کا ذکر بصراحت نہیں کیا۔

۲۔ قرآن کریم میں ”قصہ آدم“ بیان کرنے سے ایک مفسر تو یہ تھا کہ انسان کو بتایا جائے کہ اگر اس نے وحی کا دامن چھوڑا تو اس کی حالت کیا ہوگی اور اس حالت سے نکل کر پھر سے جنتی زندگی حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے وحی سے تمسک۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے اس قصہ سے ان باطل عقائد کی بھی تردید کر دی جسے (بالخصوص) عیسائیت نے پھیلا رکھا تھا۔ یعنی یہ کہ ہر بچہ پیدائشی طور پر گنہگار ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے اولین ماں باپ (آدم و حوا) کے گناہ کا بوجھ ساتھ لاتا ہے، اور یہ گناہ حضرت عیسیٰؑ کے کفارہ پر ایمان لانے بغیر دھل ہی نہیں سکتے۔ یا یہ کہ مرد کو پھسلانے کا باعث عورت ہوتی ہے اس لئے عورت تمام برائیوں کا سرچشمہ ہے۔ یا یہ کہ (جیسا کہ ہندوں کا عقیدہ ہے) فطرت کی قوتیں دیوی دیوتا ہیں، انسان کو انہیں معبود بنانا چاہئے۔ وغیرہ وغیرہ۔ قرآن کریم نے اس داستان سے ان تمام باطل عقائد و تصورات کی تردید کر دی۔

## ار ب

صفحہ ۲۲۱

چوتھی سطر۔ اَلتَّائِبِينَ غَيْرَ اُولِي الْاَلْبَابَةِ مِنَ الرِّجَالِ کے معنی لکھے گئے ہیں ”جنہیں نکاح کی ضرورت نہ ہو“۔ ان میں ایسے ملازم

(یا دیگر ہست درجہ کے کام کاج کرنے والے) بھی شامل ہو سکتے ہیں جو زیادہ عقل و فکر کے مالک نہ ہوں اور کھانے پینے سے زیادہ کسی اور طرف ان کا دھیان ہی نہ جاسکے۔ یا وہ کسی طرح وجہ کشش ہی نہ بن سکیں۔ قرآن کریم کی یہ اصطلاح بڑی جامع ہے۔

## ارض

صفحہ ۲۲۱

تیسرا پیرہ۔ پہلی سطر۔ اس میں اِراضَة کی جگہ اَرَاضَة ہونا چاہئے۔

## ارک

صفحہ ۲۲۴

الاراک۔ یہ چارہ ترش نہیں بلکہ نمکین اور تلخ سا ہوتا ہے۔ اونٹ اسے پیٹ بھر جائے پر کھاتے ہیں تاکہ اس سے کھانا ہضم ہو جائے۔ اَرِبْكَة کے ضمن میں راغب نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ اَرَاک بالحدکان سے بھی ہو سکتا ہے جس کے معنی کسی جگہ اقامت کرنا ہیں۔ اس لحاظ سے اَرِبْكَة مسہری کو اس لئے کہا جائے گا کہ اس پر ٹھہرا اور رہا جاتا ہے۔ گویا وہ قیام گاہ ہوگی۔

## ازر

صفحہ ۲۲۴

پہلی سطر۔ الازر کے پہلے معنی ”کمر، کاٹ دئے جائیں۔ تیسری سطر۔ الازر کے معنی لکھے ہیں ہر وہ چیز جو ستر کا کام دے۔ اس کی بجائے یہ کہئے کہ ہر وہ چیز جو تمہارے بدن کے لئے ستر کا کام دے۔

## ازف

صفحہ ۲۲۵

دوسری سطر میں بجائے اَلشَّارِفُف کے اَلشَّارِفُف ہے۔ اس کے معنی قریب کے ہیں۔

## اسف

صفحہ ۲۲۸

چھٹی سطر۔ ”حزن دل“ کی بجائے ”خون دل“۔

## اسن

صفحہ ۲۲۹

پہلی سطر میں اَلْاَمِين کے بجائے اَلْاَسِين ہونا چاہئے۔

## اس ی

صفحہ ۲۲۹

اس میں مادہ (ا - س - و) بھی شامل ہے۔

## اص ر

صفحہ ۲۳۳

یہ اضافہ کر لیجئے۔ راغب نے کہا ہے کہ "الاصِرُّ" سے مراد وہ امور ہیں جو پہلائیوں اور نیکیوں کی راہ میں مانع اور حائل ہوتے ہیں اور ان تک پہنچنے نہیں دیتے۔

## اف ک

صفحہ ۲۳۶

(۱) الْمُؤْتَفِكَاتُ - اَفْكَتْ کے معنی جھوٹ بولنے کے ہیں۔ نیز کسی کو اس کی صحیح راہ سے پھیر دینا بھی۔ اس لحاظ سے اَلْمُتَفَكِّكْتَ میں صحیح راہ سے ہٹ جانے اور جھوٹ گھڑ لینے کا مفہوم آسکتا ہے۔ اَلْمُؤْتَفِكَاتُ ان ہواؤں کو بھی کہتے ہیں جو اپنے صحیح رخ سے ہٹی ہوئی چلتی ہیں۔ لہذا الْمُؤْتَفِكَاتُ کے معنی ہوسکتے ہیں وہ بستیاں جو اپنی صحیح روش پر قائم نہ رہیں اور غلط اعمال کرتی رہیں۔ یا جھوٹ گھڑتی رہیں۔ اگرچہ قرآن مجید کا طرز بیان یہی بتا رہا ہے کہ وہ خصاص بستیاں تھیں جنہیں الٹ دیا گیا تھا۔

(۲) جھوٹ گھڑنے کے معنوں میں سورۃ احقاف میں ہے فَتَسَيِّتُوْا لُوْنًا هٰذَا لَفْئِكَ تَسَدِرِيْمٌ (۳۶/۱۱)۔ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ تو وہی جھوٹ ہے جو ابتدائی ایام (قدیم) سے گھڑا جاتا رہا ہے۔ اسی کو دوسری جگہ قرآن کریم نے سَيْحَرٌ مُّسْتَمِرٌّ (۵۳/۳) سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی وہ جھوٹ جو شروع سے چلا آ رہا ہے۔

(۳) سورۃ نور میں قرآن کریم نے مومنین کو نصیحت اور تاکید کی ہے کہ وہ جھوٹے الزامات نہ وضع کیا کریں اور معاشرہ میں اس قسم کی باتوں کو نہ پھیلایا کریں (دیکھئے ۲۴/۳ و ۲۴/۱۸)۔ اس ضمن میں اس نے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے جس میں ایک گروہ نے کسی پر جھوٹا الزام لگایا تھا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ جَاءُوْا بِاَلْفِئِكَ عَصِيْبَةٌ مِّنْكُمْ (۲۴/۱۱)۔ "جو لوگ اس جھوٹ کو افترا کر کے لائے ہیں وہ تمہیں میں سے ایک گروہ ہے"۔ اس سارے واقعہ میں قرآن کریم نے کہیں نہیں بتایا کہ وہ کون تھا جس کے خلاف یہ الزام لگایا گیا تھا۔ اس نے کہا صرف یہ ہے کہ جب یہ خبر جماعت مومنین تک

پہنچی ہے تو ان کا پہلا ردِ عمل یہ ہونا چاہئے تھا کہ وہ حسن ظن سے کام لیتے اور کہہ دیتے کہ هٰذَا لِفُكِّ مَبِيْنٌ ﴿۲۳﴾ - اور هٰذَا بَهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۴﴾ - یہ وہی بات ہے جس کی دوسری جگہ یہ کہہ کر وضاحت کی گئی ہے کہ جب کوئی فاسق کوئی بات تم تک پہنچائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو ﴿۲۴﴾ - قرآن کریم نے صرف اتنا کہا ہے لیکن ہماری تاریخ (روایات) میں اس واقعہ کو (معاذ اللہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کر کے اس پر افسانہ طرازی کی ایک عمارت قائم کر دی گئی ہے - حتکہ اس میں یہ بھی کہہ دیا گیا ہے کہ خود نبی اکرمؐ بھی اس باب میں سخت متردد تھے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے سیکے بھیج دیا تھا جہاں ان کی حالت غیر ہو گئی - حتکہ خدا نے بذریعہ وحی ان کی براءت کی - تب حضور اکرمؐ انہیں گھر لائے -

صاف نظر آتا ہے کہ یہ ایک گھڑا ہوا قصہ ہے جسے خاص مقصد کے ماتحت وضع کیا گیا ہے - لیکن ہم ہیں کہ اسے مستند واقعہ کی حیثیت سے لٹے چلے آ رہے ہیں ، اور جب مخالفین اسلام اس پر اعتراض کرتے ہیں تو ہم طیش میں آ جاتے ہیں - حالانکہ ہمیں اس کے جواب میں وہی کہہ دینا چاہئے جو قرآن کریم نے کہا ہے کہ هٰذَا لِفُكِّ مَبِيْنٌ ﴿۲۳﴾ - یعنی یہ واقعہ جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور نبی اکرمؐ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے ، افک مبین اور بہتان عظیم ﴿۲۴﴾ ہے -

## ا ک ل

صفحہ ۲۳۸

دوسرا پیرا - راغب نے لکھا ہے کہ اکل مال سے مراد انفاقِ مال ہے ، اس لٹے کہ مال کا بیشتر مصرف کھانے پینے اور معاشی ضروریات سے متعلق ہوتا ہے -

آخری پیرا - یوں چماہئے - ”ابن فارس نے کہا ہے کہ اس سادہ کے بنیادی معنی . . . .

## ا ل ک

صفحہ ۲۴۲

پہلی سطر - اَلْمَا لُ لِمَا لِكُ كِي بَجَائِ اَلْمَا لِكُ كِي هـ -

دوسرے پیرے میں تاج کا \*\* حوالہ دیا گیا ہے - تاج میں یہ سادہ (م ل ک) کے تحت آیا ہے -

## اَلَّا (حرف)

صفحہ ۲۴۶

پہلی سطر - ”اَلَّا تَعْمَلُوْا“ یوں ہونا چاہئے -

## ال و (الی)

صفحہ ۲۵۲

دوسرے پیرے کے آخر میں بڑھائیے۔

آلاء<sup>۱</sup> پر بحث کرتے ہوئے علامہ حمید الدین فراہی<sup>۲</sup> اپنی تالیف مفردات القرآن صفحہ ۱۱ پر لکھتے ہیں :-

اگرچہ آلاء<sup>۳</sup> کے معنی بالاتفاق نعمتیں ہی بتائے جاتے ہیں لیکن قرآن مجید اور اشعار عرب میں اس لفظ کا استعمال بتا رہا ہے کہ اس کے یہ معنی نہیں ہیں۔ بظاہر اس کے معنی ”عجیب کاریگریاں، معلوم ہونے میں جن کے لئے فارسی کا لفظ ”کرشمہ، استعمال ہو سکتا ہے۔۔۔“۔ انہوں نے جوہری کے حوالہ سے آلاء کے معنی خصال جمیلہ، اچھی صفات، خوبیاں بھی لکھے ہیں، اس ضمن میں انہوں نے متعدد عربی اشعار بھی پیش کئے ہیں۔

## الی (حرف)

صفحہ ۲۵۳

نمبر (۴) میں وَاَلَاءُ مَرُ الْيَتِيمَاتِ جگہ (۲۷/۳۸)

## امت

صفحہ ۲۵۵

مطر چھٹی۔ ”بمقابلہ قاعاً صفتصفاً“ کے معنی یہ ہیں کہ امتاً اس کی ضد ہے۔

## امر

صفحہ ۲۵۶

دوسرے پیرے کے آخر میں لکھئے۔

لیکن ہمارا خیال ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ قوموں کی ہلاکت کے لئے خدا کا قانون یہ ہے کہ وہ آرام پرست، کثرت کی طالب، تعیش پسند اور سرمایہ دارانہ ذہنیت کی مالک ہو جاتی ہیں۔ ان میں آسودہ حالوں کی کثرت ہوتی جاتی ہے جو معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا کر دیتے ہیں اور اس سے قوم تباہ ہو جاتی ہے۔

## امس

صفحہ ۲۶۰

چوتھی سطر میں امس<sup>۴</sup> کی جگہ آلاء<sup>۵</sup> امس۔ چاہئے۔

## ا م ل

صفحہ ۲۶۰

چھٹی سطر شروع میں ”اے“ کے بعد دو نشان \*\* رہ گئے ہیں، یعنی یہ عبارت تاج میں ہے۔

## ا م م

صفحہ ۲۶۱

اُمَّةٌ - فُعْلَةٌ یا فُعْلَةٌ دونوں وزنوں پر مبالغہ کا صیغہ بھی ہو سکتا ہے۔ فُعْلَةٌ کے وزن پر اس کے معنی ہونگے جسکا بہت قصد کیا جائے۔ اس مفہوم سے اس کا مطلب امام ہو سکتا ہے۔ اور فُعْلَةٌ کے لحاظ سے اسکے معنی ہونگے جو بکثرت کسی کا قصد کرے۔ اس اعتبار سے آیت (۱۱۷/۱) میں اُمَّةٌ سے مراد ہوگا خدا کی طرف بار بار قصد کرنے والا۔ اُمَّةٌ (۱۱۷/۱) کے لئے ابراہیم کے عنوان کے تحت بھی لکھا جا چکا ہے۔

## ا م ن

صفحہ ۲۶۵

شروع پیرا۔ ”جب اَمْنٌ کا صلہ لام ہو، میں بجائے اَمْنٌ کے اَسَنَ چاہئے۔“

## ا م ا

صفحہ ۲۶۸

دوسری سطر۔ ”خواہ وہ انہیں عذاب دے“ ہونا چاہئے۔

## ا م و

صفحہ ۲۶۹

دوسری سطر۔ عَبْدٌ کی بجائے عَبْدٌ چاہئے۔

## ا ن

صفحہ ۲۷۰، شق (۳)۔ حوالہ آیت (۲۹/۱) کی جگہ (۸۶/۱) ہونا چاہئے۔

## ا ن س

صفحہ ۲۷۵

تیسرا پیرا۔ انسان اور بشر کے فرق کے لئے دیکھئے عنوان ”ب ش ر“۔

## ا ه ل

صفحہ ۲۸۰

پہلی سطر۔ صاحب محیط نے اس لفظ کے متعدد معنی درج کئے ہیں۔ پھر ابوحنیفہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ان کے نزدیک اس سے بالخصوص بیوی مراد ہوتی ہے۔



## ا و ب

صفحہ ۲۸۲

اس میں (\*\*) دو نشان سے راغب کا حوالہ مراد ہے، محیط زائد ہے۔  
راغب نے اختیار کا لفظ نہیں لکھا۔ صرف ارادہ لکھا ہے۔ لہذا 'اختیار' کاٹ دیا جائے۔

صفحہ ۲۸۳ اس عنوان کے اخیر پر لکھئے۔

اگر اس آیت میں 'جبال' کے حقیقی معنی (پہاڑ) لئے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت داؤدؑ پہاڑوں سے وہ کام لیتے تھے جن کے لئے فطرت نے انہیں بنایا ہے۔ حفاظت کا کام، جنگلات اگانے اور لکڑی حاصل کرنے کا کام، معدنیات نکالنے اور پتھروں کو مختلف مصارف میں لانے کا کام۔ وغیرہ وغیرہ، یہ تھی پہاڑوں کی طرف سے قانون خداوندی کے مطابق اطاعت۔

## ب (حرف)

صفحہ ۲۹۲

نمبر (۴) آیت اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ بِاْتِيَا ذِكْمُ فِي ظَلَمْتُمْ  
اَنْتُمْ سْتَكْمُ بِاْتِيَا ذِكْمُ چاہئے۔

## ب ا س

صفحہ ۲۹۳

پہلی سطر شروع بیش (بڑا) کی بجائے 'بڑا' ہونا چاہئے۔

## ب خ ل

صفحہ ۳۰۰

دوسری سطر راغب کی عبارت کا پورا ترجمہ یوں ہے 'بخل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ انسان اپنی جمع جوڑ کے ساتھ بخل کرے۔ یعنی انہیں خرچ کی ضرورت پر روکے رکھے۔ اور دوسری قسم یہ کہ انسان دوسرے کی جمع جوڑ کو ضرورت پر خرچ ہوتے دیکھ نہ سکے۔ اور یہ زیادہ قابل مذمت ہے'۔ پھر اس نے سوخرا الذکر بخل کے لئے آیت (۳) کو بطور شہادت پیش کیا ہے۔

## ب د ل

صفحہ ۳۰۳

آخری پیرے کی آخری سے اوپری سطر میں آیت (۴) میں اِسْتَبْدَالَ  
زَوْجٍ فِي الْفِ زَائِدٌ ہے۔ یہ اِسْتَبْدَالَ زَوْجٍ ہے۔

## ب د و

صفحہ ۳۰۵

دوسرا پیرا - بِادِرِ الرَّأْيِ (۱۱۱) کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں نے تیرا اتباع کیا ہے وہ کسی غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر نہیں پہنچے بلکہ یونہی ایک بات سنی اور اسکے پیچھے لگ گئے۔

## ب ر د

صفحہ ۳۱۰

دوسرے پیرا کی دوسری سطر۔ آیت کا حوالہ (۲۱۱) کی بجائے (۲۱۹) ہے۔

## ب ر ک

صفحہ ۳۱۶

صفحہ کے آخر کی چار سطروں کی جگہ (آیت کے بعد) یہ لکھئے۔

تَبَارَكَ كَتَبَ - بآ برکت اور ہر قسم کے خیر و برکت کا سرچشمہ ہونا۔  
تَبَارَكَ كَتَبَ الَّذِي... سے مراد ہے وہ ذات جس میں خیر و برکت اپنی پوری کثرت کے ساتھ انتہا تک پہنچ چکی ہو۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اصل سرچشمہ خیر و برکت جہاں تمام خوبیوں اپنی کامل شکل میں موجود ہیں اور ان میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوتی، ذاتِ خداوندی ہے۔ اور ربوبیت عالمینی اسی سرچشمہ خیر و برکت سے ہوتی ہے۔ جو قوم اللہ کی صفات کو اپنے اندر منعکس کرے، اسے بھی (علی حد بشریت) سرچشمہ خیر و برکت اور عالمگیر انسانیت کے لئے سامانِ نشو و نما مہیا کرنے کا ذمہ دار ہونا چاہئے۔

## ب س ل

صفحہ ۳۲۱

چوتھی سطر کے آخر میں بڑھائیے۔

راغب کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے۔ ”روکنے کے مفہوم کے پیش نظر البَسَلُ اس کو کہینگے جسے محروم کر دیا گیا ہو۔ نیز اس چیز کو جسے کسی کے پاس گرو رکھ دیا ہو،،۔

راغب نے اس مادہ میں بَسَلٌ اور حرام کا فرق بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ حرام عام ہے اور بَسَلٌ اس روکنے اور منع کرنے کو کہینگے جس میں قہر پایا جائے۔

## ب ش ر

صفحہ ۳۲۳

پہلا پیرا شروع۔ ”بِشَارَةِ“ سے لیکر ”خبر دینا“ تک کی عبارت کا حوالہ اقرب الموارد ہے۔

سطر ۱۱ - بَشَارَةٌ کی بجائے بَشَارَةٌ چاہئے -

عنوان کے آخر پر لکھئے -

قرآن کریم میں بَشِيرٌ و نَذِيرٌ حضرات انبیاء کرامؑ کے لئے آیا ہے (۱۹)۔ بَشِيرٌ کے معنی ہیں وہ جو لوگوں کو ایمان اور اعمال صالح کے خوشگوار نتائج کی خوشخبری دے۔ اور نَذِيرٌ وہ جو انہیں غلط روش زندگی کے تباہ کن عواقب سے آگاہ کرے۔ دوسری جگہ نَذِيرٌ کے ساتھ مَبَشِيرٌ بھی آیا ہے (۱۰۰)۔ اس کے معنی بھی خوش خبری دینے والا ہیں -

## ب ا ر

صفحہ ۳۲۳ -

سطر ۳ - بَصِيرَةٌ - خون کا نشان یا ٹیکا جس کے ذریعے شکار کی نشاندہی

ہوتی ہو -

سطر ۴ - بَصْرَةٌ - سخت زمین نیز خستہ سفید پتھر کو کہتے ہیں (تاج)

راغب نے چمکدار کا اضافہ کیا ہے -

صفحہ ۳۲۴ - سطر ۱۱ - پہلا لفظ "میں"، کاٹ دیجئے -

(۲) عنوان کے آخر میں حسب ذیل اضافہ کیجئے -

اَسْتَبْصَرَ الشَّيْءَ - کسی چیز کو بغور دیکھا (تاج و محیط) راغب نے لکھا ہے کہ اَسْتَبْصَرَ کے معنی ہیں بصیرت طلب کرنا - نیز یہ بمعنی اَبْصَرَ بھی ہوتا ہے - یعنی دیکھنا - قرآن کریم میں ہے وَ كَانُوا مَسْتَبْصِرِينَ (۲۸) یعنی وہ دانسا و بینا اور معاملہ فہمی کی صلاحیت رکھتے تھے -

قرآن کریم نے کہا یہ ہے کہ عباد و نمود کی قومیں باوجود عقل و بصیرت رکھنے کے ، تباہ و برباد ہو گئیں - دوسری جگہ اس کی تشریح یہ کہہ کر کر دی گئی کہ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَ اَبْصَارًا وَ اَفْئِدَةً - ہم نے انہیں سننے ، دیکھنے اور سمجھنے سوجنے کی صلاحیت دے رکھی تھی - فَمَا اَغْنٰی عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَ لَا اَبْصَارُهُمْ وَ لَا اَفْئِدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوا يَجْحَدُونَ بِآيَاتِ اللّٰهِ (۲۷) - لیکن چونکہ انہوں نے قوانین خداوندی سے انکار و سرکشی کی راہ اختیار کر رکھی تھی ، اس لئے ان کی سماعت و بصارت اور عقل و بصیرت ان کے کسی کام نہ آسکی اور وہ تباہ و برباد ہو گئے - قرآن کریم نے کہا یہ ہے کہ اگر عقل و بصیرت سے وحی کی روشنی میں کام نہ لیا جائے ، تو وہ

افراد یا اقوام کو زندگی کی خطرناک گھاٹیوں سے محفوظ نہیں رکھ سکتی۔ ذرا دیکھئے کہ عقل کرتی کیا ہے۔ انسان، اپنے ساتھ حیوانی جذبات (Animal Instincts) لئے کر پیدا ہوتا ہے۔ یہی جذبات اس کے دل میں طرح طرح کی خواہشات (Desires) پیدا کرتے ہیں۔ اگر اس کی عقل خام، اور جذبات غالب ہیں، تو عقل اس خواہش کے جواز کے لئے دلائل (Justificatory Reasons) تراشیگی اور اس کے حصول کے لئے طرح طرح کی تدابیر سوچیگی۔ اس طرح وہ خواہش (Desire)۔ تمنا (Wish) بن جائے گی۔ اور جب انسان آخری فیصلہ کے بعد اس کے حصول پر تل جائیگا تو وہ ارادہ (Will) ہو جائے گی۔ اس صورت میں انسانی عقل، اس کی خواہشات یا جذبات کے بروئے کار لانے کا ذریعہ ہوگی۔

اگر عقل ذرا پختہ ہے، تو وہ اس انسان کو سمجھائے گی کہ اس خواہش (جذبہ) کے پورا کرنے میں تمہارا کتنا بڑا نقصان ہے۔ یعنی عقل زیادہ سے زیادہ اس فرد کے مفاد کا تحفظ کر سکتی ہے۔ اس سے آگے بڑھنا عقل کے بس کی بات نہیں۔ عقل، خیر و شر میں تمیز کر ہی نہیں سکتی۔ یہ تمیز صرف وحی کے ذریعے ہوتی ہے جو نوع انسانی کے عالمگیر نفع نقصان، اور انسانی ذات کے ضعف و قوت کے لئے حرف آخر کا حکم رکھتی ہے۔ اس لئے، انسان تباہی سے اسی صورت میں بچ سکتا ہے جب وہ عقل و بصیرت سے وحی کی روشنی میں کام لے۔

آج دنیا کی بڑی بڑی ترقی یافتہ قومیں جو تباہی اور پرہیزی کے جہنم کے کنارے پہنچ چکی ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عقل و علم کو وحی کے تابع نہیں رکھتیں۔

اور ہم اس لئے ذلیل و خوار ہو رہے ہیں کہ ہم نہ وحی سے مستفید ہوتے ہیں، نہ عقل و بصیرت سے کام لیتے ہیں۔

## باطل

صفحہ ۳۲۶۔

باطل کے معنوں میں لکھا گیا ہے کہ یہ ایسی کوشش کا نام ہے جس کا نتیجہ کچھ نہ نکلے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ دنیا میں ایسے کام بھی ہیں جو بلا نتیجہ رہ جاتے ہیں۔ خدا کے قانون مکافات کی رو سے نتیجہ تو ہر کام کا مرتب ہوتا ہے۔ باطل ان کوششوں کا نام ہے جن کا نتیجہ وہ نہ نکلے جو

ان سے مقصود ہو۔ کوششِ بیہودہ۔ معنی 'ناکام'۔ اور اس سے انسان میں ضعف پیدا ہو جائے۔ یہ ہے باطل کا وہ تخریبی اثر جس کا مداوا تمسکِ بالحق کے سوا ہو نہیں سکتا۔

## ب ط ن

صفحہ ۳۲۸ -

پہلی سطر - بَطْنِ کے معنی پیٹ۔ اندرونی حصہ۔ اسکی جمع بَطُونٌ ہے۔  
تیسرا پیرہ - پہلی سطر میں حوالہ (۵۵/۵۴) سے پہلے لکھئے "اس کی جمع بَطَانِینٌ ہے"۔

(آخر میں اضافہ) ظاہیر الایٹم و بَطَانِینہ (۱۳۱) سے مراد ہے گناہ کی محسوس و غیر محسوس شکلیں۔ اس میں نگاہ کی خیانت اور دل میں گزرنے والے خیالات تک آجاتے ہیں۔

## ب ع د

صفحہ ۳۳۱ -

دوسری سطر میں بَعْدًا و بَعْدًا ہے۔ اس میں بَعْدًا کی بجائے بَعْدًا صحیح ہے۔

## ب غ ل

صفحہ ۳۳۳ -

آخر میں لکھئے۔ چونکہ خچر، گھوڑی اور گدھے کے اختلاط سے وجود میں آتا ہے اس لئے ہر اس جانور کو بھی بَسْغَلٌ کہتے ہیں جو دو مختلف جنسوں کے ملاپ سے پیدا ہو۔

## ب غ ی

صفحہ ۳۳۶ -

حضرت مریمؑ کے واقعہ کے سلسلہ میں حسب ذیل اضافہ کر لیجئے۔  
لیکن اگر بتغیثا کے معنی "بدکار" ہی لئے جائیں، تو آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ حضرت مریمؑ نے کہا کہ میں ہیکل میں تجرد کی زندگی بسر کر رہی ہوں اس لئے میرے متعلق خاوند سے اختلاط کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ دوسری صورت بدکاری کی ہو سکتی ہے۔ سو میں بدکار بھی نہیں۔ اس لئے میرے ہاں بچہ کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت مریمؑ ہیکل میں (Nun) کی زندگی گزار رہی تھیں۔ بعد میں، جب ان تک تعلیم خداوندی پہنچی تو انہوں نے ہیکل کی تجرد کی زندگی چھوڑ کر متاہل زندگی اختیار کر لی۔ چونکہ یہودیوں کے ہاں کسی (Nun) کے لئے متاہل زندگی

بسر کرنا جائز ہی نہیں تھا ، اس لئے وہ حضرت مریمؑ کی اس زندگی کو (معاذ اللہ) بدکاری کی زندگی قرار دیتے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ نے ان کی اسی خود ساختہ شریعت کی تردید کر کے اپنی والدہ کی مدافعت کی تھی۔

واضح رہے کہ بَغِيٌّ بَاوجود صیغہ مذکر ہونے کے ، صرف عورت کے لئے استعمال عوتا ہے۔ ایسی عورت کو بَغِيَّةٌ نہیں کہتے۔

## ب ق ع

صفحہ ۳۳۷ -

ساتویں سطر۔ ”نیز“ کے بجائے اَلْبَغِيَّةُ ہونا چاہئے۔

## ب ق ی

صفحہ ۳۳۹ -

دوسرا پیرہ۔ وَجَسَدٍ رَبِّكَ کے دوسرے مفہوم کے لئے عنوان (و۔ ج۔ ہ)

دیکھیے۔

## ب ک ر

صفحہ ۳۴۰ -

پہلی سطر۔ اَلْبَيْكُورُ کی جمع اَبْسَاكَارٌ ہے۔

## ب ل د

صفحہ ۳۴۳ -

نیا پیرہ۔ بِسَلْمَةِ الْفَرَسِ کی جگہ بِسَلْمَةِ الْفَرَسِ ہونا چاہئے۔

## ب ل س

صفحہ ۳۴۴ -

پہلے پیرے کے آخر میں لکھئے۔

لیکن اگر بَعَثٌ کے مفہوم کی گہرائی پر نگاہ ڈالئے تو پھر بِيْعَثُوْنَ کے معنی اور ہونگے۔ بَعَثٌ کے معنی ہیں ان موانع کو دور کر دینا جو کسی کی آزادی کے راستے میں حائل ہوں۔ کھلا چھوڑ دینا۔ ابلیس سے کہا یہ گیا کہ تمہارا کام انسانوں کی اخلاقی بندھنوں کو توڑ کر انہیں ”مُأَدِرٌ مُؤَدِرٌ“ آزاد کر دینا ہے۔ تمہاری ضرورت اس وقت تک رہے گی جب تک انسان ان اخلاقی حدود کو توڑ کر یکسر آزاد نہ ہو جائیں۔ جب وہ اس طرح آزاد ہو جائیں گے تو پھر ان کے لئے تمہاری ضرورت نہیں رہے گی۔ اس لئے تمہیں اس وقت تک کی سہلت کی ضرورت ہے سو وہ سہلت تمہیں دی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اخلاقی بندھنوں کو ابتداءً توڑنے میں کچھ دقت محسوس ہوتی ہے لیکن جب یہ ایک مرتبہ ٹوٹ جائیں تو پھر انسان غیر شعوری طور پر خود بخود ، اس سیلاب میں بہے چلا جاتا ہے۔

عنوان کے اخیر پر لکھئے - نیز دیکھئے عنوانات (ق - ن - ط اور ی - ا - س) -

(۳) صفحہ ۳۳۵ کے اوپر بائیں ہاتھ کی طرف عنوان (ب - خ - ع) کی جگہ (ب - ل - س) لکھئے -

ب ہ ل - صفحہ ۳۵۸ -

سطر ۱۲ میں انٹی کے بجائے انٹی -

ب ی ن - صفحہ ۳۷۰ -

عنوان کے آخر میں لکھئے -

اِسْتَبَانَ الْاَمْرُ - معاملہ کھل گیا، ظاہر اور واضح ہوا - قرآن کریم میں ہے وَكَيْتَسْتَبِيْنُ سَبِيْلَ الْمُجْرِمِيْنَ (۱/۵۵) - تاکہ مجرموں کی راہ کھل کر واضح ہو جائے - فَبَيِّنَ الشَّقِيْءَ - چیز واضح اور ظاہر ہوئی - تَبَيَّنَتْهُ - میں نے اسے کھولا، واضح کیا اور اسے سمجھا (لازم و متعدی) - (۱/۶۶)

ت ف ث - صفحہ ۳۸۰ -

سطر چھٹی - التَّفَثُ کے معنی بالوں کی پراگندگی و پریشانی ہیں، نہ محض پراگندگی و پریشانی -

اسی لائن کے آخر میں جو ابن عباس رضی کا قول ہے، وہ یہ ہے کہ تفت سر کے بال مونڈنے یا تراشنے، ڈاڑھی موچھیں بنانے اور بغل کے بال لینے اور ذبیح ورسی کو کہتے ہیں -

ت ل و - صفحہ ۳۸۲ -

پہلی سطر کا پہلا لفظ - تَلَوْنَهُ کے بجائے تَلَوْنَهُ -

دوسرا پیرا پہلی سطر - تِلَاوَةٌ کے بجائے تِلَاوَةٌ وَتِلَاوَةٌ صحیح ہے -

راغب کی عبارت کا پورا ترجمہ یوں ہے -

تَلَا کے معنی ہیں کسی کے پیچھے اس طرح چلنا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی غیر حائل نہ ہو - یہ شکل کبھی تو جسعانی طور پر ہوتی ہے اور کبھی حکم کا اقتداء کرنے میں - اور ان معانی میں اس کا مصدر تَلَوْتُ وَتِلَاوَةٌ آتا ہے - کبھی اسکے معنی پڑنے اور غور و تدبر کرنے کے ہوتے ہیں تو اس کا مصدر تِلَاوَةٌ آتا ہے -

## ت م م

صفحہ ۳۸۵ -

دوسرے پیرے میں جہاں کہا گیا ہے کہ ”اب ہم نے تمہارا غلبہ و اقتدار انتہا تک پہنچا دیا“، تو اس سے مراد ان مخالفین کا سرنگوں ہو جانا ہے جو نبی اکرمؐ سے مدتِ العمر برسرِ پیکار رہے تھے۔ ورنہ دین (نظامِ خداوندی) کا غلبہ و اقتدار حضورؐ کے بعد بھی آگے بڑھتا گیا تھا۔

اور اگر ”دین“ کے معنی دینِ اسلام ہی لیں تو اس سے مراد تکمیلِ دین ہوگی جو قرآنِ کریم کے اندر آکر اپنی انتہا تک پہنچ گئی تھی۔

## ث م ن

صفحہ ۴۰۱ -

چوتھی سطر۔ الثَّامِدُ کے معنی ہیں چوہا بہ یا انسان کا بچہ جو تھوڑا تھوڑا کھانا شروع کر دے۔ یہ اسکی ابتدائی عمر ہوتی ہے۔

## ث م

صفحہ ۴۰۳ -

آیت (۱۱۵) میں وجہِ اللہ کے معنی ذاتِ خداوندی بھی ہو سکتے ہیں لیکن ذاتِ خداوندی ہمارے سامنے اس کی آیات کی رو سے ہی آتی ہے۔ آیاتِ اللہ میں قانونِ خداوندی کی حیثیت بنیادی ہے۔

## ث م

صفحہ ۴۰۴ -

ثَمَّ کے ایک معنی ”اس پر بھی، اس کے باوجود بھی“ ہوتے ہیں، مثلاً  
يَعْرِفُونَ نِعْمَةَ اللَّهِ ثُمَّ يُنْكِرُونَهَا (۱۸۳)۔

## ث ن ی

صفحہ ۴۰۶ -

پانچویں سطر۔ ثِنْتِي الْحَقِيقَةُ کے بجائے ثِنْتِي الْحَقِيقَةُ ہونا چاہئے۔  
صفحہ ۴۰۷ - اوپر سے تیسری سطر کے بعد لکھئے۔ ”یعنی سب کا سب اپنے لئے رکھ لینگے۔ اس میں سے کچھ بھی باقی نہیں چھوڑینگے۔“

صفحہ ۴۰۷ - نیچے سے تیسری سطر (اوپر کو)۔ انگریزی کا لفظ کاٹ دیجئے۔ اس پیرے کے اخیر پر لکھئے۔ کِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَلًا کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرآنِ کریم کی تعلیم پہلی کتابوں کے مشابہ ہے اور اصولاً ان کی تکرار۔



## ج ب ب

صفحہ ۳۱۲ -

الجُبب کے معنی بتاتے ہوئے محیط نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ ایسے گہرے گڑھے اور کھائی کو بھی کہتے ہیں جسکی تہ اور آخری حد معلوم نہ ہو۔ راغب نے لکھا ہے کہ یہ ایسے کنویں کو کہتے ہیں جو سخت زمین میں کھودا جاتا ہے۔

## ج ب ر

صفحہ ۳۱۳ -

اس کا حوالہ رہ گیا ہے۔ ”الجبابیر“۔ ثوبی ہوئی ہڈیوں کو جوڑنے والا“ کا حوالہ تاج و محیط و راغب ہے۔

صفحہ ۳۱۳ - نیچے سے پانچویں سطر۔ ”اس کی نوعیت“ یہ الفاظ

کاٹ دیں۔

## ج ب ل

صفحہ ۳۱۵ -

حضرت داؤدؑ کے پہاڑوں کو مسخر کرنے کے سلسلہ میں، اسی تتمہ میں عنوان (ا۔ و۔ ب) بھی دیکھئے۔

صفحہ ۳۱۶ - ساتویں سطر میں سرداران قوم کی بجائے سردار قوم ہونا چاہئے۔

## ج ب و (ی)

صفحہ ۳۱۷ -

(اضافہ) جَبَبِي الْمَاءِ فِي الْحَوْضِ، جس کے معنی ہیں حوض میں پانی جمع کیا، سے الجاببۃ کے معنی ہوتے ہیں پانی جمع کر لینے والا حوض۔ اسکی جمع جبواب (الجوابی) ہے۔ قرآن کریم میں ہے و جِبْفَتَانِ كَالْجَبْوَابِ (۳۶/۱۳)۔

(تاج و محیط و راغب)

## ج ح م

صفحہ ۳۱۹ -

دوسری سطر۔ جَحَمَ الْبَعِيرُ کے بجائے الْبَعِيرُ چاہئے۔

## ج د ر

صفحہ ۳۲۲ -

دوسری سطر۔ الْجِدْرُ کے بجائے الْجِدْرُ چاہئے۔

## ج ر ز

صفحہ ۳۲۵ -

آخر میں یہ لکھئے -

اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم جو کچھ زمین پر ہے اسے مٹا کر خاک اور خشک وبسے گیاہ کسرتے رہتے ہیں - (بہار اور خزاں کے دور جاری رہتے ہیں)

## ج ر ف

صفحہ ۳۲۶ -

آخری پیرا - دوسری سطر - بجائے انڈیل دینے کے ” نکال لینے ، چلو سے لے لینے ، نیز کاٹ دینے “ چاہئے -

## ج ر ی

صفحہ ۳۲۷ -

الجَارِيَةُ مؤنث ہے جَارٍ اور الجَّارِيَةُ کا جسکے معنی ہیں چلتے والا ، بہنے والا ، تیزی سے دوڑنے والا - جَارِيَةٌ کی جمع جَارِيَاتٌ اور جَوَارِيٌ آتی ہے - قرآن مجید میں ہے الجَّارِيَاتِ بِسُرَّاءٍ (۱۱۶) - بہنے اور پانی میں تیزی چلی جانے کی وجہ سے کشتی کو بھی جَارِيَةٌ کہہ دیتے ہیں - اسکی جمع جَوَارِيٌ اور جَارِيَاتٌ ہے -

## ج ع ل

صفحہ ۳۳۳ -

جعل کے لغت میں بہت سے معنی ہیں - صاحب محیط نے اسکے معنی بدل دینے کے بتائے ہیں - مثلاً جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَاقِلَهَا (۱۱۶) - یعنی ہم نے اس کے بالائی حصے کو نچلے حصے سے بدل دیا -

اور نام رکھنے کے - مثلاً - جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا (۱۱۳) -

اور اعتقاد رکھنے کے - مثلاً يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ (۱۱۶) - گو یہ سب ” کر دیتے اور بنا دیتے “ کے مفہوم ہی سے ہیں لیکن ان مثالوں سے اس مادہ کا مزید استعمال واضح ہو جاتا ہے -

## ج ل ل

صفحہ ۳۳۷ -

دوسری سطر - معمر یا جلیل القدر میں معمر زائد ہے - اسکی بجائے بڑا عظیم المرتبت - ہونا چاہئے -

راغب نے لکھا ہے کہ جلال میں جلالت سے زیادہ کمال پایا جاتا ہے -

## ج م م

صفحہ ۴۴۱ -

چھٹی سطر میں ”سیرابی“ کاٹ دیجئے۔

## ج ن ح

صفحہ ۴۴۳ -

آخری پیرا، پہلی سطر۔ ”گناہ کے معنوں میں یہ لفظ کئی جگہ آیا ہے۔“  
اس عبارت میں ”یہ لفظ“ کی جگہ ”جنتاح“ لکھئے۔

## ج ن ن

صفحہ ۴۴۴ -

دوسری سطر۔ راغب نے کہا ہے کہ جَنُّ کے معنی کسی چیز کو  
حاسہ (نگاہ) سے پوشیدہ کر دینا ہیں۔

صفحہ ۴۴۴ - آٹھویں سطر۔ جنتین کے معنی کے بعد لکھئے، اسکی جمع  
أَجِنَّةٌ ہے (۴۴۴)۔

## ج ہ م

صفحہ ۴۵۴ -

پہلا پیرا۔ حوالہ (\*) سے مراد فٹ نوٹ میں تاج ہے۔

## ج و ب

صفحہ ۴۵۶ -

پہلی سطر۔ قوسین کے اندر کی عبارت کی بجائے حسب ذیل عبارت لکھئے  
(اس لئے کہ جواب دینے والا جب کسی کی بات کا جواب دیتا ہے تو وہ  
اس کے منہ سے نکل کر سائل کے کانوں تک کا فاصلہ قطع کرتی ہے۔ ویسے  
سوال بھی یہ فاصلہ طے کرتا ہے۔ لیکن یہ لفظ جواب کے لئے خاص ہو  
گیا ہے۔ راغب)

(۲) اضافہ۔ سوال دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک تو کسی بات یا مسئلہ  
کا دریافت کرنا۔ اور دوسرے امداد و اعانت طلب کرنا۔ لہذا اس اعتبار سے  
جواب کی بھی دو قسمیں ہونگی اور ایسبیت و استجابیت، ان دونوں قسموں کے  
جواب کے لئے بولا جائیگا۔ یعنی کسی سوال کا جواب دینا، یا کسی سانگ  
اور مطالبہ کو پورا کر دینا۔

## ج و و

صفحہ ۴۵۹ -

پانچویں سطر کا آخر۔ ”آسمان کو الجوت“ میں، ”آسمان“ کی بجائے  
”بالائی فضا“ لکھئے۔

صفحہ ۳۶۰ - پہلی سطر۔ راغب نے اٰتِیَانٌ اور مَجِیْءٌ کا فرق بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ اٰتِیَانٌ کسی کام کے کرنے کے ارادہ کے لئے بھی بولا جاتا ہے (خواہ وہ کام نہ ہو سکے)۔



لغات القرآن جلد دوم، سوم اور چہارم سے متعلق تمہ کے مندرجات ان جلدوں میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔



## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لغات القرآن کی تدوین ، ترتیب اور طریق استفادہ کے متعلق ”پیش لفظ“ میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔ لیکن چونکہ ”پیش لفظ“ بہت پیچھے رہ گیا ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ اس ضمن میں ضروری نکات آپ کے ذہن میں مستحضر نہ ہوں۔ بنا برہن مناسب سمجھا گیا ہے کہ ان میں سے اہم نکات کو دوبارہ پیش کر دیا جائے۔ مثلاً :

۱۔ قرآن کریم کے جس لفظ کے معانی معلوم کرنے ہوں ، اُس لفظ کو ”فہرست الفاظ قرآنی“ میں دیکھئے جو صفحہ ۷ تا ۱۸۵ پر چھپی ہے۔ فہرست میں اُس لفظ کے سامنے جو ”مادہ“ دیا گیا ہے ، لغات میں وہ لفظ اُس ”مادہ“ کے تحت ملیگا۔

۲۔ عربی زبان میں الفاظ مختلف شکلیں بدلتے رہتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ لغات میں ہر لفظ کی تمام شکلیں دی گئی ہوں۔ اگر کسی لفظ کی کوئی خاص شکل لغات میں نہ ملے تو ، باب اول ”مبادیات“ میں دیکھئے کہ اُس شکل میں پہنچ کر لفظ کے معنی کیا ہو جاتے ہیں۔ اس کے مطابق معنی متعین کر لیجئے۔

۳۔ قرآنی حوالوں کی صورت یہ ہے کہ اوپر سورت کا نمبر ہے اور نیچے آیت کا۔ مثلاً (۳۸/۷) سے مراد ہے سورہ آل عمران (تیسری سورت) کی آیت ۷۔

۴۔ قرآن کریم کے مختلف نسخوں میں آیات کے نمبروں میں تھوڑا بہت فرق ہوتا ہے۔ اگر آپ کے نسخے میں کوئی آیت اُس نمبر کے سامنے نہ ملے جو لغات میں دیا گیا ہے ، تو ایک دو نمبر اوپر یا نیچے دیکھ لیجئے۔ وہاں آیت مل جائیگی۔

۵۔ لغات میں جہاں آیت درج نہیں کی گئی بلکہ اسکا صرف حوالہ دیا گیا ہے ، اُس آیت کو قرآن سے نکل کر دیکھ لیجئے۔ یہ ضروری ہے۔ اس سے بات صاف ہو جائیگی۔

۶۔ لغات میں جن کتابوں کے حوالے دئے گئے ہیں ان کا تعارف ”پیش لفظ“ میں کرایا جا چکا ہے۔ اگر آپ ان میں سے کسی کتاب کو خود دیکھنا چاہیں تو ”پیش لفظ“ سے اس کی تفصیل معلوم کر لیں۔

۷۔ اپنی طرف سے انتہائی کوشش کی گئی ہے کہ لغات میں طباعت کی غلطی نہ رہے۔ لیکن اسکے باوجود غلطیاں رہ جانے کا امکان ہے۔ اگر آپ کو کوئی غلطی نظر آئے تو اُس سے مطلع فرمائیں۔

خدا کرے یہ لغات ، قرآن کریم کو براہ راست سمجھنے میں آپ کی مددو

معاون ثابت ہو۔ اس سے یہی مقصود ہے۔ والسلام۔

## سُئِلَ عَنْ

ع

ا

## ا (حرف)

۱- یہ حرف استفہام بھی ہے اور حرف ندا بھی۔ یعنی کسی بات کے دریافت کرنے کے لئے بھی آتا ہے اور کسی کے پکارنے کے لئے بھی۔ ذیل کی مثالوں سے اس کے استعمال کے مختلف انداز واضح ہو جائیں گے۔

۱- کسی سے کوئی بات دریافت کرنے کے لئے۔ جیسے **اَزَّيْدٍ قَتَانِيْمٌ؟** (کیا زید کھڑا ہے)۔ اسکا جواب ہاں (نَعَمْ) یا نہ (لَا) میں آئیگا۔ یا **اَزَّيْدٍ قَتَانِيْمٌ اَمْ عَمْرٌو؟** (کیا زید کھڑا ہے یا عمرو)۔ قرآن میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے قصہ میں ہے۔ **اَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا (۲۱)؟** کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کچھ تو نے کیا ہے؟ دوسری قسم کی مثال **اَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ السَّمٰوٰتُ (۲۲)؟** کیا تخلیق میں تم زیادہ سخت ہو یا آسمان؟

۲- ایسا استفہام جس کے بعد نفی آئے اور اس نفی سے اقرار میں تاکید اور زور مقصود ہو۔ **اَلَيْسَ اللّٰهُ بِسَاحِكُمْ اَلْحٰكِمِيْنَ (۹۵)؟** کیا اللہ سب جاہلوں سے بڑھ کر حاکم نہیں؟ یعنی وہ سب جاہلوں سے بڑھ کر حاکم ہے۔ یہاں **اَ** استفہام کے بعد **اَلَيْسَ** (نفی) ہے، لیکن اس نفی سے مراد اس بات کا انکار نہیں جو آگے کہی جا رہی ہے بلکہ اس کا اقرار مقصود ہے۔ اور اقرار بھی تاکید اور شدت کے ساتھ۔

۳- ایسا استفہام جس میں توبيخ (ڈانٹنے) کا مفہوم پایا جائے۔ جیسے۔ **اَفَغَيَّرَ دِيْنََ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ (۸۴)؟** کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے علاوہ کوئی اور دین چاہتے ہیں؟ یعنی۔ ہیں! کیا یہ ایسا چاہتے ہیں۔

۴۔ ایسا استفہام جس میں استحقار آمیز تعجب اور طنز کا پہلو ہو۔ مثلاً قوم شعیب کا حضرت شعیب (علیہ السلام) سے کہنا کہ : **أَصَلُّوْا تَكْتَبُ** **تَا مَّرَكَبَ أَنْ نَتَّسِرَ كَتَّ مَاتَعْبُدُ آبَاؤُنَا (۱۸۷)۔** کیا تیری صلوة تجھے یہ حکم دیتی ہے کہ اپنے آباء و اجداد کے معبودوں کو چھوڑ دیں؟ اس میں حقارت، طنز اور تعجب کی تمام کیفیات موجود ہیں۔

۵۔ تعجب کے لئے۔ مثلاً۔ **أَلَمْ تَرَ أَلِی رَبِّكَ كَبُفَّتْ مَدَّ الْيَطْلُقُ (۲۵)۔** کیا تو نے اس پر غور نہیں کیا کہ تیرا رب کس طرح سایہ کو لجا کرتا ہے؟ مزید برآں دیکھئے صفحہ ۱۸۰۵، جلد چہارم، عنوان ا۔

۶۔ کسی بات میں تاخیر ہو جانے پر تنبیہ کرنے کے لئے۔ مثلاً۔ **أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِیْنَ آسَنُوا... (۱۶)۔** کیا ایمان والوں کے لئے ابھی تک وہ وقت نہیں آیا کہ..... یعنی وہ وقت آچکا ہے۔

۷۔ ایسا استفہام جس میں درحقیقت حکم دیا جانا مقصود ہو۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ بتاؤ! تم ایسا کرتے ہو یا نہیں؟ اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ تمہیں ایسا کرنا ہوگا۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو... حضرت ابراہیم (۳) کے والد نے ان سے کہا **أَرَاغِیْبٌ أَنْتَ عَنِ آلِیْهِتِیْ (۱۶)۔** کیا تو میرے معبودوں سے کنارہ کشی کرتا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ ایسا مت کرو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو **لَا رَجْمَ لَکُمْ۔** میں تجھے ذلت آمیز سزا دوںگا۔

۸۔ دو باتوں کو برابر قرار دینا۔ لیکن یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب یہ **سَوَاءٌ** کے بعد آئے۔ مثلاً۔ **سَوَاءٌ عَلَیْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ (۲)۔** تم انہیں (ان کی روش کے تباہ کن نتائج سے) متنبہ کرو یا نہ کرو۔ ان کے لئے یکساں ہے۔

۹۔ ندا (ہکارنے) کے لئے کہتے ہیں **أَزْبِدُ أَقْبِلُ (۱)۔** (اے زبد آگے بڑھو) قرآن کریم میں اس کا استعمال نہیں آیا۔

۱۰۔ اُ ہمیشہ جملہ کے شروع میں آتا ہے۔ حتیٰ کہ واو عطف سے بھی پہلے۔ **أَوْ لَمْ يَنْظُرُوا۔** **أَفَلَمْ يَتَّبِعُوا**۔ بعض اوقات اسے حذف بھی کر دیا جاتا ہے۔ خواہ اس سے پہلے۔ **أَمْ۔** آ رہا ہو یا نہ آ رہا ہو\*۔ جیسے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے قصہ میں ہے کہ جب رات کے وقت ستارہ نمودار ہوا تو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے پوچھا۔



قَالَ هَذَا رَبِّي \* (۱/۲۷)۔ کیا یہ میرا رب ہے؟ یعنی تم کہتے ہو کہ میں

اس کی پرستش کروں؟ یہاں حرف استفہام (أ) محذوف ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ (هَذَا رَبِّي) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول نہیں بلکہ ان کے باپ (أزر) کا قول ہے اور اس کے بعد كَاذِبًا (فَلَمَّا أَفْتَلْ قَالَ لَا أُحِبُّ إِلَّا فِيلِيْمُنَ (۱/۲۷) حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا جواب ہے۔ (یعنی یہ سب باہمی مکالمہ ہے) اس صورت میں قَالَ هَذَا رَبِّي میں (أ) کو محذوف ماننے کی ضرورت نہیں رہتی۔

نوٹ :- جب اس ہمزہ کے بعد کوئی ایسا لفظ آئے جس کے شروع میں بھی ہمزہ

ہو تو یہ دونوں ہمزہ مل کر "آ" بن جاتے ہیں جیسے آ لَانَ (۱/۲۷)

جو در اعل آ لَانَ (کیا اب؟) ہے۔

## ا ب ب

الْأَبُّ - گھاس خواہ خشک ہو یا تر۔ چراگہ۔ یہ لفظ ہر اس گھاس

کے لئے استعمال ہوتا ہے جسے جانور کھاتے ہیں\*۔ قرآن میں ہے۔ فَتَاكِيهَةً\*

وَأَبًا (۱۱۰) مجاہد نے کہا ہے کہ فَوَاكِيهٌ وہ میوے اور پھل ہیں جنہیں

آدسی کھاتے ہیں اور أَبٌ - جانوروں کے کھانے کی چیزیں ہیں۔ اس میں سبز

گھاس۔ چارہ۔ بھوسہ سب شامل ہیں\*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اسکے بنیادی

معنی (۱) چراگہ اور (۲) قصد و ارادہ کے ہیں۔ غالباً اس لئے کہ جانور چراگہ

کی طرف قصد و ارادہ سے جاتا ہے۔

صاحب مفردات نے کہا ہے کہ موشیوں کے لئے أَبٌ کی وہی حیثیت ہے

جو انسانوں کے لئے فَتَاكِيهَةً\* کی ہے۔ فَتَاكِيهَةً\* اس کھانے کی چیز کو

کہتے ہیں جسے لذت کے لئے کھایا جائے۔ اس لئے أَبٌ ان کھانے کی چیزوں

کو کہینگے جنہیں موشی خوشی سے کھائیں۔

## ا ب د

الْأَبْدُ - غیر محدود زمانہ۔ ہمیشہ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے

بنیادی معنی طول مدت اور توحش کے ہوتے ہیں۔ رَاغِبٌ نے لکھا ہے کہ أَبْدٌ\*

سے مراد وہ طویل زمانہ ہے جسکا تجزیہ نہ کیا جاسکے۔ یعنی جسے حصوں میں

تقسیم نہ کیا جاسکے۔ اس کے برعکس زَمَانٌ\* اس مدت کو کہتے ہیں جس کا

تجزیہ کیا جاسکے۔ اس اعتبار سے أَبْدٌ کا تشبیہ با جمع نہیں آتی چاہئے تھی

لیکن اس کے باوجود اس کی جمع آباد\* آتی ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ لفظ (آباد\*) عرب عرباء کے کلام میں کہیں نہیں آیا\*۔

أَلَا وَابِدٌ - وحشی جانوروں کو کہتے ہیں۔ (کیونکہ عربوں کا خیال تھا کہ) وہ اپنی موت نہیں مرتے، ہمیشہ کسی آفت سے مرتے ہیں۔ غیر مانوس قوافی کو بھی آو ابید\* کہتے ہیں اور مصائب کو بھی\*۔ نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء اور همزہ ساتھ آئیں ان میں توحش، نفرت، بُعد اور جدائی کا مفہوم ہوتا ہے۔ آبدٌ أَلْوَحْشُ کے معنی ہیں جنگلی جانور بدک کر بھاگ اُٹھے۔

قرآن میں آبد\* کا لفظ یا تو اس معنی میں آیا ہے جس معنی میں ہم کہتے ہیں کہ وہ کبھی ایسا نہ کریگا۔ مثلاً وَ لَئِنْ يَسْتَمْتِنُوا\* آبدٌ (۱۰۵) وہ کبھی اس کی آرزو نہیں کریں گے۔ اور یا جنت وغیرہ کے لئے خَالِدِينَ فِيهَا آبدٌ (۱۰۵) میں۔ ”وہ اس میں ابدی طور پر رہیں گے“۔ ابدی اور ازلی اصطلاحات قرآنی نہیں۔ (آزل\* کا تو لفظ ہی قرآن میں نہیں آیا) لہذا آبد\* کے معنی زمانہ دراز کے ہونگے۔ چنانہ اہل جہنم کے متعلق جہاں یہ آیا ہے کہ خَالِدِينَ فِيهَا آبدٌ (۱۱۹)۔ وہاں ان کے متعلق لَا يَشِينُ فِيهَا أَحْتَاباً (۱۱۹) بھی آیا ہے جس کے معنی زمانہ دراز کے ہیں (دیکھئے عنوان ح۔ ق۔ ب) اس کی تشریح مَادَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ\* (۱۱۹) سے بھی کر دی گئی ہے۔ یعنی جب تک آسمان اور زمین ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ آبد\* سے مراد غیر مختتم (نہ ختم ہونے والا) زمانہ نہیں۔ مزید دیکھیے صفحہ ۱۸۰ زمان (TIME) کی فلسفیانہ بحث بڑی عمیق اور فنی ہے اس لئے ہم اس میں نہیں الجھنا چاہتے۔ اس مقام پر ہم صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ جن معنوں میں ہم خدا کے لئے ازلی اور ابدی بولتے ہیں وہ مفہوم صرف خدا کیلئے مخصوص ہے۔ کسی اور کے لئے نہیں۔

## ابراہیم (علیہ السلام)

حضرت ابراہیم (علیہ السلام)، ترتیب زمانی کے اعتبار سے حضرت نوح (علیہ السلام)۔ حضرت ہود (علیہ السلام) اور حضرت صالح (علیہ السلام) کے بعد آئے ہیں (ان حضرات کے تذکار جلیلہ کے لئے متعلقہ عنوانات دیکھئے) لیکن ملت ابراہیمی کے مؤسس اور معمار کعبہ کی حیثیت سے قرآن میں آپ کا ذکر بڑی شرح و بسط سے آیا ہے۔ تورات کا بیان ہے کہ حضرت نوح (علیہ

السلام) کی آنھویں پشت میں نحور پیدا ہوئے۔ ان کے بیٹے تارح (آزر) اور آزر کے بیٹے حضرت ابراہیم (علیہ السلام)۔ آزر کا خاندان کلدانیوں کے شہر اور میں آباد تھا۔ اس زمانے میں کلدانیوں (بابل) کا تمدن اپنے اوج کمال پر تھا۔ اس تاریخی قیاس کے مطابق آپ کا زمانہ قریب ۲۲۰۰ ق۔ م قرار دیا جا سکتا ہے۔ آپ کی قوم بت پرستی اور ستارہ پرستی میں مشہور تھی۔ خود آپ کے والد ایک بہت بڑے ہجاری (آدار) تھے۔ آپ نے اپنی دعوت توحید کا آغاز خود اپنے گھر (والد) سے شروع کیا (۲/۷)۔ باپ نے اس کی سخت مخالفت کی (۱۱/۳۶)۔ پھر آپ نے قوم کو مخاطب کیا اور واضح الفاظ میں انہیں بتایا کہ وہ کس ضلالت میں مبتلا ہیں (۲/۱۳) یہ کشمکش اس حد تک بڑھی کہ آپ نے ایک دن ان کے مندر میں جا کر بتوں کو توڑ دیا (۲/۱۸) اس دوران میں خود بادشاہ کے ساتھ بھی آپ مکالمہ ہوا جس میں آپ نے اُسے دلائل و براہین سے لاجواب کر دیا (۲/۵۸)۔

ان بے درہے شکستوں سے قوم کے دل میں آتش انتقام بھڑک اُٹھی اور وہ آپ کی جان کے لاگو ہو گئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام تدابیر کو ناکام کر دیا اور آپ (اپنے بھتیجے حضرت لوطؑ کے ساتھ) اس مقام سے شام کی طرف ہجرت کر گئے (۲۸/۶) اور فلسطین میں اقامت پذیر ہو گئے۔ آپ نے اپنے بیٹے (حضرت اسحاق علیہ السلام) کو فلسطین میں بسایا اور دوسرے بیٹے (حضرت اسماعیل علیہ السلام) کو ساتھ لیکر خدا کے حکم سے وادی غیرذی زرع (حجاز) میں خانہ کعبہ کو تعمیر کیا (۲/۱۲۵) اور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کے سپرد اس کی تولیت کی۔ حضرت اسحاق (علیہ السلام) کی شاخ میں تمام انبیائے بنی اسرائیل مبعوث ہوئے اور شاخ اسماعیل (علیہ السلام) کے گلی۔ مرسید نبی اکرمؐ وجہ شادابی عالم ہوئے۔

یہ تھے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ إِنَّ اِبْرٰهٖمَ كَانَ اُمَّسًا قَنَیْتًا لِلّٰہِ حَنِیْفًا۔ وَلَمْ یَتَّکِبْ مِنۡ الشُّرَکَیْنِ (۱۱/۶) ”بلاشبہ۔ ابراہیم (اپنی شخصیت میں ایک فرد نہیں بلکہ) پوری امت تھا۔ اللہ کے حضور جھکا ہوا۔ اور وہ مشرکین میں سے نہیں تھا، نیز دیکھئے صفحہ ۱۸۰۵ جلد چہارم عنوان ابراہیم۔“

## اب ق

اَبَقِ الْعَجَبْدُ اَبَقَاوْ اَبَاقًا۔ غلام کا (اپنے قرائض کو چھوڑ کر) بھاگ جانا۔ یعنی نہ اس سے کوئی سخت کام لیا جا رہا ہو اور نہ ہی اسے کسی قسم تاج۔ راغب۔ محیط۔

کا خوف ہو۔ اس کے باوجود اس کا چپکے سے بھاگ جانا\*۔ نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں بٹا اور حمزہ ساتھ آئیں ان میں توحش۔ نفرت۔ بُعد اور جدائی کا مفہوم ہوتا ہے۔ اَبْتَقَ میں یہی کیفیت ہے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی غلام کا بھاگ جانا نیز کسی معاملہ میں تشدد برتنا ہیں۔

الْأَبْتَقُ\*۔ اپنے فرائض منصبی سے احتراز کر کے بھاگ جانے والا یا چھپ جانے والا۔ تَابَتِ الْقَشِيۃُ۔ وہ کسی شے کو ناگوار سمجھتے ہوئے اس سے کنارہ کش ہو گیا۔ عَبَّدَ الْاَبْتَقُ\*۔ بھاگ جانے والا غلام\*۔

قرآن نے حضرت یونسؑ کے متعلق اَبْتَقَ کا لفظ استعمال کیا ہے (اِذْ اَبْتَقَ اِلَى الْفُلِّ لِكَيْبِ الْمَشْحُوۡنِ۔ جب وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگا (۳۶/۳) رسول کو خاص مشن دیکر اس کی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا۔ اُسے اس مشن کی تکمیل میں ہزار مشقتیں اٹھانی پڑتیں، وہ کسی حالت میں بھی اپنی جگہ نہیں چھوڑتا تھا۔ لیکن جب مشیت خود دیکھتی کہ اس کا اس جگہ زیادہ عرصہ کیلئے رہنا اس مشن کیلئے مفید نہیں تو اسے اس مقام کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جانے کا حکم مل جاتا۔ اسے ہجرت کہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یونس (علیہ السلام) نے جب دیکھا کہ ان کی قوم سرکشی سے باز نہیں آتی تو انہوں نے خود ہی فیصلہ کر لیا کہ یہ ساحول پیغام خداوندی کے لئے سازگار نہیں رہا۔ اسلئے وہ قوم کو چھوڑ کر چلے گئے۔ چونکہ ان کا یہ فیصلہ مشیت کے پروگرام سے قبل از وقت تھا (اور انہوں نے خدا کے حکم کا انتظار کئے بغیر اپنی جگہ چھوڑ دی تھی) اسلئے ان کے اس عمل کیلئے اَبْتَقَ کہا گیا۔ یعنی اپنے فریضہ منصبی کو چھوڑ کر چلا گیا۔ واضح رہے کہ یہ خدا کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں تھی۔ اپنا اجتہادی فیصلہ تھا۔ لیکن چونکہ یہ فیصلہ مشیت کے پروگرام کی رو سے ذرا قبل از وقت تھا اس لئے خدا نے اسے پسند نہیں کیا۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ ایک رسول کی زندگی کس قدر احکام خداوندی کے تابع ہوتی تھی اور جن معاملات میں فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ ان میں رسول اپنی طرف سے ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ دوسرے معاملات میں البتہ اسے آزادی ہوتی تھی کہ وہ وحی کے دئے ہوئے اصولوں کی روشنی میں اپنا پروگرام آپ مرتب کرتا جائے۔

## ا ب ل

آلِیْلٌ وَّ اَلْاِبِلُ - اونٹ - یہ کثیر تعداد میں اونٹوں کیلئے آتا ہے اور اس کا واحد اس لفظ سے نہیں آتا (۱۳۵)۔ بادل کو بھی اونٹ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں جوہ آفلاً یَنْظُرُونَ اَلِیْلِیْلٍ کَیْفَتِ خَلِیْقَتِ (۹۸) ”کیا یہ لوگ ابل کی طرف نہیں دیکھتے کہ انہیں کس طرح پیدا کیا گیا؟“، اس میں آلِیْلِ کے معنی بادل بھی ہو سکتے ہیں\*۔

اِبِلٌ اَبَاِبِیْلٌ - گلہ در گلہ اونٹ - طِیْرًا اَبَاِبِیْلٌ (۵۱۱) جُھنڈ در جُھنڈ پرندے\*\*۔ اَلَاِبَالِیْلُ - اَلَاِبِیْلُ - اَلَاِبُولُ - اَلَاِبَالُ - پرندوں، گھوڑوں اور اونٹوں کی ٹکڑی جو بے در پے یکے بعد دیگرے آتی ہے\*۔

اِبَلٌ - وہ متوحش ہو گیا۔ جن الفاظ میں با اور حمزہ ساتھ آئیں ان میں توحش، نفرت، بُعد اور جدائی کا مفہوم مضمحل ہوتا ہے\*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی تین ہیں۔ اونٹ - کافی ہو جانا۔ اور بوجہ اور غلبہ -

## ا ب و

اَبَاءٌ - اَبٌ کی جمع ہے۔ اَبٌ اصل میں اَبُوٌ تھا۔ اَلْاَبُ - باپ - وہ شخص جس سے اس کی نوع کا کوئی دوسرا شخص پیدا ہو یا وہ شخص جو کسی شے کی ایجاد، اصلاح یا ظہور کا موجب ہو۔ سربی - وصی - چچا وغیرہ کے لئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ نیز عمر اور مرتبہ کے لحاظ سے ہر بڑے آدمی کو بھی اَبٌ کہہ دیتے ہیں۔ اَبُوٌ تُوٌ اَبُوٌ - میں نے اس کی تربیت کی۔ تَأَبَّاهُ اس کو باپ بنا لیا\*\*\*

قرآن میں اَبَاءٌ کا لفظ ابا و اجداد (اسلاف) کے لئے آیا ہے۔ مَا اَلْفِیْنَا عَلَیْہِ اَبَاءَنَا (۱۲۱) ”جس پر ہم نے اپنے اسلاف کو پایا،“ اور باپ چچا اور دادا کیلئے بھی۔ چنانچہ سورہ بقرہ میں ہے کہ جب حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبودیت اختیار کرو گے، تو انہوں نے کہا کہ نَعْبُدُ اللّٰهَکَ وَاللّٰهَ اَبَانِیْکَ اِبْرٰہِیْمَ وَ اِسْمَاعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ (۱۳۱) ”ہم تیرے الہ - اور تیرے اَبَاءِ ابراہیم - حضرت اسماعیل اور اسحاق کے الہ کی عبودیت اختیار کریں گے“۔ حضرت اسحاقؑ حضرت یعقوبؑ کے والد تھے۔ حضرت اسماعیلؑ ان کے چچا اور حضرت ابراہیمؑ ان

\* تاج - راغب\*\* اس کے قرآنی مفہوم کیلئے دیکھئے عنوان ف ی ل۔  
\*\* العلم الخفای \*\*\* محیط۔

کے دادا تھے۔ ان سب کے لئے آباء کا لفظ آیا ہے۔ سورہ یوسف میں آتوٰیہ آیا ہے جس کے معنی ماں باپ (والدین) ہیں (۱۶۹)۔ باپ کو پکارتے وقت یا آبیسی کی بجائے یأبیت بھی کہتے ہیں\* (مثلاً ۱۲ میں)۔ آلا یا۔ آلاب کی ایک لغت ہے۔ اس کے معنی ہیں باپ۔

## ابی

آبِی الشَّیْءِ یَأْبَاهُ\*۔ کسی چیز کو ناپسند کرنا۔ کسی چیز سے رکتا۔ باز رہنا۔ شدت سے انکار کرنا۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہی اس کے بنیادی معنی ہیں۔ آخِذْهُ\* آباء\* مِّنَ التَّطْعَامِ۔ اسے کھانے سے کراہت ہو گئی۔ رَجُلٌ\* أَبَّانٌ\*۔ وہ شخص جو کھانا کھانے سے باز رہے۔ آلا بآء\*۔

کڑاہت۔ نفرت۔ امتناع۔ تکبر۔ نخوت کو کہتے ہیں۔ یعنی کسی بات کو اپنے شایانِ شان نہ سمجھتے ہوئے اسے پائے استحقاق سے ٹھکرا دینا اور پھر اپنی اس روش پر بضد قائم رہنا۔ آلابی شیر کو کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنی مرضی کرتا ہے اور کسی کے کہنے پر نہیں چلتا\*\*۔ نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء اور ہمزه ساتھ آئیں ان میں توحش۔ نفرت۔ بئعد اور جدائی کا مفہوم مضمحل ہوتا ہے۔ آبی میں یہی کیفیت ہے۔ قرآن میں سجدہ (اطاعت) کے مقابلہ میں آبی وَاَسْتَكْبَرُوا (۲۳۲) آیا ہے۔ یعنی ابلیس حکم خداوندی کی اطاعت سے رکا اور اس نے اس سے سرکشی برتی۔ دوسرے مقام پر ہے وَلَا یَأْبَابُ الشُّهَدَاءُ اِذْ اَمَّا دُعُوْا (۲۸۲)۔ ”جب گواہ بلائے جائیں تو وہ گواہی دینے سے انکار نہ کریں۔ رکیں نہیں“ قرآن میں اس کا استعمال ایک اور انداز سے بھی ہوا ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں ہے کہ ہم نے قرآنی حقائق کو مختلف انداز سے پیش کیا ہے لیکن قَبَلِیْ اَکْثَرُ النَّاسِ اِلَّا کُفُّوْا (۸۹ نیز ۹۰) ”اکثر لوگ ایسے ہیں جو کفر و انکار کے سوا ہر چیز سے ابا کرتے ہیں۔ یعنی وہ اس پر غور و فکر کرنے اور اس طرح اس سے راہ نمائی حاصل کرنے سے رکتے رہتے ہیں اور اس کے حقائق سے انکار کئے چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح سورہ توبہ میں ہے وَیَأْبِیْ اِلٰہِ الْاِنِّیٰنِ یَتِّمُّ نُوْرَہُ (۲۲) ”اللہ کسی بات کو قبول نہیں کرتا بجز اس کے کہ وہ اپنے نور کو مکمل کر کے رہے“۔ ان مثالوں سے واضح ہے کہ آلا کے ساتھ اس لفظ کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس کے سوا اور کچھ مقصود و مطلوب نہیں۔ سورہ کہف میں حضرت

موسیٰ اور ان کے رفیق سفر کے قصہ میں ہے فَابَوَّأَنَّ يُضَيِّبُونَهُمَا  
(۱۸) ”بستی والوں نے (انہیں حقیر سمجھتے ہوئے) ان کی مہمانداری  
کرنے سے انکار کر دیا،۔“

## ا ت ی

آتلی - یا تلی - کے معنی ہیں آنا\* - راغب کے نزدیک ائتیان\* -  
سہولت کے ساتھ آنے کو کہتے ہیں\* - صاحب محیط نے آتی ا لتمام کی  
مثال دی ہے جس کے معنی ہیں پانی کا راستہ آسان کر دیا\* - ما تیتا - ضرور  
آنے والا (گویا اچکا ہے) (۱۱) - ما تیتا اصل میں مفعول کا صیغہ ہے جس  
کے معنی اس چیز کے ہیں جس کے پاس آیا جاتا ہے یا وہ چیز جو آئی ہوئی ہو -  
اس اعتبار سے اس کا صحیح مفہوم یہ ہوگا کہ خدا نے جو قانون مقرر کر  
دیا ہے ہر شے اس تک پہنچ کر رہتی ہے -

آتلی لآئید الشمسی\* کے معنی ہیں اس کی طرف کوئی چیز بھیج دی -  
آتلی فلاناً ناشیاً\* اس نے اسے وہ چیز دیدی\* - زمخشری نے کشاف میں لکھا ہے  
کہ ایتاء\* - اعطاء\* کے معنوں میں بکثرت آتا ہے مگر ایتاء\* کے معنی  
در حقیقت حاضر کرنے کے ہیں - راغب نے اسی لئے کہا ہے کہ قرآن میں  
صدقات وغیرہ کے لئے ایتاء\* ہی کا لفظ آیا ہے - اعطاء\* کا لفظ نہیں آیا -  
اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ صدقات سہولت سے دیے جا سکیں اور اس کی  
ضرورت نہ پڑے کہ اس کی تفتیش کی جائے کہ فلاں آدمی نے کیا دیا ہے\* -  
(اس کی وضاحت کے لئے دیکھئے صدقات\* - عنوان ص - د - ق) - صاحب  
تاج العروس نے مختلف اقوال سے بتایا ہے کہ اعطاء\* اور ایتاء\* میں فرق  
یہ ہے کہ اعطاء\* میں دینے والے کی پوزیشن اس سے ذرا بلند ہوتی ہے جسے  
دیا جائے لیکن ایتاء\* میں یہ بات نہیں ہوتی - بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے  
کہ جسے دیا جائے اس کی پوزیشن دینے والے سے ذرا بلند ہی ہو - یا کم  
از کم برابر ہو\* (لیکن اسے ہم قاعدہ کلیہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ قرآن میں  
بعض جگہ ایتاء\* اور اعطاء\* کے الفاظ مرادف معنوں میں بھی استعمال ہوئے  
ہیں - مثلاً سورۃ توبہ میں ہے فَانِ اعْطُوا مِنْهَا رِضْوَانًا .....  
وَلَوْ اَنْتَهُمْ رِضْوَانًا مَا اتَّخَذَهُمُ اللهُ وَرِضْوَانًا ..... (۵۸:۵۶) - ”سو  
اگر انہیں ان (صدقات) میں سے دیا جائے تو راضی ہو جائے ہیں - .....  
اور (کیا اچھا ہوتا) اگر وہ اس پر راضی ہو جائے جو کچھ اللہ اور اس کے  
رسول نے انہیں دیا تھا،۔“

قرآن میں مالِ فتنے کی تقسیم کے ضمن میں ہے کہ "وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا" (۵۹)۔ جو کچھ تمہیں رسول دے آئے لے لو اور جس کے لینے سے روک دے اس سے رک جاؤ۔ اس کی تشریح (۵۹) میں ہے جہاں فرمایا۔ "وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سالِ فتنے اور سالِ غنیمت کے متعلق اصول یہ نہیں کہ جس نے جو لوٹ لیا وہ اس کی ملکیت ہو گیا۔ یہ سارا مال نظام خداوندی کی ملکیت ہوتا ہے اور اس کی تقسیم مرکز نظام کی طرف سے ہوتی ہے۔

سورۃ ال عمران میں یہ لفظ نزع کے مقابلے میں آیا ہے جس کے معنی لے لینے کے ہیں۔ "تَوَّ تَوَّ تَبِي الْمَمْلُوكِ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِغُ الْمَمْلُوكِ مِمَّنْ تَشَاءُ" (۳۵)۔ "تو جسے چاہتا ہے ملک دے دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک لے لیتا ہے" (اس کی تفصیل "مشیت" کے ماتحت عنوان ش۔ ی۔ ا میں دیکھئے)۔ "آنسی الترجمل"۔ اس نے کوئی کام کیا۔ عمل کیا۔ قرآن میں ہے "لَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَى" (۱۶۹)۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ساحر خواہ کچھ ہی کیوں نہ کرے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ یا مثلاً سورۃ الشعراء میں ہے "آتَا تَوَّانَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ" (۱۶۹)۔ "تم دنیا جہاں سے الگ مردوں کے ساتھ بد فعلی کرتے ہو"۔

صاحب تاج العروس نے یہ بھی لکھا ہے کہ اِئْتَاءٌ اور اِعْطَاءٌ میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ اِئْتَاءٌ کے معنی یہ ہیں کہ جسے کچھ دیا جائے وہ اس تک پہنچ جائے اور وہ اسے قبول بھی کرے۔ برعکس اس کے اِعْطَاءٌ کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ کسی کو دیا جائے ضروری نہیں کہ وہ اس تک پہنچ بھی جائے یا وہ اسے حاصل بھی کرے۔ اس اعتبار سے قرآن میں جو کہا گیا ہے کہ "كَلَّا زُمِرْدُهُ هَلْؤُ لَاعِرٍ وَهَلْؤُ لَاعِرٍ مِّنْ عَطَاءِ رَبِّكَ"۔ "وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا" (۱۶۹)۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی طرف سے جو کچھ عطا ہوا ہے وہ عام ہے۔ لیکن خدا اسے ہر ایک تک براہ راست نہیں پہنچاتا۔ اسے حاصل کر لینے کے لئے خود جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ نیز یہ کہ کسی کو اس کا حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان بخشائشوں کو عام انسانوں تک نہ پہنچنے دے اور راستے میں روک کر کھڑا ہو جائے۔

تاج العروس نے یہ بھی لکھا ہے کہ اِئْتِيَانٌ کے معنی ہلاک کر دینے کے بھی ہیں۔ مثلاً قرآن میں ہے "فَأْتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا"



(۵۹)۔ ”اللہ نے انہیں ایسے انداز سے ہلاک کر دیا جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا“۔

## ا ث ث

آءِ لَآ ثَاتٌ۔ ہر چیز کا بڑا حصہ۔ مال کثیر۔ گھر کا سامان۔ ہر قسم کا مال مثلاً۔ اونٹ۔ بکریاں۔ غلام وغیرہ۔ آثَاةٌ اس کا واحد ہے۔ آثَاةٌ گھر کے نئے سامان کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ لفظ ہر اس سامان کیلئے استعمال ہوتا ہے جو گھر کی ضروریات کیلئے بنایا جائے۔ نہ کہ تجارت کی غرض سے۔ ابن درید نے لکھا ہے کہ آثَاةٌ البیت سے مراد ہوتی ہے آءِ لَمْتَاعٌ الْجَدِيدُ۔ گراں قدر سامان۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بشتیادی معنی اجتماع اور نرمی کے ہوتے ہیں اور آءِ النَّبَاتِ آثَاةٌ کے معنی ہوتے ہیں، پودے بہت کثیر ہو گئے۔

قرآن میں آثَاةٌ مَتَاعًا آیا ہے (۸۷)۔ یعنی ساز و سامان۔

## ا ث ر

آءِ لَآ قَرٌ۔ کسی کھنڈر وغیرہ کا باقی رہ جانے والا حصہ۔ آءِ لَآ ثَرٌ۔ زخم کا نشان جو اس کے اچھا ہو جانے کے بعد باقی رہ جاتا ہے۔ آءِ لَآ ثِیرَةٌ۔ وہ جانور جس کے چلنے سے زمین پر بڑا سا نشان بن جائے۔ آءِ لَثْوٌ ثَوْرٌ وَآءِ لْمِیْشَرٌ۔ سوہے کا ایک آلہ جس سے اونٹ کے تلوے میں خاص نشان بنا دیتے ہیں کہ اگر وہ کہیں گم ہو جائے تو اس نشان قدم سے اسے تلاش کر لیا جائے۔\*\*\*

صاحب محیط نے لکھا ہے کہ آءِ ثَرٌ کے چار معنی ہوتے ہیں۔ (۱) نتیجہ جو کسی چیز سے حاصل ہو۔ (۲) علامت۔ (۳) خبر۔ (۴) حکم جو کسی چیز پر مرتب ہو۔\*

قرآن میں ہے فَانظُرْ إِلَىٰ آثَارِ رَحْمَتِ اللَّهِ (۳۰)۔ یہاں آثار کے معنی نشانیاں یا علامات ہیں۔ سورہ فتح میں آءِ ثَرِ السُّجُودِ (۲۹) آیا ہے۔ یعنی اطاعتِ خداوندی سے جو قلبی سکون اور اطمینان نصیب ہوتا ہے اس کے آثار ان کے چہروں سے نمایاں ہیں۔ سورہ مؤمن میں ہے أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ (۲۱)۔ دوسری جگہ سورہ یٰسین میں قَدَمًا سَوًّا کے مقابلہ میں آءِ ثَارَهُمْ آیا ہے (۲۲) یعنی جو وہ آگے بھیجتے ہیں اور جو پیچھے چھوڑتے ہیں۔ سورہ کہف میں ہے عَلٰی آثَارِهِمْ (۱۸)۔ ان کے

\* تاج و محیط۔ \*\* کتاب الاشتقاق۔ \*\*\* تاج \* محیط۔

پیچھے۔ اسی سورۃ میں آگے چل کر ہے۔ فاراً تَدَا عَلٰی اَثَارِ هِمَا  
 قَتَصَا (۱۸)۔ اپنے نقوش قدم پر پیچھے کی طرف لوئے۔ سورۃ حدید میں ہے۔  
 ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰی اَثَارِ هِمٍ بِرُسُلِنَا (۲۴)۔ پھر ہم نے ان کے نقوش قدم  
 پر ان کے پیچھے اور رسول بھیجے۔ اس سے اس کے معنی مسلک و مشرب کے  
 آتے ہیں (یعنی کسی کے پیچھے پیچھے چلنے کے) ابن فارس نے کہا ہے کہ  
 "اَثْرٌ" کے معنی پیچھے چلنے اور پیروی کرنے کے ہوتے ہیں۔ اس میں "اَثْرٌ" اور  
 "اَثْرٌ" دونوں آتے ہیں۔ سورۃ طہ میں سامری کا قول ہے کہ فَتَبَضَّتْ قَبَضَةً  
 مِنْ اَثْرِ الرَّسُولِ (۲۶) میں نے رسول (حضرت موسیٰؑ) کے مسلک و  
 مشرب سے تھوڑا سا حاصل کیا تھا۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ کا قول ہے۔  
 عَمُّ اَوْلَاعِ عَلِيٍّ اَثْرِي (۲۸)۔ وہ میرے نقوش قدم (مسلک) پر ہیں۔  
 سورۃ احقاف میں ہے اَثَارَةٌ مِنْ عِلْمٍ (۱)۔ اس کے معنی علمی دلیل  
 کے ہیں۔ (یعنی جو کچھ علم میں سے باقی رہ جائے)

اَثْرٌ۔ نشان زدہ کر کے اپنے لئے مخصوص کر لینا یا کسی دوسرے کے  
 لئے مختص کر دینا۔ اسی سے "اِثْتَارٌ" ہے جس کے معنی ہیں کسی کو اپنے اوپر  
 ترجیح یا فوقیت دینا۔ ابن فارس نے بھی ان معانی کی تائید کی ہے۔ پہلے معنوں میں  
 سورۃ اعلیٰ میں ہے بَلْ تُوْثِرُوْنَ وَالْحَيٰوَةُ الدُّنْيَا (۸۴)۔ یہ قریبی  
 مفاد۔ صرف طبعی زندگی کے انفرادی مفاد۔ کو اپنے لئے ترجیح دیتے ہیں۔ نیز (۶۸)۔  
 اور دوسرے معنوں میں سورۃ حشر میں ہے يُوْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ  
 (۵۹)۔ وہ دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں۔ سورۃ يوسف میں ہے  
 لَمَقَدْ اَنْتَرَكْتُ اللّٰهَ عَلَيْنَا (۹۱)۔ خدا نے تمہیں ہم پر فضیلت دی ہے۔  
 سورۃ طہ میں ہے لَنْ نُّوْثِرَكَ عَلٰی مَا جَاءَنَا (۲۲)۔ جو ہمارے  
 پاس آچکا ہے تجھے ہم اس پر ترجیح نہیں دینگے۔

حَدِيثٌ مَّا ثُوْرٌ۔ ایسی بات جس کی لوگ ایک دوسرے کو خبر  
 دیتے چلے آ رہے ہوں \* ابن فارس نے لکھا ہے کہ اَلْمَثْرُوْرَةُ اس  
 کنویں کو کہتے ہیں جو پہلے بنا ہوا ہو پھر زمین کے نیچے دب گیا ہو لیکن  
 جب کوئی وہاں پہنچے تو ڈول اور رسی کے نشانات پائے۔

## ا ث ل

اَلَا تَلُّ - جھاؤ کا درخت۔ \* وہ درخت جسکی جڑ خوب مضبوط ہو  
 ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کی اصل اور اس کے

مجتمع ہونے کے ہیں۔ یعنی پختہ بنیاد ہونا۔ قرآن میں آئٹل (۳۴) جھاؤ کے معنوں میں آیا ہے۔

## ا ث م

آ"لائمۃ"۔ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو تکان کی وجہ سے مضمحل ہو چکی ہو اور اسلئے بہت آہستہ آہستہ چلے۔ اَلْمَوَائِمُ۔ وہ اونٹ جو اضمحلال کی وجہ سے چلنے سے جواب دے جائے۔\* لہذا لائم کے بنیادی معنوں میں اضمحلال۔ افسردگی۔ توانائی کا کم ہو جانا۔ سست روی اور شکستگی کا پہلو ہوتا ہے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی دیر ہونا اور پیچھے رہ جانا ہیں۔ قرآن میں جرم کیلئے لائم اور عُدْوَانُ کے الفاظ آئے ہیں۔ ان کے صحیح مفہوم کیلئے (ع۔دو) کا عنوان دیکھئے جہاں عُدْوَانُ کے مقابلہ میں لائم کے مفہوم کی وضاحت کی گئی ہے۔ مقصد اس سے وہ تمام اعمال ہیں جن سے انسانی ذات میں ضعف و اضمحلال پیدا ہو جائے۔ جن سے اسکی قوت عمل میں کمزوری واقع ہو جائے۔ جن سے وہ سفر حیات طے کرنے میں سست گم ہو جائے۔ جن سے وہ دوسروں کے مقابلہ میں پیچھے رہ جائے۔ اس کے لئے قرآن نے خُمُرٌ اور مَسِيرٌ کی مثال دی ہے جہاں کہا ہے کہ ان میں فائدہ تو ضرور ہے لیکن ان سے انسان کے قوائے عملیہ میں جو اضمحلال پیدا ہوتا ہے اسکے نقصانات اس فائدہ کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہیں۔ وَ اَلْمُهْمَا اَكْتَبَرُ مِّنْ نَّفْعِ عِيْمَا (۲۱۹)۔ خُمُرٌ (نشہ آور اشیاء) کے ان اثرات سے کون نا واقف ہے جن سے انسان کی قوتیں آہستہ آہستہ مضمحل ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے "جنت کی شراب" کے متعلق کہا ہے کہ اس میں تَاۓمٌ نہیں ہوگی (لَا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَأْتِيْمٌ ۝۲۱۹)۔ یعنی اس سے قویٰ مضمحل نہیں ہونگے بلکہ ان کی کمی پوری ہو جائیگی۔ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّ لَا تَأْتِيْمًا۔ اَلَا قِيْلًا سَلَامًا سَلَامًا (۲۲۰) باقی رہا مَسِيرٌ۔ سو یہ لفظ مَسِيرٌ سے ہے (دیکھئے عنوان ی۔س۔ر) یسر کے معنی ہیں آسانی (بائیں ہاتھ کا کھیل) لہذا مَسِيرٌ ہر اس آمدنی اور دولت کو کہیں گے جو بغیر محنت کئے حاصل ہو جائے۔ اس قسم کی دولت سے جس طرح انسان کے قوائے عملیہ میں اضمحلال پیدا ہوتا ہے اور انسان محنت کر کے کمائے کے قابل نہیں رہتا وہ بھی کسی سے مخفی نہیں۔ اس لئے سود خوار کو بھی آئِمٌ کہا گیا ہے۔ (۲۲۶)۔

(ع۔دو) کے عنوان میں عُدْوَانُ کے معنی یہ بھی بتائے گئے ہیں کہ ان سے مراد ایسے جرائم ہیں جن کے اثرات متعدی ہوں۔ یعنی ان سے معاشرہ کے دوسرے افراد بھی اثر پذیر ہوتے ہوں۔ اس بنا پر لائم کے معنی ہونگے ایسے جرائم جن کا اثر انسان کی اپنی ذات تک ہی محدود رہتا ہو۔ مثلاً ایک

شخص افیون کھا کر چپکے سے لیٹے رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اسکے اس عمل کا اثر اسکی اپنی ذات تک محدود ہے۔ لیکن قرآن کی رو سے یہ بھی جرم ہے۔ اسلئے کہ اسکے نزدیک زندگی کا مقصود انسانی ذلت کا نشوونما ہے لہذا ہر وہ کام جس سے انسانی ذات میں ضعف و اضمحلال پیدا ہو جرم ہوگا خواہ وہ انسان کے اپنے ہاتھوں سے ہی پیدا کیوں نہ ہو۔ قرآن کی رو سے انسان کا خود اپنے آپکو نقصان پہنچانا بھی جرم ہے۔ خود کشی بھی قتل نفس میں شامل ہے اور اسلئے اِثْمٌ\* میں داخل۔ اور زنا کے وجہ اِثْمٌ ہونے کے لئے تو کسی ثبوت اور شہادت کی بھی ضرورت نہیں۔ اسلئے قتل نفس اور زنا کے لئے کہا گیا ہے کہ مَنْ يَفْعَلْ ذَالِكْ يَلْقَ أَثَامًا۔ (۳۸)۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو بغیر محنت کے مفت میں دولت حاصل ہو جائے (خواہ وہ کسی طریق سے ملے) اور وہ کسی کو نقصان بھی نہ پہنچائے۔ تو وہ بھی اِثْمٌ\* ہے۔ اسلئے کہ محنت نہ کرنے سے اسکے قوائے عملیہ مضمحل ہو جائیں گے اور یہ چیز قرآن کی رو سے جرم ہے۔

یہ ہیں اِثْمٌ\* کے بنیادی معنی۔ اسکے بعد یہ لفظ عمومی حیثیت سے عام جرائم (گناہوں) کے لئے بھی استعمال ہونے لگا۔ قرآن کے متعدد مقامات میں یہ لفظ ان معنی میں آیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے بالخصوص ایسے افعال مراد ہوتے ہیں جو اپنے نتائج مرتب کرنے میں دیر لگائیں\* (یہ چیز بھی اسکے بنیادی معنوں میں داخل ہے۔ یعنی سست روی۔ نتائج پیدا کرنے میں تاخیر۔ آہستہ آہستہ نتائج مرتب کرنے والے۔ جیسے خمر یعنی نشہ آور چیزوں کا استعمال)۔ راغب کے نزدیک اِثْمٌ\* اور ذَنْبٌ\* میں فرق یہ ہے کہ ذَنْبٌ\* اِعْمَاداً اور سہواً دونوں طریق پر ہو سکتا ہے لیکن اِثْمٌ\* صرف ارادۃً ہوتا ہے۔ لیکن اس لفظ کے مفہوم میں بَطْؤٌ\* (دیر لگانے) کے معنی ضرور شامل ہوتے ہیں\*\*

اِثْمٌ\* کیلئے (ب۔ر۔ر) کا عنوان بھی دیکھئے کیونکہ قرآن میں یہ لفظ بِرٍّ کے مقابلہ میں بھی آیا ہے جہاں کہا گیا ہے کہ تَعَاوَنُوا نَوْا هَلْسَى الْبِرِّ وَالْتَقَوُوا وَلَا تَعَاوَنُوا عَلْسَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (۴) بر اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور اِثْمٌ\* و عدوان میں تعاون مت کرو۔

## ا ج ج

اَلَا جِقَةٌ۔ اَلَا جِيْجٌ\*۔ آگ کا بھڑکنا۔ مشتعل ہونا۔ آگ کی آواز کو بھی کہتے ہیں۔ آج۔ یُوْج۔ اَجْشَا۔ وہ تیز چلا۔ سَمِعْتُ اَجْتَهَمُ\*۔ میں نے اذکے چلنے کی آواز یا مخلوط سا شور سنا۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی\* تاج۔\*\* راغب۔

معنی آہٹ اور شدت کے ہیں۔ "أَلَا جَعَدُ" - اختلاط و اضطراب - گرمی کی شدت - ماءٌ أجاجٌ - سخت کڑوا پانی "وَهَذَا مِلْحٌ أجاجٌ" اور یہ سخت کھاری پانی ہے - (۱۲ و ۲۵) - أجاجٌ فلانٌ - اس نے دشمن پر حملہ کیا \* نیز دیکھئے صفحہ ۱۸۴

قرآن میں بتا جوجٌ - ماءٌ جوجٌ کے الفاظ دو مقام پر آئے ہیں - (۱۹) اور (۲۱) میں - اول الذکر ذوالقرنین کے قصہ کے ضمن میں ہے جہاں ایک قوم نے اس سے فریاد کی کہ بتا جوجٌ و ماءٌ جوجٌ آ کر تباہ کاریاں مچا دیتے ہیں اسٹھے آپ ہمارے لئے ایک ایسی دیوار بنا دیں جو انکے حملوں کے لئے روک ثابت ہو۔ چنانچہ ذوالقرنین نے وہ دیوار تعمیر کر دی جسکا ذکر سورۃ کہف میں (۱۹) آتا ہے - دوسرا حوالہ سورۃ انبیاء کا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ وَحَرَّامٌ عَلٰی نَبِيِّكَ اَنْ يَّكْتُمَ مَا اَنْذَرْتَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ - حَتّٰى اِذَا فُتِحَتْ يَمَّا جُوجٌ وَّ مَاءٌ جُوجٌ وَهُمْ مِنْكُمْ كَمَنْ كُنَّ حُدُبٌ يَنْسِلُوْنَ (۱۹۶-۱۹۷)۔

یاجوج و ساجوج کا نام تورات میں ملتا ہے - چنانچہ حزقیل نبی کی پیشگوئی میں ہے (واضح رہے کہ حزقیل نبی کو بخت نصر بیت المقدس کی تباہی کے بعد گرفتار کر کے بابل لے گیا تھا جہاں وہ ایران کے بادشاہ سائرس - جسے قرآن میں ذوالقرنین کہا گیا ہے - کے زمانہ تک زندہ تھے) "اور خداوند کا کلام سچہ تک پہنچا - اس نے کہا اے آدم زاد تو جوج کی طرف منہ کر کے اسکے خلاف نبوت کر - جوج کی طرف جو ساجوج کی سرزمین کا ہے اور اس - مسک - اور توبال - کا سردار ہے" - اسکے بعد یہ الفاظ عہد نامہ جدید (یوحنا کے مکاشفات) میں ملتے ہیں جہاں لکھا ہے "جب ہزار سال پورے ہو چکینگے تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائیگا اور وہ ان قوموں کو جو زمین کے چاروں طرف ہونگی یعنی یاجوج و ساجوج کو گمراہ کرنے اور لڑائے کیلئے جمع کر کے نکلیگا - انکا شمار سمندر کی ریت کے برابر ہوگا اور وہ تمام زمین کی وسعتوں پر چڑھ جائیگی" - یاجوج و ساجوج یورپ کی زبانوں میں گگ (Gog) میگگ (Magag) کے نام سے متعارف ہیں - کہا جاتا ہے کہ یہ یونانی زبان کے نام ہیں اور وہیں سے یورپ کی دیگر زبانوں میں آئے - یاجوج و ما جوج کونسی قومیں تھیں، اس کے متعلق محققین کی آرا، مختلف ہیں - لیکن اکثریت کا رخ جس سمت کو گیا ہے وہ یہی ہے کہ یہ منگولیا کے علاقہ کے وحشی اور صحرا نورد قبائل تھے جن کا کام لوٹ مار تھا - یہ آندھی کے طوفان کی طرح اٹھتے اور اس سیلاب بلا کے سامنے جو کچھ آتا اسے خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جاتے - چنگیز خان

اور ہلا کو خاں کے بلاخیز جھکڑوں سے کون واقف نہیں۔ منگولیا کا قدیم نام ”موگ“ تھا جو یونان میں میگاگ اور عبرانی میں ماجوج ہو گیا۔ اس علاقہ میں دوسرا قبیلہ ”یواچی“ کے نام سے مشہور تھا جس نے عبرانی میں یا جوج کی شکل اختیار کر لی۔ انہی کے حملوں سے بچتے کیلئے قومیں اپنے ملکوں کے گرد دیواریں تعمیر کیا کرتی تھیں۔ یہی وہ سطح مرتفع تھی جہاں سے یہ وحشی قبائل پھرے ہوئے دریاؤں کی پرشور طغیانیوں اور تلاطم انگیزیوں کی طرح ملحقہ اقوام کو تباہ و برباد کر دیتے (مِنْ كَلْبٍ حَدَابٍ يَتَسِيلُونَ)۔ اگر ان الفاظ کو آج سے مشتق مانا جائے تو انکی خصوصیات میں آگ کی شعلہ انگیزیاں، طوفانی دریاؤں کی تلاطم خیزیاں اور تند و تیز ہواؤں کی تباہ کاریاں سب آجاتی ہیں۔ اشتقاق کی رو سے دیکھا جائے تو ذہن اس طرف منتقل ہو جاتا ہے کہ سورۃ انبیاء میں اگرچہ نام یا جوج و ماجوج ہی کا لیا گیا ہے لیکن اس سے مفہوم ”یا جوجیت و ماجوجیت“ ہے خواہ وہ کسی قوم میں پائی جائے۔ قرآن نے کہا یہ ہے کہ جو اقوام فخر مذلت میں گر جائیں گی ان کے دوبارہ ابھرنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔ بجز ایک صورت کے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب دنیا کی ایسی قومیں جن میں اپنے ملک سے نکل کر دوسرے ممالک پر چھا جانے کی صلاحیت ہوگی ان ہمساندہ اقوام کے ملکوں میں پہنچیں گی تا کہ وہاں اپنی استعماریت قائم کریں تو ان کے اس تصادم سے ان کمزور قوموں کی قوتیں بیدار ہو جائیں گی اور انہیں دوبارہ زندگی حاصل ہو جائیگی۔ ہمارا دور اس پر شاہد ہے کہ یورپ کی اقوام کس طرح کمزور اقوام (بالخصوص ممالک کے ممالک) میں پہنچیں تا کہ ان کا خون پیا جائے۔ لیکن آہستہ آہستہ یہ کمزور اقوام انہی سے سبق سیکھ کر ان کے مقابلہ میں اٹھ کھڑی ہوئیں اور اس طرح دوبارہ زندگی سے متمتع ہو گئیں۔ اس حقیقت کو اقبال نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ۔

نیز دیکھئے صفحہ ۱۸۰۶ جلد چہارم عنوان  
و ج ج

مسلمان کو مسلمان کر دیا طوفان مغرب نے

تلاطمہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی

اسی طرح ان ”یا جوج و ماجوج“ اقوام کی تلاطم انگیزیاں ان مردہ اقوام کیلئے حیات نو کا باعث بن گئیں اور یہ حقیقت سامنے آگئی کہ ”وَحَرَامٌ عَلٰی قَوْمٍ يَّتَّبِعُونَ آهْلَكْتُمْ اَنْتُمْ لَا يَتْرُقُ جِعُونَ حَتّٰى اِذَا فُتِحَتْ يَأْتِ جُوجٌ وَمَا جُوجٌ وَهُمْ مِنْ كَلْبٍ حَدَابٍ يَّتَسِيلُونَ“ (۹۶:۹۵) لیکن اگر ہم یا جوج و ماجوج کو ان کے علاقہ کے ساتھ مخصوص سمجھیں تو اس سے یہ بھی اشارہ نکل سکتا ہے کہ روس کا موجودہ سیلاب

جس کی رو سے وہ ساری دنیا پر چھوٹا چاہتا ہے مسلمانوں کے ممالک کی بیداری کا باعث بن سکتا ہے۔ لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہوگا جب مسلمانوں کے ممالک قرآن کا معاشی نظام اپنے ہاں رائج کر لیں۔

نوٹ :- سورة انبیاء کی مندرجہ بالا آیات (۹۶:۹۷) میں حتیٰ کا ترجمہ ”یہاں تک“ کیا گیا ہے۔ لیکن بعض اوقات یہ حرف بعض ابتدائی کلام کے لئے بھی آتا ہے اور اس کے کچھ معنی نہیں ہوتے۔ دیکھئے - حرف حتیٰ -

## ا ج ر

”لَا جُرْمَ“ - کام کا بدلا - ”الْأَجْرُ“ - جو کچھ کام کا معاوضہ دیا جائے۔ کرایہ \* - ”اسْتَجَارَ“ - کسی کو اجرت پر ملازم رکھنا - جیسے سورة قصص میں ہے۔ ”بِتَّ اسْتَجِيرُهُ“ (۲۹) ”اے میرے باپ - اسے اجرت پر ملازم رکھ لے“ -

”آجْرٌ“ - کنایہً اس تعفی کو بھی کہتے ہیں جو بیوی کو شادی کے وقت دیا جاتا ہے (جسے عرف عام میں مہر کہتے ہیں) قرآن میں ہے ”اتَّيْتُكُمْ أَجُورًا“ (۲۳) - یہ مفہوم لینے والے سے دیا ہے (دیکھیں ص ۸۰ جلد چہارم) قرآن کریم نے اس قانونِ معکم کو بیان کیا ہے کہ انسان کو جو کچھ ملتا ہے (اس دنیا میں یا اس کے بعد کی زندگی میں) وہ اس کے اعمال (کاموں) کا بدلہ ہوتا ہے۔ جو کام نہیں کرتا اسے معاوضہ بھی کچھ نہیں ملتا۔ یہ جہاں سعی و عمل ہے جس میں مفت خوروں کا کوئی مقام نہیں۔ جس معاشرہ میں کسی شخص کو بغیر کام کئے کچھ مل جاتا ہے (بجز اس کے کہ وہ کام کرنے کے قابل ہی نہ رہا ہو) وہ معاشرہ خدائی قوانین کے مطابق متشکل نہیں ہوتا۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی اجرت (مزدوری) اور ٹوٹی ہوئی ہڈی کے جوڑنے کے ہیں۔ مزدور کی اجرت کو بھی اس لئے ”آجْرٌ“ کہتے ہیں کہ اس سے اس کی مشقت کے زخم مندمل ہو جاتے ہیں۔ اس کی چٹخ جانے والی ہڈیاں جڑ جاتی ہیں۔

[آیت لَا اسْتَجَارُكُمْ عَلَيْهِمْ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ (۲۲)] کے سلسلہ میں دیکھئے عنوان (ا۔ ل۔ ل) اور (ق۔ ر۔ ب) بالخصوص (ق۔ ر۔ ب) -





ہی کسی کی عمر میں سے کمی کی جاتی ہے مگر (یہ سب کچھ) ایک قانون کے مطابق ہوتا ہے، - یعنی عمر کا بڑھنا اور گھٹنا سب خدا کے قانون طبعی کے مطابق ہوتا ہے۔

عورت کی عدت کی ميعاد کو بھی آجَل کہا گیا ہے (۱۱۱/۱)۔ وَإِذَا طَلَقْتُمْ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ آجَلَهُنَّ... (۱۱۱/۱) جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی مدت (عدت) کے قریب پہنچنے لگیں.....

## اح د

”الْأَحَدُ“ ایک۔ پہلا عدد۔ ”أَحَدٌ“ کوئی ایک۔ اس کا مؤنث ”أَحَدَا“ ہوتا ہے۔ ”الْأَحَدُ“ اللہ کی صفت ہے اور اس معنی میں کسی اور کیلئے یہ لفظ نہیں بولا جاتا۔ (”أَحَدٌ“ اور ”وَاحِدٌ“ میں فرق کیلئے دیکھئے عنوان وح د)۔ ”أَحَدٌ“ میں دراصل یگانہ ہونے (Uniqueness) کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں ”فَلَانٌ أَحَدٌ“ ”الْأَحَدِيُّنَ“۔ اسکی کوئی مثل و نظیر نہیں۔ یہ کسی کی بلیغ ترین تعریف ہو سکتی ہے۔ ”أَتَّحَدُ“۔ مجتمع ہوا۔ متفق ہوا۔ ”تَّحَادٌ“۔ اسی کا مصدر ہے۔ ”اسْتَأْخَذُ“۔ منفرد اور تنہا ہوا۔

قرآن میں ہے۔ ”وَمَا يَعْزُبُ عَن رَّبِّنَا أَحَدٌ“ (۱۱۱/۱) اس کے معنی ہیں ”کسی کو بھی“۔ اور ”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ“ (۱۱۱/۱) میں، ”أَحَدٌ“ کے معنی یگانہ۔ بے مثل و بے نظیر (Unique) ہیں۔ ذات (Personality) کی بنیادی خصوصیت اسکی انفرادیت (Uniqueness) ہوتی ہے اور چونکہ خدا کی ذات، مکمل ترین ہے اس لئے اس میں یہ صفت بھی اپنے انتہائی کمال تک پہنچی ہوئی ہے (نیز دیکھئے عنوان وح د)۔

## اخ ذ

”الْأَخْذُ“۔ یہ عطا (دینا) کی ضد ہے۔ یعنی لینا۔ کسی شے کا احاطہ کر لینا۔ بعض علمائے لغت نے کہا کہ ”أَخْذٌ“ کے معنوں میں دراصل قہر اور غلبہ کا مفہوم ہوتا ہے اور ہلاک کر دینے اور استئصال (بیخ کنی کر دینے) کے معنوں میں یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ نیز سزا دینے (”مَوْأَخَذَةٌ“) کے معنوں میں بھی۔ \* ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو احاطہ میں لے لینا۔ وصول کرنا اور جمع کرنا ہیں۔ ابو عبیدہ نے کہا ہے (بحوالہ ابن فارس) کہ ”الْأَخْذُ“ حوض جیسی جگہ کو کہتے ہیں جہاں پانی جمع ہو

جائے۔ "أَلَا خَيْدٌ"۔ قیدی کو کہتے ہیں۔ "أَلَا خَيْرٌ مِّنْ ذَٰلِكَ"۔ غصب کی ہوئی چیز کو۔ "مَّا خَذُوا"۔ مسلک و منہاج کو۔\*\*

قرآن میں یہ لفظ متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً سورۃ آل عمران میں ہے "أَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ يُصْرِي" (۱۰۶)۔ یہاں اسکے معنی "قبول کرنا" ہیں۔ سورۃ یوسف میں یہ لفظ روک لینے یا گرفتار کر لینے کے معنوں میں آیا ہے۔ "فَخَذُوا مَحْسَنَاتِنَا مَكَانَتَهُ" (۱۲۸)۔ "تو ہم میں سے ایک کو اسکی جگہ روک لے،" سورۃ ہود میں یہ لفظ اس گرفت کے معنوں میں آیا ہے جو اعمال کے نتیجہ میں خدا کے قوانون مکافات کی رو سے ہوتی ہے۔ "وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ إِذْ أَخَذْتُم مِّنْ دُونِهَا مَالًا بِغَيْرِ حِسَابٍ" اور اسی طرح تیرے رب کی پکڑ ہوا کرتی ہے جب وہ ان بستیوں کو پکڑتا ہے جو ظالم ہوں۔ یقیناً اسکی گرفت الم انگیز اور شدید ہوتی ہے، "سورۃ المؤمن میں ہے "وَعَسَىٰ أَكْثَرُكُمْ أَعْمَىٰ"۔ "بہاں أَخَذُوا" کے معنی ہر قسم کی مخالفت کے ہیں جس سے اس رسول کا مشن آگے نہ بڑھنے پائے سورہ انفال میں ہے "فِيئْتَا أَخَذْتُم مِّنْ دُونِهَا مَالًا بِغَيْرِ حِسَابٍ"۔ اس کے معنی ہیں جو کچھ تم نے کیا تھا یا جو کچھ لیا تھا۔\*\*\* سورہ کہف میں "تَتَخَذُوا مَنَازِلَ" میں اسکے معنی اچھے سلوک کرنے کے ہیں۔ یعنی حسن کا رانہ روش اختیار کرنا۔

## ا خ ر

آخِرٌ (اس کا مونث آخِرَةٌ ہے)۔ "آخِرٌ"۔ "أَوَّلٌ" کا مقابل ہے۔ "هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ" (۱۰۶)۔ صاحب محیط کے الفاظ میں یہ ایسی چیز کے لئے بولا جاتا ہے جو کسی پہلے آنے والی چیز کے بعد آ رہی ہو لیکن اس کے بعد پھر اس جیسی کوئی اور چیز نہ آ رہی ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ آخِرٌ ایک سلسلہ کی آخری کڑی ہوتا ہے۔ یعنی اس کے بعد پھر اس جیسی اور کڑیاں نہیں آتیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اس زندگی کے بعد دوسری زندگی (آخِرَةٌ) کو "خَاتَمٌ" سے تعبیر کیا ہے۔ (۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰) یعنی وہ زندگی، اس موجودہ زندگی کے تسلسل میں (اس سے ملے ہوئے) آئیگی، اس لئے اس لحاظ سے وہ اس کی آخری کڑی ہوگی۔ لیکن اس سے موجودہ طبعی زندگی کی کڑیوں کا خاتمہ ہو جائیگا اور ایک نئے انداز کی زندگی کا آغاز ہوگا۔ اس اعتبار سے وہ ایک نئی زندگی کی پہلی کڑی ہوگی۔

اسی طرح قرآنی انقلاب کے بعد انسانوں کی جو تمدنی زندگی شروع ہوتی ہے وہ بھی اگرچہ سابقہ تمدن سے متصل ہی ہوتی ہے لیکن وہ اس تمدن کی آخری کڑی ہوتی ہے۔ اس سے ایک نئے انداز کا انسانی تمدن شروع ہوتا ہے۔

لہذا آخرتہ\* کسی سلسلہ کی آخری کڑی کو کہتے ہیں جس کے بعد نئے سلسلہ کا آغاز ہو۔ آخرتہ\* الترحل کہاوہ کے پچھلے حصے کو کہتے ہیں جو قادمۃ\* الترحل کی ضد ہے۔ آخرتہ\* الثعین آنکھ کے اس کوئے کو کہتے ہیں جو رخسار سے متصل ہوتا ہے اور قادمۃ\* الثعین اس حصے کو جو ناک سے متصل ہوتا ہے۔

آخرتہ\* قدّم کی ضد ہے۔\*\* قدّم کے معنی ہیں آگے ہونا۔ لہذا آخرتہ کے معنی ہیں پیچھے ہونا۔ تآخراً\* تقدّم کی ضد ہوتا ہے۔ مستقدّم\* اور مستأخراً\* کے معنی اس سے واضح ہیں۔ قرآن میں مساتسبق کے مقابلہ میں ما یستأخرون (۱۰) بھی آیا ہے۔ مستقدّمین کے مقابلہ میں مستأخرون بھی (۲۴)۔

آخر (خاک کی زبر کے ساتھ) غیر کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ یعنی جو دوسرے سے مختلف ہو۔ جیسے رجل آخر دوسرا آدمی۔ [دوسرے کے معنی (Second) نہیں بلکہ (Another) یا (Other Than) ہیں] اسی طرح اگر ایک لائن میں کچھ آدمی کھڑے ہوں تو پہلے کے بعد دوسرا آدمی آخر ہوگا۔ اور دوسرے کے بعد تیسرا آخر ہوگا۔ اسی طرح یہ سلسلہ اخیر تک چلا جائیگا۔\*

اس کے بعد یہ لفظ آخر مغایرت کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔\*\*\* مغایرت کے معنی ہیں جو اپنی پہلی کڑیوں سے مختلف ہو۔ سورۃ المؤمنون میں اس لفظ کے یہ معانی بڑی عمدگی سے سامنے آتے ہیں۔ اس میں انسانی پیدائش کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ اس کی ابتدا مٹی کے خالص سے ہوئی۔ پھر نطفہ بنا اس سے حمل قرار پایا۔ پھر نطفہ سے لوتھڑا بنا۔ لوتھڑا گوشت کے ٹکڑے ہیں تبدیل ہوا۔ پھر اس میں ہڈیاں بنیں۔ ہڈیوں پر گوشت چڑھا۔ یہاں تک پیدائش کے وہ مراحل ہیں جو قانون طبیعی کے مطابق سلسلہ وار چلے آتے ہیں۔ اس میں کوئی ایسی کڑی نہیں آتی جو اس قانون کی رو سے سابقہ کڑی سے الگ ہو۔

\* آخر کی نائوٹ آخری ہے جس کی جمع آخر ہے (۶)۔

\*\* ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی بھی لکھے ہیں۔

\*\*\* ناج

(حتیٰ کہ اس منزل تک حیوان کے بچے اور انسانی جنین میں بھی کوئی فرق نہیں ہوتا)۔ اس کے بعد ہے "ثُمَّ أَنْشَأْنَا لَهُ خَلْقًا آخَرَ" (۲۳) "پھر ہم نے انسان کو ایک بالکل نئی تخلیق میں اٹھا کھڑا کیا،"۔ یہاں خَلْقًا آخَرَ کے معنی یہ ہیں کہ سلسلہ تخلیق کی یہ کڑی سابقہ کڑیوں سے یکسر مختلف ہے۔ اس میں انسانی ذات کی طرف اشارہ ہے جو طبعی قوانین کی پیداوار نہیں ہوتی۔ اسے دور حاضر کی اصطلاح میں فجائی ارتقاء (Emergent Evolution) کہتے ہیں۔ یعنی جس میں اچانک، غیر متوقع طور پر ایک ایسی تخلیق سامنے آجاتی ہے جو اپنی سابقہ کڑیوں سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔

لہذا آخَرَ اور آخِر کے معانی کے اعتبار سے انسانی زندگی کا یہ تصور سامنے آیا کہ انسانی بیکر میں آکر زندگی نے اپنی سابقہ کڑیوں سے ایک بالکل مختلف شکل اختیار کر لی۔ اب یہ سلسلہ اس کی طبعی موت تک جاری رہیگا۔ اس کے بعد ایک دوسری زندگی ہوگی جو اگرچہ اس زندگی سے بالکل متصل ہوگی لیکن اس سے موجودہ کڑیوں کا خاتمہ ہو جائیگا اور اس کے بعد زندگی ایک نیا اسلوب اختیار کریگی۔ جو لوگ اس زندگی کے متعلق موجودہ زندگی کے قوانین (Physical Laws) کے مطابق سوچتے ہیں انہیں اس پر یقین پیدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن جو دل و دماغ، قدرت کے اچانک انقلابات کی تخلیقی کارفرمائیوں پر نگاہ رکھتے ہیں وہ آخرت پر ایمان لائے بغیر نہیں رہ سکتے۔ آخرت، اس مستقبل کا نام ہے جو انقلاب آفرینی کے ذریعے ظہور میں آتا ہے، نہ کہ گردشِ دوزلی (کولہسوں کے بیل کی حرکت) کے ذریعے۔ یہ انقلاب اس زندگی میں (قرآن کے ذریعے) پیدا ہوتا ہے اور موت کے بعد کی زندگی بھی ایک نئے انقلاب سے ظہور میں آتی ہے۔

قرآن، الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا کے مقابل قِيَامَةِ اور آخِرَةَ کے الفاظ لاتا ہے۔ مثلاً خِزْمِي فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَرَدُّونَ ..... (۲۵)۔ اور اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَشْتَرَوْا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِآءٍ لَاٰخِرَةٍ (۲۶)۔ دنیا کے معنی ہیں قریبی (دیکھئے عنوان د۔ ن۔ و) اسی طرح وہ ہا جِلْسَةَ کے مقابلہ میں آخِرَةَ بھی لاتا ہے۔ مثلاً (۲۹)؛ (۳۰) میں۔ یعنی پیش ہا افتادہ بمقابلہ مستقبل۔ آخر الامر۔ اسی طرح تَعَجَّلْ اور تَأَخَّرْ بھی ایک دوسرے کے مقابلہ میں استعمال ہوتے ہیں (۳۱)۔ نیز آخِرَةَ بمقابلہ اُولٰٓئِكَ (۳۲) بھی۔ جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے، سورۃ حجر میں مُسْتَقْدِرٍ مِّمَّنْ کے مقابل مُسْتَأْتِرٍ خَيْرٌ مِّنْ كَالْفِظَآءِ (۳۳)۔ یعنی پہلے چلے جانے والے اور بعد میں آنے والے۔ اسی

کی تشریح دوسری جگہ ما تَسْبِيْقُ مِّنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُوْنَ (۱۵) نے کر دی ہے۔ سورۃ شعراء میں فی الاٰخِرین (۲۱/۸۴) کے معنے آنے والی نسلیں ہیں۔

لہذا ”آخرت“ کے مفہوم میں، پیش یا افتادہ مفاد کے بجائے مستقبل کی خوشگواریاں، موجودہ نسل کے بجائے آنے والی نسلیں (انسانیت عامہ)، انقلاب آفرینی کے ذریعہ ایک نئی زندگی کی نمود، اور اس طبعی زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی کے تصورات، سب شامل ہیں۔

اٰخِرًا - يُوْخِرُ - کسی کام کو بعد میں کرنا۔ ملتوی کرنا۔ موقوف کرنا (عن)۔ مہلت دینا (اللہ)۔ تَاْخِرًا پیچھے رہ جانا۔ دوسرے کے بعد آنا۔ وَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ سُوْمِيْنِ..... وَمَنْ تَاْخِرًا..... (۳۰/۴۰)۔ ”اور جو جلدی کر کے دودن میں (چلا جائے).... اور جو پیچھے رہ جائے“ قرآن کریم نے جماعت مومنین کے متعلق کہا ہے کہ وہ آخرت (مستقبل)

پر یقین رکھتے ہیں۔ یعنی وہ مفاد عاجلہ (پیش یا افتادہ مفاد) پر گر نہیں پڑتے بلکہ ہمیشہ اپنے سامنے مستقبل کا مفاد رکھتے ہیں۔ جو کسان بیچ کے لئے رکھے ہوئے گہیوں کو چکی میں پسوا کر اس کی نرم نرم روٹیاں کھا لیتا ہے اس کی آج کی بھوک تو مٹ جاتی ہے۔ لیکن مستقبل (آخرت) میں اس کے لئے مستقل بھوک ہوتی ہے۔ لیکن جو کسان اس بیچ کو زمین میں ڈال کر چھ منات ماہ تک برابر محنت کرتا ہے اور نہایت ثبات و تحمل سے فصل پکینے کا انتظار کرتا ہے اس کا مستقبل روشن ہو جاتا ہے اور جب یہ سلسلہ ایک چکر باندھ لیتا ہے تو اس کا حال بھی خوشگوار ہو جاتا ہے اور مستقبل بھی۔ یہ اس لئے کہ اسے مستقبل (آخرت) پر یقین تھا اس لئے وہ مفاد عاجلہ پر لپک نہیں پڑا۔ غور کیجئے۔ دنیا میں وہی قوم زندہ رہتی اور آگے بڑھتی ہے جس کے سامنے مستقبل کی بہبودی ہو۔ مومن کو مستقبل پر یقین رکھنے والا کہا گیا تھا۔ لیکن آج اس آسمان کے نیچے جماعت مومنین (مسلمان) سب سے زیادہ عاقبت فراموش (مستقبل سے بے نیاز) ہے اور اس لئے سب سے پیچھے۔ حالانکہ اس کا مستقبل اس قدر حدود فراموش تھا کہ اس کا احاطہ اس دنیا کی چار دیواریوں تک محدود نہیں تھا۔ وہ موت کے بعد بھی براہر آگے چلتا تھا۔

واضح رہے کہ ایک فرد کی زندگی میں ہر آنے والا سانس مستقبل ہے۔ ایک قوم کی زندگی میں آنے والی نسل اس کا مستقبل ہے۔ نوع انسانی کے

لئے آنے والے زمانے کی انسانیت (Humanity) اس کا مستقبل ہے، اور ان سب کے لئے اس دنیا کی طبعی زندگی کے بعد، اگلی زندگی (حیاتِ آخرت) مستقبل ہے۔ اس کے بعد سوچئے کہ جب قرآن کریم نے مفادِ عاجلہ کے مقابلے میں آخرت پر یقین رکھنے کی تاکید کی تھی تو اس کا مفہوم کیا تھا؟ یہی کہ فرد ہو یا قوم۔ وہ

- (۱) صرف اپنے حال ہی کو نہ دیکھے۔ مستقبل پر بھی نگاہ رکھے۔
  - (۲) موجودہ نسل کی بہبود ہی پر قناعت نہ کرے۔ آنے والی نسلوں کی خوش حالی کو بھی پیش نظر رکھے۔ اور
  - (۳) زندگی اس دنیا کی طبعی زندگی کو نہ سمجھ لے۔ موت کے بعد کی زندگی پر بھی یقین رکھے۔
- (اس کے ساتھ (د۔ ن۔ و) کا عنوان بھی دیکھئے)۔

## ا خ و

”اَلَاخُ“۔ یہ لفظ ”اٰخِيْتَةُ“ سے مشتق ہے۔ رسی یا آہنی تار کے دونوں سرے زمین میں دبا کر باقی حصے کا جو حلقہ بن جاتا تھا اسے ”اٰخِيْتَةُ“ کہتے تھے۔ اس کے ساتھ جانوروں کو باندھ دیا جاتا تھا۔ لہذا ”اَخ“ کے معنی ہوئے ایک حلقہ میں بندھے ہوئے یا ایک کھونٹے کے ساتھ بندھے ہوئے۔ یہ لفظ بھائی اور ہر اس شخص کیلئے بولا جاتا ہے جو کسی دوسرے شخص سے قبیلہ یا دین یا صفت یا معاملہ یا محبت میں مشترک ہو\*۔ بعض کے نزدیک اس کا مادہ ”اَوْخِلُ“ ہے جس کے معنی تصد کے ہیں۔ لہذا ”اَخُ“ کے معنی ہونگے ہم مقصد\*\*۔ اس کا مؤنث ”اٰخْتُ“ ہے۔

قرآن کریم میں ”اِخْوَانُ“ بمقابلہ ”اَعْدَاءُ“ آیا ہے۔ ”اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءُ“..... ”فَاَصْبَحْتُمْ بَيْنِعَيْنِنَا اِخْوَانًا“۔ ”تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اس نے اپنی نعمت سے تمہیں بھائی بھائی بنا دیا، (۱۳۴)۔ ”اَعْدَاءُ“ انہیں کہتے ہیں جن کے درمیان پھر (Wedge) لگ رہی ہو۔ لہذا ”اِخْوَانُ“ وہ ہونگے جن کے مابین کوئی چیز حائل نہ ہو۔ قرآن کے الفاظ میں ”فَاَلتَفَّتْ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ“ (۱۳۴)۔ ”اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی،“۔ اس اعتبار سے مومن وہ ہیں جن کے قلوب ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح مل چکے ہوں جس طرح بادل کا ایک ٹکڑا دوسرے ٹکڑے کے ساتھ گھل مل جاتا ہے\*\*\*۔ قرآن نے تمام مومنین کو ”اِخْوَانُ“

\* محیط \*\* تاج \*\*\* (دیکھئے عنوان ا۔ ل۔ ف)

قرار دیا ہے۔ اِنْتَمَ الْمُؤْمِنُونَ لِأَخْوَاتِهِمْ۔ ”یقیناً سب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں،“ (۱۱۶) جو قرآن کی رسی کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا (۱۳۴) ”تم سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو،“۔ یہ ہے جماعت مومنین کے افراد کا باہم گر صحیح رشتہ۔

قرآن میں ہم قبیلہ افراد کیلئے بھی یہ لفظ آیا ہے۔ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ قَوْمِ ثَمُودَ إِذْ أَخَاتُهُمْ صَالِحًا (۲۵)۔ ”ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا،“ اور ہم مشرب لوگوں کے لئے بھی۔ جیسے مَبْدُؤَ رَيْثِنَ، کو لِأَخْوَاتِنَ الشَّقِيَّاتِیْنِ۔ کہا گیا ہے (۱۴۴)۔ اسی طرح اَخْتٌ ہم قبیلہ ہورت کو کہا گیا ہے۔ جیسے حضرت مریم کو یَا اَخْتُ هَا رُوْنِ کہا گیا ہے (۲۱۸)۔ اور مَثِیْلٍ اور ہم مشرب کے لئے بھی یہ لفظ آیا ہے، جیسے (۳۸) میں ہم مشرب اقوام کو ایک دوسرے کی اَخْتٌ کہہ کر پکارا گیا ہے۔

## ۵۵۱

آلَادٌ۔ تعجب۔ گھبرا دینے والا معاملہ۔ اچنبھا\*۔ آلا دَرِیْدٌ۔ چیخنے چلانے اور ہانی کرنے کی آواز کو کہتے ہیں\*\*۔ ہر ناخوشگوار بات جس میں شور و غوغا ہو\*\*\*۔ یعنی ایسی بات جو لوگوں کو اس قدر ناگوار گذرے کہ اس سے اختلافی خلفشار پیدا ہو جائے اور لوگ طرح طرح کی باتیں کرنے لگ جائیں۔ آدَا لَبَعِیْرٌ۔ اونٹ بڑا بڑا یا۔ آدَاتِ النَّقَاقَةِ۔ اونٹنی کا آہین بھرنا اور رونے کی آواز بلند کرنا۔ آدَاتُ الدَّاهِيَةِ۔ مصیبت نے اسے ہریشانی میں ڈال دیا\*۔ تَادَاتُ لَامِرٌ مَعَامِلَةٌ سَنَكِينٌ ہو گیا\*\*۔ قرآن کریم نے عیسائیوں سے کہا ہے کہ تم نے یہ عقیدہ وضع کر کے کہ حضرت عیسیٰؑ خدا کے بیٹے ہیں۔ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدَّآ (۱۸۹)۔ ایک نہایت افسوس ناک اور کرب انگیز بات کر دی۔ تم نے ایک بڑا ہی خطرناک اور حقیقت سوز عقیدہ ایجاد کر لیا۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی کسی چیز کا بڑا ہونا (امر عظیم) شدید ہونا اور بار بار ہونا۔ نیز ہدک کر بھاگ جانا ہیں۔

## ادریس علیہ السلام

قرآن کریم نے حضرت ادریسؑ کا ذکر انبیاء کرامؑ کے زمرہ میں کیا ہے۔ ”وَذَكَرْنَا فِي الْكِتَابِ اِدْرِيْسَ۔ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّقًا نَّبِيًّا (۲۱۳)۔“ اور تو کتاب میں ادریس کا ذکر کر۔ یقیناً وہ سچا نبی تھا،،۔ نیز (۲۱۳)

\* تاج۔ \*\* محیط۔ \*\*\* راجب۔

لوکن آپ کا تفصیلی تذکرہ کہیں نہیں آیا۔ قیاس یہ ہے کہ آپ کا زمانہ حضرت نوحؑ سے بھی پہلے کا ہے۔ اور آپ کا نام تورات میں حنوک یا اخنوخ ہے۔ اگر آپ حنوک ہی ہیں تو آپ حضرت نوحؑ کے اجداد میں چوتھی پشت پر آتے ہیں۔ کیونکہ تورات نے حضرت نوحؑ کا نسب نامہ یوں لکھا ہے۔ نوح۔ بن لمک۔ بن متوسلح۔ بن حنوک۔ (پیدائش - ۲۶۰۰)۔

## ۱۰۱

”ادّم“ کے معنی ہیں قرابت۔ موافقت۔ مل جل کر رہنے کی صلاحیت۔ یا خود میل جول۔ ”ادّم“ اور ”ادّم“ کے معنی ہیں مخلوط ہونا۔ موافق ہونا۔ ایک دوسرے میں میل محبت ہونا۔ ”ادّم“ اللہ بَيْنَنَهُمْ ”یا“ ”دّم“ کے معنی ہیں خدا نے ان کے درمیان موافقت سازگاری اور ہم آہنگی پیدا کر دی۔ ”الادّم“ ہر موافق چیز کو کہتے ہیں\*۔ یعنی جو مل جل کر رہ سکے۔ اصل میں یہ اس چیز کو کہتے ہیں جس سے روٹی لگا کر کھائی جائے (مثلاً سالن۔ ٹرکاری وغیرہ) ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی یہی لکھے ہیں۔ یعنی موافقت۔ محبت۔ مودت۔

”الادّم“ گندم گون رنگ کو کہتے ہیں\*\*۔ ”ادّم“۔ اندرونِ جلد کو بھی کہتے ہیں (ابن فارس)۔ ”ادّم“۔ کسی خاندان کا ایسا مثالی فرد جس سے اس کے قبیلہ کو پہچانا جائے\*۔ ”ادّمی“۔ جس کی نسبت ”ادّم“ کی طرف ہو۔ انسان\*۔

ہمارے ہاں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ ”ادّم“، جن کے جنت سے نکلنے کا قصہ قرآن کریم کے مختلف مقامات میں آیا ہے (مثلاً) نبی تھے۔ قرآن سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ قرآن کریم نے مختلف مقامات پر قصہ ”ادّم“ کی جو تفصیل بیان کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت سے نکلنے والا ”ادّم“ کوئی خاص فرد نہیں تھا بلکہ انسانیت کا تمثیلی نمائندہ تھا۔ بالفاظِ دیگر، قصہ ”ادّم“ کسی خاص فرد (یا جوڑے) کا قصہ نہیں بلکہ خود ”ادّمی“ کی داستان ہے جسے قرآن نے تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے۔ اس داستان کا آغاز انسان کی اس حالت سے ہوتا ہے جب اس نے ”قدیم“ (Primitive) انفرادی زندگی کی جگہ پہلے پہل تمدنی زندگی شروع کی۔ ”ادّم“ کا لفظ خود اس تمدنی زندگی (Social Life) کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ لہذا ”ادّمیت“، انسانی زندگی کی اس حالت کا نام ہے جس میں اس نے مل جل کر رہنا شروع کیا۔ اس طرح مل جل کر رہنے سے باہمی مفادات

\* تاج۔ \*\* محیط۔ \*\*\* مزید برآں دیکھئے تشریح ص ۱۸۰ جلد چہارم عنوان ”ادّم“



کا تصادم ہوا۔ اس تصادم کا حل تنہا عقل انسانی کے بس کی بات نہ تھی۔ اس کا حل وحی کے ذریعے دیا گیا۔ (تفصیل ان امور کی میری کتاب ”اہلیس و آدم“ میں ملیگی)۔

قرآن کریم میں البتہ ایک مقام ایسا ہے جس میں آدم کا لفظ اس انداز سے آیا ہے جس سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ کسی فرد کا نام ہے۔ وہ آیت یہ ہے۔ ”ان الله اصطفىٰ آدمَ وَنُوحًا وَآلَ اِبْرٰهِيْمَ وَآلَ عِيْمَرٰنَ عَلٰى الْعٰلَمِيْنَ“..... (۲۴) ”یقیناً اللہ نے آدمؑ اور نوحؑ اور آلِ ابراہیمؑ اور آلِ عمران کو (ان کی ہم عصر اقوام پر) فضیلت دی تھی.....“۔ یہاں آدم کا ذکر حضرت نوحؑ کے ساتھ آیا ہے جس سے ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ اس سے مفہوم کوئی خاص فرد ہے اور وہ (حضرت نوحؑ کی طرح) نبی تھے (اگرچہ اصطفا کا لفظ قرآن میں غیر نبی کے لئے بھی آیا ہے۔ مثلاً حضرت مریم کے متعلق۔ دیکھئے (۲۱)۔ اور خود آیتِ محمدیہ کے متعلق۔ دیکھئے (۳۳)۔)۔ بہر حال جس آدم کا ذکر سورۃ آلِ عمران کی مندرجہ بالا آیت (۲۴) میں آیا ہے وہ ”جنت سے نکلنے والے آدم“ سے مختلف تھے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ نبی ہوں (اور ان کا نام آدم ہو) قرآن نے ان کا مزید تعارف نہیں کرایا۔ اس نے سلسلہ نبوت کا آغاز عام طور پر حضرت نوحؑ کے ذکر ہی سے کیا ہے۔ مثلاً سورۃ نساء میں ہے ”اِنَّا اَوْحَيْنَا لِلنَّبِيِّ كَمَا اَوْحَيْنَا اِلَى نُوْحٍ“ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ (۲۱۰)۔ بے شک ہم نے تیری طرف وحی کی ہے جس طرح ہم نے نوحؑ اور اس کے بعد کے انبیاء پر وحی کی.....“۔ اگرچہ قرآن کریم سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ قوم نوحؑ میں حضرت نوحؑ سے پہلے اور انبیاء بھی آچکے تھے (دیکھئے ۲۵۔ و ہنواں نوحؑ)۔

## ادی (ادو)

اَدُوٌّ كَفْعَلٌ كَذَا۔ تو ایسا کرنے کی تدبیر کیرتا رہا \* اسکی اصل آدآہ ہے جس کے معنی ایسی تدبیر یا ذریعہ کے ہیں جس سے کسی تک پہنچا جاسکے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو کسی چیز تک پہنچانے یا کسی چیز کے دوسری چیز تک خود بخود پہنچ جانے کے ہیں۔

آدآہ۔ تَادِيَةٌ۔ اسکو پہنچا دیا۔ آدئى ديشته، اس نے اپنا قرض ادا کر دیا۔ آلا داء اسم ہے \*\*۔ قرآن میں ہے وَآدَاءٌ لِّمَنۢ بِيۡحِسۡتٰنِ (۱۷۸)۔ ”اور احسان کے ساتھ اسکی ادائیگی کی جائے“۔

نیز اس کے معنی ہیں کسی کے سپرد کر دینا۔ (جیسے امانت واپس کر دی جاتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے فرعون سے کہا تھا اَدُّوْا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ (۲۱۸)۔ ”اللہ کے بندوں کو میرے سپرد کر دے،، ادائے امانت کے لئے یہ لفظ (۲۱۸) میں آیا ہے جہاں کہا گیا ہے فَلْيُوَدِّ التَّوْبَىٰ اَوْ تَمِيْنًا اَمَانَتَهٗ۔ ”جس کا اعتبار کیا گیا ہے اسے چاہئے کہ اپنی امانت ادا کر دے۔“

## اِذْ

”اِذْ“۔ جب۔ جسوقت۔ جس جگہ۔ کے معنوں میں آتا ہے۔ یہ عموماً زمانہ ماضی (گذرے ہوئے زمانے) کے لئے آتا ہے۔ اِذْ قَاتَلَ رَبُّكَ لِلْعَمَلِ الَّذِي كُنْتَ تُعْمَلُ (۲۱۷)۔ ”جب تیرے رب نے ملائکہ سے کہا،، یا اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمَ الْفَوَاعِدَ (۲۱۷)۔ ”جب ابراہیمؑ (اس گھری) بنیادیں اٹھا رہا تھا“۔ بعض اوقات یہ ”کیونکہ،، یا ”اس لئے کہ،، کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ مثلاً لَنْ يَنْفَعَكُمْ اَيُّوْمَ اِذْ ظَلَمْتُمْ (۲۱۶) ”آج یہ تمہیں کچھ فائدہ نہیں دیگا کیونکہ تم زیادتیاں کیا کرتے تھے،،

لین نے صحاح کے حوالے سے لکھا ہے کہ بعض اوقات (اِذْ) زائد بھی ہوتا ہے۔ مثلاً وَاِذْ وَاَعَدْنَا مُوسٰى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً (۲۱۶)۔ اس کے معنی ہیں، یہ واقعہ ہے کہ ہم نے موسیٰؑ کو چالیس راتوں کا حکم دیا۔ ایسے مقامات پر اِذْ سابقہ واقعہ میں فصل پیدا کر دیتا ہے۔ یعنی اس سے ایسک نئی بات شروع ہو جاتی ہے۔

يَوْمَ مَآئِدٍ۔ اُس دن۔ يَوْمَ مَآئِدٍ نَحْيِدُ اَخْبَارَهَا (۲۱۶)۔ ”اس دن وہ اپنی تمام خبریں بیان کر دیگی،،  
حِيْنَ تَشِيْذٍ۔ اُس وقت۔ وَاَنْتُمْ حِيْنَ تَشِيْذٍ تَنْظُرُوْنَ (۲۱۶) اور تم اُس وقت دیکھ رہے ہوئے ہو۔

## اِذَا

اِذَا۔ یہ کئی معنوں میں آتا ہے۔ مثلاً:

(۱) کبھی یہ ”اچانک،، کے معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ یعنی اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی واقعہ دفعتاً ظہور میں آجائے۔ خَرَجْتَ فَاِذَا الْاَسَدُ يَا لَبَّابِ۔ میں یاہر نکلا تو اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ دروازے کے سامنے شیر کھڑا ہے۔ قرآن میں ہے فَاِذَا اِھٰی حِقَّةٌ تَسْعٰی (۲۱۶)۔ ”تو اس نے ہکایک کیا دیکھا کہ وہ سانپ ہے جو دوڑ رہا ہے،،

(۲) کبھی اِذَا کے معنی ”پس“ کے بھی آتے ہیں۔ یعنی کسی بات کے نتیجہ میں کچھ واقعہ ہونا۔ وَ اِنْ تَصِيبْتَهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمْتُمْ اَيْدِيَهُمْ اِذَا هُمْ يَقْتُلُوْنَ (۱۶۱) اور جب ان پر خود انکے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ مایوس ہو جاتے ہیں۔

(۳) کبھی یہ شرط کے مفہوم کے ساتھ ’جب‘ کے معنوں میں زمانہ ’ماضی‘ اور زمانہ ’مستقبل‘ دونوں کے لئے آتا ہے۔ مثلاً اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ (۱۶۱)۔ جب خدا کی مدد اور فتح آگئی (یعنی زمانہ ’ماضی‘)۔ اور زمانہ ’مستقبل‘ کی مثال فَاِذَا اَعْتَزَمْتُمْ فَتَوَلَّوْاْ كُلٌّ اِلَيْ اللّٰهِ (۱۳۸) جب تو پختہ ارادہ کر لے تو اللہ (کے قانون) پر پورا پورا بھروسہ رکھو اِذَا۔ یہ ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے جن معنوں میں ہم اپنے ہاں کہتے ہیں کہ اگر یوں ہوا تو اس صورت میں بات یوں ہوگی۔ سورہ ’مومنون‘ میں ہے وَ لَئِنْ اَطَعْتُمْ بِشْرًا مِّثْلَ نَفْسِكُمْ اِذَا اَلَّخْسِرُوْنَ (۱۲۲) اگر تم اپنے ہی جیسے ایک انسان کی اطاعت کرو گے تو (یاد رکھو) اس صورت میں تم یقیناً سخت نقصان اٹھاؤ گے۔

اِذَا مَا۔ جب۔ جس وقت۔ سورہ ’شوریٰ‘ میں ہے۔ وَ اِذَا مَا اَغْضِبُوْا عَمْسًا يَغْتَفِرُوْنَ (۲۲۲) وہ جب کبھی غصہ میں آئیں تو دوسروں کو اپنے غصہ کے نقصان رسان اثرات سے محفوظ رکھتے ہیں۔

## اذن

’اذن‘۔ ’اذُنْ‘ کے معنی ہیں کان (جسکی جمع ’اذان‘ ہے)۔ ’اذن‘۔ اس شخص کو کہتے ہیں جسکے کان بڑے بڑے ہوں اور ’اذن‘ اسے کہتے ہیں جو ہر شخص کی بات سن لے اور اسے قبول کر لے۔ قرآن کریم میں ہے وَ يَتَّقُوْا لَوْ اَذُنُ (۱۶۱) مخالفین، رسول کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ تو کانوں کا کچا ہے۔ اِذَا اَنْ كے معنی اعلان کے ہیں۔ وَ اِذَا اَنْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِمُ اِلٰى النَّاسِ (۱۶۱) میں اس کے معنی اعلان ہی کے ہیں۔ اِذِنَ اِلَيْهِمْ وَ لَتَهُ کے معنی ہیں کان لگا کر سننا۔ پسندیدگی کے ساتھ۔ لیکن بعض کے نزدیک اسمیں پسندیدگی اور غیر پسندیدگی کی کوئی شرط نہیں۔ خالی سننے کے لئے بھی ایسا کہا جاتا ہے۔ لیکن بعض علمائے لغت کے نزدیک اس میں سننے کے ساتھ اطاعت کرنے کا مفہوم بھی

پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک وَاذِنْتُمْ لِيْرَبِّيْهَا (۸۴/۳)۔ میں صرف سنا ہی مراد نہیں بلکہ اطاعت کرنا بھی ہے۔ \*تَاذِنَ\* کے معنی اعلان کرنے (یا کسی کو خبر دینے) کے ہوتے ہیں۔ لیکن بعض کے نزدیک اسکے معنی قسم کھانے کے بھی ہوتے ہیں۔\*\* دراصل اس میں قسم اور یقین کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ یعنی کہنے والا کہتا ہے کہ میں یقیناً ایسا کرونگا۔ چنانچہ سورہ اعراف میں جہاں ہے وَاذِنْتُمْ لِيْرَبِّيْهَا (۱۶۶/۳)۔ تو اسکے معنی یا تو یہ ہیں کہ جب تیرے رب نے اعلان کیا، یا یہ کہ جب تیرے رب نے کہا کہ میں یقیناً ایسا کرونگا۔ (خدا کے اعلان کرنے یا یقینی طور پر کہنے سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ خدا نے اس بات کے لئے ایسا قاعدہ یا قانون بنا رکھا ہے۔) اذِنَ بِيَالشَّيْئِيْ کے معنی ہیں کسی بات کا علم حاصل کر لینا۔ اس سے آگہ ہو جانا۔ چنانچہ فَاتَّذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنْ اَللّٰهِ (۲۴۱/۳) کے معنی ہیں تم آگہ اور خبردار ہو جاؤ کہ تمہارے خلاف خدا نے جنگ کا اعلان کر دیا ہے۔\*\*

اذِنَ لَهُ، فِي الشَّيْئِيْ۔ کے معنی ہیں اجازت دیدینا اور اِسْتِئْذَانٍ کے معنی ہیں اجازت طلب کرنا۔\*\*

اذِنٌ کے معنی ہیں اجازت۔ اعلان اور علم (اجازت و اعلان کا ذکر اوپر آ گیا ہے۔ علم کے ضمن میں) فَعَلْتَهُ، بِاِذْنِيْ کے معنی ہیں اس نے اس کام کو میرے علم سے کیا ہے۔\*\* ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کان اور علم دونوں ہیں۔ راغب نے لکھا ہے کہ اِذْنٌ اور عِلْمٌ میں فرق یہ ہے کہ اِذْنٌ وہیں بولا جاتا ہے جہاں صاحب علم کا ارادہ اور مشیت بھی اسکے ساتھ شامل ہو لیکن عِلْمٌ میں اسکی شرط نہیں۔ لہذا اِذْنٌ اللّٰهِ کے معنی ہونے اللہ کا علم اور مشیت\*\*\*۔ اس چیز کو عام اصطلاح میں ”خدا کا قانون“ کہتے ہیں۔ (اسکی تفصیل ”مشیت“ عنوان شدی۔ اُس کے تحت ملیگی)۔ لہذا قرآن کریم میں جہاں اِذْنٌ اللّٰهِ آئیگا اسکے معنی سیاق و سباق کے اعتبار سے خدا کے قانون کے ہونگے جس میں اسکا علم اور مشیت دونوں آجاتے ہیں۔ مثلاً سورہ اعراف میں ہے وَالْتَبَسَدُ الْقَطَّيْبُ يُخْرَجُ نَبَاتًا، بِاِذْنِ رَبِّيْهِ (۵۸/۳)۔ ”اور اچھی زمین سے اسکی پیداوار خدا کے اذن (قانون) کے مطابق نکلتی ہے“۔ ظاہر ہے کہ زراعت کے متعلق خدا نے ایک قانون مقرر کر دیا ہے اور فصلیں اس قانون کے مطابق پیدا ہوتی ہیں۔ اسی طرح سورہ الحج میں ہے۔ يَمْسِكُ السَّمَاءَ اَنْ تَقَعَ عَلَيَّ الْاَرْضُ اِلَّا بِاِذْنِيْهِ (۲۲/۳)

”وہ بادلوں (بارش) کو تھا ہے رکھتا ہے کہ اس کے اذن کے بغیر زمین پر نہ گرے،“ یہاں بھی اذن سے مراد قانون خداوندی ہے جس کے مطابق مینہ برستا ہے۔ سورہ آل عمران میں ہے وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَسْمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (۱۳۳) اس کے معنی بھی ہیں کہ عرذی حیات کی سوت خدا کے قانون کے مطابق ہوتی ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (۲۲۳) پر بحث کرتے ہوئے صاحب مفردات نے لکھا ہے کہ اللہ نے انسان کے اندر یہ خصوصیت رکھ دی ہے کہ وہ کسی دوسرے کی طرف سے وارد کردہ نقصان سے اثر پذیر ہو سکے۔ پتھر میں یہ خصوصیت نہیں ہے۔ یہی خدا کا اِذْنٌ ہے\*۔ اسی کو قانون خداوندی کہا جاتا ہے۔ یعنی مختلف اشیاء میں مختلف قسم کی خصوصیات جن کی رو سے ان کا کس طرح زندگی متعین ہوتی ہے۔ خارجی کائنات میں اللہ کا یہ اِذْنٌ قانون کائنات کی شکل میں کارفرما ہے۔ اور جہانتک انسانوں کی تمدنی دنیا کا تعاقب ہے، یہ اِذْنٌ کتاب اللہ (قرآن) کے اندر ہے۔ چنانچہ سورہ بقرہ میں فَسَمِعْنَا مِنَ اللَّهِ الْقَدْرَيْنَ الْمَتَوَّاعَيْنِ اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنْ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ، (۲۱۳) کے معنی ہیں اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں ان امور کے بارے میں جن میں انسان اختلاف کرتے ہیں اپنی کتاب (ضابطہ قانون) کے مطابق حق کے ساتھ صحیح راستہ کی طرف راہ نمائی کر دیتا ہے۔ یہاں بِإِذْنِهِ کے معنی ہیں کتاب اللہ (قرآن) کے مطابق یا قرآن کے ذریعے۔ اور اگر اسکے معنی عام قانون لیا جائے تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ اپنے قانون ہدایت کے مطابق لوگوں کی راہ نمائی کر رہا ہے اور قانون ہدایت یہ ہے کہ ہدایت اسکو ملتی ہے جو ہدایت حاصل کرنا چاہے۔ جو ہدایت حاصل کرنا نہ چاہے وہ گمراہ رہتا ہے (تفصیل اسکی ش-ی-۱ کے عنوان میں ”مشیت“ کے تحت ملیگی) بہر کیف ”اِذْنٌ“ اللہ کے معنی ہیں خدا کا قانون خواہ وہ قانون کائنات ہو یا قانون ہدایت جو قرآن کے اندر ہے۔

## اِذِي

”اِذِي“ کسی چیز کا طبیعت پر ناگوار گزرنا۔ ناخوشگوار سی بات۔ خفیف سی تکلیف۔ یہ جب ذرا آگے بڑھ جائے تو ”خَرَرٌ“ کہلاتی ہے۔ جس کے معنی سخت تکلیف، نقصان یا مصیبت کے ہیں\*\*۔

اِذِي - يُوْذِي - ايذا پہنچانا۔ يعنى ايسى باتیں کرنا جو دوسرے کو ناگوار گزریں\*\*۔ صاحب تاج نے لکھا ہے کہ اگرچہ قیاسی طور پر اس کا مصدر اِذَاً آسکتا ہے لیکن کلام عرب میں یہ لفظ دیکھا نہیں گیا۔

نَاقَةٌ آذِيَةٌ\* - اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو طبعاً ایسی ہو کہ کسی ایک مقام پر چین سے نہ بیٹھے\*۔

قرآن کریم نے عورت کے حیض آنے کے متعلق کہا ہے کہ قَدْ لَئِيْلٌ هُوَ آذِيٌّ (۲۳۳)۔ اس میں گھسناؤنا ہیں۔ ناگواری۔ ناخوشگواری اور ذرا سی بے چینی کا پہلو پایا جاتا ہے۔ اسی لئے اس حالت میں عورتوں سے الگ رہنے کے لئے کہا گیا ہے۔ اسی سورۃ میں آگے چل کر ہے لَا تَبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ يَا لَيْمِيْنَ\* وَالْآذِيُّ (۲۳۴)۔ دوسروں کی ضروریات پورا کرنے کیلئے جو کچھ تم دو اس کے بعد ایسی صورت نہ پیدا کر دو کہ تم ان کے سر پر سنگ گراں بن کر بیٹھ جاؤ یا کوئی ایسی بات کرو جو انہیں ناگوار گزرے۔ ایسا کرو گے تو تمہاری یہ امداد تعمیری نتائج پیدا کرنے کے بجائے تخریبی نتائج پیدا کریگی۔ یہ عمل، باطل ہو جائیگا۔

سزا دینے کے معنوں میں یہ لفظ (۲۳۳) میں آیا ہے۔ جہاں کہا گیا ہے وَالْقَدْ اِنْ يَتَّوْبَا فَاذُوْهُمَا\* فَتَاذُوْهُمَا\* اور تم میں سے جو دو اس کا ارتکاب کریں تو انہیں سزا دو،،۔

بیماری کی تکلیف کے لئے سورۃ بقرہ میں ہے۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا وَّ اَوْ بِهٖم آذِيٌّ مِّنْ شَرِّ مَا رَا\* سِيْءًا (۱۶۶)۔ ”پھر جو کوئی تم میں سے مریض ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو،،۔

## ا ر ب

اَلْاِرْبُ\* - اَلْاِرْبَةُ\* - اَلْاِرْبَةُ\* - چالائی۔ معاملات کی بصیرت۔ تیز ذہانت۔ پورا مکمل عضو جس میں سے کچھ کم نہ ہو۔ عقل۔ کشادگی۔ اِرْبٌ بِالشَّيْءِ\*۔ کسی چیز کا ماہر ہونا۔ اِرْبٌ اِلَيْهِ\*۔ اس نے شدت سے کسی چیز کی ضرورت محسوس کی یا اس کا محتاج ہوا۔ اَلْاِرْبُ\*۔ وہ فاصلہ (با کشادگی) جو انسان کی شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کے مابین ہوتا ہے\*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی چار ہیں (۱) ضرورت۔ (۲) عقل۔ (۳) حصہ اور۔ (۴) گرہ باندھنا اور سخت کرنا۔

اِرْبٌ الشَّيْءِ\*۔ چیز کو مضبوط کر دیا۔ مکمل کر دیا\*\*۔ اَلْاِرْبُ\*۔ شدتِ احتیاج، ضرورت۔ اَلْاِرْبَةُ\*۔ اَلْمَا رِبَةُ\*۔ حاجت۔ ضرورت۔ غرض۔ اِرْبٌ\*۔ وہ اعضاء جن کی شدید ضرورت ہوتی ہے\*\*\*۔

سورۃ طہ میں ہے وَاٰتِيْنَاكَ مِنْ اٰخِرِهَا مَّا رِبٌ\* اٰخِرًا (۲۱۸)۔ اس سے میری دیگر بہت سی ضرورتیں پوری ہونگی۔ یا میں اس سے دیگر بہت سے معاملات کو



” ہم نے تمہارے لئے زمین میں سامانِ معیشت رکھے ہیں،،۔ اگر آپ غور کریں گے تو یہ حقیقت واضح ہو جائیگی کہ سامانِ زیست کا اصلی سرچشمہ ارض ہی ہے۔ اس لئے یہ لفظ وسائل و ذرائع رزق کے لئے استعمال ہوا ہے (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان س۔ م۔ و)۔ اگر معاشی زندگی کو خدا کے کائناتی قانون (یا قرآن کے ضابطہ حیات) سے الگ کر لیا جائے تو وہ نہایت ہست سطح کی (حیوانی) زندگی ہو جاتی ہے جس میں طبعی زندگی سے متعلق مفادِ عاجلہ تو حاصل ہو جاتے ہیں لیکن انسانی زندگی کا بلند نصب العین حاصل نہیں ہوتا۔ اس قسم کی معاش کو قرآن نے عَرَضٌ هَذَا لَا دُنْيٰی (۱۶۶)۔ ” اس قریبی زندگی کی مناع،، کہہ کر پکارا ہے۔ اور اسے رفعت (بلندی) کے مقابلہ میں ہستی قرار دیا ہے۔ ”وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهٖٓا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدْنَا لَیۡۤا اَلۡاَرْضِ (۱۶۶) ” ہم چاہتے تھے کہ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق اسے (انسان کو) بلندی عطا کر دیں لیکن وہ ہستی کے ساتھ چمٹ گیا،،۔ اسی کو جذبات پرستی۔ خود غرضی یا نفسانیت اور مفاد پرستی کہا گیا ہے۔ یعنی صرف طبعی زندگی کے مفاد کو مقصدِ حیات قرار دے لینا۔ قرآن کے الفاظ میں ”وَاتَّبِعْ هُوَ لَهٗ (۱۶۶) ” اس نے اپنی خواہشات کا اتباع کر لیا،،۔ توحید یہ ہے کہ خدا کا جو قانون خارجی کائناتی زندگی میں کارفرما ہے اسی قانون کو انسان کی معاشی زندگی کا مدار بنایا جائے۔ (یہ قانون وحی کے ذریعے ملتا ہے اور اب قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے)۔ اس توحید کے معنی یہ ہیں کہ اَرْضٌ اور سَمَاءٌ میں ایک ہی قانون کو تسلیم کیا جائے۔ هُوَ الَّذِیۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرْضِ اِلٰهٌ (۲۳) ”ارض و سماء میں وہی صاحبِ اقتدار ہے،،۔ اگر انسان اپنی معاشی زندگی کو (قانونِ خداوندی کے بجائے) اپنے خود ساختہ قوانین کے تابع رکھے تو معاشرہ میں ناہمواریوں کا جہنم پیدا ہو جاتا ہے۔ اَمْ اَتَّخَذُوْا اِلٰهَةً مِّمَّنۡ اِلَّاۗلَہٗٓ اَرْضِ هُمۡ یُنۡشِرُوۡنَہٗٓ۔ لَوۡ کَانَ فِیۡہِمَاۤ اِلٰهَةٌۢ اِلَّاۗلَہٗٓ لَفَسَدَتَا (۲۱۶) ” کیا انہوں نے اپنی معاشی زندگی کے لئے اور قوتوں کو صاحبِ اقتدار تسلیم کر رکھا ہے جن کے متعلق انکا خیال یہ ہے کہ وہ ان کی معاشی زندگی کو حیات نو عطا کر دینگے۔ اگر ارض و سماء میں اللہ کے سوا اور صاحبِ اقتدار ہستیاں ہوں تو یہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔“

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے اَرْضٌ (زمین) فوع انسانی کے لئے رزق کا سرچشمہ ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ کسی فرد کی ملکیت میں نہیں جا سکتی۔



وَالْأَرْضُ مَوْضَعَهَا لِلْأَنَامِ (۵۵) کے یہی معنی ہیں (یعنی ارض کو مخلوق کے فائدے کے لئے بنایا ہے)۔ دوسری جگہ ہے مَتَاعًا لَّكُمْ ۚ وَلَا نَعْمَا يَكْتُمُ (۵۶) ”تمہارے اور تمہارے موبھیوں کے لئے سامان زیست۔ متاعِ حیات،۔ نہ صرف زمین بلکہ دیگر عناصر طبعی جن کے امتزاج و تعاون سے زمین سے رزق پیدا ہوتا ہے، ان سب کے متعلق فرمایا کہ یہ متاعاً لِيُتْمَقِيُوْنِ ۚ هِيَ (۵۷) یعنی بھوکوں کے لئے سامان زیست۔ لہذا کوئی نظام جس میں ارض تمام نوع انسانی کے مشترکہ فائدہ کی بجائے کسی خاص گروہ یا افراد کے فائدے کا موجب بن کر رہ جائے، قرآنی تعلیم (یعنی منشاء خداوندی) کے خلاف ہے۔ اس لئے قرآن نے کہا ہے کہ اس رزق کے سرچشمے (یعنی زمین کی پیداوار) کو تمام ضرورت مندوں کے لئے یکساں طور پر کھلا رعنا چاہئے۔ سَوَاءٌ لِيَقْسَاطِئِيلِيْنَ (۶۰)۔ وسائل پیداوار اور سامان زیست (مثلاً روشنی۔ ہوا۔ پانی۔ زمین، قرآنی معاشرہ کی تحویل میں رہنے چاہئیں تاکہ وہ ایسا انتظام کرنے جس سے تمام افراد کی ضروریات پوری ہوتی رہیں۔ یہ وہ انقلاب ہے جسے قرآن چھٹی صدی عیسوی میں اس وقت لایا جب دینا جاگیر داری اور زمینداری کو ہین ”مطابق فطرت“ سمجھے ہوئے تھی۔ دنیا نے اسوقت اس انقلاب کی اہمیت کو نہ سمجھا (اور بعد میں خود مسلمانوں نے بھی اسے بس پشت ڈال دیا) لیکن اب وہی دنیا، زمانے کے تقاضوں سے مجبور ہو کر اس کی طرف کشاں کشاں چلی آ رہی ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف قرآن نے یہ کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنْتَا تَبِي الْاَرْضُ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ..... (۱۳)۔ ”کیا یہ اس حقیقت پر غور نہیں کرتے کہ ہم کسطرح زمین کو بڑے بڑے سرداروں کے ہاتھ سے چھین کر کم کرتے چلے جا رہے ہیں،۔ اس طرح بتدیج وہ وقت آ جائیگا جب زمین کسی فرد کے ہاتھ میں نہیں رہیگی بلکہ تمام افراد انسانیہ کی پرورش کا ذریعہ بن جائیگی۔ یہ وہ دور ہوگا جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُورٍ رَبَّنَاهَا (۳۹)۔ ”زمین اپنے نشوونما دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھیگی“۔

## ارک

”الَارِيْكَةُ“۔ (جمع اَرَايِكُ)۔ تخت یا مسہری جس پر پردے پڑے ہوتے ہوں۔ یا ہو وہ چیز جس پر ٹیک لگائی جائے۔ رَاغِب نے کہا ہے کہ چہر کھٹ کو اَرِيْكَةُ کہتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ بالعموم اَرَاكُ

(پیلو) کی لکڑی سے بنایا جاتا تھا۔ اَلْأَرَاكُ ایک قسم کے ترش چارہ کو بھی کہتے ہیں\*۔ قرآن میں ہے مُتَّكِيَيْنَ فِيهَا عُلَى الْأَرَاكِ (۱۱۱) ”وہ گدے دار تختوں یا مسہریوں پر تکیہ لگائے ہونگے،“۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی قیام کرنے کے ہیں۔ نیز أَرَاكُ (درخت) کے۔ علاوہ بریں، جب زخم مندمل ہو کر باقی جسم کی سطح کے برابر ہو جائے تو اسے بھی أَرَاكُ۔ یا أَرَاكُ کہتے ہیں۔ اس لٹھے کہ وہ اپنی اصلی حالت پر قائم ہو جاتا ہے۔ مزید برآں دیکھئے تتمۃ ص ۱۸۰ جلد چہارم۔

## ارم

أَرَامٌ۔ (واحد أَرَمٌ) نشاناتِ راہ۔ یا کسی چیز پر کوئی نشان بنا دینا۔ تاکہ وہ پہچانی جا سکے\*۔ پتھروں کو أَرَمٌ کہتے ہیں\*\*۔

قرآن میں قوم عاد کے متعلق ہے أَرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ (۸۹)۔ أَرَمٌ اس مقام کا نام ہے جہاں وہ رہتے تھے۔ (ذَاتِ الْعِمَادِ کے لئے دیکھئے عنوان (ع۔ م۔ د)۔ راغب نے کہا ہے کہ أَرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ سے وہ بلند ستون مراد ہیں جن پر نقش و نگار ہوتے تھے\*\*۔ بعض محققین کا یہ خیال بھی ہے کہ قوم عاد کے مورثِ اعلیٰ کا نام أَرَمٌ تھا جو سَامَ کا بیٹا تھا۔ اس اعتبار سے تَادُ اور أَرَمٌ ایک ہی قوم کا نام ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عاد)۔

صاحب محیط نے لکھا ہے کہ أَرَامٌ درخت کی جڑ یا انسان کے حسب نسب کو کہتے ہیں\*\*\*۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں چیزوں کا اوپر تلے رکھتے چلے جانا۔ اس میں ترتیب اور بلندی (دونوں) کا مفہوم آ جاتا ہے۔

## ازر

أَزْرٌ۔ پشت، قوت\*۔ قرآن میں ہے۔ اَشْدُّدٌ بِمِ آزْرِي (۲۱)۔ اس سے میری پشت کو مضبوط کر دے۔ میری قوت کو مستحکم کر دے۔ أَلْأَزْرُ۔ اصل و بنیاد۔ أَلْأَزْرُ یہ وہ چیز جو تہا کے بدن کیلئے ستر کا کام دے۔ أَلْمَوْأَزْرَةُ۔ آمنے سامنے ہونا۔ ایک دوسرے کی مدد کرنا۔ کہیتی کا ایک دوسرے کے ساتھ گتھہ جانا اور اس طرح بڑے ہودوں کا چھوٹے ہودوں کو تقویت دینا\*۔ أَزْرٌ کے معنی ہیں جڑ اور بنیاد کو مضبوط کرنا۔ سورۃ فتح

\*ناج۔ \*\*راغب۔ \*\*\*محیط۔

میں (شجر اسلام کے متعلق) ہے فَتَا زَرَّهُ فَتَا سَتَغَلَطَ (۲۶۹)۔ (اس کھیتی کی طرح جو پہلے اپنی سوئی نکالتی ہے) پھر اپنی جڑ کو مضبوط کرتی ہے۔ اس طرح وہ موٹی عوق چلی جاتی ہے۔

آزَرٌ۔ ایک بت کا نام تھا جس کے محافظ حضرت ابراہیمؑ کے باپ تاریخ تھے۔ اس بت کی نسبت سے انکا لقب آزرؑ تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ آزر حضرت ابراہیمؑ کے چچا کا نام تھا، یا کسی اور بزرگ کا۔ لیکن قرآن میں لَا بِيْتَهُ آزَرٌ (۶/۵) آیا ہے۔ چونکہ اس مقام پر کوئی اور معنی لینے کا قرینہ نہیں اس لئے یہ حضرت ابراہیمؑ کے باپ ہی تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ تاریخ ہی کو معرب کر کے آزر بنا لیا گیا\*۔ لیکن یہ بڑی ضعیف سی بات ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آزرؑ کے معنی ضَالٌّ (گمراہ) کے ہوتے ہیں\*\*۔ لیکن قرآن نے اس لفظ کو ان معنوں میں استعمال نہیں کیا۔ (نیز دیکھئے عنوان ابراہیم)۔

## از ز

آلَا زَيْزٌ۔ تیزی اور حدت۔ گرج۔ آزْتِ الدِّقَّارِ بِيْؤُزُهُتَا۔ اس نے آگ کو روشن کر دیا اور بھڑکا دیا۔ آزْتِ الْفَيْدِرُ۔ ہانڈی میں سخت اہال آ گیا۔ آزْتِ السَّيْحَاتِ بَتَةٌ۔ ببادل زور سے گرجا۔ آلَا زُشٌ۔ رگ کا بھڑکنا۔ ہر انگیختہ کرنا۔ بھڑکانا\*۔ سورۃ مریم میں ہے تَوُّزُشُمُ آزْتَا (۱۸۴)۔ وہ (شیاطین) کفسار کو اکسائے اور بھڑکائے ہیں۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی تحرک۔ تحریک۔ اور کسی چیز کو اس کی جگہ سے اکھاڑ دینا ہیں۔ نیز اس کے معنی کسی کو کسی دوسرے کے خلاف اس طرح اکسانا ہیں کہ جسے اکسایا جائے اسے محسوس تک نہ ہو کہ اس سے کیا کام لیا جا رہا ہے۔

## از ف

آزْفُ التَّرْحُشْلِ۔ روانگی کا وقت قریب آ گیا۔ آزْفُ التَّوَجُّلِ۔ آدمی نے جلدی کی۔ آلتَا زَفٌ۔ قریب قریب اور یکساں قدم رکھنا۔ آلَا زَفٌ۔ جلد ہونے والی چیز۔

قرآن میں ہے آزَفْتِ لَازِفَةً (۸۴) آنے والی ساعت قریب آ پہنچی۔ یعنی اعلیٰ کے ظہور نتائج کا وقت۔ اسی کو دوسری جگہ۔ یَوْمَ الْآزِفَةِ

(۲۱۸) کہا گیا ہے۔ یعنی وہ ”آنے والی ساعت“۔ انقلاب کی گھڑی۔ نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں زآ کے ساتھ ہمزہ آئے ان میں سختی اور تنگی کا مفہوم مضمر ہوتا ہے۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی قریب اور نزدیک ہونے کے لکھے ہیں۔

## استبرق

اِسْتَبْرَقٌ\*۔ سوئے ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ ایسا دبیز ریشمی کپڑا ہوتا ہے جس پر سونے کا کام کیا گیا ہو\*۔ قرآن میں سُنْدُسٌ\* اور اِسْتَبْرَقٌ\* (۱۱۹)۔ اہل جنت کے عمدہ لباس کے لئے آئے ہیں۔

صاحب تاج العروس نے لکھا ہے کہ جوہری نے اس لفظ کا مادہ بَرَق بتایا ہے۔ اگر یہ بَرَق سے ہے تو ممکن ہے اس میں بجلی کی چمک کا استعارہ ہو۔

## اسحاق علیہ السلام

حضرت ابراہیمؑ کے دو بیٹوں کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ فرزند اکبر حضرت اسمعیلؑ حضرت ہاجر کے بطن سے تھے۔ اور چھوٹے بیٹے (حضرت اسحاقؑ) حضرت سارہ کے بطن سے۔ حضرت اسمعیلؑ حجاز کی وادی غیر ذی زرع میں بسے اور حضرت اسحاقؑ کے حصہ میں فلسطین کی سرداری آئی۔ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرامؑ کے زمرہ میں آپ کا ذکر کیا ہے.... مَا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ إِلَّا أَنْزَلْنَاهَا فِي سُرٍّ وَلَاحِظٌ... (۱۱۶)۔ ”اور جو کچھ نازل کیا گیا ابراہیمؑ۔ اسماعیلؑ اور اسحاقؑ کی طرف“۔ انبیائے بنی اسرائیل آپ ہی کی اولاد میں سے تھے۔ (نیز دیکھئے عنوان ابراہیم)

## اس ر

اَسْرًا\*۔ وہ تسمہ یا رسی وغیرہ جس سے کسی چیز کو باندھ لیا جائے۔ اَسْرًا\* کسی چیز کو رسی وغیرہ سے باندھ لینا۔ نیز بندش۔ ساخت اور خلقت۔ اَسْرًا\* سیر\*۔ قیدی۔ باندھا ہوا (آدنی)۔ اسکی جمع اَسْرَارٌ اور اَسْرَى آتی ہے\*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی روک دینے اور قید کر دینے کے ہیں۔

باندھنے کے مفہوم سے اس کے معنی مضبوط اور مستحکم ہونے کے بھی آتے ہیں\*۔ قرآن میں آساری کا لفظ قیدیوں کے لئے آیا ہے۔ "وَإِنْ يَأْتِ تَوَكُّمُ" اور اگر وہ قید ہو کر تمہارے پاس آئیں"۔ (F/۸۵)۔ سورۃ الدھر میں ہے نَجِّنْهُمْ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ (۱۶۹)۔ "ہم نے انہیں (انسانوں کو) پیدا کیا اور ان کے آسُر کو مضبوطی سے جکڑ دیا"۔ آسُر کے معنی انسانی جسم یا ہیئت (Form) کے ہیں۔ دور حاضرہ کی علمی تحقیقات کی روشنی میں نظر آتا ہے کہ یہ لفظ حقیقت کے ایک بہت بڑے گوشے کو بے نقاب کرتا ہے۔ ہم کسی چیز کو محسوس نہیں کر سکتے جب تک اسکی کوئی (Form) نہ ہو۔ سائنس کی تحقیق نے بتایا ہے کہ مادہ (Matter) در حقیقت کسی ٹھوس چیز کا نام نہیں۔ یہ (Atoms) کا مجموعہ ہے جو ایک خاص نظام کے ماتحت ایک دوسرے کے ساتھ جکڑے ہوتے ہیں۔ اگر ان میں یہ باہمی جکڑ بندی نہ رہے تو کسی شے کی (Form) باقی نہیں رہ سکتی۔ لہذا یہ آسُر (باہمی جکڑ بندی) ہی ہے جس سے اشیاء کا وجود قائم ہے۔ سر جیمز جینس نے اسے "مقیّد لہروں" (Bottled-up Waves) سے تعبیر کیا ہے۔ اسی کو قرآن نے شَدَدْنَا أَسْرَهُمْ کے جامع الفاظ میں بیان کیا ہے۔

نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں سین کے ساتھ ہمزہ آئے ان میں قوت اور شدت کا مفہوم مضمّر ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے اس سادہ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔

## اسرائیل علیہ السلام

حضرت یعقوبؑ کا لقب تھا۔ (۱۶۳)۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان "یعقوب"۔ بنی اسرائیل کیلئے عنوان "بنی اسرائیل" دیکھئے۔

## اس س

الأس - الأساس - عمارت کی بنیاد جہاں سے تعمیر شروع ہوتی ہے۔ جمع اساس - أساس - ہر چیز کی اصل - الأساس - عمارت کی بنیادیں ڈال دینا۔ \*\* نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں سین اور ہمزہ ساتھ آئیں ان میں قوت اور شدت کا مفہوم مضمّر ہوتا ہے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کا اپنی جگہ پر ثابت اور قائم ہونا۔ سورۃ توبہ میں ہے اسس علی التثوئل (۱۸) (وہ مسجد) جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی۔

\* تاج - \*\* تاج و محیط

آلاس۔ انسان کے دل کو بھی کہتے ہیں۔\* اور اس را کہ کو بھی جو کاروان کے منزل سے کوچ کر جانے کے بعد پیچھے رہ جاتی ہے۔ اس سے اسکے معنی کسی چیز کے اثر یا نشان کے لئے جاتے ہیں۔ خُمْدُ اسَّ السَّطْرِيقِ۔ کسی سے اس وقت کہتے ہیں جب اس سے صحیح راستہ تک پہنچنے کے لئے دیگر نشانات و قرائن سے رہنمائی حاصل کرنے کے لئے کہا جائے۔

## ا س ف

آلاسَف۔ کسی چیز کے کھوجانے پر شدید ترین حزن کو کہتے ہیں\*۔ نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں سین اور ہمزہ ساتھ آئیں ان میں شدت اور قوت کا مفہوم مضمحل ہوتا ہے۔ سورة اعراف میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کی طرف آئے غَضْبَانَ اَسِيفًا (۱۶۰)۔ ”غصہ میں بھرے ہوئے۔ افسوس کرتے ہوئے،،۔ راغب نے کہا ہے کہ آسَفٌ سے مطلب انتقام کے جذبہ کے ماتحت خونِ دل کا جوش کھانا ہے۔ اگر یہ کیفیت اپنے سے کمتر کے لئے پیش آئے تو غَضَبٌ کہلاتی ہے اور اگر اپنے سے بڑتر کے لئے پیش آئے تو حُزُنٌ کہلاتی ہے\*۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنے متعلق فرمایا ہے فَلَمَّا اسْفُوْنَا اسْفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ (۳۳)۔ جب انہوں نے ہمیں ”ناراض کیا، تو ہم نے انہیں ان کے جرموں کی سزا دی۔ (اللہ کے ”ناراض ہونے“ کے لئے عنوان (غ۔ض۔ب) دیکھئے)۔ سورة یوسف میں حضرت یعقوبؑ کا قول ہے يَا اسْفَى عَلٰى يُوْسُفَ (۱۲)۔ ”وئے افسوس! یوسف!۔ لہذا عام حالات میں اس کے معنی حزن و تاسف کے ہونگے۔ اَرْضٌ اَسِيفَةٌ اس زمین کو کہتے ہیں جس میں کچھ پیدا نہ ہو۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی فوت (یعنی ہاتھ سے نکل جانا) اور حسرت و تاسف بتائے ہیں۔ اَلْجَمَلُ اَلْاَسِيفَةُ اس اونٹ کو کہتے ہیں جو فریبہ نہ ہوتا ہو (ابن فارس)۔ اَسِيفَةٌ غلام کو بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنی کہ۔وئی ہوئی آزادی پر ہمیشہ محزون رہتا ہے۔ نیز جلد غمگین ہو جانے والے رفیق القلب آدمی کو بھی\*۔

## اسماعیل علیہ السلام

حضرت ابراہیمؑ کے دو بیٹوں کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ حضرت ہاجر کے بطن سے حضرت اسماعیلؑ۔ اور حضرت سارہ کے بطن سے حضرت اسحاقؑ۔ حضرت اسماعیلؑ بڑے بیٹے تھے۔ انہی کو حضرت ابراہیمؑ، اپنے خواب کو

حکم خداوندی سمجھ کر خدا کی راہ میں قربان کرنے کے لئے لے گئے تھے (۳۴/۲۰۴) لیکن خدا نے انہیں وقتی قربانی کے بجائے، عمر بھر کی قربانی کے لئے زندہ رکھا (۳۴/۱)۔ یہ بڑی قربانی (ذبح عظیم) تھی، بیت اللہ کی تولیت خانہ خدا کی پاسبانی۔ چنانچہ ان دونوں باپ بیٹوں (حضرت ابراہیم<sup>۴</sup> اور حضرت اسمعیل<sup>۳</sup>) نے ملا کر کعبہ کو تعمیر کیا (۲۱/۱۱۱) اور اس کے بعد حضرت اسمعیل<sup>۳</sup> اسکی پاسبانی کے لئے وہیں بس گئے۔ خدا نے انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا (۱۱۱/۱)۔ اور صادق التَّوَعْدِ (۱۱۱/۱) کہہ کر پکارا۔ ”اسمعیل“ عبرانی لفظ شماع (سماع سننا) اور ایل (خدا) سے مرکب ہے۔ چونکہ آپ کی پیدائش حضرت ابراہیم<sup>۴</sup> کی دعاؤں کا نتیجہ تھی اس لئے آپ کا نام اسمعیل (اللہ کا سننا) رکھا گیا۔ آپ کی اولاد میں حضور خاتم النبیین<sup>۶</sup> پیدا ہوئے۔

## اس ن

آسَنَ الْمَاءُ يَأْسَنُ - پانی کی بو، رنگ یا مزے کا بگڑ جانا۔ آ لَاسِنَ وہ پانی جو دیر تک ٹہرا رہنے کی وجہ سے متغیر ہو گیا ہو\*۔ قرآن میں جنت کی انہار کے متعلق ہے مِّنْ مَّاءٍ غَيْرِ الْآسِنِ (۲۵/۱) ”ایسے پانی کی نہریں جو بگڑتا نہیں“۔ اسلئے کہ جنتی معاشرہ میں کسی چیز کو روک کر نہیں رکھا جاتا۔ استعمال کی ہر شے گھومتی پھرتی اور رواں دواں جاری رہتی ہے۔ یہ تو جہنمی معاشرہ ہے جس میں يَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ (۱۰۰/۱) کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ یعنی رزق کے جن چشموں کو بہتے رہنا چاہئے انہیں ارباب قوت و اقتدار اپنے ذاتی مفاد کے لئے روک رکھتے ہیں اور اس طرح رکھنے سے ان میں تغیر واقع ہو جاتا ہے۔

[آخرت کی جنت کی کیفیات کو ہم اس دنیا میں نہیں سمجھ سکتے۔ لیکن قرآن صرف آخرت کی جنت و جہنم ہی کے متعلق گفتگو نہیں کرتا۔ وہ اس دنیا کی جنت اور جہنم کا بھی ذکر کرتا ہے۔ تفصیل جنت (ج-دن) اور جہنم کے عنوانوں میں ملیگی]۔ اس دنیا کے جنتی اور جہنمی معاشرہ کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ آخرت کی جنت اور جہنم پر ہمارا ایمان ہے۔ قرآن کریم میں ان کا بیان تمثیلی ہے۔ (۲۵/۱)

## اس ی

أَسِيَّتْ عَلَيْهِ - میں اس پر غمگین ہوا۔ رَجُلٌ أَسِيٌّ وَأَسِيَانٌ وَأَسْوَانٌ - غم کرنے والا آدمی۔ اس (الآسی) طیب و معالج کو کہتے

\* تاج و راغب و سحیط \*\* اس میں مادہ (س-و) بھی شامل ہے۔

ہیں)۔ لَمْرَأَةٍ<sup>۵</sup> اَسِيَّةٌ<sup>۶</sup>۔ غم کرنے والی عورت\*۔ قرآن میں ہے فَلَا تَأْسَ<sup>۷</sup> عَلَيَّ الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ<sup>۸</sup> (۲۶)۔ ”تو قوم فسقین (کی تباہی) پر غمگین نہ ہو،“۔

آسَاءٌ بِمُصِيبَةٍ تَأْسِيَةً<sup>۹</sup>۔ اس کی مصیبت میں اس کو تسلی دی۔ فَتَأْسَى<sup>۱۰</sup>۔ پس اسے تسلی ہو گئی\*۔ لہذا آسَى کے معنی (راغب کے الفاظ میں) غم کے ہونے اور تَأْسِيَةً<sup>۱۱</sup> کے معنی غم کو دور کرنے کے۔ چنانچہ آسَوْ زَخْمَ كِي دَوَا كَرْنِي كُو كَهْتِي هِيں۔ آسَا سِيَةً<sup>۱۲</sup>۔ دوائیں۔ يَه الْاَسُو<sup>۱۳</sup> كِي جَمْع هے۔

آسِيَّةٌ<sup>۱۴</sup>۔ جس کی دوا کی جائے\*۔ ابن فارس نے لکھا ہے کہ آسُو کے بنیادی معنی دوا دارو کرنا ہیں اور آسَى کے معنی رنج و غم ہیں۔

راغب نے کہا ہے کہ اسْوَةٌ<sup>۱۵</sup> و اسْوَةٌ<sup>۱۶</sup> کے معنی وہ حالت ہیں جس پر کوئی شخص کسی کا اتباع کرتے وقت ہوتا ہے، خواہ وہ اچھی ہو یا بری، مسرت بخش ہو یا تکلیف دہ۔ نیز وہ چیز جس سے غمگین آدمی تسلی حاصل کرے۔ جس سے اس کا غم زائل ہو جائے۔ جس سے اس کے دکھوں کا مداوا ہو جائے\*\*۔ آسْوَتْهُ<sup>۱۷</sup> یہ، میں نے اسے اس کے لئے قابل تقلید نمونہ قرار دیا۔ جنگ احزاب میں جن لوگوں نے دون ہمتی اور عدم استقلال کا ثبوت دیا تھا ان سے کہا گیا کہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ اسْوَةٌ<sup>۱۸</sup> حَسَنَةٌ<sup>۱۹</sup> (۲۳) تمہیں وہی کچھ کرنا چاہئے تھا جو رسول اللہ نے کیا۔ جس طرح وہ ہمت و استقلال سے قانون خداوندی سے کامل ہم آہنگی کے ساتھ تمام مصائب کا مقابلہ کرتے رہے تمہیں بھی اسی طرح کرنا چاہئے تھا۔ ان کی مثال تمہارے لئے نہایت عمدہ نمونہ تھی۔ اس سے تمہیں اپنی مشکلات میں تسلی حاصل کرنا چاہئے تھی۔ اسی طرح دوسری جگہ حضرت ابراہیم کا ذکر ہے کہ انہوں نے کس طرح نظام خداوندی کے مخالفین سے علانیہ کہہ دیا کہ ہمارا اور تمہارا کوئی رشتہ نہیں۔ اس ضمن میں کہا گیا کہ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي اِبْرَاهِيمَ<sup>۲۰</sup> وَالَّذِينَ مَعَهُ<sup>۲۱</sup> (۱۱)۔ ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کی یہ روش تمہارے لئے قابل تقلید نمونہ ہے۔ اس سے تمہارے دکھوں کا مداوا ہوگا۔ چنانچہ قرآن میں کئی مقامات پر مومنین سے کہا گیا ہے کہ تم اس نظام کے مخالفین سے کبھی دوستی کا رشتہ نہ رکھو۔ انہیں راز دار نہ بناؤ۔ مثلاً (لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِّنْ دُونِكُمْ<sup>۲۲</sup>) (۱۱۰)۔ ”تم اپنوں کے۔۔۔ کسی کو راز دار نہ بناؤ،“



الْمَوَاسَاةُ\*۔ کا مفہوم یہ ہے کہ تم دوسرے کو اپنی جگہ پر سمجھو اور جس قدر اپنے لئے نفع حاصل کرنے اور مضرات کو دفع کرنے کی کوشش کرو اتنی ہی اس کے لئے کرو۔ اور اِیْثَارٌ\* یہ ہے کہ تم اسے اپنے آپ پر بھی ترجیح دو\*\*۔ قرآن کریم اِیْثَارٌ\* کی تعلیم دیتا ہے یُوْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ\*۔ ”وہ دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں۔“ (۵۹)۔ اسی اصول پر قرآن کریم کے نظام ربوبیت کی بنیاد ہے\*۔

## ا ش ر

اَشِيْرَ - يَأْشُرُ\* - اَشْرًا - بہت زیادہ اترانا اور اکڑنا۔ خود پسندی کے ساتھ خوش ہونا۔ در اصل اَشْرُ الْمِنْجَلِ درانتی کے دندانوں کو کہتے ہیں۔ اور اَلْمَيْثَارُ\* - آرے کو۔ اس لئے اَشْرٌ ایسی خود پسندی اور اکڑفوں ہے جو دوسروں کو کالتی چلی جائے۔ یعنی شدت کی خود پسندی اور تکبر جس میں انسان عقل کی حدود سے نکل جائے\*\*۔

قرآن کریم میں ہے بَلْ هُوَ كَذَابٌ اَشِيْرٌ\* (۴۵)۔ یہ اَشِيْرَ - يَأْشُرُ سے ہے اور اس کے معنی انتہائی متکبر اور خود پسند کے ہیں۔ ”وہ سخت جھوٹا اور بڑا خود پسند ہے“۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی حِدَتْ اور تیزی کے لکھے ہیں۔

## اَصْحَابُ الْاُخْدُوْدِ

قوم تبع کے حاکم ذونواس کا وہ لشکر جس نے بڑی بڑی خندقوں میں آگ جلا کر عیسائیوں کو اس میں جھونک دیا تھا۔ (۸۹)۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان (ت۔ ب۔ ع) اور (خ۔ د۔ د)۔

## اَصْحَابُ الْاَيْكَةِ

وہ قوم جس کی طرف حضرت شعیبؑ مبعوث ہوئے تھے اَصْحَابُ الْاَيْكَةِ کے نام سے پکاری گئی ہے۔ (۱۸)۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ”شعیبؑ“۔

\* تفصیل کے لئے دیکھئے میری ”کتاب نظام ربوبیت“ \*\* تاج و راغب \*\*\* محیط

## أَصْحَابُ الْحِجْرِ

حضرت اسمعیلؑ کے بڑے بیٹے کا نام نبایط تھا۔ ان کے خاندان کو نبط (جمع انباط) کہا جاتا ہے۔ شام و عرب کی حدود پر ان کی حکومت کے آثار ملتے ہیں۔ تورات میں (حزقیل نبی کے صحیفہ میں) نبط کا ذکر آیا ہے۔ پہلے ان کا دارالسلطنت رقیم تھا۔ لیکن جب اس پر رومیوں نے قبضہ کر لیا تو یہ وادی قریٰ میں شہر حجر کی طرف منتقل ہو کر آ گئے۔ اسی نسبت سے انہیں اصحاب الحجْر کہا گیا ہے۔ قرآن کریم نے کہا ہے کہ انہوں نے خدا کے رسولوں کی تکذیب کی اور عذاب میں ماخوذ ہو گئے (۸۴-۸۵)۔

چونکہ ان سے پہلے قوم ثمود کا مرکز بھی حجر کا شہر رہ چکا تھا اس لئے بعض مورخین کا خیال اس طرف بھی گیا ہے کہ قرآن کریم کی محولہ بالا آیات میں اصحاب الحجر سے مراد قوم ثمود ہی ہے۔ لیکن قیاس غالب یہی ہے کہ ان سے مراد قوم نبط ہے جس کے عروج و زوال کی داستانیں آج بھی حجر کے کھنڈرات کی اینٹوں پر متوش ملتی ہیں۔

## أَصْحَابُ الرَّسِّ

حضرت اسمعیلؑ حجاز میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔ آپ کے بارہ بیٹے تھے جو اپنے اپنے خاندانوں کے رئیس تھے۔ ان میں سے ایک کا نام قیدمآہ تھا۔ اصحاب الرِّس انہی کی اولاد میں سے قیاس کئے جاتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ قوم ثمود کا ایک قبیلہ تھا۔ قرآن کریم نے تکذیب رسل کے سلسلہ میں دو مقامات پر ان کا نام لیا ہے۔ یعنی (۲۸) اور (۲۶) میں۔

## أَصْحَابُ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ

وہ نوجوان جنہوں نے آسمانی انقلاب کے سلسلہ میں ایک غار میں جا کر پناہ لی اور وہاں اس انقلاب کی تیاریاں کرتے رہے۔ قرآن کریم میں ان کا ذکر سورہ کہف میں آیا ہے (۱۰۶-۱۰۷)۔ تفصیل ان امور کی میری کتاب "شعلہ مستور" میں ملے گی۔

زمانہ قدیم میں نبطی حکومت کا دارالسلطنت رقیم کا شہر تھا۔ جب رومیوں نے شام اور فلسطین کا علاقہ فتح کیا تو اس شہر کو شہرت حاصل

ہوئی۔ لیکن رقیم کے نام سے نہیں بلکہ پشرا کے نام سے، جسے عربوں نے اپنے ہاں بطرا کہہ کر پکارا۔ دور حاضر کی اثری تحقیقات نے اس شہر کے کھنڈرات کا سراغ لگا لیا ہے جہاں سے پرانے غاروں کے اندر خانقاہوں کے آثار ملے ہیں۔ یہ شہر اس شاہراہ پر واقع تھا جو حجاز سے شام کی طرف جاتا تھا۔ اسلئے نزول قرآن کے وقت عرب، اصحاب کھف (غار والوں) یا اصحاب الرقیم (بطرہ والوں) کے قصہ سے آشنا تھے، لیکن انہی تفصیل کے ساتھ جو لوگوں میں عام طور پر پھیلی ہوئی تھیں۔ قرآن کریم نے (جزئیات میں گئے بغیر) اصل حقیقت سے پردہ اٹھایا اور بتایا کہ ان فوجوانوں کے پیش نظر مقصد کیا تھا اور بعد میں لوگوں نے کیا سمجھ لیا اور انہیں کیا سے کیا بتا دیا۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ز۔ ق۔ م)

## اص د

الصّد - اس نے بند کیا (دروازہ وغیرہ)۔ ابن فارس نے لکھا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کا کسی دوسری چیز کے اندر شامل ہو جانا ہیں۔ اس سے "لا صیّد" باڑے کو کہتے ہیں جس میں جانور بند کئے جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں "مؤصّدۃ" آیا ہے (۱۸۳)۔ جس کے معنی ہیں بند کی ہوئی یا مشتمل۔

اہل لغت کا کہنا ہے کہ یہ وصد کا ایک لغت ہے \*۔ اس لئے ہم نے احتیاطاً اسے وہاں (و۔ ص۔ د میں) بھی لکھ دیا ہے۔ اگرچہ ہمارے نزدیک یہ بھی ایک مستقل مادہ ہے۔

## اص ر

"لا صر" - کسی چیز کو باندھ دینا۔ زبردستی روک دینا \*\*۔

"لا صیرۃ" - چھوٹی سی رسی جس سے خیمے کا نچلا حصہ باندھ دیا جائے \*\*\*۔

"لا صر" - محکم عہد جس سے انسان بندھا ہوا ہو۔ نیز اس کے معنی بوجہ کے ہیں \*\*\*۔ سورۃ اعراف میں نبی اکرمؐ کے متعلق ہے "وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ" (۱۵۷)۔ وہ اس بوجہ کو اتار دیگا جس کے نیچے نوع

\* تاج و اقرب البوارد۔ \*\* راغب \*\*\* محیط۔

انسانی دبی چلی آ رہی ہے۔ اور ان گراں بار پابندیوں کو اٹھا دیکھا جو انسانوں کے لئے ناقابل برداشت ہوں۔ اور اس طرح انسانیت کو صحیح حریت فکر و عمل عطا کر دیکھا۔ یہی وہ اصرار ہے جس سے آزاد رہنے کی آرزو ہمیں سکھائی گئی ہے "وَلَا تَحْمِلْ عَلَمِنَا اِصْرًا" (۲۸۶)۔ "اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال،" یہی وہ حقیقی آزادی ہے جسے قرآن عطا کرتا ہے۔ یعنی اطاعت صرف خدا کے قانون کی ہوگی، اس کے علاوہ دنیا میں کسی اور کے حکم کی اطاعت نہیں ہوگی، خواہ وہ مذہبی پیشوا ہوں یا دنیاوی ارباب اقتدار (۲۸)۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی روکنے اور جھکانے کے لکھے ہیں۔ یعنی کسی کو محکوم بنا لینا۔ راغب نے کہا ہے کہ الْأَصْرُ سے مراد وہ امور ہیں جو بھلائیوں اور نیکیوں کی راہ میں مانع اور حائل ہوتے ہیں اور ان تک پہنچنے نہیں دیتے۔

## ا ص ل

"أَصْلٌ"۔ کسی چیز کا سب سے نچلا حصہ۔ "أَصْلٌ"۔ کسی چیز کی بنیاد یا جڑ"۔ قرآن کریم میں یہ لفظ قرع کے مقابلہ میں آیا ہے۔ "أَصْلُهَا ثَابِتٌ" و "قَرَعَهَا فِي السَّمَاءِ" (۱۴)۔ جس کے معنی شاخ کے ہیں۔ "أَسْتَأْصِلُهُ"۔ اس کو جڑ سے اکھیڑ دیا"۔ یا کاٹ دیا"۔

"أَلَا صِيْلٌ" (جمع أَصَالٌ) عصر سے مغرب تک کا وقت"۔ قرآن کریم میں ہے بِالْعُدُوِّ وَالْأَصَالِ (۳۵)۔ صبح اور شام۔ ابن فارس نے لکھا ہے کہ اس کے معنی شام کے بعد کا وقت ہیں۔ غالباً رات کے نچلے حصے کی جہت سے اسے ایسا کہتے ہیں۔ راغب نے کہا ہے کہ "أَصْلٌ" کسی چیز کے اس بنیادی حصے کو کہتے ہیں کہ اگر اسے مٹا دیا جائے تو وہ ساری چیز ختم ہو جائے۔ اس اعتبار سے عصر اور مغرب کے درمیانی وقت کو "أَلَا صِيْلٌ" اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے چلے جانے سے دن ہی ختم ہو جاتا ہے۔

## ا ف ف

"أَلْفٌ"۔ ہر گندی مکرورہ اور حقیر چیز کو کہتے ہیں۔ میل کچیل۔ ناخن کی کترن۔ ناخن یا کان کا سل۔ نیز کپڑے پر پڑی ہوئی مٹی یا راکھ وغیرہ کو پھونک مار کر صاف کرنے کے لئے اُتپ بولا جاتا ہے۔ غالباً پھونک مارنے کی آواز کی جہت سے، "أَلْفَةٌ" ہزدل کو کہتے ہیں۔ یا اے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ جس کے پاس کم مال ہو۔ گندا آدمی۔ "أَلْفٌ"۔ "اکتا جانا"۔ "أَلْفٌ"۔ بد بو۔ آف۔ یؤفک۔ بے چینی، اکتاھٹ یا تکلیف

کی وجہ سے 'اُتِبَ کہنا۔ کسی سے نفرت و بیزاری یا 'اکتاہٹ کے اظہار کے لئے، نیز تحقیر کے موقع پر 'اُتِبَ لہہ کہا کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں والدین کے متعلق ہے فَلَا تَقْبَلْ لَهُمَا قِيبًا وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا (۱۳۱) "ان کی تحقیر نہ کرو۔ انہیں جھڑکو نہیں بلکہ نرمی سے بات کرو۔"

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے ناپسندیدہ ہونے کے ہیں۔ (نیز موجودہ وقت کو بھی کہتے ہیں۔ لیکن قرآن میں اس معنی میں یہ لفظ نہیں آیا)۔

## افق

'الافق'۔ 'الافق'۔ کنارہ۔ جمع 'افاق'۔ یعنی جو کچھ زمین اور آسمان کے اطراف سے نظر آتا ہے۔ 'افق' 'التبیت' خیمے کا اگلا چھجا یا سائبان۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے اطراف و جوانب کے درمیان وسعت اور انتہائی بُعد کے ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْافَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ (۱۰۵)۔ "ہم انہیں اپنی نشانیاں دنیا کے اطراف و جوانب میں اور خود ان کے اپنے اندر دکھائیں گے،"۔ یعنی قومی اور بین الاقوامی حوادث۔ نیز اس کے معنی خارجی کائنات اور انسانی دنیا کے ہو سکتے ہیں۔

'فَرَسٌ أَفْقٌ'۔ خوشنما اور حیرت انگیز رفتار والا گھوڑا۔ 'أَفِيقُ الْقَرْجُلِ'۔ وہ علم و فضل اور کرم و شراقت اور دیگر فضائل میں انتہا تک پہنچ گیا۔ 'فَهُوَ أَفِيقٌ وَأَفِيقٌ'۔

انتہائی وسعت اور بلندی کے اعتبار سے نبی اکرم ﷺ کے متعلق ہے۔ 'وَلَقَدْ رَآهُ بِآلِافِقِ الْعَمِيْنِ' (۱۳۱)۔ "اور اس (رسول) نے اپنے آپ کو نہایت بلند مرتبہ پر دیکھا،"۔ (یا خدا نے رسول کو سیرت و کردار کے بلند مقام پر دیکھا)۔ سورۃ نجم میں ہے 'وَهُوَ بِآلِافِقِ الْأَعْلَى' (۱۳۱)۔ "وہ رسول (شرف انسانیت اور علم و حقائق کے) بلند ترین مقام پر ہے،"۔

## افک

آفک۔ بآفک۔ جھوٹ بولنا۔ جھوٹی بات بنانا۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو الٹ دینا اور اسکی جہت سے

پھیر دینا ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں عصائے کلیمی کے متعلق ہے فَادَا  
 هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ (۱۱۶)۔ ”اس نے ان سب چیزوں کو نیست و  
 نابود کر دیا (نگل نیا) جنہیں وہ جھوٹ موٹ بناتے تھے،“۔ سورۃ صافات میں  
 جھوٹے کفار کے متعلق ہے اَيْفُكًا (۳۶)۔ ”کیا تم صحیح راستہ سے ہٹ کر،  
 سورۃ شعراء میں ہے اَفْتَاكِبِ اٰثِمِيْمٍ (۲۲۲)۔ قرآن کریم نے اس کی تشریح سورۃ  
 جاثیہ میں ان الفاظ سے بھی کی ہے يَسْمَعُ اٰيَاتِ اللّٰهِ تَتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يَصِيْرًا  
 مُّسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا (۲۸)۔ ”وہ قوانین خداوندی کو جو  
 اس کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں سنتا ہے۔ پھر تکبر کرتے ہوئے (اپنی ہی بات  
 پر) اڑے رہتا ہے، گویا اس نے قوانین خداوندی کو سنا ہی نہیں۔“۔  
 اِفْكٌ - کسی چیز کو ہلک دینا۔ الٹ دینا۔ جس طریق پر کسی چیز کو  
 ہونا چاہئے اسے اس سے پھیر دینا۔ راغب کے نزائیک بھی اِفْكٌ کا یہی  
 مطلب ہے \*\*۔

پھیر دینے کے معنوں میں سورۃ ذاریت میں ہے - يُوْفِكُ عَنْهُ  
 مَنْ اَفِيكَ (۵۱)۔ ”اس سے اس کو پھیرا جاتا ہے جو خود اس سے پھیر  
 جاتا ہے،“۔ یہ آیت ایک بہت بڑی حقیقت کی طرف دلالت کرتی ہے۔ یعنی  
 خدا کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ انسان خود ہی گمراہ ہوتا ہے۔ خدا کا  
 قانون یہ ہے کہ جو گمراہ ہونا چاہے اسے صحیح راستے پر چلنے کے لئے مجبور  
 نہیں کیا جاتا۔ یہاں ابتداء کار (Initiative) انسان کے ہاتھ میں ہے۔ جو  
 کچھ یہ کرتا ہے اس کے مطابق خدا کا قانون اس پر نافذ ہو جاتا ہے۔ اگر  
 یہ اپنے اندر پتھر جیسی سختی پیدا کر لے تو ہر شیشہ اس سے ٹکرا کر پاش  
 پاش ہو جائیگا اور اگر یہ شیشے جیسا نازک بن جائے تو پتھر کی چھوٹی سی  
 کندکری بھی اسے پاش پاش کر دیگی۔ ہر ضحکہ وہ جدھر اپنا رخ کر لے  
 اسی سمت کی منزل اس کے سامنے آجائیگی۔ خدا زبردستی کسی انسان کا  
 رخ نہیں پھیرتا۔ فَلَمَّا زَاغُوا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (۱۰) ”جب وہ  
 ٹیڑھے چلے تو خدا (کے قانون مکافات) نے ان کے دل ٹیڑھے کر دئے۔“۔

اَنْتٰى يُوْفِكُوْنَ (۵۵) ”کس طرح یا کدھر اللہ نے پھیرے جاتے  
 ہیں،“۔ اَلْمُوْتٰىكَاتُ (۲۶)۔ وہ بستیاں جنہیں الٹ دیا گیا تھا۔

اَلَا فَيَكْتُمُ - قحط والے سال کو کہتے ہیں \*\*\*۔ اَلْمَا فُوْكٌ - جہاں  
 بارش نہ ہوتی ہو اور اس لئے وہاں گھاس وغیرہ کچھ نہ ہو \*\*\*۔

\* تاج - \*\* راغب - \*\*\* تاج و محیط - لہ مزید برآں دیکھئے تتمہ صفحہ ۱۸۰۹/۱۸۱۰ جلد ہفتم

## افل

أَفَلَا التَّقْوَىٰ ۗ فَوَلَّيْنَا ۙ مَا نَشَاءُ لِقَوْمٍ آفَكُوا ۚ (نیز اجرام فلکی) کا غائب ہو جانا اور غروب ہو جانا۔ اَلْمُتَّقُونَ ۗ - ناقص - ضعیف - رَجُلٌ ۙ مَاءٌ فَوَلَّيْنَا ۙ التَّرَابَ ۗ - ضعیف العقل آدمی - \* راغب نے کہا ہے کہ اَفَلَا ۙ فَوَلَّيْنَا ۙ روشن ستاروں کے غروب ہو جانے کو کہتے ہیں - \*\* ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی غروب ہو جانا بھی ہیں اور چھوٹا اور دھندلا ہو جانا بھی -

حضرت ابراہیمؑ کے متعلق قرآن کریم میں ہے کہ انہوں نے کائناتی نظام پر بڑی دقت نظر سے غور و فکر کیا۔ اسکی قوتوں کا اچھی طرح سے مشاہدہ کیا۔ وَكَذَٰلِكَ نَبِّئُكَ ۙ اِبْرٰهِيْمَ ۙ مَآ كُنْتَ مِنَ السَّمٰوٰتِ وَاَلْاَرْضِ - ”اور اس طرح ہم نے ابراہیم کو کائنات کی ہستیوں اور بلندیوں میں اپنی قدرت دکھائی،، - (۱۱۶) اور ان سے ذات باری تعالیٰ پر ایمان کے دلائل کو علی وجہ البصیرت محکم کیا۔ چنانچہ انہوں نے ستاروں کو دیکھا۔ چاند پر غور کیا۔ سورج کا اچھی طرح مشاہدہ کیا۔ ان کی قوم ان اجرام سماوی کی پرستش کیا کرتی تھی۔ لیکن انہوں نے ان پر غور و فکر کے بعد کہا کہ ان کی حالت یہ ہے کہ ایک وقت میں نہایت آب و تاب سے نمودار ہوتے ہیں اور دوسرے وقت میں تاریکی کے پردے میں جا چھپتے ہیں۔ لہذا اس قسم کی تغیر پذیر چیزیں کبھی معبود نہیں بن سکتیں۔ صاحب اقتدار خدا وہی ہو سکتا ہے جو تغیرات سے ماورا ہو۔ اسلئے لَا اَحِبُّ اِلَّا الْفٰلِیْنِ (۱۱۷) ”میں تغیر آشنا چیزوں کو معبود ماننے کیلئے تیار نہیں ہوں،، \*\*\*۔ میں اس ہستی کو خدا مانتا ہوں جو ان سب کی خالق ہے۔ (الْقَدْرِ ۙ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَاَلْاَرْضَ ۙ) -

یہ اعلان کہ ایک تغیر پذیر شے معبود نہیں ہو سکتی، بہت بڑی حقیقت کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔ ذات (Personality) کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ خارجی حوادث سے تغیر پذیر نہیں ہوتی۔ اس کی تعریف، برگسان کے مفہوم کے مطابق، یہ ہے کہ (Changelessness in Change) ”تغیرات کی دنیا میں عدم تغیر“۔ اسلئے خدا جو مکمل ترین ذات (The most complete and Perfect Personality) ہے تغیرات سے یکسر ماوراء ہوگا۔ لہذا، جو آئین

\* تاج - \*\* راغب - \*\*\* بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آیات (۱۱۶-۱۱۷) میں حضرت ابراہیمؑ کے والد (آزر) اور حضرت ابراہیمؑ کا مکالمہ ہے۔ یعنی قال هذا رہی - آزر کا قول ہے اور قال لا احب الا فلین - حضرت ابراہیمؑ کا قول۔ اسی طرح دوسری آیات میں بھی -

ہے وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ ”آفلیت“ ذات (Personality) کی بنیادی خصوصیت کے منافی ہے۔ جس انسان کی ذات کی نشو و نما ہو جائے اس میں بھی یہی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے اصولوں کا پکا ہوتا ہے اور خارجی احوال و ظروف کے ساتھ (مرغ بباد نما کی طرح) ہر آن بدلتا نہیں رہتا۔ اسی کو ایمان کی پختگی اور عمل کی استقامت کہتے ہیں۔ ایسے ہی انسان ہیں جن کی بات پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ جن کا خدا ”آفل“، نہیں وہ خود بھی ”افیل“ نہیں ہوتے۔ جیسا کسی انسان یا قوم کا ”خدا“، ویسا ہی وہ انسان یا قوم۔ خدا کے تصور کا انسان کی ذات یا قومی خصوصیات پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہے۔ قرآن کریم نے خدائے حقیقی کا جو تصور پیش کیا ہے، اس پر ایمان رکھنے والی قوم کا دنیا میں کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ نہ قوت و ثبات میں۔ نہ شرف و سعادت میں۔

## اک ل

آکل۔ کے معنی ہیں کسی چبانے کی چیز کو چبا کر کھا لینا۔ پینے والی چیز یا جس چیز کو چبانے بغیر نگل لیا جائے اسے ”مآ کئول“ نہیں کہا جاتا۔ آئما کئول۔ وہ جانور جسے کوئی درندہ کھا جائے (سورۃ فیل میں عَصْفِ مآ کئول) (۱۵) کے معنی ہیں کھایا ہوا بھس یا وہ چارہ اور پتے وغیرہ جنہیں کیڑوں نے کھا لیا ہو۔ کرم خوردہ) اس اعتبار سے آلا کئل بادشاہ کو کہتے ہیں۔ اور آئما کئول رعیت کو۔ آلا کئل۔ کا استعمال عام طور پر پھلوں کے لٹے ہوتا ہے لیکن درحقیقت درختوں اور پودوں سے جو کچھ بھی کھایا جائے آلا کئل کہلاتا ہے۔ قرآن کریم میں جنت کے متعلق ہے۔ اکلہا دائم (۱۳)۔ ”اس کے پھل ہمیشہ رہینگے“۔ نیز وسیع رزق۔ عقل اور رائے اور وزنی عقل کو بھی آلا کئل کہتے ہیں\*۔

آکل کے حقیقی معنی تو کھانے کے ہیں لیکن اسکے مجازی معنی کسی چیز کے لینے کے بھی آتے ہیں۔ آلتا کئوا الثیربوا (۱۶) کے معنی ہیں۔ سود ست لو۔ اگرچہ ہمارے ہاں بھی ”سود کھانا“ ہی کہتے ہیں اور سود لینے والے کو سود خوار۔ مال کا بیشتر مصرف کھانے پینے اور معاشی ضروریات سے متعلق ہوتا ہے۔ سورۃ مائدہ میں حرام چیزوں کی فہرست میں آکئل التسبیح (۵) آیا ہے۔ اس کے معنی ہیں وہ جانور جسے درندوں نے پکڑ کر تھوڑا بہت



کہنا لیا ہو اور اس میں جان باقی ہو۔ کیونکہ اس کے بعد ہے "إلا ما ذكركم"۔ ہاں اگر تم اسے ذبح کر لو تو پھر ٹھیک ہے۔ اگر درندوں نے سارے کا سارا کھا لیا ہو تو پھر اس کی حلت و حرمت کے متعلق کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔ اور اگر وہ برچکا ہو تو پھر "سردار" ہو جائیگا جو حرام ہے۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس ماہرہ کے بنیادی معنی "بتدریج کم ہونا" ہیں۔ جس چیز کو کھایا جائے وہ کم ہوتی جاتی ہے۔

## أل (حرف)

أل۔ یہ اسم کو معرفہ بنانے یعنی متعین کرنے کے لئے آتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے انگریزی زبان میں (The) آتا ہے۔ "رجل"۔ کوئی آدمی۔ اور "الرجل"۔ وہ خاص آدمی۔ (The Man)۔ ذیل کی مثالوں سے اس کے استعمال کے اسالیب واضح ہو جائیں گے۔

(۱) پہلے کسی کا عمومی ذکر کرنا۔ اور اس کے بعد جب پھر اس کا ذکر آئے تو "أل" بڑھا دینا۔ مثلاً "كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا"۔ "فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ" (۱۵:۱۶)۔ "جس طرح ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا۔ سو فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی"۔ یہاں "الرَّسُولَ" کے معنی ہیں وہ رسول جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

(۲) کسی ایسی چیز کا ذکر کرنا جس سے سننے والا پہلے ہی متعارف ہو۔ یعنی وہ جانتا ہو کہ یہ کس چیز کا ذکر ہو رہا ہے۔ مثلاً "أَذْهَمْنَا فِي الْأَغَارِ" (۱۶)۔ "جب وہ دونوں غار میں تھے"۔ یہاں پہلے کسی غار کا ذکر نہیں آیا۔ پہلی مرتبہ ہی اسے الغار کہا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سننے والوں کو معلوم تھا کہ اس سے کونسا غار مراد ہے۔

(۳) جب وقت یا زمانہ متعین کیا جائے۔ مثلاً "الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ" (۳) "آج کے دن۔ یا اس دور میں۔ ہم نے تمہارا غلبہ (یا دین) مکمل کر دیا ہے"۔

(۴) استغراق۔ جب کسی پوری کی پوری نوع کا ذکر ہو۔ یعنی "كُلِّ" کے معنوں میں۔ مثلاً "خَلِقَ الْإِنْسَانَ ضَعِيفًا" (۲۹)۔ انسان کی خلقت اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ یہ جذبات سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ خصوصیت تمام نوع انسانی کی بتائی گئی ہے۔

(۵) جب کسی چیز میں اس نوع کی تمام خوبیاں جمع ہو جائیں تو اسے بھی آل سے مخصوص کر دیتے ہیں۔ (محیط المحيط)۔ جیسے ذَالِكِ الْكِتَابِ الْكِتَابِ (۱۶) یہاں الْكِتَابِ سے مراد یہ ہے کہ اس کتاب میں تمام آسمانی کتابوں کی خصوصیات یک جا جمع ہو گئی ہیں۔ لیکن ہمارے خیال میں الْكِتَابِ مُشَارٌ اِلَيْهِ ہونے کی وجہ سے معروفہ ہے۔ اَلْبَتَّةَ هُوَ الْحَقُّ کے آل میں یہ خصوصیت ہے کہ اس نوع کی تمام خوبیاں اس میں جمع ہو گئی ہیں۔

(۶) مضاف الیہ کی بجائے جب کسی چیز کی نسبت کسی معین شخص کی طرف کرنی ہو تو آل لگا دیتے ہیں۔ مثلاً اَلْمَدِيْنَةُ سے مراد ہے مَدِيْنَةُ الرَّسُوْلِ۔ رسول اللہ کا شہر۔ (اس نسبت سے اس شہر کی عظمت کو چار چاند لگ گئے)۔

(۷) بعض وقت یہ اَلْتَذْرِیُّ کے معنی دیتا ہے۔ مثلاً اَلضُّقَارِبُ کے معنی ہیں اَلْتَذْرِیُّ یَضْرِبُ۔ وہ شخص جو مارتا ہے۔

## آلا۔ (حرف)

آلا۔ یہ دو حرفوں (یعنی همزہ استفہام اور لام نفی) کا مجموعہ ہے (آ+لا)۔ اس کا ترجمہ ہوگا۔ ”کیا نہیں؟“۔ ان معنوں میں قرآن کریم میں ہے اَلَا تَعْبَثُوْنَ اَنْ یَّعْفِرَ اللهُ لَكُمْ (۲۶) ”کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہاری حفاظت کا سامان کر دے؟“ یا مثلاً اَلَا تَقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْا اٰیْمَانَتَهُمْ (۱۱۰)۔ ”کیا تم ان لوگوں کے خلاف جنگ نہ کرو گے جنہوں نے اپنے عہد کو توڑ دیا ہے؟“۔

(۲) یہ حرف تشبیہ بھی ہے۔ یعنی اس کا استعمال کسی کو متنبہ (آگاہ) کرنے یا کسی بات کے متعلق یقین دلانے کے لئے بھی ہوتا ہے۔ مثلاً اَلَا لَانْتَهُمُ هُمُ الْمُنْسِفُوْنَ (۱۶)۔ ”تم آگاہ رہو کہ یہی لوگ مفسد ہیں،“ (یا) ”یہ واقعہ ہے کہ یہی لوگ مفسد ہیں،“۔ مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے۔ یعنی اَعْلَمُوْا..... یاد رکھو کہ.....

## الف

اَلْف۔ ایک ہزار (جمع اَلْاَفِّ وَ اَلْوَفِّ)۔

چونکہ چار ہندسوں کے اکٹھا ہونے سے ایک ہزار کا عدد بنتا ہے لہذا اَلْاَلْفُ کے معنی ہیں ہم آہنگی اور پیوستگی۔ یا گھل مل جانے

والا ساتھی - (یا اَلْفَتْ کا لفظ اَلْفَتْ سے ہے)۔ اَلْفَتْ بَيْنَهُمْ - ان میں ہم آہنگی پیدا کر دی - ایسی ہم آہنگی جیسے بادل کے ٹکڑے آپس میں مل کر ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتے ہیں (..... سَحَابًا تُمْ يُوَلِّفُ بَيْنَهُمْ)۔ اَلْمُوَلِّفَتْ - وہ چیز جسکے اجزاء کو مرتب کر کے ایک دوسرے کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہو - اَلْاَلْفَتْ - باعہد گریسوست ہو جانا۔ اَلْمُوَلِّفَتْ قَلُّوْا بَهُمْ - جن کے دلوں میں محبت اور الفت پیدا کرنا مقصود ہو - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ مل جانا اور منضم ہو جانا ہیں - اَلْاَلْفَتْ - مانوس کرنا اور الفت دلانا، - (لَا يَلْفُ قَرِيْبًا) عہد و پیمان - وہ اقرار نامہ جس سے دو فریق ایک دوسرے سے پیوست رہیں - یہ وہ عہد نامے تھے جو قریش نے ہمسایہ ممالک کی حکومتوں سے لے رکھے تھے کہ ان کے قافلوں کو کوئی نہ لوٹے کیونکہ وہ کعبہ کے متولی تھے\*۔

قرآن کریم میں جماعت مومنین کے متعلق ہے اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءٌ فَاَلْفَتْ بَيْنَكُمْ قَلُّوْا بِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ اِخْوَانًا (۱۶۰)۔ ”تم ایک دوسرے کے دشمن تھے - خدا نے تمہارے دلوں میں ہم آہنگی پیدا کر دی اور اس طرح تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی ہو گئے“۔ یہاں سے اَلْفَتْ کے معنی واضح ہو جاتے ہیں - اَلْفَتْ درحقیقت تعاون اور اجتماع سے اگلا درجہ ہے - اس میں جماعت کے افراد بالکل ایک دوسرے سے گھل مل جاتے ہیں اور دلوں میں ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے - اگر کسی معاشرہ میں افراد کے باہمی تعلقات ایسے نہیں تو وہ مومنین کا معاشرہ نہیں - ایمان کا فطری تقاضا یہ لازمی نتیجہ ہم آہنگی، فکر و عمل ہے - جب مختلف افراد کے سامنے نصب العین حیات ایک ہو - منزل ایک ہو - راستہ ایک ہو - غابضہ، زندگی ایک ہو تو پھر ان کے دلوں میں ایک دوسرے سے پیوستگی کیوں نہیں ہوگی؟

## الک

مَلِكًا - بعض کا خیال ہے کہ اس لفظ کا مادہ اَلَكْ ہے جسکے معنی پیغامِ رحمانی کے ہیں - اَلِكُنِيْ اِلٰنِيْ فُلَانٍ (اصل میں اَلْتِكُنِيْ تھا) اسکو میری طرف سے پیغام پہنچا دو - اَلْمَلَاكَةُ - پیغام رسان - \*تاج -



جاتا ہے وہ وہی کچھ کرتی ہیں۔“ جس قانون کے مطابق یہ قوتیں مادی کائنات میں کارفرما رہتی ہیں اسکا علم انسان کو دپدیا گیا ہے۔\* (یعنی انسان میں اس امر کی امکانی صلاحیت موجود ہے کہ وہ کائناتی قوتوں کی کارفرمائی کے قانون کا علم حاصل کرلے) اسلئے یہ قوتیں انسان کے تابع تسخیر آسکتی ہیں۔ (ملائکہ کے سجدہ آدم سے یہی مفہوم ہے۔\*\* اسی کو تسخیر فطرت کہتے ہیں۔

لیکن ملائیکہ\* صرف انہیں قوتوں کو نہیں کہا گیا جو خارجی کائنات میں تدبیر امور کرتی ہیں بلکہ ان قوتوں کو بھی کہا گیا ہے جو انسان کی داخلی دنیا (نفسیاتی زندگی) پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ ان الذین قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل عليهم الملائكة الا لا تخافوا ولا تحزنوا .... (۱۱۱) ”یہ حقیقت ہے کہ جو لوگ اللہ کی ربوبیت پر یقین رکھتے ہیں اور پھر اس ایمان پر جم کر کھڑے ہو جاتے ہیں تو ان پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ تم کسی قسم کا غم اور اندیشہ مت کرو۔“ اس میں ”نزول ملائکہ“ سے مراد وہ نفسیاتی تغیر ہے جو خدا کی ربوبیت پر یقین محکم سے انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے۔ (اسکے برعکس جو قوتیں انسان کے دل میں خوف و ہراس اور یاس و ناامیدی پیدا کرتی ہیں (خواہ وہ خارجی قوتیں ہوں یا خود انسان کی داخلی قوتیں) انہیں ابلیس اور شیطان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (دیکھئے عنوان بدل س اور ش۔طن) یہی وہ ”ملائکہ“ تھے جو بدر و حنین کے میدان میں مجاہدین کیلئے تسکین خاطر اور تثبیت قلب کا موجب بنے تھے (۱۱۲؛ ۱۱۶) اسی قسم کی قوتیں ان تغیرات کا بھی موجب بنتی ہیں جو انسان کے طبعی جسم میں رونما ہوتے رہتے ہیں اور آخر الامر موت تک منتج ہوتے ہیں۔ (۱۱۷؛ ۱۱۸) نیز ملائکہ اعمال انسانی کے ”رجسٹرار“ (لکھنے والے۔ محفوظ رکھنے والے) ہوتے ہیں یعنی قانون مکافات کو بروئے کار لانے کا موجب بنتے ہیں۔ (۱۱۹) ذ ۳۳۔ ان آیات ”کتابت اعمال“ کو ملائکہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ لیکن دوسری جگہ ہے کہ ان امور کو اللہ تعالیٰ خود (کھ لیتا ہے) (۱۲۰) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اعمال نامہ خود انسان کے اپنے گلے میں لٹکا رہتا ہے (۱۲۱۔۱۲۲)۔ ان مقامات پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ ملائکہ وہ ملکوتی قوتیں ہیں جو خدا کے قانون مکافات کے مطابق ہر عمل کا نتیجہ مرتب کرتی رہتی ہیں اور وہ نتیجہ انسان کی ذات پر اثر انداز ہوتا رہتا ہے۔

\* و علم آدم الاسماء کلہا (۱۱۱)۔ \*\* (۱۱۲)

چونکہ ملائکہ، کائنات کی غیر مسمیٰ قوتیں ہیں اس لئے ان کے متعلق کہا گیا ہے کہ تم ان کے لشکروں کو دیکھ نہیں سکتے (م، ۲۱، ۲۲)۔ باقی رہا وہ نظام جس کے مطابق ملائکہ، انبیاء، کرام، کی طرف وحی لاتے تھے تو اسکے متعلق ہم کچھ نہیں سمجھ سکتے کیونکہ وحی کی حقیقت و ماہیت ہمارے حیطہ ادراک سے باہر کی چیز ہے۔ ہم اس پر ایمان لانے کے لئے مکلف ہیں اور اسکے مطابق عمل کرنے پر سامور۔ البتہ وحی کی رو سے دئے ہوئے حقائق کی صداقت اور عظمت کو علم کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے (مزید تفصیل وحی کے عنوان میں ملیگی۔ نیز سیری کتاب "ابلیس و آدم"، میں جہاں ملائکہ اور وحی کے متعلق شرح و بسط سے گفتگو کی گئی ہے)۔ وحی ہی نہیں، بلکہ پورے کے پورے عالم امر میں یہ قوتیں کس طرح کام کرتی ہیں ہم اسے نہیں سمجھ سکتے۔ ہماری عقل کا دائرہ محسوسات تک محدود ہے۔ یعنی جو قوتیں محسوس کائنات میں کام کرتی ہیں ہم صرف ان کے متعلق تحقیق کر سکتے ہیں۔

قرآن کریم نے ملائکہ پر ایمان کو "اجزائے ایمان" میں سے قرار دیا ہے (مثلاً ۲۸۵)۔ یعنی ایک شخص کے مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ، کتب، رسل، آخرت پر ایمان لانے کے ساتھ ملائکہ پر بھی ایمان لائے۔ سوال یہ ہے کہ ملائکہ پر ایمان کے معنی کیا ہیں؟ اس کے معنی یہ ہیں کہ ملائکہ کے متعلق وہ تصور رکھا جائے جو قرآن نے پیش کیا ہے اور انہیں وہی پوزیشن دی جائے جو قرآن نے ان کے لئے متعین کی ہے۔ ملائکہ کے متعلق قرآن میں ہے کہ انہوں نے آدم کو سجدہ کیا۔ (سجۃ) یعنی وہ آدم کے سامنے جھک گئے۔ جیسا کہ آدم کے عنوان میں بتایا جا چکا ہے آدم سے مراد خود آدمی (یا نوع انسان) ہے۔ لہذا ملائکہ کے آدم کے سامنے جھکنے سے مراد یہ ہے کہ یہ قوتیں وہ ہیں جنہیں انسان مسخر کر سکتا ہے۔ انہیں انسان کے سامنے جھکا ہوا رہنا چاہئے۔ کائنات کی جو قوتیں ابھی تک ہمارے علم میں نہیں آئیں، انہیں چھوڑئیے۔ جو قوتیں ہمارے علم میں آچکی ہیں ان کے متعلق صحیح ایمان یہ ہوگا کہ ان سب کو انسان کے سامنے جھکنا چاہئے۔ اب ظاہر ہے کہ جس قوم کے سامنے کائناتی قوتیں نہیں جھکتیں وہ قوم (قرآن کی رو سے) صاف آدمیت میں شمار ہونے کے بھی قابل نہیں، چہ جائیکہ اسے جماعت مومنین کہا جائے۔ (کیونکہ مومن کا مقام، عام آدمیوں کے مقام سے کہیں اونچا ہے)۔

اب آپ سوچئے کہ جس قوم کے ایمان میں یہ چیز داخل تھی کہ کائناتی قوتوں کو آدمی کے سامنے جھکنا چاہئے، وہ قوم اگر ان قوتوں کے سامنے جھکی

ہوئی ہو (ان قوتوں کے سامنے ہی نہیں بلکہ ان قوموں کے سامنے جنہوں نے ان قوتوں کو اپنے سامنے جھکایا ہوا ہے) تو اس قوم کی ہستی کی کوئی انتہا ہو سکتی ہے؟ یاد رکھئے۔ ”مقام آدم“، یہ ہے کہ کائنات کی تمام قوتیں اس کے سامنے سجدہ ریز ہوں۔ اور مقام مومن یہ ہے کہ ان تمام قوتوں کو مسخر کر کے ان کے ماحصل کو تو نین خداوندی کے مطابق نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے صرف کیا جائے۔ یاد دہانی تدبیر یہ حقیقت ابھر کر سامنے آسکتی ہے کہ ہمیں مقام مومن تو کجا، مقام آدم بھی نصیب نہیں۔

## ال ل

آل ل۔ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کا کچھ احترام ہو اور اسکا کچھ حق ہوتا ہو۔ یعنی وہ چیز واجب الاحترام ہو اور اس کا حق ادا کیا جانا ضروری ہو۔ جیسے قرابت داری۔ رحم۔ پڑوس۔ عہد۔ \* ہر وہ کہلی ہوئی بات جسکا انکار نہ کیا جا سکتا ہو۔ \*\* اس لفظ کے اصلی معنی چمکنے کے ہیں۔ \* ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی حرکت کے ساتھ چمک کے ہیں۔ اور آواز کے۔ نیز اس ذریعہ بنا سبب کے جس کی حفاظت کی جائے۔ آل ل معاشرہ کی ایسی باتوں کو کہا جائے گا جو بالکل واضح۔ صاف۔ نکھری اور کہلی ہوئی ہوں۔ جن کے ثابت کرنے کیلئے کسی دلیل یا سند کی ضرورت نہ ہو۔ جو سب کے نزدیک مسلم اور قابل احترام ہوں۔ پڑوسی یا قرابت دار کے ساتھ حسن سلوک، یہہ ہر معاشرہ کی ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے جسکے ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ قرآن کریم میں مخالفین (قریش) کے متعلق ہے لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلَّا نُؤْمًا لَا دَمِيَّةَ فِيهَا (۲۶۰) ”یہ اپنی مخالفت میں اس حد تک بڑھ چکا ہے کہ معاشرہ کے وہ مسلم اصول جن کا ہر شخص خیال رکھتا ہے، تمہارے معاملہ میں یہ ان تک کا بھی خیال نہیں کرتے۔ نہ ہی کسی حق اور حرمت کا پاس کرتے ہیں،“۔ ان لوگوں کی یہی روش تھی جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے ان سے کہا تھا کہ لَا اسْتَدْرَكُمْ عَلَيْهِ اجْرًا إِلَّا السُّوْدَةَ فِي الْقُرْبَىٰ (۲۶۱)۔ میں تم سے اپنی پیغام رسانی کا کوئی اجر نہیں مانگتا لیکن تم میری مخالفت میں اس حد تک تو نہ بڑھ جاؤ کہ جو عام رشتہ داروں کے حقوق ہوتے ہیں انہیں بھی نظر انداز کر دو! واضح رہے کہ نبی اکرم ﷺ اس چیز کو بھی بطور اجر رسالت نہیں مانگتے۔ (اجر مانگنے سے تو تمام انہیسا انکار کرتے رہے ہیں) بلکہ ان کی توجہ عام معاشرتی حقوق و واجبات کی طرف دلاتے ہیں۔

اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اگر تم باہم (ایک دوسرے سے) صلہ رحمی اور رشتہ داری کے حقوق کا لحاظ رکھو گے تو یہی چیز میری رسالت کا اجر ہو جائے گی۔ اس لئے کہ دوسری جگہ ہے۔ مِمَّا مَنَّا لَتُنْكُمُ مِّنْ أَجْرٍ فَهَوَٰ لَكُمْ<sup>(۲۳۶)</sup>۔ ”میں جو اجر تم سے مانگتا ہوں وہ خود تمہاری ہی بھلائی کے لئے ہے۔“

(مزید تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ق۔ ر۔ ب اور حرف الا<sup>(۱)</sup>)

## الَّا۔ [حرف]

آلَا۔ (آن۔ لا)۔ قرآن کریم میں ہے۔ آلَا تَعْلَمُوْا عَنَّا<sup>(۲۳۷)</sup> (بات یہ ہے) کہ تم میرے خلاف سرکشی نہ کرو۔ کبھی اس کے پہلے ل۔ ل۔ آجاتا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں تاکہ۔ مثلاً۔ لِقَلَّا يَكُوْنُ لِيْلَتَا سِرِّ عَلَيَّكُمْ حُجَّةً<sup>(۲۳۸)</sup>۔ تاکہ لوگوں کے پاس تمہارے خلاف کوئی دلیل و حجت نہ رہے۔

## الَّا<sup>(۲)</sup> [حرف]

الَّا۔ اس کے معنی عام طور پر بجز۔ علاوہ۔۔۔ وا۔ مگر۔ لیکن۔ کے آتے ہیں۔ ذیل کی مثالوں سے مفہوم واضح ہو جائیگا۔

(۱) قَامَ الْقَوْمُ<sup>(۱)</sup> آلَا زَيْدًا۔ زید کے علاوہ اور سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زید بھی قوم (لوگوں) کے اندر شامل تھا لیکن وہ کھڑا نہیں ہوا۔ قرآن کریم میں ہے۔ فَشَرِبُوْا مِنْهُ<sup>(۲)</sup> آلَا قَتَلْنَا مَنِ هُمْ<sup>(۳)</sup> ان میں سے چند لوگوں کے سوا باقی سب نے پانی پی لیا۔ ایسے استثناء کو اصطلاح میں استثناء متصل کہتے ہیں۔

(۲) قَامَ الْقَوْمُ<sup>(۱)</sup> آلَا حِيْمَارًا۔ تمام لوگ کھڑے ہو گئے لیکن گدھا نہیں کھڑا ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ گدھا لوگوں میں شامل نہیں ہے۔ یعنی قَوْمٌ<sup>(۲)</sup>۔ ایک الگ شے ہے۔ اور حِيْمَارٌ<sup>(۳)</sup>۔ ایک الگ۔ یہ پہلی مثال (نمبر ۱) کے بالکل خلاف ہے۔ قرآن کریم میں ہے اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْا اِلَّا اِبٰلِيْسَ<sup>(۴)</sup>۔ جب ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ان سب نے سجدہ کر دیا لیکن ابلیس نے سجدہ نہ کیا۔ یعنی ابلیس ملائکہ



سے الگ جنس تھا۔ وہ ملائکہ میں شامل نہیں تھا۔ اس آیت کے یہ معنی نہیں کہ باقی ملائکہ نے تو سجدہ کر دیا مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا۔ (ابلیس کو سجدہ کا حکم دینا قرآن کے دوسرے مقام سے ثابت ہے۔ دیکھئے ۱۱/۲۰)۔ اس قسم کے استثناء کو اصطلاح میں استثنائے منقطع کہتے ہیں۔

اسی طرح قرآن کریم میں ہے۔ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِيَّاهُ لَمَوْدَّةً فِي الْقُرْبَىٰ (۲۲/۲۲)۔ ان سے کہو کہ میں اس تبلیغ کے بدلے تم سے قطعاً کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میں تو صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ (یا باہمہم، گر، ایک دوسرے کے ساتھ) رشتہ داری کے تعلقات کا لحاظ کرو۔ یعنی یہ چیز بھی بطور اجر کے نہیں مانگتا۔ (اردو میں اس کا ترجمہ ..... ہاں البتہ ..... کہا جائے تو مفہوم واضح ہو جائیگا۔) (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان (۱- ل- ل) اور (ق- ر- ب)۔)

اسی طرح سورۃ یونس میں ہے۔ قَالُوا لَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمٌ يُونُسَ (۱۰/۹۸)۔ ”تو کیوں کوئی بستی ایسی نہ ہوئی (یعنی کوئی بستی ایسی نہ تھی) کہ وہ (عذاب دیکھنے کے بعد) ایمان لاتی تو اس کا ایمان اسے نفع دیتا۔ ہاں البتہ یونس کی قوم ایسی تھی“۔

(۳) کبھی یہ واؤ۔ (عاطفہ) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔ لَا يَخَافُ لَدَىٰ الْمُرْسَلُونَ۔ إِلَّا مَن ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حَسْتًا بَعْدَ سَوْءٍ۔ (۲۶/۲۶) ہمارے حضور ہمارے رسول ڈرا نہیں کرتے۔ اور نہ ہی (وَلَا) وہ لوگ ڈرا کرتے ہیں جو کبھی زیادتی کر بیٹھیں لیکن بعد میں اس برائی کو نیکی سے بدل لیں۔

(۴) قرآن کریم میں ہے۔ إِنْ كُنَّ إِلَّا كَذِبَ الرَّسُلِ (۳۸/۳۸) ان تمام نے رسولوں کی تکذیب کی۔ ان میں سے کوئی قوم بھی ایسی نہ تھی جس نے تکذیب نہ کی ہو۔ سب کے سب نے ایسا کیا۔ یعنی اِنْ كُنَّ إِلَّا كَذِبَ الرَّسُلِ کے معنی ہیں ”سب کے سب“۔

(۵) کبھی یہ ”اگر نہیں“ (اِنْ - لَا) کے معنوں میں آتا ہے۔ مثلاً إِيَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ..... (۲۱/۲۱) اگر تم نے اس کی مدد نہ بھی کی (تو بھی کیا ہے) یہ واقعہ ہے کہ اللہ نے اس کی مدد کی۔

(۶) مفتی تبسہ، (اور ان کے شاگرد سید رشید رضا مرحوم) نے تفسیر المنار (جلد نمبر ۱ ص ۲۱۹ - ۲۱۷) میں لکھا ہے کہ قرآن کریم میں جب اَلَا مَشِیتِ خِداوندی کے ساتھ آئے تو اس کے معنی ہمیشہ بالکل نفی کے ہوتے ہیں۔ سَنَقِّرُكَ فَلَاحًا تَنْسُو۔ اَلَا مَآشَاءَ اللّٰهِ (۳۰:۳۰) ہم تجھے (قرآن) پڑھائینگے تو تو اس میں سے کچھ نہیں بھولے گا۔ اَلَا مَآشَاءَ اللّٰهِ۔ یعنی بالکل کچھ نہیں۔ یعنی خدا نے ایسا چاہا ہی نہیں۔ اس کی تائید۔ (۸۱:۸۲) سے یہی مدنی ہے جہاں نہا گیا کہ وَلَمَّيْنُ شَيْئًا لَّنَدُ هَبْنِ بِالذِّیْ اَوْ حَبْنًا لِّلْمَكِّ..... اگر ہم چاہتے تو جو کچھ ہم نے تیری طرف وحی کیا ہے اسے لے جاتے، اس سے ظاہر ہے کہ یہ مشیتِ خداوندی نہیں تھا ہی نہیں کہ قرآن میں سے کچھ غیر محفوظ رہ جاتا۔

المنار میں اس قسم کی اور مثالیں بھی دی گئی ہیں۔ مثلاً خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اَلَا مَآشَاءَ رَبِّكَ۔ عَطَاءٌ غَيْرَ مَجْذُوذٍ (۱۰۰:۱۰۸)۔ اہل جہنم اس میں رہینگے جب تک آسمان اور زمین ہیں۔ اور اہل جنت اسی میں رہینگے۔ ان میں سے کوئی نکل کر دوسری طرف نہیں جاسکیگا۔ (مزید تشریح کے لئے دیکھئے عنوان (ن۔ س۔ ی)۔)

## الذی (الذی) (اسم موصول)

الذی۔ جو، جس۔ عَمَّا اللّٰهُ الذِّیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (۲۲:۲۲) اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی اللہ نہیں۔ اَلَّذٰنِ۔ (مذکر۔ تثنیہ) یعنی دو (مذکر) کے لئے۔ اَلَّذِیْنِ (جمع۔ مذکر) اَلَّذِیْ۔ (واحد مؤنث) اَلَّذِیْ وَاَلَّذِیْ۔ (جمع مؤنث)۔

یعنی :-

الذی۔ وہ ایک (مذکر) جو

الذین۔ وہ دو (مذکر) جو

الذین۔ وہ (دو سے زیادہ مذکر) جو

الذی۔ وہ ایک (مؤنث) جو

الذین۔ وہ دو (مؤنث) جو

الذین۔ وہ (دو سے زیادہ مؤنث) جو

## الم

آلم اور ایلدّمۃ - درد کو کہتے ہیں۔ آلیم کے معنی درد پہنچانے والا۔ یا درد ناک۔ الیم العذاب اس تکلیف کو کہتے ہیں جو اپنی درد انگیزی میں انتہا تک پہنچی ہوئی ہو\* صاحب محیط کے نزدیک زندگی کی ناخوشگوار بیوں کو آلم کہتے ہیں۔ اس کے مقابل لذّة ہے\*\*۔

الوّمۃ کے معنی خست اور کمینگی کے بھی آتے ہیں\*۔  
قرآن کریم میں عذاب الیم متعدد مقامات پر آیا ہے۔ اس کے معنی غلط اعمال انسانی کے درد انگیز عواقب ہیں۔ اس دنیا میں ذلت آمیز زندگی اور تباہی۔ اور آخرت میں رسوا کن عذاب۔ حضرت نوح نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اگر تم نے قوانین خداوندی سے سرکشی برقی تو انہی آخاف علیکم عذاب یوم الیم (۱۱) ”تو میں تم پر ایک درد انگیز دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں“۔ ان پر یہ عذاب سیلاب عظیم کی شکل میں آیا تھا جس سے وہ تباہ ہو گئے تھے۔ سورۃ بقرہ میں منافقین کے متعلق کہا گیا ہے کہ ولہم عذاب الیم (۱۰) ”ان کے لئے دردناک عذاب ہے“۔

## الہ

آلیہ الیہ یالہ کے معنی ہیں گھبرا کر اس کی پناہ ڈھونڈنا۔ نیز آلیہ کے معنی ہیں متحیر ہونا۔ اور آلہ یالہ کے معنی ہیں کسی کو پناہ دینا۔ امان میں لینا۔ چنانچہ آلیہ یالہ لیسکان کے معنی ہیں امن و سکون سے کسی مکان میں سکونت اختیار کر لینا\*۔ ان معانی کے اعتبار سے الہ کے معنی ہونگے ایسی ہستی جس سے خطرات میں پناہ حاصل کی جائے۔ جس سے مشکلات دور کرنے کی استدعا کی جائے اور جس کی عظمت و بلندی کے تصور سے انسان متحیر ہو جائے۔

بعض کا یہ بھی خیال ہے کہ یہ لفظ لآہ یتلیہ سے مشتق ہے جس کے معنی بلند مرتبہ ہونا اور نگاہوں سے پوشیدہ ہونا ہیں\*۔

بعض کہتے ہیں کہ آلہ کے معنی ہیں وہ شخص غلام بن گیا اور اللہ کے معنی ہیں اس نے اسے غلام بنا لیا۔ اس سے تالیہ کے معنی تعبید (غلام بنانا) آتے ہیں۔ اور الہ اسی سے ہے جو دراصل بمعنی مفعول

\* تاج - \*\* محیط -

مَالُوۃٌ ۚ ۛ ۛ ۛ - (جیسے کتاب ۛ بمعنی مَسْكُوتُوۡبٌ ۛ ہے) - اس اعتبار سے اِلٰہ ۛ کے معنے ایسی ہستی ہونگے جس کا غلبہ و اقتدار قبول کیا جائے۔ جس کے قانون کی اطاعت کی جائے۔ جس کے حکم کا اتباع کیا جائے۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی تَعَبَّدٌ ۛ کے لکھے ہیں۔ یعنی کسی کی محکومیت اختیار کرنا۔ چنانچہ جب فرہون نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا کہہ لَتَمِثَّ اِتَّخَذَتْ اِلٰہًا غَیْرِيْ ۛ لَا جُعَلْتَ لَکَ مِنْ اِلٰہٍ مَسْجُوۡمٌ نِّیۡنٌ ۛ (۱۶۹) (اگر تو نے میرے سوا کسی کو اِلٰہ تسلیم کیا تو میں تجھے قید کر دوں گا) تو وہاں اِلٰہ ۛ کے معنے صاحب اقتدار ہی کے ہیں۔ اسی طرح جہاں کہا گیا ہے اَرَاۤیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰہَہٗ ۛ ہَوۡنَہٗ ۛ (۲۵۹) ”کیا تو نے اس شخص کی حالت پر بھی غور کیا جس نے اپنے جذبات ہی کو اپنا اِلٰہ بنا لیا،، - تو اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ وہ اپنے جذبات ہی کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ انہی کا اقتدار تسلیم کرتا ہے۔ وہ اپنے جذبات کا بندہ بن چکا ہے۔ اسی طرح جہاں اللہ تعالیٰ کیلئے ہے - وَہُوَ الَّذِیْ ۛ فِی السَّمٰوٰتِ اِلٰہٌ ۛ وَفِی الْاَرْضِ اِلٰہٌ ۛ (۲۸۳) - ”وہی ہے جو کائنات کی بلندیوں میں بھی اِلٰہ ہے اور پستیوں میں بھی،، - (با جو کائناتی اور معاشی دنیا میں اِلٰہ ہے) - تو اس کے معنے بھی صاحب اقتدار کے ہیں۔ یعنی کائنات میں بھی اقتدار و اختیار اسی کا ہے اور انسان کی معاشی اور معاشرتی دنیا میں بھی اسی کا۔

چونکہ تو ہم پرستی کے زمانہ میں لوگ چاند سورج وغیرہ کو بھی بڑی بڑی قوتوں کا مالک مان کر ان کی پرستش کرتے تھے اس لئے اِلٰہَۃٌ ۛ کے معنی چاند ہیں اور اِلٰہَۃٌ ۛ کے معنی سورج۔ اسی نہج سے ہر معبود کو اِلٰہ ۛ کہتے ہیں۔ حتیٰ کہ بتوں کو بھی جن کی پرستش کی جاتی ہے (۱۳۸)۔

ایک خیال یہ ہے کہ اِلٰہ ۛ جامد لفظ ہے (کسی دوسرے لفظ سے نکلا نہیں) لیکن دوسرا خیال یہ ہے کہ اصل میں یہ لفظ اِلٰہ ۛ تھا (اِل ۛ + اِلٰہ ۛ)۔ کثرت استعمال سے اِلٰہ ۛ کا ہمزہ گر گیا اور پہلا لام دوسرے لام میں مدغم ہو گیا۔ اس طرح یہ لفظ ”اِلٰہ ۛ“ بن گیا \*۔

قرآن کریم میں ”اِلٰہ ۛ“ خدا کی ذات کیلئے استعمال ہوا ہے۔ باقی تمام اَسْمَاء (نام) اسکی صفات ہیں۔

\* تاج - \*\* لین -

لہذا، اللہ، (قرآنی اِله) وہ بلند و بالا ہستی ہے جو انسانی نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ جسکی عظمتوں کے سامنے انسانی عقل و ادراک متعجب رہ جاتے ہیں۔ جسکا اقتدار تمام کائنات پر چھایا ہوا ہے۔ جسکی اطاعت نہایت ضروری ہے۔ لیکن ہم اسکی اطاعت اسکے اس قانون کی رو سے کر سکتے ہیں جو اسنے اپنی طرف سے (بذریعہ وحی) ہمیں دیا ہے (اور جو اب قرآن کریم میں محفوظ ہے)۔ لہذا اَطِيعُوا اللہ کے معنی ہونگے خدا کے قانون کی اطاعت کرو۔ اسی طرح کائنات میں بھی جو کچھ ہوتا ہے سب اسی کے قانون کے ماتحت ہوتا ہے۔ لہذا قرآن کریم میں جہاں یہ آئیگا کہ ”اللہ یوں کرتا ہے“، تو اسکا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ کے قانون کے مطابق اسطرح ہوتا ہے۔ عالم اسر میں بھی اسی کا قانون کار فرما ہے اور عالم خلق میں بھی یہ قوانین اسنے اپنی مشیت سے بنائے ہیں اور اسی کی قدرت (کنٹرول۔ قبضہ۔ اختیار) سے یہ قوانین نافذ العمل اور کار فرما ہیں۔ یہی وہ ”سُنَّةُ اللہ“ ہے جس میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ (اسکی تفصیل شریء کے عنوان میں دیکھئے)

تمام قرآن، اللہ تعالیٰ کی صفات، اس کے قوانین، احکام، حکمت بالغہ، ہدایات کا مجموعہ ہے۔ اسکی ساری تعلیم کا نقطہ ماسکہ اللہ کی وحدانیت ہے۔ یعنی اس حقیقت کا اعلان و ایمان کہ کائنات میں اقتدار و اختیار صرف اسی کا ہے۔ اس کے سوا کسی کا نہیں۔

جہاننک اللہ تعالیٰ کی ذات کا تعلق ہے، ہم اس کی ماہیت اور کیفیت کے متعلق کچھ نہیں جان سکتے۔ محدود (Finite) کسی لا محدود (Infinite) کا ادراک نہیں کر سکتا۔ البتہ قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی جن صفات (الاسماء الحسنی) کا ذکر کیا ہے ہم ان سے خدا کے متعلق (اپنی حدود ذہنی کے اندر رہتے ہوئے) اندازہ کر سکتے ہیں۔ اللہ پر وہی ایمان قرآن کریم کی رو سے صحیح ایمان ہے جو قرآن میں بیان کردہ صفات کے مطابق عموماً اس لئے دنیا میں جو لوگ اپنے اپنے طور پر خدا کو مانتے ہیں انہیں قرآن کی رو سے ”اللہ پر ایمان رکھنے والے“، نہیں کہا جا سکتا۔ یہ بڑی اہم حقیقت ہے جسے اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے۔ ”خدا پرستی اور نیک عملی“، وہی درست ہے جو قرآنی تعلیم کے مطابق ہو۔ نہ وہ جو مختلف افراد۔ قوم یا مذہب کے اپنے اپنے تصور کے مطابق ہو۔

## ال و (الی)

آلَا - یَا لَہُ - اَلُوْا وَاٰلِیٰہَا - کوتاہی کرنا - تاخیر کرنا - سستی کرنا - باز رہنا - کَلَا یَا لُوْا نَکُمْ خَبَاآلَا (۱۱۶) - ”یہ لوگ تمہاری تخریب میں بالکل کوتاہی نہیں کریںگے“ - اَلَا لَیْسَ لَہُ - تَسْم - اِیْلَآءٌ - باز رہنے کی

قسم - عورت کے پاس نہ جانے کی قسم \* - لِلْقَدْرَيْنِ بِؤُسُونٍ مِّنْ نِّسَاءِ هِيْمٌ (۲۲۶) - "جو لوگ اپنی بیویوں سے باز رہنے کی قسم کھاتے ہیں،" - سورة نساء میں ہے وَلَا يَأْتِيَنَّكَ... (۲۲۶) - دوسروں کی مدد کرنے سے باز رہنے کی قسم نہ کھائیں - ان مقامات سے ظاہر ہے کہ یہ قسم اس قسم کی ہے جس سے دوسرے کو نقصان پہنچے - راغب نے اسکی یہی خصوصیت بتائی ہے -

مَالِئَاتُهُ - میں اس کی وسعت اور طاقت نہیں رکھتا - ابن الاعرابی نے کہا ہے کہ اَلْوُضْءُ اضداد میں سے ہے - یعنی اس کے معنی کوتاہی کرنے کے بھی ہیں اور قدرت اور طاقت رکھنے کے بھی - روکنے کے بھی اور عطا کرنے کے بھی \* - اس لئے اَلَا لَاءُ (جو اَلْوُضْءُ کی جمع ہے) کے معنی قدرت اور طاقت کے بھی ہیں \* اور عطیہ اور نعمت کے بھی - قرآن کریم میں جہاں آتا ہے قَبِيْاَتِيْ اَلْاَعْرَابِيْكُمْ اَشْكُوْا بَانَ (۳۱۳) تو وہاں اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ تم اپنے نشوونما دینے والے کی کس کس قدرت اور طاقت کو جھٹلاؤ گے - اور یہ بھی کہ تم اس کی کس کس نعمت اور عطیہ کو جھٹلاؤ گے - ہر مقام پر معنی سیاق و سباق کی رو سے کئے جانینگے - مزید برآں دیکھئے تَمَّتْ مَلِكًا مَّجِيْدًا نوٹ - اَلْاَعْرَابِيْ کا واحد اَلْوُضْءُ تاج العروس کے علاوہ اور کہیں نہیں ملا - دیگر کتب لغت و تفاسیر میں اس کا واحد اِلٰی - اَلٰی اور اِلٰی آیا ہے - البتہ اس کے معنی نعمت اور قدرت دونوں آتے ہیں -

## الی (حرف)

الی - تک - کی طرف - یہ زمان (وقت) کے لئے بھی آتا ہے - اور سکن (جگہ) کے لئے بھی - جیسے ثُمَّ اَتَيْتُمُ الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ (۲۸۶) پھر تم رات تک روزہ پورا کرو - اور مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (۱۶) مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک - اس مقام پر ایک بات قابل غور ہے - ثُمَّ اَتَيْتُمُ الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ - میں اِلَى اللَّيْلِ کے معنی ہیں آغاز شب تک - یعنی جب دن ختم ہو کر رات شروع ہو جائے - اس میں لَيْل (رات) شامل نہیں - یعنی یہ سراد نہیں کہ ختم شب تک روزہ رکھو - لیکن وضو کے احکام میں ہے فَاغْسِلُوْا وُجُوْهُكُمْ وَاَبْدَانَكُمْ اِلَى الْمَرْآفِقِ (۵) - اپنے چہروں اور کہنیوں تک ہاتھ دھولیا کرو - اس میں (اِلَى الْمَرْآفِقِ) سے سراد ہے کہنیوں سمیت - یعنی الْمَرْآفِقِ اس کے اندر داخل ہیں - لِهَذَا اِلٰی (بمعنی تک) کے استعمال کا یہ فرق ملحوظ رکھنا چاہئے -

\* تاج و محیط - \*\* محیط -

(۲) مَعَ - (ساتھ) کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ جیسے وَلَا تَأْكُلُوا  
أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ (۲/۲۶)۔ اور ان کا سال اپنے سال کے  
ساتھ ملا کر نہ کیا جاؤ۔

(۳) ان معنوں میں بھی جن میں ہم اپنے ہاں کہتے ہیں۔ ”میرے نزدیک،  
یا ”میرے لئے“۔ جیسے رَبِّ السَّجْدِ أَحْسَبُ إِلَيْهِ (۱۱۱/۱)۔ اے  
میرے پروردگار! میرے نزدیک قید خانہ اس سے کہیں بہتر ہے (جس  
کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں)۔

(۴) ان معنوں میں جن میں ہم کہتے ہیں ”اس کے لئے“، جیسے وَالْأَمْوَالُ  
الَّتِي كَسَبُوا (۲/۲۶) اور معاملہ کا آخری فیصلہ تیرے لئے ہے۔ یعنی تجھے  
ہی آخری فیصلہ کرنا ہے۔

(۵) بعض اوقات یہ عملی کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے (جس کا  
مطلب ہوتا ہے کسی کے خلاف کوئی بات کرنا۔ جیسے وَقَضَيْنَا إِلَىٰ  
بَنِي إِسْرَائِيلَ (۱۰۶/۱)۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کے خلاف یہ  
فیصلہ کر دیا تھا۔ لیکن اس آیت کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں  
کہ ہم نے بنی اسرائیل کو اس کی خبر دے دی تھی۔ اس صورت  
میں اس جگہ اِلَىٰ بمعنی عملی نہیں آوگا۔ بلکہ اس کے معنی ”کی  
طرف“، ہونگے۔ ان معنوں میں یہ حرف عام طرز پر استعمال ہوتا ہے۔

(۶) بعض اوقات یہ۔ فی (میں) کے معنوں میں بھی آتا ہے، جیسے  
لَيَجْزِيَنَّكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ (۸۸/۱۶) وہ تمہیں یوم القیامہ  
میں اکٹھا کریگا۔

(۷) بعض اوقات یہ مِّنْ (سے) کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔  
(لیکن قرآن کریم سے اس کی کوئی مثال ہمارے سامنے نہیں)۔

## الیاس علیہ السلام

قرآن کریم نے آپ کا تذکرہ یہ سلسلہ انبیائے کرام کیا ہے (۱۱۱)۔ اور  
خصوصیت سے کہا ہے کہ انَّ الْيَاسَ لَمِّنَ الْعَمْرُ سَلْبِينَ (۱۱۱/۱) ”یقیناً الیاس“  
رسولوں میں سے تھا“۔ اسی سورت میں آپ کو اِلْ يَاسِينَ بھی کہا گیا ہے  
(۱۱۱/۱)۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ جس قوم کی طرف آپ مبعوث ہوئے تھے وہ بتعل  
کی ہرستہں کرتی تھی (۱۱۱/۱)۔ قیاس یہ ہے کہ آپ وہی پیغمبر ہیں جن کا  
نام تورات میں اِيسَا نَبِيْ اٰمِيْنَا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ حضرت ادریسؑ کا

دوسرا نام الیاس ہے۔ لیکن (جیسا کہ عنوان ادريس میں کہا گیا ہے) اگر حضرت ادريسؑ، حضرت نوحؑ کے اجداد میں سے تھے تو آپ حضرت الیاسؑ نہیں ہو سکتے۔ اسلئے کہ آیت (۱۸۵) میں حضرت الیاسؑ کو حضرت نوحؑ (یا حضرت ابراہیمؑ) کی ذریت میں سے بتایا گیا ہے۔ آپ غالباً ایسائے بنی اسرائیل میں سے تھے۔

## إِلْیَاسِیْن

حضرت الیاسؑ کا دوسرا نام ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ”الیاس“۔  
قرآن کریم میں آپ کا یہ نام (۳۳۰) میں آیا ہے۔

## الْیَسَع

یہ وہی نبی ہیں جنہیں تورات میں (Elisha) کہا گیا ہے۔ قرآن کریم نے زمرہ انبیائے کرام میں ان کا ذکر کرنے کے بعد (۱۸۷) کہا ہے کہ ان سب کو کتاب دی گئی تھی (۱۶۱)۔ نیز ان کا نام (۳۸۸) میں آیا ہے۔ تفصیلی تعارف قرآن کریم نے نہیں کرایا۔

## اَمْ - (حرف)۔

- اَمْ۔ یا۔ حسب ذیل مثالوں سے اس کا مفہوم واضح ہو جائے گا۔
- (۱) اَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْفًا اَمْ السَّمَاءُ (۴۹) کیا پیدائش میں تم زیادہ سخت ہو یا آسمانی کمرے؟
  - (۲) سَوَاءٌ عَلَيْنِهِمْ اَنْ اَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تَنْذِرْهُمْ (۲) ان کے لئے برابر ہے خواہ تم انہیں آگاہ کرو یا نہ کرو۔
  - (۳) قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰی وَالْبَصِيْرُ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ (۱۳) ان سے پوچھو کہ کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتے ہیں یا (بلکہ یہ کہہ) کیا اندھیرا اور روشنی برابر ہو سکتے ہیں؟
  - (۴) بعض اوقات یہ زائد بھی ہوتا ہے۔ مثلاً اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذِ الْقَدْرِ (۲۳)..... میں اس سے بہتر ہوں۔ لیکن اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں۔ ”یا (کیا) میں اس سے بہتر نہیں ہوں“۔ اس صورت میں اَمْ زائد نہیں ہوگا۔



علم محسوسات کی دنیا تک محدود ہے اور یہ امور، عالم محسوسات سے آگے کی باتیں ہیں۔ مشہور مفکر (Pringle Pattison) کہتا ہے کہ یہ انگریزی زبان کی کوتاہ دامنسی ہے جس میں تخلیق کے لئے صرف ایک لفظ (Creation) ہے۔ حالانکہ محسوس کائنات کی تخلیق اور غیر مرئی وغیر محسوس کی تخلیق میں جو اہم فرق ہے اس کے اظہار کے لئے ضروری تھا کہ دو الگ الگ الفاظ ہوتے۔ قرآن نے اس کے لئے خلق اور امر الگ الگ الفاظ استعمال کئے ہیں۔

امر کا دوسرا حصہ، جس سے مفہوم وہ قانون خداوندی ہے جو کائنات کے رگ و پیر میں کارفرما ہے، ہمارے سامنے ہے اور اس کے متعلق ہم علم حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن وہ بھی صرف اس حد تک کہ فلاں چیز کس قانون کے مطابق سرگرم عمل ہے۔ وہ قانون ایسا کیوں ہے؟ اس کے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ مثلاً ہم جانتے ہیں کہ پانی نشیب کی طرف بہتا ہے۔ یہ اس کا قانون ہے۔ لیکن پانی کو کیوں ایسا بنایا گیا ہے کہ وہ نشیب کی طرف بہے؟ اس کے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ امر (یعنی قانون کائنات) کی شہادتوں سے سارا قرآن بھرا ہوا ہے۔ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ مَسَّخَرَاتٍ بِأَمْرِهِ (۵۶) سورج۔ چاند۔ ستارے۔ خدا کے امر (قانون) کی زنجیر سے جکڑے ہوئے ہیں۔ وَالْفُلُوكَ لَنَجْئِرِيْ رِفِ الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ (۲۲) کشتی سمندر میں اس کے امر (قانون) کے مطابق چلتی ہے۔ آیت (۱۴) میں اذُنٌ اور امرٌ مرادف معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ (اذن کے معنی بھی قانون خداوندی ہیں۔ دیکھئے عنوان اذن)

قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ جس طرح طبیعی کائنات (Physical World) میں تمام اشیاء ایک خاص قانون کے تحت سرگرم عمل رہتی ہیں اور ہر نتیجہ اس قانون کے مطابق مرتب ہوتا ہے، اسی طرح انسانوں کی تمدنی دنیا میں بھی (اقوام کا) عروج و زوال اور زندگی اور مہلاکت ایک خاص قانون کے مطابق واقع ہوتے ہیں۔ یہ مکافات عمل کا قانون ہے اور اسے بھی امرٌ ہی کہا گیا ہے۔ لِيَسْخَرِيْ لَكَ اللهُ اَمْراً كَانَتْ مِّنْهُ لَآ تَنْفَعُوْا، لِيَهْلِكَ مَن هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰى مَن حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ (۲۳)۔ ”(یہ سب اس لئے ہے کہ) خدا کا امر پورا ہو کر رہے۔ یعنی جسے ہلاک ہونا ہے وہ بھی دلیل و برہان کی رو سے ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے، وہ بھی دلیل و برہان کے مطابق زندہ رہے“ یہ امرٌ (قانون مکافات عمل) وہ ہے جس کی نتیجہ خیزی میں کسی انسان کو

## ام ر

آلَا مَرَّةٌ وَالْتَأْمُورُ - چھوٹے پتھروں سے بنایا ہوا نشان جو صحراء میں بنا دیا جاتا ہے تاکہ اس سے علاقہ کے حدود یا راستہ کا پتہ لگ سکے، ابن فارس نے بھی اس کے بنیادی معانی میں ”نشان“ کو شامل کیا ہے۔ لہذا اس کے بنیادی معنی ہیں علامت - نشان - راہ نمائی - یہیں سے اس کے معنی مشورہ کرنے کے آتے ہیں۔ آلَا ثَمَامًا ر کے معنی ہیں مشورہ کرنا\*۔ چنانچہ سورۃ اعراف میں ہے کہ فرعون نے اپنے سرداروں سے حضرت موسیٰؑ کے معاملہ کے متعلق گفتگو کی اور ان سے کہا کہ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ (۱۱۰، ۱۱۱) ”سو تم کیا مشورہ دیتے ہو (نیز دیکھئے ۱۶)۔ اسی طرح سورۃ قصص میں ہے کہ شہر کے دوسری طرف سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا اور حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ اِنَّا لَمَلَأْنَا بِكَ تَمِيرًا لِيَقْتُلُوْكَ (۲۸) ”سرداران قوم تیرے بارے میں باہمی مشورے کر رہے ہیں کہ تجھے قتل کر دیا جائے، لیکن تاج العروس میں ہے کہ یہاں اس کے معنی عزم اور ارادہ کر لینے کے ہیں۔ تَمِيرٌ اسی سے اسم ظرف بصیغہ اسم مفعول ہے۔ مشورہ گاہ۔ آجکل یہ لفظ کانفرنس کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ آمِيرٌ\*۔ اس شخص کو کہتے ہیں جس سے مشورہ لیا جائے۔ نیز اندھے کی راہ نمائی کرنے والے کو بھی کہتے ہیں\*۔

آمِرٌ کے معنی ہیں کسی چیز کا بہت زیادہ ہو جانا\*۔ آمِيرُ التَّجْمَلِ کے معنی ہیں اس شخص کے جانور بکثرت ہو گئے۔ آلَا مِيرٌ - برکت والا آدمی۔ ان معانی کے اعتبار سے، فراء نے کہا ہے کہ سورۃ بنی اسرائیل میں جہاں آیا ہے آمِرُنَا مُتْرًا فَيُهَيِّئَا (۱۶) تو اس کے معنی ہیں ”ہم متوفین کو کثرت سے مال و دولت دے دیتے ہیں\*“۔ زبیر بن دیکھے ص ۱۸۱ جلد چہارم۔

آمِرٌ کے معنی حکم کے بھی ہیں اور حالت - معاملہ - کام یا بات کے بھی۔ (ابن فارس)۔ جب اس کے معنی حکم کے ہوں تو اس کی جمع آوامِيرٌ آتی ہے (اوامر و نواہی - جہاں امر، نہی کی ضد ہے) اور جب اس کے معنی معاملہ - حادثہ - یا واقعہ یا حالت کے ہوں تو اس کی جمع آمُورٌ آتی ہے۔ لیکن قرآن کریم میں آوامِيرٌ کا لفظ نہیں آیا۔

ان معنوں کی رو سے "أَلَا مَبِئْرٌ حَاكِمٌ كَوِ كَهْتِي هِيں - إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ" (۲۶۰) کے معنی ہیں اللہ تمہیں حکم دیتا ہے - عَلَيَّ أَمْرٌ جَامِعٌ (۲۶۲) کے معنی ہیں اجتماعی معاملہ - "أَلَا مَرَّةٌ" کے معنی ہیں حکومت\* - "إِمَارَةٌ" کے بھی یہی معنی ہیں\* - "أَمْرٌ عَظِيمٌ" کے معنی ہیں حادثہ عظیم\* - "أَوْ يَا قَبِي أَمْرٌ رَبِّيكَ" (۲۶۱) کے معنی ہیں فیصلہ کن مرحلہ - "أَمْرًا" سخت نا پسندیدہ بات (۱۸۱) - "أَلَا مَرَّةٌ" کے معنی ہیں بہت حکم دینے والا - برانگیختہ کرنیوالا (۱۸۲) - "رَأَيْتُ" ، "مَرْضَى" اور خواہش کے لئے بھی یہ لفظ آیا ہے - "وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي" (۱۸۳) - "میں نے اسے اپنی مرضی سے نہیں کیا" -

قرآن کریم میں خَلَقٌ کے مقابلہ میں أَمْرٌ کا لفظ آیا ہے (۲۶۰) - اور اس کا ایک خاص مفہوم ہے جس کے سمجھنے کے لئے اس لفظ کے بنیادی معانی کو سامنے رکھنا ضروری ہے - یعنی علامت - اشارہ - راہ نمائی - نیز ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی نشوونما کے بھی ہیں - اور (جیسا کہ عنوان - خ - ل - ق - میں لکھا گیا ہے) خَلَقٌ کے معنی ہیں مختلف عناصر میں نئی نئی تراکیب سے نئی نئی چیزوں کو پیدا کرنا - خَلَقٌ پیدائش کا یہ وہ مرحلہ ہے جب اشیاء بالعموم اپنی محسوس شکل میں ہمارے سامنے آجاتی ہیں - لیکن ظاہر ہے کہ ان اشیاء کے اس طرح وجود میں آنے سے پہلے بھی ایک مرحلہ ہوتا ہے جب یہ ہنوز تدبیری حالت (In the Process of Becoming) میں ہوتی ہیں - "یہ تدبیری مرحلہ" - "عالم امر سے متعلق ہے - اس کے علاوہ ایک اور بات بھی قابل غور ہے - کائنات میں ایک تو اشیائے کائنات ہیں (مثلاً سورج - چاند - ستارے - زمین - درخت وغیرہ) اور دوسرے وہ قانون ہیں جس کے مطابق یہ تمام اشیائے کائنات ایک نظم و ضبط کے ساتھ سرگرم عمل ہیں - اس قانون کو بھی أَمْرٌ کہتے ہیں (اس کا تفصیلی تعارف مشیت کے ضمن میں عنوان - ش - ی - ا - کے ماتحت ملیگا) -

اشیا کی "تدبیری حالت" کے متعلق قرآن کریم میں ہے "إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ" (۲۱۷) "جب وہ ایک تدبیر (امر) کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس امر سے کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے" - یہ امر کیا ہوتا ہے اور وہ کس طرح متشکل ہوتا ہے اسکے متعلق ہم کچھ نہیں جانا سکتے - ہمارا

علم محسوسات کی دنیا تک محدود ہے اور یہ امور، عالم محسوسات سے آگے کی باتیں ہیں۔ مشہور مفکر (Pringle Pattison) کہتا ہے کہ یہ انگریزی زبان کی کوتاہ دامنسی ہے جس میں تخلیق کے لئے صرف ایک لفظ (Creation) ہے۔ حالانکہ محسوس کائنات کی تخلیق اور غیر مرئی وغیر محسوس کی تخلیق میں جو اہم فرق ہے اس کے اظہار کے لئے ضروری تھا کہ دو الگ الگ الفاظ ہوتے۔ قرآن نے اس کے لئے خلق اور امر الگ الگ الفاظ استعمال کئے ہیں۔

امر کا دوسرا حصہ، جس سے مفہوم وہ قانون خداوندی ہے جو کائنات کے رگ و پے میں کارفرما ہے، ہمارے سامنے ہے اور اسکے متعلق ہم علم حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن وہ بھی صرف اس حد تک کہ فلاں چیز کس قانون کے مطابق سرگرم عمل ہے۔ وہ قانون ایسا کیوں ہے؟ اسکے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ مثلاً ہم جانتے ہیں کہ پانی نشیب کی طرف بہتا ہے۔ یہ اسکا قانون ہے۔ لیکن پانی کو کیوں ایسا بنایا گیا ہے کہ وہ نشیب کی طرف بہے؟ اسکے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ امر\* (یعنی قانون کائنات) کی شہادتوں سے سارا قرآن بہرا ہوا ہے۔ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ مُسْتَخِرَاتٌ بِأَمْرِہِ (۵۶) سورج۔ چاند۔ ستارے۔ خدا کے امر (قانون) کی زنجیر سے جکڑے ہوئے ہیں۔ وَالْفُلُکَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِأَمْرِہِ (۲۱) کشتی سمندر میں اس کے امر (قانون) کے مطابق چلتی ہے۔ آیت (۱۱۴) میں لُذُنْ اور أَمْرٌ مرادف معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ (اذن کے معنی بھی قانون خداوندی ہیں۔ دیکھئے عنوان اذن)

قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ جس طرح طبیعی کائنات (Physical World) میں تمام اشیاء ایک خاص قانون کے تحت سرگرم عمل رہتی ہیں اور ہر نتیجہ اس قانون کے مطابق مرتب ہوتا ہے، اسی طرح انسانوں کی تمدنی دنیا میں بھی (اقوام کا) عروج و زوال اور زندگی اور مہلاکت ایک خاص قانون کے مطابق واقع ہوتے ہیں۔ یہ مکافاتِ عمل کا قانون ہے اور اسے بھی امر\* ہی کہا گیا ہے۔ لَیْقِضِیْ اَللّٰهُ اَمْرًا کَانَ مُفْعُوْلًا، لَیْسَ لَیْکَ مِنْ اَہْلِکَ عَنۡ بَیِّنَتٍۭ وَیَحْیِیْ اَمِّنۡ حَیۡۃً عَنۡ بَیِّنَتٍۭ (۱۱۴)۔ ”(یہ سب اس لئے ہے کہ) خدا کا امر پورا ہو کر رہے۔ یعنی جسے ہلاک ہونا ہے وہ بھی دلیل و برہان کی رو سے ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے، وہ بھی دلیل و برہان کے مطابق زندہ رہے۔“ یہ امر\* (قانون مکافاتِ عمل) وہ ہے جس کی نتیجہ خیزی میں کسی انسان کو

کوئی دخل نہیں ہوتا۔ کوئی انسان اس میں کسی قسم کا رد و بدل نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ رسول بھی نہیں۔ کَتَس لَكَ مِّنَ الْأَمْرِ شَيْئًا ﴿۱۳۷﴾ (۱۳۷) ”اے رسول تجھے اس قانون میں کوئی دخل نہیں۔“۔ یہ امر (قانون) جس کا تعلق انسانی اعمال سے ہے وحی کے ذریعے (رسولوں) کو ملتا ہے اور انکی وساطت سے دوسرے انسانوں کو۔ وَأَتَيْنَاهُم بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْأَمْرِ ﴿۱۳۸﴾ اور ”ہم نے انہیں امر کی واضح باتیں دیں،، یا، ذَالِكُمْ أَمْرُ اللَّهِ أَنْزَلَهُ الْكُتُبِ كُمْ ﴿۱۳۹﴾ (۱۳۹)۔ ”یہ خدا کا امر (قانون) ہے جسے اس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے۔“

لہذا خدا کے امر کے تین گوشے ہیں۔ ایک وہ جہاں ہر قانون متعین ہوتا ہے اور ہر تدبیر بنائی جاتی ہے۔ اس گوشے کی حقیقت و کیفیت کے متعلق ہمیں کچھ معلوم نہیں ہو سکتا۔ دوسرا گوشہ وہ ہے جہاں خدا کا امر، قانون کائنات کی شکل میں کار فرما ہے۔ یہ قانون ہر شے کے اندر رکھ دیا گیا ہے۔ اس کا علم تجربہ، عقل، بصیرت اور مشاہدات کی رو سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اور تیسرا گوشہ وہ ہے جہاں خدا کا قانون انسانوں کی دنیا سے متعلق ہے۔ یہ قانون وحی کی رو سے رسولوں کو ملتا ہے اور رسولوں کی وساطت سے دوسرے انسانوں کو۔ یہ قانون قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے جس کے مطابق قوموں کی موت اور زندگی کے فیصلے ہوتے ہیں اور ہر انسان، زندگی کے ارتقائی مراحل طے کرنے کے قابل ہو سکتا ہے۔ گوشہ اول میں خدا اپنے ارادے اور مشیت کے مطابق جس طرح کا قانون چاہتا ہے مرتب کرتا ہے۔ گوشہ دوم میں خدا اپنی اسکیم کو اپنے مرتب فرمودہ قوانین کے مطابق چلاتا ہے اور اشیائے کائنات اس قانون کی اطاعت پر مجبور ہیں۔ گوشہ سوم میں خدا کا قانون وحی کے ذریعے ملتا ہے لیکن انسانوں کو اس کا اختیار ہے کہ وہ جی چاہے تو اس کی اطاعت کریں اور جی چاہے تو اس سے سرکشی اختیار کر لیں۔ جس قسم کی روش انسان اختیار کرے گا اسی کے مطابق نتائج اس کے سامنے آ جائیں گے۔ خدا کا امر (قانون) خارجی کائنات سے متعلق ہو یا انسانی زندگی سے، اس میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ یہ بھی خدا کا فیصلہ ہے۔

## ا م س

اَمْسِر۔ اور اَلْاَمْسِر (ہام طور پر سین کی زیر سے آتا ہے لیکن کبھی پیش سے بھی آجاتا ہے)۔ گذشتہ کل کا دن۔ ”سورہ قصص کی آیات فَاذَا التَّذِي اسْتَنْصَرَهُ، يَا اَلْاَمْسِر (۲۸) میں یہ لفظ انہیں معنوں میں آیا ہے۔“ یعنی

جس شخص نے کل اس سے مدد مانگی تھی،،۔ لیکن جس طرح ہم کہتے ہیں کہ ”جو لوگ کل تک یہ دعائیں مانگتے تھے کہ.....“ تو اس سے مراد گذشتہ کل کا دن نہیں ہوتا بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ کچھ دن پہلے تک۔ یا کچھ دنوں پہلے سے اَلْاَمْسِ کا لفظ اس مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی سورۃ میں ذرا آگے چل کر ہے وَاصْبِرْ السَّادِرِیْنَ تَمَتَّنَا وَاَسْكَانَتْہَا یَا لَاسْمِسِ (۲۸/۸۴) جو لوگ ابھی کل تک اسکی آرزو کرتے تھے کہ ہمیں وہ پوزیشن حاصل ہو جائے جو (قارون) کو حاصل ہے۔

## ا م ل

اَلَا مَسَلٌ - امید یا توقع۔ عام طور پر اس لفظ کا استعمال ایسی چیزوں کی توقع کے لئے آتا ہے جن کا حاصل کرنا مستبعد ہو۔ چنانچہ جو شخص دور دراز سفر کرنے کا ارادہ رکھتا ہو وہ اَمَسَلْتُ کہتا ہے۔ لیکن اگر وہ شہر قریب ہو اور وہاں جانا آسان ہو تو وہ طَمِعْتُ کہیگا۔ اس سے اَمَسَلٌ اور طَمِعٌ کا فرق ظاہر ہے۔ رَجَاءٌ کا لفظ ان دونوں کے بین بین بولا جاتا ہے۔ اَلَا مَسِلٌ - ریت کا پہاڑ جو ایک دن کی مسافت کا ہو۔ یا لمبائی میں کئی دن کی مسافت کا ہو۔ تَا مَسَلٌ التَّرَجُّلٌ - کسی معاملہ میں ٹھہرنا۔ سوچنا اور انتظار کرنا۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی انتظار کے ہوتے ہیں۔ نیز جسم کمر غور کرنا۔ اور ٹھہرنا۔ امید رکھنا لیکن اس میں دیر تک کا پہلو ضرور شامل ہوتا ہے۔ سورۃ حجر میں ہے کہ وَیَلْتَهٰیہِمُ اَلَا مَسَلٌ (۱۳/۱۵)۔ ان کی لمبی چوڑی آرزو انہیں زندگی کے حقیقی مقصد سے غافل کئے رکھتی ہے۔

## ا م م

اَمٌّ - صاحب محیط نے کہا ہے کہ یہ لفظ جامد ہے اور بچہ کی اس آواز سے ساخوذ ہے جب وہ بولنا سیکھنے سے پہلے اَم - اَم - وغیرہ شروع کرتا ہے\*۔ اس سے اس کے اولین معنی والدہ (مان) کے ہو گئے۔ بعض لوگ اَمٌّ کو اُمَّتٌ بھی کہدیتے ہیں اور بعض اس لفظ کو اُمَّتٌ بھی کہدیتے ہیں جس کی جمع اُمَّتَاتٌ آتی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اُمَّتَاتٌ ذوی العقول کے لئے آتا ہے اور اُمَّاتٌ غیر ذوی العقول کیلئے۔

مان کی آغوش کے اعتبار سے انسان کے مسکن کو اَمٌّ کہتے ہیں۔ قوم اور جماعت کو بھی اُمَّتٌ کہتے ہیں۔ بالخصوص ہم مسلک اور ہم

مشرّب گروہ کو۔ چنانچہ سورۃ بقرہ میں مختلف انبیائے کرام کے تذکرہ کے بعد ہے تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ (۲/۱۳۳)۔ ”یہ ایک امت تھی جو گذر چکی“ دوسری جگہ انہی کے متعلق ہے اِنَّ هٰذِهِ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً (۲/۱۴۱) ”یقیناً یہ تمہاری امت، امت واحدہ ہے“۔ نیز اس کے معنی ہر شے کی اصل اور بنیاد کے ہیں۔ امام اللقوّم۔ قوم کا رئیس۔ امّ النّجّوم۔ کہکشاں۔ امّ التّراّس۔ دماغ۔ نیز ہر وہ مرکز جہاں بہت سی چیزیں آکر مل جاتی ہوں امّ کہلاتا ہے۔ جیسے امّ القریٰ مکہ معظمہ کو کہتے ہیں۔ امّ الکتاب۔ قانون کی اصل و بنیاد\*\*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی چار ہیں۔ (۱) بنیاد اور اصل (۲) مرجع (۳) جماعت (۴) دین۔

آلامّة۔ حالت۔ نعمت۔ شان۔ طریقہ۔ سنت۔ وقت۔ زمانہ۔ مدت۔ شریعت اور دین (مدت کے معنوں میں یہ لفظ ۱۲/۱۲ میں آیا ہے)۔ نیز اس کے معنی امام اور ہادی کے بھی ہیں۔ جیسے (ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ) اِنَّ اٰیْرَ اَهِیْمَ کَانَ اُمَّةً قَانِیًا (۱۳/۱۳۰) میں اس کے معنی امام کے ہیں۔ اگرچہ اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کو ایک فرد تھے لیکن اپنی شخصیت کی جامعیت کے اعتبار سے ایسے تھے کہ ایک پوری کی پوری امت ان کے اندر سموئی ہوئی تھی۔ ابن قتیبہ نے بھی اُمَّة کے معنی دین۔ امام اور جماعت کے لکھے ہیں\*\*\*۔ لطائف اللّغة میں اس کے معنی دئے گئے ہیں۔ ”ایسا آدمی جس میں تمام خوبیوں جمع ہوں۔ نیز امام“۔ مزید برآں دیکھئے تتمہ ص ۱۸۱۲ جلد چہارم۔

(۴) آلامّة۔ آگے ہونا۔ امام وہ شخص جو آگے ہو۔ یہ دراصل اس دھاگے کو کہتے ہیں جس سے معمار دیکھتے ہیں کہ دیوار کی تمام اینٹیں ایک سیدہ میں آ رہی ہیں یا نہیں۔ (ہرہی میں اس آلے کو فادین اور ہمارے ہاں ساہل کہتے ہیں۔ اس سے امام کا صحیح تصور سامنے آ سکتا ہے) نیز وسیع راستہ کو بھی امام کہتے ہیں (۱۵/۱۵)۔

(۵) امام۔ آگے سامنے۔ مستقبل۔ بَلْ یَسْرِبُدُّ اِلَیْ نَسَانٍ لِّیَفْجُرَّ اَمّاتہ، (۵/۵)۔

امّہ۔ یؤمّہ۔ ائمّاتہ۔ قصد و ارادہ کرنا۔ اُمّیّین (۶/۶) قصد و ارادہ کرنے والے۔ قرآن کریم میں امّ (اور اسکے مشتقات) ان تمام معانی میں آئے ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ انکی مثالوں کی ضرورت نہیں۔

”امی“ ایک ایسا لفظ ہے جس کا صحیح مفہوم سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔ اسکے بنیادی معنی ہیں ایسا شخص جو اپنی پیدائشی حالت پر ہو (جیسا ماں نے جنا تھا ویسا ہی رہے۔ اسے مادرزاد بھی کہتے ہیں۔) اور لکھنا پڑھنا نہ سیکھے\*\*۔ نبی اکرمؐ کو اسی اعتبار سے ”امی“ کہا جاتا ہے کہ آپ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ لیکن یہ چیز زمانہ قبل از نبوت کی بات ہے۔ نبوت کے بعد آپ نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ اسکی واضح شہادت خود قرآن کریم میں موجود ہے۔ سورۃ عنکبوت میں ہے وَ مَا كُنْتُمْ تَتْلُوْنَ مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخِطُّوْهُ بِیَمَیْنِكُمْ (۱۸۰) ”تو اس (قرآن کے نزول) سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھ سکتا تھا اور نہ ہی اپنے ہاتھ سے کچھ لکھ سکتا تھا،۔ اس سے ظاہر ہے کہ نزول قرآن سے پہلے آپ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے لیکن نزول قرآن کے بعد یہ کیفیت نہیں رہی تھی۔ اسی لئے قرآن نے ”مِنْ قَبْلِهِ“ کی تخصیص کر دی۔

لیکن قرآن کریم میں خود عربوں کو بھی ”امی“ کہا گیا ہے۔ اسکا مطلب ہے وہ لوگ جنہیں قرآن سے پہلے کوئی کتاب نہیں دی گئی تھی۔ اس لئے کہ یہ لفظ ”اھل“ کتاب کے مقابلہ میں آیا ہے (دیکھئے ۱۶ و ۱۷)۔ عرب میں یہود و نصاریٰ اہل کتاب کہلاتے تھے، اور وہ لوگ جو کوئی آسمانی کتاب رکھنے کے مدعی نہیں تھے ان کے مقابلہ میں ”غیر اہل کتاب“، یعنی ”امی“ کہلاتے تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بالکل ان پڑھ تھے۔ یہ وہاں کی اصطلاح تھی جس سے ”اہل کتاب“، ان لوگوں کو اپنے سے الگ کر کے پکارتے تھے۔\* لہذا قرآن میں بعض مقامات پر ”امی“ کے معنی ان پڑھ ہیں اور بعض مقامات پر اس سے مراد وہ اہل عرب ہیں جو کوئی آسمانی کتاب رکھنے کے مدعی نہیں تھے۔

نیز ”امی“ کے معنی ”ام“ الثمرا (مکہ) کا باشندہ بھی ہیں جیسے حضرمی۔ حضرموت کے رہنے والے کو کہتے ہیں۔  
(نوٹ۔ آمّا حرف ہے جسے الگ لکھا گیا ہے۔)

\* واضح رہے کہ قرآن نے خود مسلمانوں کو (جنہیں قرآن کی کتاب دی گئی ہے) الذین أو توالت کتاب کہتے پکارا ہے (۱۶) لیکن صرف انہی کو جو اس کتاب کا صحیح علم رکھتے ہیں۔

\*\* (لطائف اللغة)



## أَمَّا (حرف) -

أَمَّا - یہ عام طور پر ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے جن معنوں میں ہم کہتے ہیں ”باقی رہا یہ کہ.....“ - یا ”جہانتک اس بات کا تعلق ہے“ - مثلاً -

(۱) فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ..... (۳۶) - جہانتک ان لوگوں کا تعلق ہے جو ایمان لائے سو وہ جانتے ہیں کہ.....  
 (یا) أَبِشَامِ بْنِ أَسْتَعْنِي فَآتَتْ لَهٗ تَصَدَّقْتُ (۸۵) باقی رہا وہ جو اپنے آپ کو مستغنی سمجھتا ہے تو..... (یا) جہانتک اسکا تعلق ہے..... (یا) أَمَّا السَّفِينَةَ..... (۱۸) جہانتک کشتی کا تعلق ہے..... وَأَمَّا الْفُلَّامُ..... (۱۸) باقی رہا وہ لڑکا.....

(۲) بعض اوقات اَمَّا مرکب ہوتا ہے اَمُّ + مَاءُ کا - اور اس کے معنی ہوتے ہیں ”یا وہ چیز جو“ - یہ وہی اَمُّ ہے جو استفہاسی حمزہ (۴) کے بعد آتا ہے - مثلاً سورۃ انعام میں ہے - قُلْ اِنَّ الدَّكَرَّ يَنْبَغِي حَرَامٌ اَمَّ الْاُنْثَىٰ يَنْبَغِي اَمَّا اسْتَمَلَّتْ عَلَيْهٖ اَرْحَامٌ الْاُنْثَىٰ يَنْبَغِي (۱۳۴) ان سے کہو کہ کیا دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ - یا وہ جو دونوں کے رحم میں ہے -

## ا م ن

أَمِنٌ - بے خوفی - اطمینان - خوف سے محفوظ ہونے کی حالت - سورہ بقرہ میں ہے فَادِّئْ اٰمِنْتُمْ (۲۲۲) ”جب تم امن میں ہو جاؤ“ - سورۃ انعام میں ہے - فَاتَىٰ الْفَرِيقَيْنِ اَحَقُّ يَا لَاسْمٰنِ (۸۲) - ”سو دونوں گروہوں میں سے کونسا گروہ امن کا زیادہ حقدار ہے“ - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) خیانت کی ضد - (۲) اطمینان قلب اور (۳) تصدیق کرنے کے ہیں -

أَمِنٌ - کسی کو بے فکر اور مطمئن کر دینا - دوسرے کو امن دیدینا -

اسکی حفاظت کی ذمہ داری اپنے سر پر لے لینا -\*

اٰتِيْمَانٌ\* - کسی پر بھروسہ اور اعتماد کرنا۔ کسی کو امانت دار اور محافظ سمجھنا\*۔

نَاقِةٌ\* اَمُوْنٌ\* - اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو قوی اور عادات کے اعتبار سے قابل اعتماد ہو۔ جس کے متعلق یہ اطمینان ہو کہ وہ پیہم سفر سے کمزور نہیں ہو جائیگی اور راستے میں ٹھوکر کھا کر گر نہیں پڑیگی\*۔

سُوْمِيْنٌ\* - امن کی ضمانت دینے والا۔ جس پر بھروسہ کر کے انسان بے فکر اور محفوظ ہو جائے۔ امنِ عالم کا ضامن\*۔

اَمَانَةٌ\* - وہ چیز جو کسی کے بھروسہ پر دے دی جائے۔\*\* (حمل امانت کے معنی امانت میں خیانت کرنا ہیں۔ اس کے لئے عنوان ح۔م۔ل دیکھئے)۔

اَمِيْنٌ\* - بے خوف۔ مطمئن۔ جسے قابل اعتماد سمجھا جائے۔ جو کسی کو قابل اعتماد سمجھے۔ جس پر بھروسہ کیا جا سکے۔\* بَلَدٌ اَمِيْنٌ\* (۱۵۴)۔ جس شہر میں امن و حفاظت ہو۔ مَقَامٌ اَمِيْنٌ\*۔ (۱۵۴) جس مقام میں پورا پورا اطمینان اور سامانِ حفاظت ہو۔\*\*\* اٰتِيْتِيْ لَكُمْ رَسُوْلًا اَمِيْنًا\* (۲۱۶) ”میں تمہارے لئے رسول آمین ہوں۔“

سورۃ نحل میں امن و اطمینان کے معنی حفاظت اور سامانِ زندگی کی فراوانی کے آئے ہیں۔ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنِّقَةً يٰۤاَيُّهَا رِزْقُهَا رَغَدًا رَّغْدًا..... فَاذْاَقَهَا اللّٰهُ لِيَجْاَسَ الْجَوْعَ وَالْخَوْفَ (۱۱۶) ”اللہ ایک بستی کی مثال بیان کرتا ہے۔ وہ امن و اطمینان کی حالت میں تھی۔ اس میں سامانِ زیست ہر جگہ سے با فراغت آتا تھا۔ پھر اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کی تو اللہ نے اسے بھوک اور خوف کے عذاب کا سزہ چکھایا“۔ سورۃ حجر میں ہے۔

وَكَانُوْا يَسْتَحِيْتُوْنَ مِّنَ الْجَبَالِ يَتُوْنَهَا اَمِيْنِيْنَ (۱۸۶)۔ ”وہ حفاظت کی غرض سے پہاڑوں کو تراش کر مکان بنایا کرتے تھے“۔ سورۃ آل عمران میں امن بمقابلہ غم آیا ہے۔ ثُمَّ اَنْزَلْ عَلَيْنَا مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اٰمِنَةً (۱۵۳)۔ ”پھر اس نے تم پر غم کے بعد امن نازل کیا“۔

قرآن میں یہ سادہ اعتماد اور بھروسہ کے معنوں میں متعدد مقامات میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً سورۃ بقرہ میں لیس دن کے معاملات کے ضمن میں ہے فَاتِيْنٌ اَمِيْنٌ بَعْضُكُمْ بَعْضًا (۲۸۳)۔ ”اگر تم میں سے ایک دوسرے پر اعتماد کرے“۔ سورۃ یوسف میں ہے۔ لَا تَاْمَنَّا (۱۱)۔

” تو ہمارا اعتبار نہیں کرتا “ - وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَنَا (۱۲)۔ ” اور تو ہماری بات کا اعتبار نہیں کریگا “ - هَلْ آمَنُوكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا آمَنُوكُمْ (۱۲)۔ ” میں اس کے متعلق تمہارا اعتبار نہیں کرتا بجز اس کے جس طرح میں نے (پہلے) تمہارا اعتبار کیا تھا “ - ان تمام مقامات میں آمَنُ کا لفظ اعتبار - بھروسہ اور یقین آنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

جب آمَنُ کا صلہ لام ہو تو اس کے معنی بات ماننے کے ہوتے ہیں۔ سورۃ بقرہ میں قصہ بنی اسرائیل کے ضمن میں ہے۔ لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ (۲۵)۔ ” ہم تیری بات نہیں مانیں گے “ - اس میں اعتبار - اعتماد - یقین اور اطاعت سب کا مفہوم آجاتا ہے۔ جب اس کا صلہ ب ہو تو اس کے معنی ایمان لانے کے ہوتے ہیں۔ كَلَّ آمَنَ بِالله (۲۸۵) ” سب ایمان لانے میں اللہ پر “ - آمَنُ کے جو معانی اوپر دئے گئے ہیں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ” ایمان لانے “ میں ان سب کا مفہوم آجاتا ہے۔ یعنی۔

- (۱) یقین کرنا - ماننا - تسلیم کرنا - یعنی انکار نہ کرنا۔
- (۲) تصدیق کرنا - اس کے سچے ہونے کا اقرار کرنا - یعنی تکذیب نہ کرنا۔
- (۳) اعتماد اور بھروسہ کرنا۔
- (۴) بات ماننا - اطاعت کرنا - سر تسلیم خم کرنا۔

قرآن کی رو سے پانچ بنیادی حقیقتیں ہیں جن پر ایمان لانے سے انسان مؤمن ہو جاتا ہے۔ سورۃ بقرہ میں ہے وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ (۲۱۷)۔ ” کشادگی کی راہ اس کی ہے جو اللہ پر - یوم آخرت پر - ملائکہ پر - کتب پر اور انبیاء پر ایمان لائے “ - ان کا (یا ان میں سے کسی ایک کا) انکار کفر ہے۔ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا (۲۱۶)۔ ” جو اللہ سے - اور اس کے ملائکہ کتب - رسل اور یوم آخرت سے انکار کرتا ہے تو وہ گمراہی میں بہت دور نکل جاتا ہے “ - اللہ پر ایمان کے معنی ہیں اسکی ہستی پر یقین - اسکی ہر بات پر اعتماد - اسکے قوانین پر پورا پورا اعتماد - اور ان کی اطاعت کا اقرار - یوم آخرت پر ایمان کے معنی ہیں خدا کے قانون سکافات عمل کی محکمیت پر یقین اور اعتماد - اور موت کے بعد تسلسل حیات پر یقین - ملائکہ پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ یہ ملکوتی قوتیں نظام کائنات میں اللہ تعالیٰ

کے پروگرام کو بروئے کار لانے میں سرگرم عمل ہیں اور خدا نے انہیں انسان کے سامنے جھکا دیا ہے۔ مسخر کر دیا ہے۔ اس لئے ان میں سے کوئی قوت ایسی نہیں جس کے سامنے انسان جھکے۔ انبیاء پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ انسان، تنہا عقل کی رو سے شاہراہ زندگی پر چلنے کی راہ نمائی حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ راہ نمائی وحی کی رو سے ملتی ہے۔ اور وحی ہر فرد کو براہ راست نہیں ملتی بلکہ خدا کے منتخب کردہ افراد کی وساطت سے ملتی ہے جنہیں انبیاء کہا جاتا ہے۔ وحی کا یہ سلسلہ نبی اکرمؐ کی ذات پر ختم ہو گیا۔ کتابوں پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ یہ ضابطہ، حیات، وحی کی رو سے ملا ہے اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنے سے انسان اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ منزل تک پہنچنے کا کوئی اور راستہ نہیں۔ نبوت پر ایمان لانے کی عملی شہادت اس نبی کی کتاب کو ضابطہ زندگی بنانا ہے۔ لیکن نزولِ قرآن کے بعد کوئی اور کتاب ضابطہ حیات نہیں بن سکتی۔

لہذا مومن (ایمان لانے والا) وہ ہے جسے خدا کے اس قانون کی محکمیت پر بھی پورا پورا بھروسہ ہو جو کائنات میں کار فرما ہے اور اس قانون پر بھی جو حضرات انبیائے کرامؑ کی وساطت سے وحی کے ذریعے انسانی راہ نمائی کے لئے ملا (اور جواب قرآن کے اندر ہے)۔ اور انسانی اعمال کی نتیجہ خیزی پر بھی پورا پورا یقین ہو (اس دنیا میں بھی اور اس کے بعد کی زندگی میں بھی)۔ ایسے افراد پر مشتمل جماعت کو قرآن "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا" کہہ کر پکارتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ کہہ کر تنبیہ بھی کر دیتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ جماعت کا یہ نام تو باقی رہ جائے اور وہ خصوصیات باقی نہ رہیں جن کی بناء پر انہیں اس خطاب کا حامل قرار دیا گیا تھا۔ اس لئے اس جماعت سے بھی کہہ دیا گیا کہ جس طرح دیگر افراد انسانیہ (یہود - نصاریٰ وغیرہ) کے لئے ضروری ہے کہ وہ قوانین خداوندی اور مکافاتِ عمل پر پورا پورا یقین رکھیں اسی طرح ان کے لئے بھی ضروری ہے۔ انہیں اطمینان اور بے خوفی کی زندگی اسی طرح مل سکیگی، نہ کہ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہو جانے سے۔ "إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى وَالصَّابِئِينَ - مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرٌ هُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ" (۲۴)۔ "یقیناً جو لوگ اپنے آپ کو مومن کہہ کر پکارتے ہیں اور جو یہود اور نصاریٰ اور صابئین ہیں۔ کسے باشد۔ جو بھی اللہ اور آیت

پر ایمان لائیگا اور اس کے اعمال صالح ہونگے۔ تو ایسے لوگوں کا اجر ان کے رب کے ہاں ہوگا۔ اور انہیں نہ کوئی خوف ہوگا نہ حزن۔ (نیز دیکھئے  $\frac{۲۳}{۱۳۶}$ )۔

اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ یہود و نصاریٰ وغیرہ کہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ وہ تو پہلے ہی خدا اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اس لئے انہیں ”مومن“ ہونے کے لئے نئے سرے سے ایمان لانے کی ضرورت نہیں۔ ان سے واضح طور پر کہہ دیا کہ جب تک ان تمام امور پر اس طرح ایمان نہ لایا جائے جس طرح قرآن نے بتایا ہے (یعنی ان کی جو تشریحات قرآن نے بیان کی ہیں انہیں اسی طرح نہ مانا جائے) کسی کے (بزعیم خویش) ایمان کو ایمان نہیں کہا جائیگا۔  $\frac{۲۳}{۱۳۶}$ ۔ ”فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ، فَقَدْ اهْتَدَوْا“۔ ”اگر یہ لوگ اس طرح ایمان لائیں جس طرح (اے جماعت مومنین) تم ایمان لائے ہو تو پھر سمجھا جائیگا کہ یہ لوگ صحیح راستے پر ہیں،“۔ ایمان وہی ایمان ہے جو قرآن کے مطابق ہے اور عمل وہی صالح ہے جسے قرآن صالح قرار دے۔

قرآن کریم نے یہ بھی بتایا ہے کہ ایسے لوگ بھی ہیں جو یہ تو مانتے ہیں کہ کائنات کو خدا نے بنایا ہے اور اس کا قانون اس میں کار فرما ہے، لیکن اپنی زندگی (یا انسانی معاملات) میں خدا کی راہ نمائی (وحی) کو ضروری نہیں سمجھتے۔ ایسے لوگوں کو وہ مومن قرار نہیں دیتا اس لئے کہ مومن کے معنی صرف یہی نہیں کہ وہ خدا کی ہستی پر ایمان رکھتا ہو۔ مومن وہ ہے جو وحی پر بھی ایمان رکھے اور اس کے مطابق زندگی بسر کرے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے  $\frac{۲۳}{۸۳-۹۰}$ )۔

یہ بھی یاد رہے کہ کسی مصلحت کی بنا پر، یا جماعت مومنین کے غلبہ و اقتدار کے پیش نظر، ایمان لے آنا بھی ایمان نہیں کہلاتا۔ ایمان کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے دل کی گہرائیوں میں قانونِ خداوندی کی صداقتوں کا یقین اور اس کی محکمیت پر بھروسہ رکھے۔ سورۃ الحجرات میں ہے  $\frac{۲۳}{۱۳۶}$ ۔ ”قَالَتِ الْأَعْرَابُ أَمْتًا - قُلْ لَكُمْ تَنُؤُ مِينُوا وَلَكِنْ قَوْلُوا اسَلَّمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ“۔ ”اعراب (دیہاتی بدو) کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں۔ ان سے کہو کہ تم ایمان نہیں لائے۔ یہ کہو کہ ہم نے تمہاری فرماں برداری اختیار کر لی ہے۔ اس لئے کہ (ابھی تک) تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا،“۔

دوسری طرف اسے بھی سمجھ لینا چاہئے کہ ایمان صرف ان حقائق کو مان لینے کا نام نہیں۔ ان کے سامنے عملاً سر تسلیم خم کر دینا بھی ضروری ہے۔ سورۃ روم میں ہے "اِنْ تَسْمِعِ الْاٰتَمَنْ يُّؤْمِنُ يَا يٰٓاٰتِنَا فَهَمُّ مُسْلِمُوْنَ" (۳۰/۳۰)۔ "تو صرف انہی کو سنا سکتا ہے جو ہمارے احکام پر ایمان لائے ہیں اور وہ ان کے سامنے جھکنے والے ہیں"۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں ایمان کو کفر کے مقابل رکھا گیا ہے (مثلاً ۲/۲۳۰ میں) وہاں اسے "گریز کی راہیں نکالنے اور پھر جانے"، کے مقابل بھی لایا گیا ہے۔ (دیکھئے ۲/۱۳۰) حتیٰ کہ مومن اور فاسق کو بھی ایک دوسرے کی ضد بتایا گیا ہے (مِنْهُمْ اَلْمُؤْمِنُوْنَ وَاكْثَرُ هُمْ اَلْفٰسِقُوْنَ) (۱۳/۹)۔ اور منافقین کی ضد بھی۔ وَلِيَعْلَمَ اَلْمُؤْمِنِيْنَ - وَلِيَعْلَمَ التَّٰذِيْنَ نَا فَعُوْا (۱۶۵-۱۶۶) "تاکہ وہ مومنوں کو بھی جان لے اور ان لوگوں کو بھی جو منافقت برتتے ہیں"۔

قرآن نے خدا کو اَلْمُؤْمِنُ (۲۳/۵۹) کہا ہے۔ اس لئے کہ وہ تمام کائنات کی حفاظت کا ذمہ دار ہے اور جو اس کے قانون پر بھروسہ کرتا ہے وہ اسے تخریبی قوتوں کی تباہیوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس اعتبار سے بندہ مومن وہ ہوگا جس پر تمام انسان اعتماد اور بھروسہ کر سکیں اور جو تمام دنیا میں امن قائم رکھنے کا ذمہ دار ہو۔

تصریحات بالا سے اس حقیقت کو سمجھ لیجئے کہ مومن کسے کہتے ہیں۔ اس کا مقام کیا ہے اور فرائض اور ذمہ داریاں کیا؟

## اِمَّا (حرف)

اِمَّا (یا تو۔ یا خواہ) حسب ذیل مثالوں سے مفہوم واضح ہو جائیگا :-  
(۱) اِمَّا يَّعْتَذِرُ بِهٖمْ وَاِمَّا يَنْتَوِبُ عَلَيْهِمْ" (۱۳/۶)۔ خواہ وہ انہیں عذاب دے اور خواہ ان کی طرف متوجہ ہو۔

(۲) قَالُوْٓا اٰيْمُوْٓا سٰٓى اِمَّا اَنْ تَلْقٰى وَاِمَّا اَنْ تَكُوْنُ اَوْ لَمَنْ اَلْقٰى (۲۵/۶) انہوں نے کہا۔ اے موسیٰ یا تو تو پہلے ڈال یا ہم پہلے ڈالیں۔

(۳) بعض اوقات یہ حرف شرط (اِنْ) کے معنی دیتا ہے۔ اس صورت میں (مَّا) اس میں زائد ہوتا ہے۔ جیسے قَاتِلَا تَرٰیْنِ مِّنْ اَلْبَشَرِ اَحَدًا (۱۱/۱)۔ پھر لگے تو کسی انسان کو دیکھے تو..... اس میں صرف اِنْ کے معنی (اگر) آئے ہیں۔ (مَّا) زائد ہے۔

## ا م و ( ا م ؤ )

آمۃ\* - باندی (حقرۃ کی ضد ہے) یہ لفظ دراصل آمۃ\* یا آمۃ\* تھا\*۔ قرآن کریم میں مذکر کے لئے عبۃ\* اور مؤنث کے لئے آمۃ\* آیا ہے (۲۴۱)۔ آمۃ\* کی جمع اماء\* ہے (۲۴۲)۔

## ان - ( حرف ) -

(۱) "ان" - عام طور پر (کہ) کے معنوں میں آتا ہے۔ یُریدُونَ اَن یُظْفِرُوا نُورَ اللّٰهِ (۱۳۳)۔ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو بجھا دیں۔  
(۲) "وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ"..... (۱۸۳) اور یہ کہ تم روزہ رکھو تو تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ یعنی صیامکم\*۔ تمہارا روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے۔

(۳) بعض اوقات یہ زائد ہوتا ہے۔ مثلاً۔ وَكَلِمَاتٍ أَنُ جَاءَتْ رُسُلَنَا لَوْطًا (۱۳۳)۔ جب ہمارے بھیجھے ہوئے لوط کی طرف آئے۔ یہاں "ان" زائد ہے۔ چنانچہ (۱۳۳) میں ہے وَكَلِمَاتٍ جَاءَتْ رُسُلَنَا لَوْطًا۔ یعنی اس میں "ان" نہیں ہے۔ نیز دیکھئے (۱۳۳) جہاں "ان" زائد ہے۔

(۴) بعض اوقات "ان" سبب کو ظاہر کرنے کے لئے بھی آتا ہے۔ مثلاً وَعَجِبُوا أَن جَاءَهُمْ مُنذِرٌ مِّنْهُمْ (۳۸)۔ اور انہیں اس بات پر تعجب آ رہا ہے کہ ان کی طرف انہی میں سے ایک آگاہ کرنے والا آ گیا! یعنی اسکی تعجب کا سبب یہ ہے کہ ان کی طرف انہی میں سے رسول آ گیا۔ وہ اسپر متعجب ہیں کہ ایسا کس طرح ہو گیا۔ (لیکن بعض کا خیال ہے کہ یہ دراصل "لأن" ہے۔ یعنی اس میں لام سبب، مقدر ہے۔ یعنی وہ لام جس کے معنی "تاکہ"، یا "اس وجہ سے" ہوتے ہیں لکھا نہیں گیا۔ محذوف ہے۔)

(۵) "تاکہ" کے معنوں میں۔ وَاللّٰقِي فِي الْاَرْضِ رَوَّاسِي اَن تَعْمِدَ بِيكُمُ (۱۱۵)۔ "اور اس نے زمین پر پہاڑ بنا رکھے ہیں تاکہ تمہیں ماسان رزق عطا کرے"۔ "یا تم اسی پر آرام سے بیٹھے رہو اور یہ تمہیں لیکر گھومتی رہے۔" (بعض کے نزدیک یہاں بھی لام سبب مقدر ہے)۔

(۶) بعض اوقات اس کا مطلب ہوتا ہے ”یہ کہہ کر کہ“۔ و لَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ (۱۱۶)۔ اور ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا۔ یہ پیغام دیکر کہ لوگ صرف اللہ کی محکومی اختیار کریں۔

(۷) ”ایسا نہ ہو کہ“۔ يَبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا (۲۷۰)۔ اللہ یہ باتیں تمہیں کھول کر بتاتا ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ تم غلطی میں پڑ جاؤ۔

(۸) ”تاکہ اگر ایسا ہو تو.....“ کے معنوں میں۔ مَثَلًا أَنْ تَضِلُّوا لِحُدُوءِهِمْ (۲۸۲)۔ تاکہ اگر ایسا ہو کہ ان میں سے کوئی ایک غلطی کر جائے تو.....

## ان (حرف)

ان۔ حرف شرط ہے۔ ”اگر“ کے معنوں میں آتا ہے۔ اِنْ يَنْتَهَوْا يُغْفِرْ لَهُمْ (۳۸)۔ اگر وہ رک جائیں تو اللہ ان کی حفاظت کا سامان کر دے۔

(۲) کبھی یہ۔ مَا لَكُمْ مِنْ آيَاتِنَا أَنْ هَذَا الْأَشْجَرُ أَسْبَبٌ (۳۵) اور وہ کہتے ہیں کہ یہ کچھ نہیں بجز اس کے کہ کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ يَا وَلِيِّيْنَ زَالَتِ الْآيَاتُ أَنْ أَسْأَلَهُمْ..... (۳۵)۔ اگر وہ ہٹ جائیں تو کوئی انہیں روک نہیں سکتا۔

(۳) کبھی یہ ان کا مخفف ہوتا ہے اور اس کے معنی ہوتے ہیں۔ یَقِينًا۔ بالتحقیق۔ فَذَكِّرْ اِنْ نَفَعْتِ الشُّكْرَى (۹۴)۔ سو تو انہیں قانونِ خداوندی کی یاد دلاتا جا۔ یَقِينًا یہ پساد دہانی نفع دیتی ہے۔ (بعض کا خیال ہے کہ اس آیت میں اِنْ شرطیہ ہی ہے اور سطلب یہ ہے کہ تذکیر صرف اس وقت کسرو جب تک یہ نفع بخش ہو۔ ورنہ صحیح موقع کا انتظار کرو۔)\*\*

(۴) کبھی یہ زائد ہوتا ہے۔ یعنی کوئی معنی نہیں دیتا۔ چنانچہ بعض کا خیال ہے کہ آیت و لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ أَخْرَجَهُمْ مِنَ مَسْجِدِ بَيْتِ لَحْمٍ فِيهِمْ (۲۶۳) میں اِنْ زائد ہے۔ اس اعتبار سے اس کے معنی ہوتے ”اور یقیناً ہم

\* دیکھئے عنوان (س-ح-ر)۔ \*\* جب اِنْ مخفف ہو اِنْ کا تو اسکی خبر ہر اکثر لام تاکید آیا کرتا ہے۔ جیسے وَاَنْ كَانُوا مِنْ قَبْلِ لَفِي ضَلَالٍ مَبِينٍ (۲۶۳) اور یقیناً وہ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔“



نے انہیں ایسا تمکن عطا کیا تھا جیسا تمہیں کیا ہے،۔ لیکن اگر یہاں 'ان' کے معنی مآ (نہیں) کے لئے جائیں تو معنی ہونگے "ہم نے انہیں ایسا تمکن دیا تھا جیسا تمکن تمہیں بھی نہیں دیا،۔"

(۵) بعض اوقات اس کے معنی 'اذ' کے آتے ہیں۔ اور مفہوم یہ ہوتا ہے کہ "چونکہ تم ایسے ہو اسلئے..... مثلاً اتَّقُوا اللَّهَ اِنَّ كُنْتُمْ سُوْمِيَيْنَ (۱۱۴)۔ تم قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو۔ اس لئے کہ تم مومن ہو۔ (نیز ۴۸)۔ سورہ بقرہ میں ہے۔ وَ اشْكُرُوا لِلّٰهِ اِنَّ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُونَ (۲۴۴)۔ اور نعمة خداوندی کی قدردانی کرو در آنحالیکہ (جب کہ) تم اسکی محسوس اختیار کئے ہوئے ہو۔"

(۶) اِلَّا (ان + لا)۔ دیکھئے۔ اِلَّا

## أَنَا (ضمیر)

أَنَا۔ واحد متکلم کی مرفوع ضمیر ہے اور مذکر و مؤنث دونوں کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ أَنَا رَجُلٌ\*۔ میں ایک مرد ہوں۔ أَنَا امْرَأَةٌ\*۔ میں ایک عورت ہوں۔ قرآن کریم میں ہے قَالَ أَنَا أَحِبِّي وَأَمِيَّتُ (۲۵۸) "اس نے کہا کہ میں زندہ کرتا اور مارتا ہوں"۔ أَنَا كَاتِبٌ اور جمع نَحْنُ أَنَا ہے۔

## أَنْتَ (ضمیر)

أَنْتَ۔ واحد مذکر حاضر کی مرفوع ضمیر ہے۔ أَنْتَ رَجُلٌ\*۔ تو ایک مرد ہے۔ سورہ بقرہ میں ہے۔ أَسْكَنْتُ أَنْتَ\* وَ زَوْجَكَ الْجَنَّةَ (۵۳) "تو اور تیری بیوی باغ میں رہو"۔ اس کا تشبیہ أَنْتُمَا اور جمع أَنْتُمْ آتی ہے۔

## أَنْتِ (ضمیر)

أَنْتِ۔ واحد مؤنث حاضر کی مرفوع ضمیر ہے۔ أَنْتِ امْرَأَةٌ\*۔ تو ایک عورت ہے۔ اس کا تشبیہ أَنْتُمَا اور جمع أَنْتُنَّ آتی ہے۔

## أَنْتُمْ (ضمیر)

أَنْتُمْ\* - جمع مذکر حاضر کی مرفوع ضمیر ہے۔ أَنْتُمْ رَجَالٌ\* - تم سب مرد ہو۔ قرآن کریم میں ہے وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ (۱۳۲/۱) ”تم مسلم ہو“۔ اس کا واحد أَنْتَ ہے۔

## أَنْتُمَا (ضمیر)

أَنْتُمَا - تثنیہ حاضر کی مرفوع ضمیر ہے۔ اور مَذْكَرٌ وَمَوْثِدٌ دُونِیْ كَيْلَيْهِ آتَىٰ هَهُنَا - أَنْتُمَا رَجُلَانِ - تم دونوں مرد ہو۔ أَنْتُمَا لِمَسْرَآتَانِ - تم دونوں عورتیں ہو۔ سورۃ قصص میں ہے أَنْتُمَا وَمَنْ اتَّبَعَكُمَا الْغَالِبُونَ (۳۵/۲۸)۔ ”تم دونوں اور جو تمہارا اتباع کرے‘ غالب رہو گے“۔

اس کا واحد أَنْتَ (مذکر کے لئے) اور أَنْتِ (مؤنث کے لئے) ہیں۔

## أَنْتِنَّ (ضمیر)

أَنْتِنَّ\* - جمع مؤنث حاضر کی مرفوع ضمیر ہے۔ أَنْتِنَّ نَيْسَوَةٌ\* - تم سب عورتیں ہو۔ اس کا واحد أَنْتِ ہے۔

## انث

أَنْثٌ\* - اس کے بنیادی معنی نرم کے ہیں۔ حَدِيدٌ أَنْيْثٌ\* - نرم لوہا۔ أَرْضٌ أَنْيْثَةٌ\* - نرم زمین۔ سَيْفٌ أَنْيْثٌ\* - نرم تلوار جو قاطع نہ ہو۔ أَنْثٌ لَهٌ\* - وہ اس کے لئے نرم ہو گیا\*۔

راغب نے لکھا ہے کہ چونکہ تمام حیوانات میں مؤنث بمقابلہ مذکر نرم اور ضعیف ہوتی ہے اس لئے اسے ”انثی“ کہتے ہیں۔ لہذا ہر وہ چیز جس میں فاعلیت کی بجائے انفعالی کا پہلو غالب ہو ”انثی“ کہلائیگی۔ چنانچہ اسی اعتبار سے جمادات کو بھی ”انثی“ کہتے ہیں۔ اور خدا کے مقابلہ میں جن چیزوں کو بھی معبود بنا لیا جاتا ہے وہ (خدا کی قوت اور فاعلیت کے اعتبار سے) ”انثی“ کہلاتی ہیں۔ سورۃ النساء میں جو کہا گیا ہے کہ إِنَّ تَدْهُوْنَ مِّنْ دُونِهِ إِلَّا إِنَاثًا (۱۶/۲) تو اس میں ”انثی“ سے مراد ضعیف و کمزور ہی ہیں خواہ وہ پتھر کی مورتیاں ہوں یا دیگر معبود\*\*۔

\* تاج - \*\* راغب -

قرآن کریم میں ذُكْرَ (نر - مذکر) کے مقابلہ میں اُنْثَى (مادہ - مؤنث) آیا ہے (۲/۱۱) اور بَنِيْنَ (بیٹے) کے مقابلہ میں بھی اِنَاثٌ (بیٹیاں) آیا ہے (۱۳/۱۳)۔

## انجیل

التَّجْوِلُ کے بہت سے معنی ہیں۔ منجملہ ان کے 'بہنے والے پانی کو بھی کہتے ہیں۔ اور تَجَلَّتْ اَلْاَرْضُ' کے معنی ہیں زمین سرسبز ہو گئی۔ تَجَلَّ الشَّمْسُ' اس نے اس چیز کو ظاہر کر دیا۔ بعض نے کہا ہے کہ 'اَلْاِنْجِيْلُ' اسی سے مشتق ہے\*۔ لیکن صاحب محیط نے لکھا ہے کہ یہ لفظ، یونانی لفظ اَوْنَجِيْلِيُوْنُ کا معرب ہے جس کے معنی مسرت انگیز خبر یا بشارت ہیں\*\*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ 'اَلْاِنْجِيْلُ' تَجَلَّتْ الشَّمْسُ سے ہے جس کے معنی ہیں، میں نے اسے نکال لیا۔ اس کا مفہوم ہے 'واضح کر دیا۔ کھول کر بیان کر دیا۔ اس لئے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز میں وسعت کے ہیں۔ قرآن نے یہ لفظ اس کتاب کے لئے استعمال کیا ہے جو حضرت عیسیٰ کو دی گئی تھی (۵۷/۳۷)۔

جو انجیل اس وقت عیسائیوں کے پاس ہے اسکی تاریخ کے لئے میری کتاب 'معراج انسانیت'، کا پہلا باب 'ظہرالنسار' دیکھئے۔ اس سے واضح ہوگا کہ یہ کتاب اپنی اصلی شکل میں بالکل نہیں۔ حضرت عیسیٰؑ جو صحیفہ ربانی (انجیل) اپنے حواریوں کو دیکر گئے تھے، اس کا کوئی پتہ نشان نہیں ملتا۔ بعد میں جب عیسائی کلیسا، یہودی اور غیر یہودی عناصر کی کشمکش کی ازسگاہ بن گیا تو مختلف الخیال فرقوں نے اپنی اپنی انجیلیں مرتب کرنا شروع کر دیں۔ چنانچہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کی تحقیق کی رو سے اس زمانے میں چونتیس اناجیل کا پتہ چلتا ہے۔ یہ اناجیل درحقیقت حضرت عیسیٰؑ کے سوانح حیات تھے جنہیں عام روایات سے اخذ کر کے ترتیب دیا گیا تھا۔ حضرت عیسیٰؑ اور آپ کے حواریوں کی زبان ارامی تھی لیکن حیرت ہے کہ ان چونتیس اناجیل میں سے (سوائے ایک کے جو اب مفقود ہے) کوئی انجیل بھی ارامی زبان میں نہیں تھی۔ سبکی سب یونانی زبان میں لکھی گئی تھیں۔ نیقیہ کی مشہور کونسل (منعقدہ ۳۲۵ء) میں یہ تمام لٹریچر سامنے رکھا گیا اور ان میں سے چار اناجیل (متی - \*ناج - \*\*محیط -

مرقس - لوقا - یوحنا) کو منتخب کر کے بقایا کو جعلی قرار دے دیا گیا۔ ان منتخب کردہ اناجیل (اور ان خطوط کو جنہیں سینٹ پال اور حواریوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے) عہد نامہ جدید کہا جاتا ہے۔ لیکن ان میں سے بھی کوئی کتاب اپنی اصلی شکل میں صفحہ ارض پر موجود نہیں۔ اسوقت دنیا میں اناجیل کے صرف تین قدیم نسخے ہیں۔ ایک ویٹکن میں۔ دوسرا برٹش میوزیم میں اور تیسرا وہ جسے روس نے انگلستان کے پاس فروخت کیا ہے۔ پہلے دونوں نسخے پانچویں صدی کے اور تیسرا نسخہ چوتھی صدی کا ہے۔ چوتھی صدی میں جیروم نے یونانی زبان سے ان کا ترجمہ لاطینی میں کیا۔ یہی ترجمہ اس ترجمہ کا ماخذ ہے جو شاہ جیمس کے عہد میں (۱۶۱۱ء میں) شائع کیا گیا اور جو مستند ترجمہ کہلاتا ہے۔ ۱۸۷۰ء میں کثربری میں سائیس علمائے عیسائیت کی ایک مجلس بدیں غرض منعقد ہوئی کہ چونکہ ۱۶۱۱ء والا ترجمہ ناقص ہے اس لئے ایک اور مستند ترجمہ شائع کیا جائے۔ اس ترجمہ کو (Revised Edition) کہا جاتا ہے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اناجیل کے جو تراجم اب مروج ہیں وہ ان دو تراجم کے عین مطابق ہیں۔ بالکل نہیں۔ بائبل سوسائٹیز کی طرف سے شائع ہونے والا ہر نسخہ، پہلے نسخوں سے مختلف ہوتا ہے۔ ایسا مختلف کہ جب جرمن ڈاکٹر میل نے عہد نامہ جدید کے چند نسخے جمع کر کے سوازنہ کیا تو تیس ہزار اختلافات شمار کئے۔ اور جان جیمس نے جب ذرا زیادہ تحقیق سے کام لیا تو دس لاکھ اختلافات سامنے آ گئے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مضمون (Gospel) اور انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجنز اینڈ اتھکس کا مضمون (Bible)۔)

یہ ہے مختصراً انجیل کی کیفیت جسے عیسائی دنیا آسمانی کتاب مانتی ہے۔ واضح رہے کہ اناجیل میں یہ تعریفات سہواً نہیں کی گئیں۔ دانستہ اور ’کارٹواب‘، سمجھ کر کی گئی ہیں۔ چنانچہ (اور تو اور خود)۔ سینٹ پال کا بیان ہے کہ

اگر میرے جھوٹ کے سبب سے، خدا کی سچائی اس کے جلال کے واسطے ظاہر ہوتی تو پھر مجھ پر ایک گنہگار کی طرح کیوں حکم دیا جاتا ہے؟

(رومیوں کے نام تخط - ۲)۔

اس ’’جھوٹ‘‘ سے ’’خدا کی سچائی اس کے جلال کے واسطے‘‘ کس طرح ظاہر ہوئی، اس کے متعلق (زیادہ نہیں) صرف ایک شہادت کافی ہوگی۔ ڈاکٹر جوڈ اپنی کتاب (God And Evil) میں لکھتا ہے کہ

جو چیز سب سے زیادہ افسوسناک ہے وہ حضرت عیسیٰؑ کا وہ کیریڈکٹر ہے جسے اناجیل پیش کرتی ہیں۔ (صفحہ ۳۱۹)۔  
اس سے یہ حقیقت سمجھ میں آجائیگی کہ جب قرآن نے یہ کہہ کر کہ انجیل محرف ہے، حضرت مریم اور حضرت عیسیٰؑ کے صحیح سوانح حیات پیش کئے تو یہ خود دنیا نے عیسائیت پر کتنا بڑا احسان تھا۔

## ان س

انّسؑ - مانوس ہونا۔ (وحشت کی ضد ہے)۔ چنانچہ اَلْحَمْرُ الْاِنْسِيَّةُ پالتو گدھوں کو کہتے ہیں۔ اور حِمَارٌ وَحْشِيٌّ جنگلی گدھے (گورخر) کو۔ اِسْتَانَسَ الْوَحْشِيُّ کے معنی ہیں جانور مانوس ہو گیا\*۔  
انّسٌ فُلَانٍ - فلاں شخص کا خاص دوست یا اس کا خالص رفیق۔  
انّسٌ - بشر۔ اس کا واحد انّسِيٌّ ہے۔ الاِنّسُ: وہ قبیلہ جو کسی جگہ مقیم ہو\*۔ انّسٌ کے برعکس، وہ خانہ بدوش قبائل جو جگہ جگہ پھرتے رہتے تھے اور اس طرح عام نگاہوں سے اوجھل رہتے تھے، جنّے کہلاتے تھے۔ (دیکھئے عنوان - ج - ن - ن)۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ انّسٌ کے بنیادی معنی ظا ہر ہونے کے ہیں۔ برعکس اَلْجِنّ کے، جس کے معنی پوشیدہ ہونے کے ہیں۔ اس کی جمع انّاسٌ اور انّاسِيٌّ آتی ہے۔ بعض کے نزدیک اَلنّاسُ بھی اس کی جمع ہے۔ قبیلے کے معنوں میں انّاسٌ سورۃ بقرہ میں آیا ہے۔ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اِنّاسٍ مَشْرَبَهُمْ\*۔ (۲۰)۔  
”سب قبیلوں نے اپنا اپنا گھاٹ جان لیا“۔ نوع انسانی کے معنوں میں انّاسِيٌّ اور اَلنّاسُ سورۃ فرقان میں آئے ہیں۔ (دیکھئے ۲۹: ۲۵)۔

لفظ انّسان کے متعلق بہت سی توجیہات پیش کی جاتی ہیں لیکن اکثر لوگوں کا خیال یہی ہے کہ یہ بھی انّس سے ہی ہے۔ قرآن میں انّسان اور بشر مرادف معنوں میں استعمال ہوئے ہیں (دیکھئے ۲۸: ۲۷)۔ نیز انّسیّاً بھی بشر کے ساتھ آیا ہے (۱۹)۔ انسان اور بشر کے فرق کیلئے دیکھئے عنوان بشر

انّاسٌ - جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے بعض کے نزدیک یہ انّس کی جمع ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ قَوْمٌ کی طرح اسم جمع ہے۔ بعض کے نزدیک اَلنّاسُ دراصل انّاسٌ تھا جو انّس کی جمع ہے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ دراصل اَلانّاسِيٌّ تھا۔ کثرت استعمال سے آخر کی یاء گر گئی۔ اس کے بعد اَلانّاسٌ کا درمیانی ہمزہ بھی تخفیفاً حذف کر دیا اور اس طرح اَلنّاسُ باقی رہ گیا\*\*۔

\* تاج و لین و اعراب الموارد۔ \*\* تاج

آنس کے معنی دیکھنے اور محسوس کرنے کے ہیں۔ تذکرہ حضرت موسیٰؑ میں جہاں انہوں نے کہا ہے اِنْسِيْ اَنْسَتْ نَارًا (۲۹: ۲۹) تو اس میں آنس کے معنی دیکھنے کے ہیں۔ اِنْسَاسٌ - کسی شے کی معرفت اور ادراک حاصل کر لینے اور یقین کو کہتے ہیں\*\*۔ مُسْتَانِسٌ - جو مانوس اور بے تکلف ہو۔ سورۃ احزاب میں ہے مُسْتَانِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ (۳۳: ۳۳)۔ اس کے معنی ہیں بے تکلف باتوں میں لگ جانا۔

اِسْتَانَسَ - اجازت طلب کرنا۔ سورۃ نور میں ہے حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا (۲۴: ۲۴) اس کے معنی اگلی آیت (۲۸: ۲۸) سے واضح ہو جاتے ہیں۔ اِسْتَانَسَ کے معنی دراصل معلومات حاصل کرنے کے ہوتے ہیں۔ جو شخص کسی مکان کے باہر کھڑا ہو کر دستک یا آواز دیتا ہے وہ دریافت کرتا ہے کہ گھر میں کوئی ہے۔ اور اگر ہے تو وہ اندر آسکتا ہے؟ اس بنا پر یہ لفظ اِسْتِيْذَانٌ (اجازت طلبی) کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔ اس قسم کی اجازت طلبی سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ آنے والا گھر کے اندر داخل ہونے سے پہلے ایسا انداز اختیار کرے جس سے وہ اہل خانہ کے نزدیک اجنبی نہ رہے۔ مانوس ہو جائے۔

قرآن کا خدا رَبُّ النَّاسِ - مَلِيْكَ النَّاسِ - اِلٰهِ النَّاسِ (۱۱۲: ۱۱۲) ہے اور خود قرآن بَصٰتًا لِّلنَّاسِ (۲۵: ۲۵)۔ اس لئے یہ دعوت بلا حدودِ زمان و مکان، تمام نوع انسانی کے لئے ہے اور خدا کی ربوبیت، ربوبیت عالمینی ہے۔ نوٹ :- قرآن میں جِنٌّ وَاِنْسٌ کے الفاظ اکٹھے بھی آئے ہیں اور انسان سے پہلے جانُّ کی تخلیق کا بھی ذکر آیا ہے (۱۵: ۱۵)۔ اس کے لئے (ج۔ ن۔ ن) کا عنوان دیکھئے۔

## ان ف

اَلَا تَنْفُ - ناک\*۔ ہر چیز کی ابتدا اور اس کا مضبوط اور سخت ترین حصہ\*۔ اَلَا تَنْفُ يَا اَلَا تَنْفُ (۳۵: ۳۵)۔ ”ناک کے بدلے ناک“۔ اَلَا سِيْتَنْفُ کسی کام کو از سر نو شروع کرنا\*۔ عرب ہزت اور ذلت دونوں کی نسبت اَنْتٌ کی طرف کرتے ہیں۔ مثلاً حَمِيْ اَنْفُهْ - وہ معزز ہو گیا، اور رَغِيْمَ اَنْفُهْ - وہ ذلیل ہو گیا\*\*۔ ہماری زبان میں بھی ”اونچی ناک والا“ اور ”ناک کٹ گئی“ عزت اور ذلت کے معنوں میں بولتے ہیں۔

\* تاج و راغب - \*\* محیط۔

انيفاً - ابھی ابھی - قرآن کریم میں ہے مَاذَا قَالُوا انيفاً (۲۹) اس نے ابھی ابھی کیا کہا تھا؟ -

## انام

انام مخلوق کو کہتے ہیں - یا صرف جن و انس کو کہتے ہیں - بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ان تمام چیزوں کو انام کہتے ہیں جو روئے زمین پر ہیں - غالباً یہ نوم سے ماخوذ ہے اور ہر اس چیز کو انام کہہ سکتے ہیں جس پر نیند طاری ہوتی ہو\* - بعض لوگوں نے کہا ہے کہ انام ہر جاندار چیز کو کہتے ہیں - \*\*

قرآن کریم میں ہے وَالْاَرْضُ وَوَضَعْنَهَا لِنَامٍ (۵۵) "زمین کو مخلوق کے فائدے کے لئے بنایا" - اس سے ظاہر ہے کہ کوئی ایسا نظام جس میں زمین (سرچشمہ رزق) تمام مخلوق کے فائدے کے بجائے چند افراد کے مفاد کا ذریعہ بن جائے (یا بے فائدہ پڑی رہے) منشاء خداوندی کے خلاف ہوگا - اس کی تشریح میں قرآن نے دوسرے مقام پر کہہ دیا ہے کہ ارض کو ساء لستائیلین (۱۱) رہنا چاہئے - یعنی اسے تمام ضرورت مندوں کے لئے یکساں طور پر کھلا رہنا چاہئے - (مزید تفصیل ا - ر - ض کے عنوان میں ملیگی) -

## ان (حرف)

ان - تاکید اور تحقیق کے لئے آتا ہے - ان التذین کفروا (۲) یہ حقیقت ہے کہ جو لوگ (اس نظام حیات سے) انکار کرتے ہیں -

انما (ان + ما) - صرف (Only) کے معنوں میں بھی آتا ہے - (اسے حصر کہتے ہیں) انما الصدقات ليلفقراء (۱) صدقات صرف فقراء کے لئے ہیں - اور محض تاکید کے لئے بھی (نیز دیکھئے عنوان - ما) -

انٹی دراصل ان اور (متکلم کی ضمیر) سے بنا ہے - اسے انٹی اور انٹنی دونوں طرح بولا جاتا ہے -

انتا - دراصل ان اور تا (جمع متکلم کی ضمیر) کا مرکب ہے - اسے انتا - اور انٹتا دونوں طرح بولا جاتا ہے -

## ان - (حرف)

ان در حقیقت ان کی طرح ہے۔ تاکید کے لئے آتا ہے۔ جب اس پر کاف تشبیہ کا آجائے تو کان ہو جاتا ہے۔ (دیکھئے "کان" کے ماتحت)

انشما کے معنی بھی ان ہی کے ہوتے ہیں۔ مطلب تحقیق اور تاکید ہوتا ہے۔ انشما اللہکم اللہ واحد (۱۸:۱)۔ یقیناً تمہارا اللہ اللہ واحد ہے۔ اس پر کاف تشبیہ آجائے تو کانتما ہو جاتا ہے۔

ان اور ان کے استعمال میں فرق یہ ہے کہ ابتدائے کلام میں ان استعمال کرتے ہیں اور در بیان کلام میں ان استعمال کرتے ہیں۔ البتہ قال اور اس کے مشتقات کے بعد ان استعمال کیا جاتا ہے۔ ان استعمال نہیں کیا جاتا۔

## انی (حرف)

(۱) انشی - کثیف (کس طرح - کیونکر) کے معنوں میں۔ و انشی لہ الذکر علی (۱۳:۱)۔ اور (اس دن) اسکے لئے قانون کی یاد دہانی کس طرح ہو سکے گی؟

(۲) متلی (کب اور جب) کے معنوں میں۔ قال رب انشی یتکون ربی غلام (۱۸:۱)۔ زکریا نے کہا۔ اے میرے نشوونما دینے والے! میرے ہاں کب بیٹا پیدا ہوگا۔ (لیکن یہاں اس کے معنی "کس طرح، یا "کیونکر، بھی ہو سکتے ہیں)۔

(۳) سین آین (کہاں سے) کے معنوں میں۔ انشی لکب ہذا (۱۳:۱)۔ تجھے یہ (رزق) کہاں سے ملا؟ (یہاں اسکے معنی "کس طرح - کیسے یا کیونکر، بھی ہو سکتے ہیں)۔

(۴) کدھر، کے معنوں میں۔ قاتلی تو فکون (۱۳:۱)۔ تم کدھر اللے پھر رہے ہو۔

(۵) سورہ بقرہ میں ہے۔ نساؤکم حرات لکم۔ قاتوا حراتکم انشی شیئتکم (۱۳:۱)۔ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ تم اپنی کھیتوں میں (منوع اوقاتِ حیض کے علاوہ) جب جی چاہے آؤ۔ یہاں انشی کے معنی جیسے ہیں (ضحاک)۔ ابن عباس کا قول ہے کہ اسکے معنی ہیں۔ انشی شیئتکم میں اللقیل والنہار۔



رات اور دن میں جب تم چاہو۔ صاحب تاج العروس نے بھی اس کے معانی میں ”جب“ شامل کیا ہے۔ سرزا ابوالفضل نے (غریب القرآن میں) ابو حیان کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس کے معنی ”اگر، کے ہیں۔ یعنی اگر تم چاہو۔“

## ا ن ی

آنتی القشیٰ \* آتشیاً۔ کسی بات کا وقت ہو جانا۔ اسکا اپنی غایت اور تکمیل تک پہنچ جانا۔ پختہ ہو جانا۔ بَلَغَ هَذَا أَنَاءً وَ لَانَاءً۔ یہ چیز اپنی پختگی اور تکمیل کو پہنچ گئی \* سورة احزاب میں ہے۔ نَظِيرَيْنِ لَانَهُ (۳۳/۱۳)۔ کھانے کے وقت کا انتظار کرنے والے۔ یعنی جب تمہیں کھانے پر بلایا جائے اس وقت آؤ۔ یہ نہ کرو کہ یونہی آجاؤ اور پھر باتیں کرتے رہو تا آنکہ کھانے کا وقت آجائے اور تم اس میں (خواہ مخواہ) شامل ہو جاؤ۔ سورة الحديد میں ہے اَلَسْمُ يَتَانِ لِيَقْدِرُنَّ اَلْمَتَوَا (۵۹/۱۶) راغب نے لکھا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کیا مومنین کے لئے اس بات کی تکمیل اور پختگی کا وقت نہیں آیا؟ سورة غاشیہ میں عَمِينَ اَلْيَتَةِ اَيَا هِ (۸۸/۵)۔ اس کے معنی ہیں چشمے کا وہ پانی جو اپنی حرارت میں شدت تک پہنچ گیا ہو۔ کھولتا ہوا۔

آلَانَاءُ۔ برتن \*۔ جمع اَنِيَّةُ۔ (۹۱/۱۵)

آلَانَاءُ جمع ہے اَنِيَّةُ۔ لَانِيَّةُ کی، جس کے معنی وقت کا کچھ حصہ۔ ساعت ہیں۔ اَلَانَاءُ اَللَّيْلُ۔ رات کی گھڑیاں \* (۳۳/۱۱۴ ذ: ۱۴) ابن فارس نے کہا ہے کہ لَانِيَّةُ رات کے کسی وقت کے لئے ہی بولا جاتا ہے۔ اَنِيَّةُ اَلشَّيْءِ۔ میں نے اس چیز کو اس کے وقت سے مؤخر کر دیا \*\*

## اہل

آہل \*۔ صاحب سعیط نے لکھا ہے کہ اس مادہ کے معنی عبرانی زبان میں خیمہ کے ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے اسکا مفہوم ہوا وہ لوگ جو ایک خیمہ میں رہتے ہوں \*\*\* اس کے بعد (راغب کے الفاظ میں) یہ لفظ ان لوگوں کیلئے بولا جانے لگا جو آپس میں نسب۔ دین یا پیشہ۔ مکان اور شہر میں مشترک ہوں۔ \*\* عام طور پر اَهْلُ الْقَرْجُلِ۔ آدمی کے خاندان اور قریبی رشتہ داروں کو کہتے ہیں۔ اَهْلُ اَلتَّبِيْتِ۔ گھر میں رہنے والے۔ آہلُ اَلْقَرْجُلِ۔ بیوی اور

\* تاج۔ \*\* راغب \*\*\* محیط۔

اولاد کے لئے بھی آتا ہے۔\* صاحب محیط نے اس لفظ کے متعدد معنی درج کئے ہیں۔ پھر ابو حنیفہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ان کے نزدیک اس سے با مخصوص بیوی مراد ہوتی ہے۔\* آہلییؑ اس چوپاہ کو کہتے ہیں جو مکانات سے مانوس ہو جائے\* یعنی ہالتو۔

بیشک قرآن کریم قرابت اور رشتہ داری کو اہمیت دیتا ہے لیکن اس کے نزدیک انسانوں کی بنیادی تقسیم کا ایک ہی معیار ہے۔ یعنی کفر اور ایمان (Ideology)۔ جو لوگ ایک دین کے رشتہ میں پروئے جائیں، وہ ایک گروہ، جماعت اور قوم کے افراد۔ لہذا اپنے۔ جو اس رشتہ سے باہر ہوں، وہ دوسری جماعت اور قوم سے متعلق۔ لہذا ایگائے۔ ان اپنوں میں سے جو قرابت دار ہوں وہ اس قرابت داری کی بنا پر قریبی ہو جاتے ہیں لیکن اگر قرابت دار دین میں مشترک نہ ہوں تو وہ اپنوں میں سے نہیں رہتے۔ یہ وہ حقیقت تھی جسے حضرت نوحؑ پر یہ کہہ کر منکشف کیا گیا کہ تمہارا بیٹا اِنْتَه لَتَمِسَ مِیْنِ اَہْلِکَ (۱۱۶) وہ تمہارے اہل میں سے نہیں ہے۔\*\*\* اس لئے کہ اِنْتَه اَعْمَلٌ غَیْرٌ صَالِحٌ (۱۱۶) اسکے اعمال غیر صالح ہیں۔ اس سے پہلے بتا دیا گیا کہ وہ بیٹا جماعت مومنین میں شریک نہیں ہوا تھا۔ وَ کَانَ فِیْ مَعْرَلٍ (۱۱۶) لہذا حضرت ابراہیمؑ کا باپ ہو یا حضرت نوحؑ کا بیٹا۔ حضرت لوطؑ کی بیوی ہو یا نبی اکرمؐ کے قریب ترین رشتہ دار (مثلاً چچا) اگر وہ دین کے رشتہ میں منسلک نہیں ہوتے تو وہ آہلؑ میں سے نہیں ہو سکتے۔ اتنا سمجھ لینا ضروری ہے کہ جو لوگ اس طرح اپنے اہل میں سے نہ ہوں ان سے نفرت اور عداوت کا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ عدل و انصاف اور انسانیت کا سلوک کیا جائے گا۔ اہل کی امتیازی خصوصیت یہ ہوگی کہ یہ اس جماعت کے افراد ہونگے جو قرآن کے نظام ربوبیت کی حامل ہوگی، یعنی جن کے ذمہ نوع انسانی کی پرورش کا اہم فریضہ ہوگا۔

هُوَ اَہْلٌ لِّکَذَا۔ وہ اسکا مستحق ہے\*۔ سورۃ نساء میں ہے اِنَّ اللّٰہَ یَتَا مَّرْکُمُ اَنْ تَوَدُّوْا اِلَآ مَآئِتٍ اِلَیْ اَہْلِہَا (۵۸) اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کی طرف لوٹا دو،۔ یہاں امانات سے اگر وہ چیزیں مراد ہیں جو کوئی شخص کسی دوسرے کے پاس بطور امانت رکھ دے تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ کسی کی امانت میں خیانت نہ کرو۔ ایسے اس کے مالک کو واپس دینو۔ اور اگر امانات سے مراد امت کی وہ چیزیں ہیں

\* محیط۔ \*\* تاج و راعب۔ \*\*\* (بعض نے کہا ہے کہ یہاں اہل کے

معنی سزاوار۔ شاہان شان ہیں۔ عربیہ القرآن از مرزا ابوالفضل)

جو ارباب بست و کشاد کے پاس بطور (Trust) ہوتی ہیں۔ مثلاً اختیارات وغیرہ، تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ چیزیں ان لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہوں۔ نا اہلوں کے سپرد مت کرو۔

قرآن کریم میں آہل اہل کتاب کا ذکر بڑی کثرت سے آیا ہے۔ اس زمانے کے عربوں میں دو گروہ تھے۔ ایک وہ جو کسی نہ کسی آسمانی کتاب پر ایمان رکھنے کے مدعی تھے۔ یہ آہل اہل کتاب کہلاتے تھے۔ اور دوسرے وہ جو کسی آسمانی کتاب کو نہیں مانتے تھے۔ انہیں بالعموم مشرکین کہہ کر پکارا گیا ہے۔ (اگرچہ جہان تک شرک کا تعلق ہے ان اہل کتاب میں بھی شرک کے عقائد پائے جاتے تھے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ش۔ ر۔ ک) عرب کے غیر اہل کتاب کو امیثیین بھی کہا گیا ہے۔ (دیکھئے عنوان ام م) ان تمام گروہوں میں سے جو لوگ رسول اللہ پر ایمان لے آئے مومنین کہلاتے تھے، اور جو اس جماعت سے باہر رہ جاتے تھے کافرین کہلاتے تھے۔

لہذا رسول کا اہل وہ ہے جو اسکی پیروی کرے (۸۴)۔ نیز (جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے) اسکے معنی حقدار، مالک اور ان کے بھی ہیں جو کسی کام کی اہلیت رکھیں (۲)۔

## او (حرف)

او۔ ”یا“ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

- (۱) شک کے لئے۔ مثلاً لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ (۱۸)۔ ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں۔ یعنی کہنے والے کو یقینی طور پر علم نہیں کہ ان دونوں میں سے کونسی ایک بات ہوئی ہے۔
- (۲) جب دو چیزوں میں اختیار دیا جائے کہ چاہے یہ کر لو اور چاہے وہ کر لو۔ تَزَوَّجْ هِنْدًا أَوْ أَخْتَهَا۔ چاہے ہندہ سے شادی کر لو اور چاہے اس کی بہن سے۔ قرآن کریم میں اس کی متعدد مثالیں ہیں۔
- (۳) جب اس کے پہلے نفی آ جائے تو او سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ دونوں چیزوں میں سے ایک بھی نہیں۔ وَلَا تَطِيعُ مِنْهُمْ أَيْمًا أَوْ كَفُورًا (۲۱)۔ تم نہ کسی آثم کی اطاعت کرو اور نہ کفور کی۔
- (۴) ”بلکہ“ کے معنوں میں۔ وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ (۳۶) اور ہم نے اسے ایک لاکھ کی طرف بھیجا۔ بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ تھے۔

(۵) حثی (یہاں تک کہ) کے معنوں میں۔ تَقَاتِلُوا بِهِمْ اَوْ يُسَلِّمُوا (۲۸/۱۶) تم ان کے ساتھ جنگ کرو یہاں تک کہ وہ تمہارے تابع فرمان ہو جائیں۔

(۶) ”کبھی یوں ہوا اور کبھی یوں ہوا“ کے معنوں میں۔ فَجَاءَ هَا بِمَا سُنَّا بَيِّنَاتًا اَوْ هُمْ قَاتِلُونَ (۳۰/۴)۔ سو ہمارا عذاب کبھی ان پر رات کے وقت آیا اور کبھی اس وقت جب وہ دوپہر کو آرام کر رہے تھے۔ یعنی کسی قوم پر رات کے وقت اور کسی قوم پر دوپہر کے وقت۔

## اوب

”اَلَا اَوْبٌ“۔ تیز دوڑنے وقت ٹانگوں کو لوٹا کر پیچھے لانا اور تیزی سے گھمانا۔ ”اَلَا اَوْبَاتٌ“۔ ٹانگوں کو کہتے ہیں۔ اَلتَّائِبُ اَوْبٌ کے معنی ہیں دن بھر سفر کر کے رات میں ٹھہرنا۔ رِيْحٌ مُّؤَوِّبَةٌ۔ اس ہوا کو کہتے ہیں جو دن بھر چلتی رہے۔ ”اَوْبٌ“ کے معنی لوٹنے اور رجوع کرنے کے بھی ہیں۔ ”رَجُوعٌ“ اور ”اَوْبٌ“ کے معنوں میں فرق یہ ہے کہ ”رَجُوعٌ“ ارادہ و اختیار کے ساتھ یا بلا ارادہ لوٹنے کے لئے بولا جاتا ہے لیکن ”اَوْبٌ“ صرف صاحب ارادہ کیلئے ہوتا ہے۔ یعنی کسی کی طرف بلا ارادہ رجوع کرنا۔ ”اَلْمَتَابُ“۔ پلٹنا اور رجوع کرنا۔ نیز مستقر۔ جہاں ٹھہرا جائے، جہاں کوئی چیز چھپ جائے۔ یا وہ جگہ جہاں کوئی چیز پلٹ کر جائے۔ چنانچہ کہتے ہیں بَيْنَهُمَا ثَلَاثٌ مَّآوِبٌ۔ ان دونوں (مقامات) کے درمیان تین ٹھہرنے کے مقامات (منازل یا پڑاؤ) ہیں۔

قرآن کریم میں ہے اِنَّمَا اٰتَيْنَا اِيَّاهُمْ (۲۸/۱۶)۔ ”ان کا لوٹنا ہماری ہی طرف ہے“۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ غلط راستے پر چل رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ یہ راستہ ہمیں زندگی کی خوشگوار یوں کی طرف لے جائیگا۔ یہ ان کی بھول ہے۔ ان کا ہر قدم اس منزل کی طرف اٹھ رہا ہے جو ہم نے ان کے اعمال کے نتائج کے لئے مقرر کر رکھی ہے۔ ان کا کوئی قدم ہمارے قانونِ مکافات کے احاطہ سے باہر نہیں جا سکتا۔ یہ کشاں کشاں اسی کی طرف جا رہے ہیں۔ اس لئے کہ اِنَّمَا اٰتَيْنَا اِيَّاهُمْ (۲۸/۱۶)۔ ان کے ہر عمل کا حساب ہمارے قانونِ مکافات کے ذمے ہے۔

اس اعتبار سے حَسَنٌ عمل کے نتائج کو حَسُنَ الْعَمَلُ (۳۳) کہا گیا ہے۔ یعنی خوشگوار یوں کی توازن بدوش منزل۔ لیکن آخری مقام نہیں بلکہ راستہ میں ٹھہرنے کی منزل۔ اس لئے کہ قرآن کی رو سے جنت انسانی زندگی کے ارتقائی منازل میں سے ایک منزل ہے (تفصیل جنت کے عنوان میں ملیگی۔ دیکھئے۔ ج۔ ن۔ ن۔)۔

حضرت ایوبؑ کے متعلق ہے، اِنَّهٗ اٰتٰوَابٌ (۳۸)۔ یعنی بڑی تیزی سے قانونِ خداوندی کی طرف دوڑنے والا۔ اطاعت گزار۔ انہی معانی میں حضرت داؤدؑ کی قوم کے سرداروں سے کہا گیا کہ یٰجِبَّالِ اَوْ بَیِّ مَعَه (۳۳)۔ ”داؤد کے ساتھ تم بھی نہایت سرگرمی سے قانونِ خداوندی کی اطاعت کرو،“ (لفظی اعتبار سے یٰجِبَّالِ کے معنی ہیں ”اے پہاڑو،“ لیکن اس کے مجازی معنی سردارانِ قوم ہیں۔ دیکھئے عنوان۔ ج۔ ب۔ ل)۔ **زیرِ نظر دیکھئے تہتمہ ص ۱۸۲ جلد چہارم۔**

## اول

اَلَا وُدٌّ۔ ٹیڑھا ہو جانا۔ اَلَا وُدٌّ: جھکانا اور ٹیڑھا کر دینا، گران گذرنا۔ شاق گذرنا۔ بوجھل اور گرانبار کرنا۔ چنانچہ اَلَا وُدَّةٌ بوجھ کو کہتے ہیں۔ کسی چیز کا بار بن جانا۔ اَدَّةٌ اَلَا مَرٌّ۔ کسی معاملہ کی گران باری نے اسکی کمر ٹیڑھی کردی۔ تَا وُدَّةٌ اَلَا مَرٌّ۔ اس معاملہ نے ایسے جھکا دیا اور گرانبار کر دیا۔\*

اَلَا یَسُوْدَةٌ حِفْظُهُمَا (۴۵)۔ کائنات کا کنٹرول خدا پر قطعاً گران نہیں گذرتا۔ اسپر بوجھ نہیں بن رہا۔ اصل میں اسکے بنیادی معنی کسی چیز کا مڑ کر جھک جانا یا ٹیڑھا ہو جانا ہیں (ابن فارس)۔ یعنی بوجھ سے جھک جانا اور ٹیڑھا ہو جانا۔

## اول

اَلِ الْیَمِیْنِ اَوْ لَا۔ اس کی طرف رجوع کیا۔ لوٹا۔ اَلِ الْیَمِیْنِ۔ اسکی طرف سے پھر گیا۔ اسکے بنیادی معنی لوٹنے اور رجوع کرنے کے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں اَوْ اَلِ اللّٰهِ عَلَیْكَ ضَالَّتْکَ۔ خدا تیری کھوئی ہوئی چیز کو تیری طرف لوٹا دے۔ سأل کہتے ہیں اس نقطہ یا مقام کو جس کی طرف کسوئی بات آخر الامر لوٹ کر آئے۔ انجام کار۔ کسی بات کا آخری نتیجہ۔ تَا وِیْسُلٌ\*

کسی بات کو اس کے صحیح رخ کی طرف پھیرنے کو کہتے ہیں۔ اَوَّلَ الْكَلَامِ  
تَاوِيلاً۔ اسنے بات کا نتیجہ اور اندازہ واضح کیا۔ اسنے کلام (بات) کی  
ترجمانی کی۔ \*

أَلِ عِلِّيِّ الْقَوْمِ کے معنیے ہیں وہ قوم کا والی اور حاکم بن گیا۔  
أَلِ السَّمَالِ وَ الْإِثْمَالَةِ۔ اس نے مال کی خبر گیری کی۔ اسکا انتظام کیا۔  
ایسے درست کیا۔ اَلَا يَأْتِيهِ۔ سیاست۔ حدود مملکت۔ \*\*  
أَلِ کے معنی کم ہو جانا اور نجات پانا بھی ہوتے ہیں۔ \*

اَوَّلُ۔ آخر کی ضد ہے (اَوَّلُ)۔ سب سے پہلا۔ راغب نے کہا ہے کہ  
أَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ کے معنی یہ ہیں کہ میں سب سے پہلے قوافین  
خداوندی کے سامنے جھک کر دوسروں کے لئے نمونہ یا مقتدا بتا ہوں۔  
قرآن میں خدا کے لئے اَوَّلُ آیا ہے۔ (اَوَّلُ) اس سے اسکی وہ لامحدودیت  
(Infinity) مراد ہے جس کا احاطہ انسانی ذہن نہیں کر سکتا۔

أَوَّلَ الْقُرْجُلِ يَتَاوَلٌ اَوَّلًا۔ وہ سابق ہو گیا۔ سب سے پہلے نمبر  
پر ہو گیا۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ابتدائے اسر اور  
انتھائے اسر دونوں کے آتے ہیں۔ اَوَّلِي اس کی تائیت ہے۔ \* اَوَّلًا خَيْرَةٌ  
وَأَوْلِي (اَوَّلِي)۔ آل۔ آدسی کے اہل و عیال و رفقا۔ متبعین۔ آل کا  
استعمال شرفاء ہی میں ہوتا ہے، اراذل میں نہیں ہوتا۔ \* قرآن میں آل  
يَعْتَقُونَ (اَوَّلِي) اولاد کے معنوں میں آیا ہے۔ اور رفقا اور متبعین کے  
معنی میں آل فِرْعَوْنَ (اَوَّلِي)۔ اَلَالَةُ۔ حالت۔ اوزار۔ اسکی جمع  
آلات ہے۔ \*

قرآن میں تَاوِيلاً و اَوَّلًا کا لفظ بات کے آخری نتیجہ کیلئے استعمال ہوا ہے۔  
انجام کار۔ مآل کار۔ ذَالِكْ خَيْرٌ وَّ أَحْسَنُ تَاوِيلاً (اَوَّلًا)۔ ”یہ روش سب  
سے بہتر ہے اور اسکا نتیجہ نہایت عمدہ نکلیگا،۔ ہٹل“ يَنْظُرُونَ اِلَا  
تَاوِيلاً (اَوَّلًا) ”اب انہیں صرف اسکا انتظار ہے کہ اس کتاب کے دعاوی  
کی صداقت ان کے سامنے آجائے“۔ یعنی اس کتاب نے ان کے اعمال کے جو  
نتائج بتائے تھے وہ انکے سامنے آجائیں۔ حضرت موسیٰ اور ان کے ہم سفر  
بزرگ کے قصے کے آخر میں ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ  
سَا نَبِيَّتُكَ يَتَاوِيلاً و اَوَّلًا مَا لَمْ تَسْتَطِيعْ عَلَيْهِ صَبْرًا (اَوَّلًا)۔ ”میں  
اب تجھے ان باتوں کی حقیقت کی خبر دیتا ہوں جسے معلوم کرنے کیلئے تو

اس قدر مضطرب و بقرار تھا،۔ حضرت یوسفؑ کے متعلق حضرت یعقوبؑ نے کہا تھا کہ وَ يَعْزِلِيهِ كَتِّ مِثْنِ تَأْوِيلِ الْأَحْسَادِ يَنْشُرُ (۱۴)۔ خدا تجھے ایسی بصیرت و فراست عطا کریگا کہ تو بات سنکر فوراً اسکی تہ تک پہنچ جایا کریگا۔ معاملات کے آغاز پر نگاہ ڈالکر ان کے انجام تک پہنچ جایا کریگا۔ تمہاری فراست کی یہ کیفیت ہوگی۔ کہ خارے دید و احوال چمن گفت۔ خواب کی تعبیر کو بھی اسی لئے تَأْوِيلِ كَتِّ کہتے ہیں (۱۴) کہ اس سے انسان خواب کے مبہم اشارات سے اس کی حقیقت کا اندازہ لگا لیتا ہے۔

قرآن کریم میں آیاتِ مشابہات کے متعلق کہا گیا ہے کہ وَمَا يَعْزِلِيهِ تَأْوِيلُهُ، إِلَّا اللَّهُ وَالْقَرَامِصُغُونَ فِي الْعِلْمِ (۳)۔ یعنی یہ بات کہ فلاں تشبیہ اور مثال سے اصلی مقصود کیا ہے اس کا علم خدا کو ہوتا ہے یا ان لوگوں کو جو علم میں پختگی حاصل کرتے رہتے ہیں۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ہ۔ ب۔ ہ اور ح۔ ک۔ م)۔

## أَوْلَاءِ (اسم)

أَوْلَاءِ۔ یہ سب (جمع)۔ اس کا واحد ذَا آتَا ہے (دیکھئے ذَا)۔  
أَوْلِيَيْكَ۔ وہ سب (جمع)۔ اس کا واحد ذَاكَ اور ذَاكَتْ آتَا ہے۔  
(دیکھئے ذَا)۔

أَوْلِيَيْكُمْ۔ وہ سب۔ مثلاً (۴) میں۔ یہ مذکر اور مؤنث دونوں کے لئے آتا ہے۔ اس پر ہائے تنبیہ بھی آتی ہے، جیسے أَوْلِيَاءِ بِنَاتِي (۱۱)۔ یہ میری بیٹیاں ہیں۔

## أَوْلُوا (اسم)

أَوْلُوا۔ بمعنی ”والے“، (جمع مذکر)۔ أَوْلُوا لَا لِبَابِ (۳۹)۔ عقل و بصیرت والے (نصب اور جر میں) أَوْلِي الْأَلْبَابِ (۳۸)۔ ان کا واحد ذُو آتَا ہے (دیکھئے ذُو)۔

أَوْلَاتٌ۔ جمع مؤنث۔ (واحد ذات)۔ أَوْلَاتُ الْأَحْمَالِ (۳۷) حمل والیاں۔

## ا-ون

أَوْلَانٌ۔ وہ وقت جسمیں تم موجود ہو\*۔ اب۔ اسوقت۔ أَوْلَانٌ جِئْتُ بِأَلْحَبِيِّ (۴) ”اب تم سچی بات لائے“۔

## اوی

آہ۔ آوہ۔ آورہ۔ یہ تمام کلمات شکایت اور درد کے وقت بولے جاتے ہیں۔ آلاؤۃہ اس شخص کو کہتے ہیں جو بہت زیادہ تآؤۃ کرتا ہو۔ تآؤۃ کے معنی ہیں آوہ کہنا۔ یعنی حزن اور غم کا اظہار کرنا۔ آہین بھرنا۔ لہذا اس سے مراد ہوتا ہے ایسا شخص جو بہت رقیق القلب ہو اور لوگوں کی حالت پر بہت زیادہ متأسف اور ان کا غمخوار ہو\*۔ ویسے سمجھدار اور فقیہ کو بھی کہتے ہیں اور بہت دعائیں کرنے والے کو بھی\*۔ حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ہے کہ وہ آوۃۃ حَلِیْمٌ (۱۱۳) تھے۔ رحمدل۔ غمخوار۔ دوسروں کی مصیبت پر متأسف ہونے والے۔

## اوی

اَوْبِتٌ مِّنْزِلِیْ - میں اپنے گھر میں اترا۔ یا اس کی طرف لوٹا۔ یا اس میں رہا۔ یہ سب معنی آتے ہیں۔ یہیں سے اَوِیْ اِلَیْہِ کے معنی ہیں اس کی طرف جھکا اور مائل ہو گیا\*۔ اَوْبِتْ لَہُ - مجھے اس پر رحم آ گیا۔ یعنی رَجَعْتُ اِلَیْہِ بِقَلْبِیْ - میں اس کی طرف اپنے دل سے مائل ہوا\*\*۔ اَلْمَاۗءِ وِی - وہ جگہ جہاں کوئی چیز رات کو یا دن کو لوٹے۔ وہ جگہ جہاں اونٹ رات کو آرام کرنے کے لئے بوٹیں\*۔ اَلْاَوِیْ - ایک جہند میں اکٹھے رہنے والے پرندوں کو کہا جاتا ہے۔ اَلْمَاۗءِ وِی - اس باغیچہ کو بھی کہا جاتا ہے جہاں رات گذاری جائے۔ اَوْبِتْہُ - میں نے اسے گھر میں اتارا\*۔ (نیز دیکھئے عنوان ت۔ و۔ ی)۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) اکٹھا ہو جانا۔ اور (۲) رحم اور ڈر کے ہیں۔ سورۃ ہود میں ہے کہ حضرت نوحؑ کے بیٹے نے کہا سَاۗءِ وِی اِلَیْ جَبَلٍ (۱۱۱)۔ "میں پہاڑ کی طرف پناہ لینے کے لئے مراجعت کرونگا"۔ سورۃ مومنوں میں ہے اَوْبِتْہُمَا (۲۳)۔ "ہم نے (عیسیٰ اور مریمؑ کو) پناہ دی،،۔ سورۃ احزاب میں تَتَّوِیْ بِمَقَابِلِہِ تَشْرَجِیْ آیا ہے (۵۱)۔ یعنی اپنے پاس جگہ دینا۔ سورۃ انفال میں ہے۔ فَاۗءَاکُمُّ (۱۶)۔ "اللہ نے تمہیں پناہ دی،،۔ قرآن نے جنت کو اَلْمَاۗءِ وِی کہا ہے (۵۳)۔ یعنی وہ مقام جہاں اس اطمینان سے رہا جائے کہ یہاں کسی قسم کا خطرہ نہیں۔ جہاں یہ خوف نہ ہو کہ کوئی اچک



کر لے جائیگا (۳۱)۔ لیکن جہنم کے لئے بھی یہی لفظ آیا ہے۔ "وَمَا وَاهِمُ  
النَّارُ" (۳۱)۔ جہاں اس کے معنی مطلق رہنے کی جگہ کے ہیں۔ اس لئے  
کہ مادہ کے اعتبار سے "مَآوِی" ہر منزل، مرجع یا مسکن کو کہیں گے۔

## ای (حرف)

ای۔ ہاں۔ قُلْ "ای" وَرَبِّی "إِنَّهُ لَحَقُّ" (۱۰)۔ ان سے کہو کہ  
ہاں۔ بیشک یہی بات ہے۔ میرا رب اس پر شاہد ہے کہ یہ یقیناً حق ہے۔  
ای کے بعد قسم کا آنا ضروری ہے۔

## ای د

اد۔ یتئد۔ آئد۔ مضبوط اور قوی ہونا۔ سخت ہونا۔ "الآد"  
سختی اور قوت۔ یہی معنی "الآئد" کے ہیں۔ "ذالآئد" صاحبِ قوت۔  
آئد، تئد، تئد۔ کسی چیز کو بہت زیادہ تقویت دینا۔ "الآئد" جس  
چیز سے کسی کو تقویت دی جائے۔ مٹی جو خیمہ کے کنارے لگائی جائے تاکہ  
بارش کا پانی اس کے اندر نہ جائے۔ بلند ٹیلہ۔ محکم پہاڑ\*۔ ابن فارس نے  
کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی قوت اور حفاظت کے ہوتے ہیں۔

وَأَيُّدُهُمْ بِرُوحِ الْقُدُسِ (۲)۔ "اور ہم نے عیسیٰ کو روح  
القدس کے ذریعہ تقویت دی،"۔ "وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدِي" (۵۱)۔ "ہم  
نے اجرام فلکی کو بڑی قوت کے ساتھ بنایا ہے۔"  
(آئد۔ ید (ہاتھ) کی جمع ہے۔ دیکھئے عنوان ی۔ د۔ ۵۱)

## ای گ

"الآئسکات"۔ بہت سے گھنے درخت۔ درختوں کا جھنڈ۔ وہ بن جس  
میں پیری وغیرہ کے درخت آگئے ہوں۔ درختوں کی کثرت، خواہ وہ کسی  
قسم کے درخت ہوں۔ آئسکتہ واحد ہے\*۔ قرآن کریم میں اصحاب  
الآئسکتہ (۱۸) اہل مدین کیلئے آیا ہے جو گھنے جنگلوں میں رہتے تھے۔  
(نیز دیکھئے عنوان اصحاب الایکۃ)

## ای م

"الآیام"۔ دھوئیں کو کہتے ہیں اور ام یتئسم۔ ویؤوم ایاماً  
کے معنی ہوتے ہیں اس نے شہد کا چہتہ اتارنے کے لئے شہد کی مکھیوں کو

دھونی دی تاکہ مکھیاں اڑ جائیں اور چھتہ خالی رہ جائے۔ اس سے "أَلَا يَتِيمٌ" اس عورت کو کہتے ہیں جس کا شوہر نہ ہو۔ اسکی جمع "الْأَيَامِي" ہے۔ عربوں میں معاورہ تھا کہ "الْحَرْبُ مَاتَ يَتِيمًا" لثیساء۔ جنگ عورتوں کو بیوہ کر دیتی ہے۔ قرآن کریم میں ہے "وَأَنْتُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ" (۲۴/۳۴) جو تم میں مجرد ہوں (خواہ عورتیں خواہ مرد۔ غیر شادی شدہ ہوں یا رندوں کے مزد اور بیوہ عورتیں، اس میں سب داخل ہیں)\*\* انکی شادی کر دیا کرو۔ اس سے واضح ہے کہ اسلامی معاشرہ کے فرائض میں سے یہ بھی ہے کہ وہ ایسے حالات اور سہولتیں پیدا کرے جن میں افراد معاشرہ ازدواجی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جائیں۔

## أَيْنَ

أَيْنَ - کہاں، کدھر، کس طرف، کس جگہ۔ أَيْنَمَا کے معنی ہیں، جہاں کہیں۔ أَيْنَ الْتَفَرُّوا؟ مفر کہاں ہے (۹۵/۱) أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا..... (۲/۱۳۸)۔ جہاں کہیں بھی تم ہو گئے اللہ تمہیں اکٹھا کریگا۔

## أَيُّ

أَيُّ - بمعنی کون۔ کیذا کونسا (استفہام کے لئے)۔ أَيُّ حَيْدِيْثٍ بَعْدَهُ "بُؤْمِنُونَ" (۱۸۵/۱)۔ اس کے بعد یہ لوگ اور کس بات پر ایمان لائیں گے۔ أَيُّ مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى (۱۶/۱)۔ تم اسے جس نام سے بھی پکارو۔ اسماء حسنیٰ سب اس کے لئے ہیں۔

(۷) نداء (پکارنے) کے لئے۔ أَيُّهَا النَّاسُ! - اے لوگو!

## أَيُّ - (حرف)

أَيُّ - اسمیں تخصیص کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یہ تنہا نہیں آتا بلکہ ضمیر کے ساتھ آتا ہے۔ أَيُّكَ نَتَعَبَّدُ (۱۶/۱)۔ "ہم تیری ہی محکومی اختیار کرتے ہیں۔" فَآيُّهَا فَا رَبُّنَا "فَا رَبُّنَا" (۱۶/۱)۔ "سو مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔" نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاكُمْ (۱۶۲/۱)۔ "ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی"۔

## آیَان

آیَان (آیٰ + اَن) کب۔ یَسْتَنْوُتْکَ عَنِ السَّاعَةِ آیَان مَرْسَلَهَا (۱۸۷)۔ یہ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ انقلاب کی گھڑی کب آئیگی؟

### ایوب علیہ السلام

حضرت اسحاقؑ کے دو بیٹے تھے۔ حضرت یعقوبؑ اور عیسو۔ عیسو اپنے چچا حضرت اسمعیلؑ کے ہاں چلے گئے اور ان کی صاحبزادی سے شادی کر لی۔ ان کی متعدد اولادیں ہوئیں جن میں سے عمالق اور عوض مشہور ہیں۔ عیسو کا عرف، ادوم (سرخ گون) تھا اس لئے یہ خاندان ادوسی کہلایا۔ بحریت اور خلیج عقبہ کا درمیانی علاقہ ان کا مسکن تھا۔ تورات میں اس کا نام کوہ سعیر آیا ہے۔ اس کا دارالحکومت رقیم (پٹرا) تھا۔ حضرت ایوبؑ، عوض کے قبیلہ سے متعلق تھے۔ تورات میں سفر ایوب ان کی طرف منسوب ہے۔ یوباب، اوب اور آیوب ایک ہی نام ہے۔ ان کا زمانہ ۱۰۰۰ اور ۷۰۰ ق۔ م کے درمیان سمجھئے (اگرچہ بعض ارباب تحقیق کا خیال ہے کہ آپ کا زمانہ حضرت موسیٰؑ سے پہلے کا ہے)۔ سفر ایوب میں ان کا تفصیلی قصہ مذکور ہے اور (تورات کے هام انداز کے مطابق) اس میں زیب داستان کے لئے بھی بہت کچھ بڑھایا چڑھایا گیا ہے۔ قرآن کریم نے آپ کی زندگی کا صرف ایک واقعہ بیان کیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ آپ پر ایک زمانہ سخت مصیبت اور پریشانی کا گزرا۔ لیکن آپ نے ان مصائب کو بڑی ہمت اور استقامت سے برداشت کیا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے (۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷)۔

قرآن کریم نے (دیگر مقامات میں) آپ کا نام زمرہ انبیا کرامؑ میں شمار کیا ہے۔ مثلاً (۸۵) میں جہاں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آپ حضرت ابراہیمؑ کی نسل میں سے تھے۔

## ای ی

آیۃ۔ ظاہری علامت یا نشانی کو کہتے ہیں۔ چنانچہ راستہ کے نشانات کو آیات کہتے ہیں۔ درحقیقت آیۃ ہر اس ظاہر سے کو کہتے ہیں جو کسی چھپی ہوئی شے کا لازمی خاصہ ہو اور جب کوئی شخص اس ظاہری شے کا ادراک کر لے تو وہ جان لے کہ اس نے اس پوشیدہ شے کا ادراک کیا اندازہ کر

لیا ہے\*۔ خدا کی ذات، انسانی ادراک کے احاطہ کے اندر نہیں آسکتی۔ لہذا اسکے متعلق ان ظاہری علامات ہی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو کائنات میں بکھری پڑی ہیں۔ اسلئے یہ کائنات اور اسکی تمام اشیاء آیات اللہ ہیں۔ یہ وہ نشانات راہ ہیں جس سے ہم اس ”منزل“ کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ انسانوں کی دنیا میں وحی، خدا کی سب سے بڑی نشانی عوتی ہے اسلئے یہ بھی آیات اللہ ہے۔ قرآن کریم کے ہر ٹکڑے کو آیت کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے پیغام (رسالۃ) کو بھی آیت کہتے ہیں\*\*۔ حتیٰ کہ جب حضرت صالح نے اپنی قوم سے کہا کہ یہ دیکھنے کیلئے کہ تم قانون خداوندی کا احترام کرتے ہو یا نہیں میں نے یہ طے کیا ہے کہ اس اونٹنی کو کھلا چھوڑتا ہوں۔ اگر تم نے اسکی باری پر اسے پانی پینے دیا تو سمجھ لیا جائیگا کہ تم قانون خداوندی کا پاس رکھتے ہو اور اگر تم نے اسے روکا تو یہ اسکی علامت عوتی کہ تم اس قانون کا کوئی پاس نہیں کرتے۔ اس اعتبار سے اس اونٹنی کو آیت کہا گیا۔

هٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةٌ (۲۳)

”یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے نشانی ہے،“۔ اسی طرح حفصہ بنت نوح کی کشتی کو بھی آیت ”لِلْعَالَمِينَ“ (۲۹) کہا گیا ہے۔ کیونکہ وہ اس غیر سرئی حقیقت کی نشانی تھی کہ جو قوم قانون خداوندی کا اتباع کریگی وہ خطرات سے محفوظ رہیگی۔ مختصراً یہ کہ ہر وہ محسوس شے جو انسان کی توجہ کو خدا اور اس کے قانون کی طرف منعطف کر دے آیت اللہ ہے۔ نیز فکری دلائل بھی آیت اللہ ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ صاحب محیط کے نزدیک معقولات پر بھی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَاتٍ (۱۳)

میں انہی فکری دلائل کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی ان سے انسان فکری طور پر اس حقیقت تک پہنچتا ہے کہ کائنات جامد (Static) نہیں بلکہ متحرک (Dynamic) ہے۔ سورۃ شعراء میں آیت کا لفظ اس عمارت وغیرہ کیلئے استعمال ہوا ہے جسے کسی کی یادگار (Memorial) کے طور پر بنایا جاتا ہے۔ (۲۶)۔

آيَاتُ النَّبَاتِ - پودوں کے پھول اور خوبصورتی کو کہتے ہیں\*\*۔  
 آيَاتُ الشَّمْسِ - سورج کی کرنوں کو کہتے ہیں\*\*\*۔

تَأَيَّنَ کے معنی ہیں کسی جگہ ٹھہرنا۔ تَأَيَّنَ بِأَيِّ مَكَانٍ وہ اس جگہ ٹھہرا اور دیر لگا دی۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) ٹھہر کر غور و فکر کرنا۔ اور (۲) قصد و ارادہ کرنا ہیں۔  
 \* راغب و تاج و محیط - \*\* لین - \*\*\* تاج و محیط۔

”ٹھہر کر غور و فکر کرنے“ کی خصوصیت سے آیتؑ کے مفہوم پر بڑی بلیغ روشنی پڑتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں جس قدر چیزیں ہیں ہر ایک آیتؑ اللہ ہے لیکن یہ اسی کے لئے آیت ثابت ہو سکتی ہیں جو ان پر ٹھہر کر، رک کر، غور و فکر کریگا۔ اس غور و فکر سے اس کی توجہ ان اشیاء کے خالق کی طرف منعطف ہو جائیگی۔ اسی طرح قرآن کریم کی آیات پر بھی رک کر، غور و فکر سے انسان اصل مقصود کو پا سکتا ہے۔ اگر کسی آیت پر رک کر، غور و فکر نہ کیا جائے تو وہ انسان کو اصل و غایت کا پتہ نشان نہیں دے سکتی۔ یعنی وہ حقیقی معنوں میں ”آیت“ نہیں بنتی۔

# ب

## ب (حرف)

ب - حرف جر ہے - ذیل کی مثالوں سے اس کا استعمال اور مفہوم واضح ہو جائیگا -

(۱) اردو میں کہتے ہیں ”میں نے زید کو پکڑا“ - عربی میں کہیں گے -  
 اَمْسَكْتُ بِيْزَيْدٍ - قرآن کریم میں ہے - فَاَمْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ  
 (۳۳) ”اپنے چہروں کو (پر) مسح کر لو“ -

(۲) اردو میں کہتے ہیں ”میں زید کے پاس سے گذرا“ - عربی میں کہیں گے -  
 مَرَرْتُ بِيْزَيْدٍ - قرآن کریم میں ہے اِذَا مَرَّوْا بِاللَّغْوِ (۲۵)  
 ”جب وہ لغو کے پاس سے گزرتے ہیں“ -

(۳) فعل لازم کو متعدی بنانے کے لئے - مثلاً - ذَهَبَ زَيْدٌ کے معنی  
 ہیں زید گیا - یہ فعل لازم ہے - ذَهَبْتُ بِيْزَيْدٍ کے معنی ہونگے -  
 میں زید کے ساتھ گیا یعنی زید کو لے گیا - اس طرح یہ فعل لازم سے  
 متعدی بن گیا - قرآن کریم میں ہے ذَهَبَ اللهُ بِنُورِهِمْ (۲۷)  
 ”اللہ ان کی روشنی کو لے گیا“ -

(۴) سبب کو ظاہر کرتا ہے - مثلاً اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاِتِّخَاذِكُمْ  
 الْعِجْلِ (۲۵) - ”تم نے بچھڑے کی پرستش کی وجہ سے اپنے آپ پر  
 ظلم کیا ہے“ -

(۵) ”کے ساتھ“ کے معنوں میں - يَنْوُحُ اُحْيٰطٌ بِسَلَامٍ مِّنْهَا (۱۸) ”اے  
 نوح! ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ اتر جا“ - يَا عِلْمُ بِالْقَاتِمِ  
 (۱۶) - ”اس نے قلم کے ذریعے سکھایا“ -

(۶) وقت یا جگہ بتانے کے لئے بمعنی فی (میں)۔ مثلاً نَجَّيْنَاهُمْ بِسَحَابٍ (۵۳)۔ ”ہم نے انہیں صبح کے وقت بچا لیا“۔ اور وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ۔ (۱۳۲) ”یقیناً اللہ نے بدر کے میدان میں تمہاری مدد کی ہے“۔

(۷) ”کسی چیز کے عوض“۔ اِشْتَرَيْتَهُ، يَا لَيْفَ دَرَاهِمٍ۔ میں نے ایسے ایک ہزار درہم کے عوض خریدا ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ (۱۲)۔ ”اور انہوں نے اُسے (حضرت یوسف کو) تھوڑی سی قیمت کے عوض بیچ ڈالا“۔

(۸) عَلِيٌّ (اوپر) کے معنوں میں۔ لَوْ تَسْتَوِي بِهِمْ (۳۲)۔ ”اگر (یا اے کاش) ان پر (ان کے اوپر) زمین ہموار کر دی جاتی“۔\*

(۹) عَن (سے) کے معنوں میں۔ فَمَسْئَلٌ بِهِ خَبِيرًا۔ (۲۹) ”اس کے متعلق اُس سے پوچھو جو خبر رکھتا ہے“۔

(۱۰) مِّن (سے) کے معنوں میں۔ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ (۹۶)۔ ”جسہ جس سے اللہ کے بندے پیتے ہیں“۔

بعض کا خیال ہے کہ جس طرح مِّن تبغيض کے لئے آتا ہے۔ اسی طرح ب بھی تبغيض کے لئے آتا ہے۔ تبغيض کے معنی ہیں، کسی چیز کا بغض۔ یعنی کچھ حصہ۔ پورا نہیں، بلکہ اس کا بعض حصہ۔ چنانچہ اُن کا کہنا ہے کہ قرآن کریم میں جو آیا ہے وَاسْتَحْتُوا يَرْءُكُمْ (۹)۔ تو اس کے معنی ہیں ”سر کے کچھ حصہ کا مسح کر لیا کرو“۔ لیکن یہ صرف بعض کا خیال ہے (معنی اللیب)۔

(۱۱) بعض مقامات پر یہ حرف زائد ہوتا ہے۔ یعنی اس کے معنی کچھ نہیں ہوتے۔ جیسے كَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا (۳۳)۔ ”اللہ کافی شاہد ہے“۔ اگر كَفَى اللّٰهُ شَهِيدًا کہیں تو بھی وہی معنی ہونگے۔

(۱۲) میرزا ابوالفضل نے (غریب القرآن میں) لکھا ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ میں ب کے معنی استعانت کے ہیں۔ یعنی مدد طلب کرنے کے۔

(۱۳) بِاَللّٰهِ کے معنی ہیں اللہ کی قسم۔ یعنی بِ۔ قسم کے معنوں میں بھی آتی ہے۔

## ب ا ر

اَلْبَيْتُ - کنواں۔ اَلْمَيْبُتْرُ - دراصل اس گڑھے کو کہتے ہیں جس کا منہ اس طرح ڈھانپ دیا جائے کہ جو شخص اس کے اوپر سے گزرے اس میں گر

\* اس کا مجازی مفہوم کچھ اور بھی ہو سکتا ہے۔ دیکھئے عنوان (س۔ و۔ ی)

جائے\*۔ قرآن کریم میں بِئْسَ مَعْطَلَةٌ آیا ہے (۲۲/۳۵)۔ ”اندھے (بیکار) کنویں“۔

## ب ا س

بِئْسَ - (بُرا) ویسے تو فعل ماضی ہے لیکن اسکی گردان مستعمل نہیں۔ یہ بئیس سے اسی طرح بنا لیا گیا ہے جس طرح نعیم سے نعیم۔ یہ دونوں فعل (بئیس اور نعیم) ذم اور مدح کی طرف منتقل کر لئے گئے ہیں اسلئے حروف کے مشابہ ہو گئے ہیں۔ بئیس کے ساتھ بعض اوقات مآ بھی آتا ہے۔ بئیس مآ (بئیس)۔\*

الْبِئْسَاءُ کے معنی ہیں سخت مصیبت۔ جنگ میں شدت۔ سختی۔ قوت۔

لَا بِأَسَ عَظِيمًا - یعنی لَاحِظًا - بئیس الرجل - آدمی بہادر ہو گیا۔ بئیس الرجل بئیساً - آدمی سخت ضرورت مند ہو گیا۔ الْبِئْسَاءُ شِدَّةٌ - عَذَابٌ بئیساً - سخت عذاب۔ وہ عذاب جس میں معیشت کی تنگی شامل ہو۔ الْبِئْسَاءُ کے معنی بھوک کے بھی ہوتے ہیں۔\* صاحب محیط نے کہا ہے کہ الْبِئْسَاءُ مال و دولت کے نقصان کو کہتے ہیں اور الْقَضْرَاءُ جسمانی نقصان کو۔ مثلاً بیماری۔\*\*

الْمُجْتَنِسُ - غمگین و حزین کو کہتے ہیں\* قرآن کریم میں بئیساً شہیداً بمقابلہ اجراً حسناً آیا ہے (۱۸/۲۵)۔ یہاں اسکے معنی غلط اعمال کے ناخوشگوار نتائج ہیں۔ سورۃ اعراف میں ہے فَجَاءَهُمَا بئیساً سُنَّتًا (۲۵/۲۵)۔ ”جب اس بستی پر ہمارا عذاب آیا“۔ یعنی قانون مکافات کی رو سے سخت مصیبت آگئی جو ان کی بد اعمالیوں کا نتیجہ تھی۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ان طاقتور جنگجو قسم کے لوگوں کے لئے ”اولیٰ بئیساً“ (۱۷/۱۷) آیا ہے جو سخت مصیبتیں لاتے تھے۔ سورۃ حدید میں فولاد کے متعلق ہے فیہ بئیساً شدیداً (۲۵/۲۵)۔ ”اس میں بڑی سختی ہے“۔

الْبُنْيَاسُ کے معنی ہیں برا ماننا۔ غمگین ہونا۔ سورۃ ہود میں حضرت نوحؑ سے کہا گیا ہے کہ فَلَا تَبْتِئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (۱۱/۱۱)۔ ”یہ مخالفین جو کچھ کرتے ہیں اسکی وجہ سے تو غمناک نہ ہو“۔ یا ان کے متعلق دل گرفتہ نہ ہو (کہ یہ ہلاک ہو جائیں گے۔ ان کے اعمال ہی ایسے ہیں)۔



## بَابِل

قدیم کلدانی تہذیب کا مرکز، شہر بابل۔ قرآن کریم نے اس کا ذکر سحر و کھانت کے آن افسانوں کے ضمن میں کیا ہے جنہیں یہودی لٹریچر میں حضرت سلیمانؑ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور جن کی تردید قرآن نے کی ہے۔

وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمَلَاِكِيْنَ بِيَابِلَ هَارُوتَ وَ مَارُوتَ (۲۰:۸۰)۔

”اور بابل میں ہاروت و ماروت (مزعومہ) فرشتوں پر بھی کوئی ایسی بات نازل نہیں کی گئی تھی“۔ یہ سب ان شیاطین (شریر لوگوں) کے خود ساختہ افسانے تھے۔

## ب ت ر

آلْبَتْر۔ کسی چیز کو اسکی تکمیل سے پہلے ہی کاٹ ڈالنا۔ (ابن فارس)

”دم کو جڑ سے کاٹ دینا۔ سَيفٌ بَاتِرٌ۔ کاٹ ڈالنے والی تلوار۔ آلا بَتْرٌ۔ نامراد۔ فقیر جسکے پاس کچھ نہ ہو۔ بے اولاد۔ جسکی نسل کی جڑ کاٹ جائے۔ وہ جسکی موت کے بعد اس کا نام و نشان اور ذکر خیر تک باقی نہ رہے۔“

قرآن کریم میں ہے اِنْ شَانَيْتَکَ عُوًّا لَا بَتْرَ (۱۰۰:۸)۔ ”تیرے مخالف کا نام و نشان تک باقی نہیں رہے گا۔ اس کا کہیں ذکر خیر نہیں ہوگا۔“

”نام و نشان باقی نہ رہنے“ سے مراد یہ ہوتی ہے کہ ان کی وہ قوت و شوکت جس کی بنا پر وہ اسقدر مخالفت کرتے ہیں سب ختم ہو جائیگی اور انہیں زندگی کے خیر و برکت سے کوئی حصہ نہیں ملیگا۔

## ب ت ک

بَتْکٌ کے بنیادی معنی کانٹے کے ہیں، نیز کسی کے بال یا پر وغیرہ پکڑ کر اپنی طرف اس طرح کھینچنا کہ وہ جڑ سے اکھڑ جائیں۔ چنانچہ اَلْبِتْکَةُ ان اکھڑے ہوئے پروں یا بالوں کو کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے بَتْکٌ کے معنی ہونگے جڑ سے اکھڑ دینا، لیکن اسکے عرفی معنی ہیں جانوروں کے کان کاٹ کر یا چیر کر (انہیں بتوں کے نام پر) چھوڑ دینا۔ یہ جاہلیت عرب کا رواج تھا \*۔

سورہ نساء میں ہے قُلَيْبَتِيَّ كُنَّ اَذَانَ اَلَا نَعَامَ (۲۱۹:۴) ”سو وہ جانوروں کے کان چیریں گے“۔

السَّيْفُ الْبَاتِرُ۔ کانٹے والی تلوار کو کہتے ہیں \* ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی کانٹے کے لکھے ہیں۔

## ب ت ل

بَتَّلَهُ\* - يَبْتُلُهُ\* - اس نے ایسے قطع کر دیا - فَانْبَتَّلَ - چنانچہ وہ جدا ہو گیا - تَبَتَّلَ\* - کے بھی یہی معنی ہیں - اَلْمَبْتُولُ\* - مردوں سے، یا از دواجی زندگی سے دور رہنے والی عورت - اَلْمُبْتَلَةُ\* - حسین عورت - وہ عورت جس کے تمام اعضاء سٹے ہوئے ہوں - تَبَتَّلَتِ الْمَرْأَةُ\* - عورت نے اپنا بناؤ سنگھار کر لیا - اَلْمُبْتَلُ\* - منفرد - اَلْبَتْلُ\* - حقیق\* - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو اس کے ماسوا سے الگ کر لینے کے ہوتے ہیں -

قرآن کریم میں ہے - وَ تَبَتَّلْ لِلَّيْبَةِ تَبْتِيلاً (۸۳) - ”سب سے کٹ کر ایک خدا کی طرف متوجہ ہو جا“ - صرف اس کے نظام کے قیام کی کوششوں میں لگ جا - کیونکہ اِنْبَتَّلَ فِي سَيِّرِهِ“ کے معنی ہیں وہ کوشش کر کے تیز چلا\* -

رسول اللہ ﷺ کو جب نظام خداوندی کے اصول عطا کر دئے گئے تو آپ کو حکم ہوا کہ اب اپنے مخلص رفقاء کو ایک جماعت کی شکل دے کر (دیکھئے عنوان - ز - م - ل) اس نظام کی تشکیل میں مصروف عملی ہو جائیں - ایسا کرنے میں ان مخالفین کی باتوں پر قطعاً دھیان نہ دھریں - قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ تَذَرُهُمْ (۶۳) - ”کہو - اللہ - اور ان مخالفین کو چھوڑ کر ..... اپنے پروگرام کی تکمیل میں لگ جاؤ)“ -

جب انسان اپنا نصب العین متعین کر لے تو اس کے بعد این و آن کے خیال کو چھوڑ کر\* اس نصب العین کو سامنے رکھ کر، ہر قدم اس کی طرف اٹھانا چاہئے - اور یہ سب کچھ حسن کارانہ انداز سے کرنا چاہئے کیونکہ تَبَتَّلَ\* میں زیبائش و آرائش کا مفہوم بھی ہے\* -

## ب ت ث

بَثَّ\* کے معنی ہیں کسی چیز کو منتشر اور پراگندہ کر دینا - اس سے پھیلا دینے کے بھی معنی آ گئے - اور بڑھا دینے (بکثرت پیدا کر دینے) کے بھی\* - صاحب محیط نے کلیات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس کے معنی ایجاد کرنا اور پیدا کرنا ہیں - راغب نے بھی ان معانی کی تائید کی ہے

اور لکھا ہے کہ بَثَّ کے معنی کسی چھپی ہوئی چیز کے ظاہر کر دینے کے بھی ہوتے ہیں۔ اس لئے اس سے مراد ایسی چیزوں کو نمودار کر دینا ہے جو پہلے موجود نہ تھیں\*\*\*۔ ابن فارس نے بھی کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ظاہر کر دینا اور منتشر کر دینا ہیں۔

بَثَّ الْغُبَّارَ - غبار اڑانا - بَشَّتْكَ الشَّيْرُ - میں نے تجھ پر راز ظاہر کر دیا - أَبْشَّتُكَ - میں نے تجھ پر اپنا غم ظاہر کر دیا\* - اسی سے اَلْبَثُّ سخت ترین غم کو کہتے ہیں جو چھپا نہ رہ سکے\* - سورة بقرہ میں ہے - وَبَثَّ فِيهِمَا مِنْ كَثَلٍ ذَا بَقَّةٍ (۱۶۶) - ”خدا نے زمین میں ہر قسم کے حرکت کرنے والے جان داروں کو پھیلا دیا - بکثرت پیدا کر دیا“ سورة القارعة میں ہے ”كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ (۱۰) - ”بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح“ - سورة واقعه میں هَبَاءٌ مُنَبِّئًا (۵۱) آیا ہے - یعنی فضا میں منتشر ذرات - سورة يوسف میں بَثِّي وَحِزِّي اِكْثَا يَا ه (۸۶) - اس سے ظاہر ہے کہ بَثَّ، حزن سے الگ اور شدید غم کا نام ہے - ایسا غم جو چھپائے چھپ نہ سکے -

## ب ج س

بَجَسَ الْمَاءُ - پانی کا کسی چیز کو شق کر دینا اور اس میں سے بھوٹ کر بہہ نکلنا - مَاءٌ بَجَسٌ - اس طرح پھوٹ کر بہہ نکلنے والا پانی\* - قرآن کریم میں ہے ”فَاَنْبَجَسَتْ مِنْهُ“ (۱۶۰) ”اس میں سے پانی کے چھپے پھوٹ بہے“ - سورة بقرہ میں اے ”فَاَنْفَجَرَتْ“ کہا گیا ہے (۶۰) - ”راغب نے کہا ہے کہ اَنْبَجَسَ وہاں بولا جاتا ہے جہاں پانی کسی تنگ چیز میں سے نکل رہا ہو اور اَنْفَجَرَ عام ہے\*\*\* - لیکن، جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے، قرآن کریم نے دونوں الفاظ ہم معنی استعمال کئے ہیں -

## ب ح ث

الْبَحِثُ - مٹی میں کسی چیز کو تلاش کرنا - یا مٹی کو دینا - ابن فارس کے نزدیک یہی اس کے بنیادی معنی ہیں - اَلْبَحَاثَةُ - کرید کر نکالی ہوئی مٹی - اَلْبَحْوُثُ - وہ اونٹ جو دوڑتا ہوا اپنے پاؤں سے مٹی پیچھے کی طرف

اُڑاتا جائے\* - اَلْبَحِثُ\* - کان جس میں سونا چاندی تلاش کیا جائے\*\* -  
سورۃ مائدہ میں ہے غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ (۳۶) - ”ایک کوا  
زمین کو کرید رہا تھا“ - اَلْبَحِثُ\* راز کو کہتے ہیں\* -

نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں بَاء اور حَاء ساتھ  
آئیں ان میں تفتیش کا مفہوم مضمحل ہوتا ہے - یعنی ایک چیز سے دوسری  
چیز نکالنا -

## ب ح ر

اَلْبَحْرُ\* - وسیع پیمانے پر شق کرنے - بھاڑنے یا چیرنے کو کہتے ہیں -  
چنانچہ دریا یا سمندر کو بھی اسی لئے بَحْرُ\* کہتے ہیں کہ وہ زمین میں کھدا  
ہوا ہوتا ہے - کان کے چیرنے کو بھی بَحْرُ\* کہتے ہیں - چنانچہ وہ اونٹنی یا  
بکری جو دس بجے جن چکتی تھی اسکا کان چیر کر بتوں کے نام پر چھوڑ دیا  
کرتے تھے - ایسے بَحِيرَةٌ\* کہتے تھے\* - نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے  
کہ جن الفاظ میں باء اور حاء ایک ساتھ ہوں ان میں تفتیش کا مفہوم مضمحل ہوتا  
ہے - یعنی ایک چیز سے دوسری چیز نکالنا - ابن فارس نے (خلیل کے  
حوالے سے) کہا ہے کہ بَحْرُ\* کو بحر اس کی وسعت کی بناء پر کہتے ہیں -  
دریا، جسکا پانی مسلسل بہتا رہے، بَحْرُ\* کہلاتا ہے - (جیسے دجلہ  
یا نیل) - اور سمندر کو بَحْرُ\* کہتے ہیں - کتاب الاشتقاق میں ہے کہ  
کثیر پانی (خواہ میٹھا ہو خواہ کڑوا) بَحْرُ\* کہلاتا ہے - بَحْرُ\* دراصل اس  
جگہ کو کہتے ہیں جہاں بہت سا پانی جمع ہو - نیز بَحْرُ\* اس زمین کو کہتے  
ہیں جہاں کھیتی باڑی ہوتی ہو - نیز شہروں کو بالخصوص ان شہروں کو جو  
پانی کے کنارے آباد ہوں\*\*\* - ظَهْرًا لِنَسَادٍ فِي الْبَحْرِ\* وَاَلْبَحْرُ\* (۳۶) کے  
یہ معنی بھی ہیں کہ شہری آبادیوں اور بادبہ نشینوں، سب کے معاشرہ میں  
ناہمواریاں پیدا ہو چکی تھیں - اور یہ بھی کہ دنیا کے خشک و تر میں خرابیاں  
پیدا ہو چکی تھیں - خشکی اور تری (سمندر اور خشک زمین) کے معنوں میں یہ  
الفاظ (۳۶) میں آئے ہیں - (نیز دیکھئے عنوان ی - م - م - م، کیونکہ حضرت موسیٰؑ  
کے دریا پار کرنے اور فرعون کے غرق ہونے کے لئے بَحْرُ\* اور يَمُّ\*  
دونوں الفاظ آئے ہیں اَلْبَحْرُ\* وَالْيَمُّ\* )

قرآن کریم نے صَيْدُ\* اَلْبَحْرِ\* وَطَعَامُهُ\* (۳۶) ”سمندر کے شکار“ کو  
حلال قرار دیا ہے - یعنی ایسے بھی جسے تم خود پکڑو - اور وہ بھی جسے پانی

\* تاج - \*\* محیط - \*\*\* تاج ولین

خود بخود باعر اچھال دے۔ یا جو پانی کے پیچھے ہٹ جانے سے خشکی پر رہ جانے (دیکھئے عنوان ط۔ ع۔ م۔)۔

## ب خ س

أَلْبَحْسُ\* - کم کرنا - ظلم کرنا\* - ( حقوق میں کمی کرنے کا نام ظَلُمٌ ہے ) اسی لئے ابن السکیت نے کہا ہے کہ بَحْسٌ کے معنی حق سے کم دینا یا حق میں کمی کرنا ہیں\* - أَلْبَاخِيسُ\* - تھوڑی سی ناقص چیز\*\* - أَلْبَحْسُ\* - چونگی یا محصول جو والی ملک وصول کرتا ہے\* - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی نقص اور کمی کے ہوتے ہیں -

سورۃ بقرہ میں ہے وَلَا يَبْحُسُ مِنْهُ شَيْئًا (۲۸۲) - ” اور اس میں ذرا بھی کمی نہ کرے“ - سورۃ جن میں ہے فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَلَا رَهَقًا (۹۴) - ” ایسے نہ اس کا خوف ہوگا کہ اس کے حقوق میں کمی ہوگی اور نہ ظلم و زیادتی کا ڈر“ - سورۃ یوسف میں حضرت یوسفؑ کے متعلق ہے شَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ (۱۲) - اس کے لفظی معنی تو ہیں ” ایسے تھوڑی سی قیمت کے عوض بیچ دیا،، لیکن زجاج نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں ظلم و زیادتی سے ایسے فروخت کر دیا، کیونکہ انسان کا بیچنا ممنوع ہے -

نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں بَاء اور خَاء اکٹھے آئیں ان کا مفہوم آنکھ کو پھوسڑ دینا یا اسی قسم کی کوئی اور بات کرنا ہوتا ہے - اس سے ظلم اور زیادتی کا تصور سامنے آ جاتا ہے -

## ب خ ع

أَلْبِخَاعُ\* - گردن کی ایک رگ کا نام ہے جو گدی کے اندر ہوتی ہے - بَخَعٌ بِالشَّاتَةِ کے معنی ہیں اس نے بکری کو اس زور سے ذبح کیا کہ - اس کی بَخَعٌ تک کاٹ ڈالی - یہ اس کے اصلی معنی ہیں - اس کے بعد یہ لفظ عربیہ کیلئے استعمال ہونے لگا -

بَخَعَ نَفْسَهُ بَبَخَعٍ\* - خود کو غم یا غصہ سے مار ڈالنا - بَخَعَ الْأَرْضَ بِالرُّضِّ بِالرُّضِّ رَاعَةً\* - وہ زمین میں مسلسل کھیتی کرتا رہا جس سے زمین کی ماری قوت ختم ہو گئی\* -

قرآن کریم میں نبی اکرمؐ کے متعلق ہے لَمَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ عَلَي الْأَتَارِهِيمِ (۱۸) - ” تو اس غم میں ( کہ یہ لوگ ایمان

کیوں نہیں لائے) اپنے آپ کو ہلاک کر لیگا۔“ - خور کیجئے کہ ایک داعی الی الحق، طبیب، مشفق کی طرح کس قدر غمگسار اور بھی خواہ ہوتا ہے۔

## ب خ ل

اَبْخُلٌ \* - اپنی حاصل کردہ چیزوں کو ان مواقع سے روکنا جہاں سے انہیں روکنا نہیں چاہیے \* راغب نے لکھا ہے کہ بخل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ انسان اپنی جمع جوڑ کے ساتھ بخل کرے۔ یعنی انہیں خرچ کی ضرورت پر روکے رکھے۔ اور دوسری قسم یہ کہ انسان دوسرے کی جمع جوڑ کو ضرورت پر خرچ ہونے نہ دیکھ سکے۔ اور یہ زیادہ قابلِ مذمت ہے۔ مؤخر الذکر کیلئے دیکھیں آیت ۳۴:۳۰ \* صاحب محیط نے کلیات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بخل \*

اشیاء کے روک لینے کو کہتے ہیں اور شح \* اس جذبہ کو کہتے ہیں جس کے ماتحت انسان ایسا کرتا ہے \* \* \* (یعنی شح \* میں حرص اور بخل دونوں جذبے ہوتے ہیں)۔

قرآن کریم میں ہے اَلَّذِينَ يَبْخُلُونَ وَاٰتًا مَّرُوْنَ النَّاسِ بِاَلْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ..... (۳۳)۔ ”وہ لوگ جو (رزق کو) روک رکھتے ہیں۔ اور لوگوں کو بھی اس کا حکم دیتے ہیں کہ وہ (سامانِ زیست کو) روک کر رکھ لیں اور جو کچھ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دے رکھا ہوتا ہے اسے چھپاتے ہیں۔“

قرآن کی تعلیم کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ انسان پوری محنت سے کمائی کرے۔ پھر اس میں سے صرف اپنی ضروریات کیلئے لے اور باقی سب کچھ نوعِ انسانی کی ربوبیت کیلئے کھلا رکھدے۔ (دیکھئے عنوان - ن - ف - ق) بخل \* اس تعلیم کی عین ضد ہے جس میں انسان سب کچھ اپنے لئے روک رکھتا ہے اور دوسروں کی پرورش کے لئے دیتا نہیں۔ اس طرح وہ معاشرہ کی ہمواریوں اور خوشگواروں کی عملاً تکذیب کرتا ہے (۹۲:۹۶)۔ قرآن کریم انفاق \* کی تاکید اور بخل \* کی مذمت کو مختلف انداز میں پیش کرتا ہے۔ اپنی محنت کی کمائی کو، خدا کے قانون کے مطابق، نوعِ انسانی کی ربوبیت عامہ کیلئے کھلا رکھنا اسلام کی بنیادی تعلیم ہے۔ یہی تقویٰ ہے (۹۸:۹۸)۔ اسی سے دنیا کی مشکلات حل ہوتی ہیں اور اسی سے انسان کی مستقبل کی زندگی (آخرت) سنورتی ہے۔ قرآن کریم واضح الفاظ میں بتاتا ہے کہ جو قوم بخل \* کی روش اختیار کر لیتی ہے \* اسے بساطِ زندگی سے الگ کر دیا جاتا ہے اور اس کی جگہ دوسری قوم آجاتی ہے جو اس قوم جیسی نہیں ہوتی (۳۸:۳۸)۔

اس لئے کہ خدا کا غیر متبادل قانون یہ ہے کہہ مَائِنْتَفَعُ النَّاسَ فَيَمُكِّثُ فِي الْأَرْضِ (۱۳۳)۔ ”دنیا میں بقاء اسی کے لئے ہے جو نوع انسانی کے لئے منفعت بخش ہے“ جو (نظام یا طریق زندگی) محض ایک فرد، ایک گروہ، یا ایک قوم کے مفاد کے لئے ہے (پوری انسانیت کے مفاد کے لئے نہیں) اسے بقاء اور دوام نصیب نہیں ہو سکتی۔ جب کسی شے کی منفعت بخشی کو عالمگیر انسانیت کے لئے عام ہونے کی بجائے اس طرح روک دیا جائے تو یہ بخل ہو جائیگا جس کا نتیجہ تباہی ہے، افراد کی صورت میں بھی اور اقوام کے لئے بھی۔

## ب د ا

بَدَأَ بِهِ - بَدَأَ وَأَبْتَدَأَ - کسی چیز کے ساتھ شروع کرنا - بَدَأَ الشَّيْءَ - اس چیز کو شروع کر دیا - اس نے پہل کی، فُلَانٌ مَّا يَبْدِي وَمَا يَعْرِيدُ - فلاں آدمی نہ از خود کوئی بات کرتا ہے - (Initiate) کرتا ہے اور نہ ہی کسی بات کا جواب دیتا ہے - أَلْبَدِيٌّ - سردار اول - بَدَأَ مِنْ أَرْضِهِ إِلَى الْآخِرَى - اپنی زمین سے دوسری زمین کی طرف نکل کھڑا ہوا - اپنا ملک چھوڑ گیا \* - أَلْبَدَاءُ - أَلْبَدَاءُ - کسی چیز کو اس کے غیر (ماسوا) پر مقدم کرنا \* - بَادِيِ الْقَرَأِي - وہ راتے جو ابتداء قائم کر لی جائے - یا بَادِيِ الْقَرَأِي - وہ راتے جو بالکل ظاہر ہو \* - (نیز دیکھئے عنوان - ب - د - و)

قرآن کریم میں ہے وَعَمَّ بَدَأَ وَكُنْتُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ (۱۳۳)۔ ”انہوں نے ہی پہلی مرتبہ تمہارے ساتھ ابتداء کی ہے“ - پہل ان کی طرف سے ہوئی ہے - تخلیق کائنات کے سلسلہ میں قرآن کریم میں متعدد مقامات پر آیا ہے کہ إِنَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يَعْرِيدُهُ (۱۳۱)۔ ”وہی مخلوق کی ابتداء کرتا ہے اور پھر اسے گردش دیتا ہے“ - یہ ظاہر ہے کہ ہر شے کی تخلیقی ابتداء اس کے نقطہ آغاز سے ہوتی ہے - پھر وہ مختلف مراحل طے کرتی ہوئی اپنی تکمیل تک پہنچتی ہے - اس کا نقطہ آغاز بھی خدا کے قانون کے مطابق ہوتا ہے اور پھر اس کی مختلف گردشیں اور گردشوں کے بعد تکمیل بھی اسی کی رو سے ہوتی ہے (نیز دیکھئے عنوانات (ف - ط - ر) ; (ب - د - ع) اور (ع - و - د))۔

سورة سبا میں ہے قتلٌ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِيُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعْيِدُ (۳۹)۔ ”ان سے کہہ دو کہ خدا کا اٹل تعمیری قانون آ گیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں تخریبی پروگرام ٹھہر نہیں سکیں گے۔ اس لئے کہ تخریبی قانون میں یہ قوت ہی نہیں کہ کسی اسکیم کی ابتدا کر سکے اور پھر اسے پلٹ کر اور لوٹا کر تکمیل تک لے جائے۔“ باطل کوئی نتیجہ خیز بات کر ہی نہیں سکتا۔

سورة هود میں بِنَادِيِ الرَّأْيِ آيَا هِيَ۔ (۱۱) اس کے لئے دیکھئے عنوان (ب۔ د۔ و)۔

## ب د ر

بَادِرَةٌ۔ مُبَادِرَةٌ۔ بیداراً۔ اس کام کے لئے جلدی کرنا جو خود کو اچھا لگے۔ \* سورة نساء میں ہے لَسُرَّا فَاَوْبَدُا رَاً (۲)۔ ”فضول خرچی اور عجلت کرنے ہوئے۔ جلدی جلدی“۔ زجاج نے کہا ہے کہ اس مادہ کے اصلی معنی بھر جانے اور بھرپور ہو جانے کے ہیں۔ عجلت میں بھی چونکہ انسان اپنی پوری پوری قوت صرف کر دیتا ہے اس لئے اسے مُبَادِرَةٌ کہتے ہیں۔ \* ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی دو ہیں۔ (۱) کسی چیز کا کامل اور بھرا ہوا ہونا۔ اور (۲) کسی چیز کی طرف جلدی سے جانا۔

الْبَدْرُ۔ بھرا ہوا (پورا چاند) بھر پور جوان۔ نیز بَدْرٌ۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔ \* اس مقام پر مخالفین سے جنگ ہوئی تھی (۱۲۳)۔ راعب کے نزدیک اس مادہ کی اصل ہی اَلْبَدْرُ (پورا چاند ہے)۔ \*\* نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء اور دال ساتھ آئیں ان میں کسی کام کی ابتداء یا ظہور (ظاہر ہونے) کا مفہوم مضمحل ہوتا ہے۔ بَدْرٌ اَلَيْسَ بِسَكْنًا کے معنی ہیں اس نے اس کے لئے فلاں بات کو ظاہر کر دیا۔ \*\*\* اس سے اَلْبَدْرُ کے معانی واضح ہو جاتے ہیں۔ یعنی ظہور کامل۔

## ب د ع

اَلْبِدْعُ۔ وہ کام جو پہلے پہل ہوا ہو اور اس سے پہلے اسکی مثال موجود نہ ہو (ابن فارس)۔ اَلْبَدْرِيُّعٌ وہ تھی رسی جسے پہلی بار نئے ریشہ سے بٹا گیا ہو۔ رَرِكِيٌّ بَدْرِيْعَةٌ نِيْلًا کہو دا ہوا کنواں۔ \* نواب صدیق

\* تاج۔ \*\* راعب۔ \*\*\* العلم الخفای۔



حسن حال نے لکھا ہے کہ جن الفضا میں باء کے ساتھ دال آئے ان میں ابتداء اور ظہور کا مفہوم مضمحل ہوتا ہے۔ راغب نے لکھا ہے کہ "أَلَا بُدْءٌ" کے معنی ہیں کسی چیز کو بغیر کسی کی تقلید کے از خود پیدا کرنا۔ اور جب یہ لفظ خدا کیلئے بولا جائے تو اس کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز کو بغیر آلہ بغیر مادہ اور بغیر زمان و مکان کے ایجاد کرنا۔ "بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" (۱۱۰) کا یہی مفہوم ہے۔ \*\* اس کے معنی (Originator) کے ہیں۔

کائنات کو عدم سے وجود میں لانا تو صرف خدا کیلئے ہے، لیکن اس کائنات میں نئی نئی چیزیں دریافت کرنا اور ایجاد کرنا انسان میں صفت خداوندی کا منعکس ہونا ہے اور وجہ شرف انسانیت۔ اس شرط کے ساتھ کہ ان ایجادات کو قانون خداوندی کے مطابق نوع انسانی کی تعمیر میں صرف کیا جائے، نہ کہ تخریب کے لئے۔ لیکن یہ ایجادات طبعی دنیا کے اندر ہونگی۔ خدا کے قوانین جو نوع انسانی کی راہنمائی کیلئے (قرآن کے اندر) ہیں ان میں کسی نئے قانون کو شامل نہیں کیا جائیگا۔ اس لئے کہ یہ قوانین عقل کی رو سے وضع نہیں کئے جاسکتے، صرف وحی کی رو سے مل سکتے ہیں۔ اور وحی، قرآن کریم کے اندر پہنچ کر مکمل ہو چکی ہے۔ دین میں اپنی طرف سے کسی قسم کا اضافہ جائز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے رہبانیت کو بدعت کہہ کر اسکی مذمت کی ہے (۲۴۰)۔ البتہ دین کے غیر متبدل اصولوں کے اندر رہتے ہوئے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق، جزئی قوانین مرتب کئے جاسکتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے متعلق ہے قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (۲۹) "آپ کہہ دیجئے کہ میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں، میں کوئی پہلا رسول نہیں ہوں۔ مجھ سے پہلے بھی رسول آئے رہے ہیں۔"

## ب د ل

بَدَلٌ - بَدَلٌ - بَدَلٌ - جو چیز کسی دوسری چیز کی قائم مقام بن جائے۔ جو کسی کا عوض یا بدل بن جائے۔ ثعلب نے کہا ہے کہ "أَبْدَلْتُ الْخَاتِمَ بِالْحَلْقَةِ" کے معنی ہیں میں نے انگھوٹھی کو اتار کر اسکی جگہ چھلا پہن لیا۔ اور "بَدَلْتُ الْخَاتِمَ بِالْحَلْقَةِ" کے معنی ہیں میں نے انگھوٹھی کو پگھلا کر اسکا چھلا بنوایا۔ یعنی "تَبَدَّلْتُ" تو یہ ہے

\* تاج - \*\* محیط -

کہ ایک صورت سے دوسری صورت بدل دی جائے۔ جوہر (Substance) وہی باقی رہے۔ اور اَبْدَال کے معنی ہیں ایک جوہر کو چھوڑ کر دوسرا جوہر اختیار کر لینا۔ مُبَادَلَةٌ کے معنی ہیں جیسی چیز اس سے لی اسکی مثل اسے دی۔ تَبَدُّل کے معنی ہیں متغیر ہو گیا۔ بدل گیا۔ نِز تَبَدُّلٌ تَبَدُّلٌ وَ تَبَدُّلٌ بَہ کے معنی ہیں اسے کسی چیز کی جگہ لے لیا، بدل لیا، تَبَدُّلٌ تحریف کو بھی کہتے ہیں\*۔

قرآن کریم میں بَدَلَاً (۱۸۸) بدل (معاوضہ) کے معنی میں آیا ہے۔ اور تَبَدُّلٌ (۲۶) ایک چیز کی جگہ دوسری چیز تبدیل کر لینے کے لئے۔ سورۃ روم میں ہے لَا تَبَدُّلٌ لِّیَخْلُقِ اللّٰہُ (۳۰)۔ ”خدا کا عمل تخلیق کبھی نہیں بدلتا“۔ لَا مُسَدِّدٌ لِّکَلِمَتِ اللّٰہِ (۲۱) ”قوانین خداوندی کو تبدیل کرنے والا کوئی نہیں“۔ یعنی نہ تو ان میں کسی قسم کا تغیر و تبدل ہو سکتا ہے اور نہ ہی ان کی جگہ کوئی اور قوانین لے سکتے ہیں۔ سورۃ تحریم میں ہے اِنْ طَلَّقْتُمْ اَنْ یَّشْبِدَ لَہٗ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّثْلُکُمْ (۲۱) ”..... اگر وہ تمہیں طلاق دیدے تو خدا اسے تم سے بہتر بیویاں بدل کر دیدے“۔ سورۃ احزاب میں ہے وَلَا اَنْ تَبَدُّلَ یٰہِیْنِ (۳۳)۔ ”نہ یہ کہہ تو ان کی جگہ دوسری بیویاں لے لے“۔ سورۃ نساء میں ہے اَسْتَبَدَّلَ اَزْوَاجٍ مَّکَانَ زَوْجٍ (۴)۔ ”ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کی تبدیلی چاہنا“۔ استبدالِ قومی کے لئے دیکھئے (۳۸)۔

## ب د ن

اَلْبَدَنُ - جسم - سوائے سر اور ہاتھ پاؤں کے - لیکن ازہری نے کہا ہے کہ یہ لفظ تمام جسم کیلئے بولا جاتا ہے\*۔ راعب نے کہا ہے کہ بَدَنٌ جسم کو جثہ کے اعتبار سے کہتے ہیں اور جَسَدٌ رنگ کے اعتبار سے\*\*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی خود کسی چیز کے ہیں۔ اسکی اطراف کے نہیں۔ قرآن کریم میں فرعون کے متعلق ہے کہ فَالْتِیْمُ نَسْجَیْتِکَ بَیْدَ نِیْکَ (۹۴)۔ ”آج ہم تیرے بدن (لاش) کو محفوظ کر دینگے“۔ مصر میں رواج تھا کہ وہ بڑے بڑے لوگوں کی لاشوں کو مومی بنا کر محفوظ کر لیتے تھے چنانچہ فرعون مصر کے قدیم مقبروں سے اس قسم کی مومی شدہ لاشیں بہت سی برآمد ہوئی ہیں۔ جس فرعون نے حضرت موسیٰ کا پیچھا کیا تھا وہ پانی میں غرق ہو گیا تھا۔ اسلئے اس طرف خیال جاتا تھا کہ

اسکی لاش ضائع ہو گئی ہوگی۔ لیکن قرآن نے آج سے قریب چودہ سو برس پہلے بتا دیا کہ اسکی لاش بھی (پانی سے نکال کر) محفوظ کر کے رکھدی گئی تھی۔ چنانچہ جو می شدہ لاشیں برآمد ہوئی ہیں انمیں اسکی لاش بھی موجود ہے۔ (دیکھئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا۔ نیز میری کتاب برق طور) ویسے بدن زره کو بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ جسم پر رہتی ہے \*\*۔

الْبَادِرُ - الْبَدَنُ - فربه اور جسیم شخص۔ بَدْنٌ وَبَدَنٌ - وہ فربه اور جسیم ہوا۔ الْبَدَنَةُ وہ گلے یا اونٹ جو ذبح کرنے کیلئے لے جایا جائے۔ یہ اسلئے تھا کہ جن جانوروں کو ذبح کرنے کیلئے مکہ لے جاتے تھے انہیں خوب موٹا کیا جاتا تھا۔ اسکی جمع بَدَنٌ ہے۔ سورۃ حج میں الْبَدَنُ (۲۴/۲۴)۔ انہی اونٹوں کے لئے آیا ہے \*\*۔

## ب د و

بَدُوٌّ - وَ - بَدُوٌّ کے معنی میں ظاہر ہونا۔ اَبْدُ يَتُّهُ - میں نے اسے ظاہر کر دیا۔ بَدَا اَوَّ الشَّقِيَّ ع - کس شے کا وہ حصہ جو سب سے پہلے ظاہر ہو۔ قرآن کریم میں تَبْدُوْنَ (تم ظاہر کرتے ہو) کے مقابلہ میں تَكْتُمُوْنَ (تم چھپاتے ہو) بھی آیا ہے (۲۳/۲۳) اور تَبْدُوْا بِمَقَابِلِهِ تَخْفُوْا بِهِس (۲۴/۲۴)۔ سورۃ النور میں وَ لَا يَبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ (۲۴/۲۴) "وہ اپنی آرائش کو نمایاں نہ کریں"۔

الْبَدُوُّ - الْبَادِرِيَّةُ - الْبَدَاؤَةُ - صحراء، دیہات، البداءة - شہری زندگی کے مقابلہ میں دیہاتی یا صحرائی زندگی۔ صحراء کو اسلئے بادریۃ کہتے ہیں کہ وہ ظاہر اور کھلا ہوا ہوتا ہے \* (۲۴/۲۴)۔ قرآن کریم میں الْبَادِرِ بِمَقَابِلِ الْعَاكِفِ آیا ہے (۲۵/۲۵) جسکے معنی میں باہر سے آنے والا۔ سورۃ ہود میں ہے کہ حضرت نوحؑ کے مخالفین نے آپ سے کہا کہ مَا تَرَاكَ اتَّبَعَكَ اَتْلَا النَّدْرِيْنَ هُمْ اَرَادُوْا لَنَا بَادِرِي الشَّرَّي (۲۵/۲۵)۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ تمرا اتباع کرتے ہیں ان کی شکل و صورت دیکھ کر ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ ہمارے معاشرہ کے پست درجے کے (زدیل) لوگ ہیں۔ یعنی ان کے متعلق اس نتیجہ پر پہنچنے کے لئے کسی دقت نظر کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ان کی صورت سے ان کی حالت عیاں ہو جاتی ہے۔ (ہمارے ہاں ایسے بادی النظر کہتے ہیں)۔ بَادِي الرَّأْيِ (۲۶/۲۶) کا مفہوم یہی ہے \* تاج۔ نیز ابن فارس۔ \*\* راغب کے بعد اس بیچ پر نہیں بیچے بلکہ کوئی ایک بات سنی اور اسکے پیچھے لگ گئے۔

## ب ذ ر

بَذَرْتَهُ بَذْرًا: میں نے اسے بکھیرا، متفرق کیا، خراب کیا۔ التَّبْدُرُ۔  
اس غلہ کو کہتے ہیں جو بیج ڈالنے کیلئے الگ رکھ لیا گیا ہو۔  
اس سے اسکے معنی کھیتی کرنے کے آنے ہیں۔ نیز کھیتی یا سبزی کا  
وہ پودا جو شروع شروع میں زمین سے نکلتا ہے۔ نواب صدیق حسن خان نے  
لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء اور ذال اکٹھے آئیں ان کا منہوم کسی چیز کو  
نکال دینا ہوتا ہے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی بکھیرنے اور  
متفرق کر دینے کے ہیں۔

اپنی اصل کے اعتبار سے تَبْدِيرٌ کے معنی ہونگے اس غلہ کو بھی  
خارج کر لینا جو بیج کے لئے رکھا ہو۔ مجازاً مال ضائع کر دینے کے لئے بھی یہ  
لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اسلئے کہ تَبْدِيرٌ متفرق کر دینے یا بکھیر دینے کو  
بھی کہتے ہیں \*

قرآن کریم میں ہے لَا تَبْدُرُ رَبُّ تَبْدِيرًا إِنَّ الْكَبِدَ رَيْنًا كَانُوا  
اَلْخَوَانَ الشَّيْطَانِ (۲۱۴:۲۱۳) ”تم مال کو بے جا صرف مت کرو۔ اس طرح  
مال کو ضائع کرنے والے لوگ شیاطین کے بھائی ہیں۔“

## ب ر ا

بَرًّا۔ اسکے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کا ان چیزوں سے الگ ہو جانا  
جو اسکی غیر ہوں۔ بَرَاءَةٌ۔ وہ اس سے الگ اور جدا ہو گیا۔ تَبَرَّأْنَا۔  
ہم سب جدا ہو گئے۔ بَرِّيُّ اَلْمَرْيُوتُ مِّنْ مَّرْضِيهِ۔ مریض شفا یاب  
ہو گیا۔ یعنی اسکا مرض اس سے الگ ہو گیا۔ اَنَا بَرَاءٌ مِّنْهُ۔ میں اس  
سے بری ہوں۔ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ قرآن کریم میں ہے  
اِذْ تَبَرَّأْنَا لِلّٰهِ مِنَّا اَتَّبِعُوا مِّنَ التَّذٰیۡنِ اَتَّبِعُوۡا (۱۶۶:۱۶۵)۔ ”جب لیڈر اپنے  
پیچھے چلنے والوں سے بیزار اور الگ ہو جائیں گے،“

سورۃ توبہ کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے۔ بَرَاءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ  
(۱)۔ ”یہہ اللہ اور اسکے رسول (قرآنی نظام کے مرکز) کی طرف سے اس امر  
کا اعلان ہے کہ ہم ان مشرکین مکہ سے بالکل الگ ہیں جن کے ساتھ معاہدہ  
کیا گیا تھا،۔ ان کے ساتھ اب ہمارا کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ یہی  
معنی (۱) میں ہیں۔

\* ناج۔ \*\* راغب۔

خدا کو اَلْبَارِیُّ کہا گیا ہے (۵۹)۔ اس میں درحقیقت تخلیق اشیاء کے تین مراحل میں سے ایک مرحلہ کا ذکر ہے۔ یعنی اَلْخَالِقُ اَلْبَارِیُّ اَلْمُصَوِّرُ (۶۶)۔ کائنات میں تمام عناصر باہمی ملے جلے رہتے ہیں۔ اللہ کے سامنے جب کسی نئی چیز کی پیدائش کی تدبیر (اسکیم) ہوتی ہے تو وہ مختلف عناصر کو ایک نئی ترتیب دیتا ہے۔ یہ خَلْقٌ ہے (دیکھئے عنوان خ۔ ل۔ ق)۔ پھر انہیں باقی عناصر سے الگ کرتا ہے۔ یہ بَرَأَةٌ ہے۔ اور اسکے بعد انہیں ایک متعین شکل (Form) عطا کر دیتا ہے۔ یہ مُصَوِّرٌ رِیَّتٌ ہے۔ (دیکھئے عنوان ص۔ و۔ ر)۔ اس اعتبار سے وہ خالق اور باری اور مصور کہلاتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اسی نہج سے مخلوق کو اَلْبَرِیْقَةُ کہتے ہیں۔ قرآن میں ہے اُولَیِّکُمْ هُمْ شَرُّ اَلْبَرِیْقَةِ (۶۸)۔ (بَرِیْقَةُ کی اصل بَرِیٌّ ہے۔ اور یہ اَلْبَرِیُّ سے ہے جس کے معنی مٹی کے ہیں)۔

نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء اور راء اکٹھے آئیں ان کا مفہوم ”ظاہر ہونا، ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے کسی حادثہ کے واقع کرنے (رونما کرنے) کیلئے بھی بَرِیٌّ آتا ہے (۶۶)۔ مَبْرَأَةٌ کے معنی ہیں بَرِیٌّ الذِّمَّةُ (پاک) (۶۶)۔ اَبْرَأُ کے معنی ہیں کسی سے مرض دور کر دینا (۶۸)۔

## ب ر ج

بُرْجٌ - جمع بُرُوجٌ - کسی محل کے چاروں طرف جو محفوظ کوٹھڑیاں بنا دی جاتی ہیں انہیں بُرُوجٌ کہا جاتا ہے۔ جو کوٹھڑیاں شہر پناہ یا قلعہ کی دیوار پر بنائی جاتی ہیں انہیں بھی بُرُوجٌ کہتے ہیں۔ نیز اسکے معنی قلعہ کے بھی ہوتے ہیں\*۔ چنانچہ (۶۸) میں اسکے یہی معنی ہیں۔ دراصل، ج۔ ب۔ ر اپنی تمام تراکیب میں شدت اور قوت پر دلالت کرتے ہیں\*\*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ظاہر ہونا اور جائے پناہ کے ہیں۔

سورة احزاب میں ہے وَقَرْنَ فِیْ بُیُوتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُولٰٓئِی (۳۳)۔ ”اپنے گھروں میں سنجیدگی سے رہو اور سابقہ جاہلیت کے طریق پر اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھاتی پھرو“۔ اور سورة نور میں ہے غَیْرَ مُتَّبِعَاتٍ بِیْزِیْنَتَہِ (۲۴) ”اپنی زینت کو نمایاں نہ کرنے والیاں“

صاحب تاج العروس نے لکھا ہے کہ تَبْرَجَ کے معنی ہیں عورت نے اپنی زینت اور محاسن کو مردوں کے سامنے ظاہر کیا، اس طرح کہ اسکی آنکھوں میں شوخی جھلک رہی تھی۔ نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں با اور را ساتھ آئیں ان میں اظہار کا مفہوم مضمر ہوتا ہے، جیسے بَرَجَ ظاہر ہو گیا۔ اسی سے تَبْرَجَ ہے۔ \*\* ابواسحق نے کہا کہ \* تَبْرَجَ ج اس اظہار زینت کو کہتے ہیں جو مردانہ شہوت کی انگیخت کا ذریعہ بن جائے۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ التَّبْرَجُ مٹک مٹک کر چلنے کو کہتے ہیں اور التَّبْرَجُ خوبصورت اور حسین چہرے والے کو کہتے ہیں۔ اور التَّبْرَجُ حسین آنکھوں والے کو \*\*\*\*۔ التَّبْرَجُ آنکھ کا کشادہ اور حسین ہونا \*\*\*۔ لسان میں دونوں ابروں کے درمیان کشادگی اور فاصلہ کو بَرَج بتایا ہے۔

راغب نے کہا ہے کہ عورت کے تَبْرَجَ کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے محل سے باہر نکل آئی۔ چنانچہ اس سے پہلے جو آیا ہے وَقَرْنَا فِي بَيْتٍ تَيْكُنَّ اس نے بھی ان معانی کی تائید کر دی ہے \*\*\*۔

لیکن ہمارے نزدیک صحیح معنی وہی ہیں جو ابواسحق نے کہے ہیں یعنی اس انداز کی نمائش جو مردوں کے جذبات کے مشتعل ہونے کا سبب بن جائے۔ دراصل التَّبْرَجُ بلونی یا اس مشک کو کہتے ہیں جس میں دودھ بلو کر اس سے مکھن نکالا جاتا ہے \*\*\*\*۔ لہذا تَبْرَجَ کے معنی ہیں حسن اور زینت کی اس انداز کی نمائش کہ عورت کی آنکھوں میں شوخی جھلک رہی ہو اور اس سے مردوں کے جذبات متحرک اور مشتعل ہو جائیں۔ ایسی نمود و نمائش جو مردوں کے سینوں میں (بلونی کی طرح) تلاطم برپا کر دے۔ انہکی ممانعت ہے۔ جنسی جذبات ازخود بیدار نہیں ہوتے۔ انسانی خیالات انہیں بیدار اور مشتعل کرتے ہیں۔ لہذا، قرآن کریم ان تمام محرکات کو روکتا ہے جن سے ان جذبات میں انگیخت پیدا ہو۔ اس نے مردوں اور عورتوں کے باہمی اختلاط (میل جول) کے لئے جو حدود مقرر کئے ہیں ان سے یہی مقصود ہے۔

قدیم علم الافلاک کی رو سے، آسمان میں بارہ برج تسلیم کئے جاتے تھے۔ ابن درید نے (جمهرة اللغة میں) لکھا ہے کہ عرب، ان بروج السماء (آسمانی برجوں) کو نہیں جانتے تھے۔ ان کے کلام میں ”منازلِ قمر“ کا تو ذکر ملتا ہے لیکن ”بروج السماء“ کا ذکر نہیں ملتا۔ لہذا، قرآن کریم میں جہاں ”بروج السماء“ کا ذکر آیا ہے تو اس سے وہاں مراد ستارے یا بڑے بڑے ستارے ہیں۔ مثلاً سورۃ

حجر میں ہے وَلَقَدْ جَمَعْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَآؤَ زَيِّنُّهَا لِنظِيرِ رَبِّنَا (۱۵)،  
 ”اور یقیناً ہم نے آسمان میں بروج بتائے ہیں اور انہیں دیکھنے والوں کے لئے  
 خوشنما بنایا ہے۔“ یہاں ”بروج“ سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں جو ابھرے  
 ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ دوسری جگہ ہے اِنَّا زَيِّنَّا السَّمَاءَ اللّٰثِمِيَّةَ  
 بِزِيِّنَاتٍ لِّكُوْنَا كِيْبًا (۳۶) ”اور ہم نے قریبی آسمان کو (عجیب) زینت  
 یعنی ستاروں سے آراستہ کیا ہے۔“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے  
 ”بُرُوج“ کو ستاروں کے معنی میں استعمال کیا ہے۔

## ب ر ح

آ”لَبْرَاحٌ“۔ کھلی وسیع زمین جہاں درخت، کھیتی، عمارت وغیرہ کچھ  
 نہ ہو۔ اس سے یہ لفظ اس معاملہ کے لئے بولتے ہیں جو بالکل واضح، ظاہر اور  
 کھلا ہوا ہو۔ لَبْرَاحٌ۔ اس میں کوئی شک و شبہ یا ابہام نہیں۔ بَرِّحٌ آ”لَخَفَاءٌ“۔  
 راز فاش ہو گیا\*۔ نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء کے  
 ساتھ را آئے ان کے مفہوم میں ”ظاہر ہونا“ پایا جاتا ہے۔ جیسے  
 بَرِّحٌ آ”لَخَفَاءٌ“۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) ظاہر  
 ہو جانا۔ زائل ہو جانا اور کھل جانا۔ اور (۲) سخت ہونا اور بڑا ہونا  
 ہیں۔ راغب نے کہا ہے کہ لَبْرَاحٌ اَثْبَاتٌ یعنی مستقل جم کر رہنے یا  
 کام کرنے کے لئے مخصوص ہوتا ہے\*\*۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ بَرِّحٌ حَالٌ  
 ایک کلمہ ہے جو نشانہ خطا ہو جانے پر بولتے ہیں۔ چنانچہ آ”لَبْرَاحٌ  
 مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَالطَّيِّبِ اس مَرْنِ يَٰ پَرْنَدِے کو کہتے ہیں جو شکاری کے  
 سامنے ایسے رخ سے آئے کہ اس کا نشانہ کرنا دقت طلب ہو\*\*\*۔

قرآن کریم میں یہ لفظ اثبات اور تاکید کے لئے آیا ہے۔ جیسے  
 سورة يوسف میں ہے فَلَمَّ نَظَرَ اَبْرَاحَ الْاَرْضِ (۱۲) ”میں اس سر زمین کو  
 کبھی نہیں چھوڑونگا“۔ سورة كهف میں ہے لَا اَبْرَاحَ حَتَّىٰ اَبْلُغَ  
 مَجْمَعِ الْبَحْرِ يَبْرُ (۱۸)۔ ”میں چلتا نہیں چھوڑونگا (یعنی مسلسل  
 چلتا رہونگا) حتیٰ کہ دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچ جاؤں“۔

## ب ر د

آ”لَبْرَدٌ“۔ ٹھنڈا ہونا، یہ حَرٌّ (گرم ہونے) کی ضد ہے۔ مَاءٌ بَرْدٌ  
 ”پانی“۔ ٹھنڈا پانی۔ آ”لَبْرَدٌ“۔ نیند۔ آ”لَبْرَدٌ“۔ اولیٰ۔ عَمِشٌ بَارِدٌ۔  
 خوشگوار زندگی۔ بَرْدُ السَّيْفِ۔ تلوار اچٹ گئی\*۔

\* تاج ۔ \*\* راغب ۔ \*\*\* محیط ۔

راغب نے لکھا ہے کہ جس طرح حرّہ کے ساتھ حرکت مختص ہوتی ہے اسی طرح برّد کے ساتھ کسی چیز کا جمود و ثبات مختص ہوتا ہے۔ مثلاً برّد عَلَيَّهِ دِينٌ کے معنی ہیں اس پر قرضہ ٹھہر گیا، یعنی ادا نہ ہو سکا\*\*۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معانی میں سکون اور ثبات کو بھی شامل کیا ہے۔

قرآن کریم میں حضرت ابراہیمؑ کے قصہ میں ہے يَنْتَارُ كَوْنِيَّ بَرْدًا وَتَسْلَامًا عَلَيَّ اِبْرَاهِيمَ (۲۱۹)۔ ”اے آگ تو ابراہیم پر ٹھنڈ اور سلامتی ہو جا“۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ مخالفین نے ابراہیمؑ کے خلاف تدبیریں اور سازشیں شروع کیں اور آمادہ بہ فساد ہو گئے لیکن ہم نے اسے ان کی شعلہ سامانیوں سے محفوظ رکھا اور خیریت سے نکال کر دوسرے ملک میں لے گئے۔ (فَاَنزَلْنَاهُ اللهُ مِّنَ السَّمٰوٰتِ)۔ ”انہوں نے اسے زندہ جلا دینے تک کی بھی ٹھان لی لیکن ہم نے ان کی تدبیروں کو ناکام بنا دیا اور ابراہیمؑ کو صحیح و سلامت بچا کر لے گئے“ (۲۱۹-۲۲۰)۔ ”وَأَرَادُوا۟ بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمْ اِلَّا خٰسِرِيْنَ“۔ ”انہوں نے اس کے خلاف سازش کا ارادہ کیا لیکن ہم نے انہیں ناکام بنا دیا“۔ یعنی ان کا ارادہ کامیاب نہ ہو سکا۔ حضرت ابراہیمؑ بحفاظت وہاں سے نکل کر دوسرے ملک میں چلے گئے (۲۱۹)؛ (۲۲۰)؛ (۲۲۱)۔ ان مقامات سے ظاہر ہے کہ یہاں آگ سے مراد ان لوگوں کی آتش انتقام تھی جسے اللہ تعالیٰ نے ٹھنڈا کر دیا تھا۔ اور وہ اپنی سازش میں ناکام رہ گئے تھے۔

اولوں (ژالہ باری) کے معنوں میں یہ لفظ (۲۲۲) میں آیا ہے۔ سورۃ واقعہ میں عذاب جہنم کے ضمن میں ہے لَا بَارِدٍ وَلَا كَرِيْمٍ (۵۷)۔ ”نہ ٹھنڈ پہنچانے والا۔ نہ خوشگوار اور نفع بخش“۔

سورۃ النبا میں اہل جہنم کے متعلق ہے لَا يَذُوۡنَ وَقُوۡنَ فِيۡهَا بَرْدًا وَلَا شَرًا اَبًا (۲۴) ”وہ اس میں ٹھنڈ اور پینے کی چیز نہیں پائینگے“۔ صاحب تاج العروس نے یہاں برّد کے معنی نیند کے کئے ہیں۔ صاحب کتاب الاشتقاق نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ ویسے اس سے مفہوم راحت و آرام بھی ہو سکتا ہے۔ اور یہی معنی زیادہ موزوں ہیں۔ عذاب میں راحت کہاں؟ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنوں میں اضطراب اور حرکت کو بھی شامل کیا ہے۔

\* تاج - \*\* راغب -



## ب ر ر

ب ر ر - اس مسادہ کے اصلی معنی وسعت - فراخی اور کشادگی کے ہیں کیونکہ بَحْرٌ کے مقابلہ میں بَرٌّ کا لفظ خشکی کیلئے استعمال ہوتا ہے (۱۶۷)۔ اَلْبَرُّ بے آب و گیاہ چٹیل میدان کو کہتے ہیں اور بَحْرٌ ان مقامات اور شہروں کو جہاں پانی بھی ہو۔ بَرٌّ بکریوں کو (جنگل کی طرف) ہانک دینے کو کہتے ہیں - وسعت کے اعتبار سے اسکے معنی کثرت کے بھی ہو گئے - چنانچہ اَبْرٌ الْقُرْجُلُ کے معنی ہیں وہ آدمی کثیرالاولاد ہو گیا۔ اَبْرٌ الْقَوْمُ - قوم بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ اس سے غلبہ و تسلط کے معنوں میں بھی یہ لفظ استعمال ہونے لگا۔ اَبْرٌ عَلَيْهِمْ - وہ ان پر فوقیت لے گیا اور غالب آیا۔ اَلْمُبِيرٌ - غالب آنے والے کو کہتے ہیں\* - نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء اور راء اکٹھے آئیں ان کا مفہوم ”ظاہر ہونا، ہوتا ہے - چنانچہ بَرٌّ کے معنی ہیں وہ ظاہر ہو گیا۔ اس سے کشادگی اور غلبہ دونوں مفہوم واضح ہو جاتے ہیں۔

نگاہ کی کشادگی اور دل کی وسعت کے اعتبار سے بَرٌّ کے معنی وسیع پیمانہ پر نیک سلوک، صلہ رحمی اور احسان کے آتے ہیں - نیز صداقت (بات پر پورا اترنا) اور اطاعت کے بھی - بَرٌّ اور بَرٌّ - قسم میں سچا ہونے کو کہتے ہیں - اَلْبَرُّ - خدا کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے (۲۸) - نیز سچے اور احسان کرنے والے آدمی کو بھی کہتے ہیں\* -

قرآن کریم میں بَرٌّ بمقابلہ اِثْمٌ آیا ہے (۵)۔ اِثْمٌ کے معنی ہیں کمزوری۔ اضمحلال۔ تکان۔ لہذا بَرٌّ کے معنی ہونگے قوت۔ وسعت۔ کثرت۔ کشادگی۔ فراخی۔ چونکہ اِثْمٌ جرم (گناہ) ہے اس لئے بَرٌّ نیکی (Virtue) ہے۔ لہذا قرآن کی رو سے ”نیک کام“، (بَرٌّ) وہ ہونگے جن سے کشادگی اور احسان کی راہیں کھل جائیں۔ جن سے انفرادی طور پر نگاہ میں فراخی، قلب میں کشادگی اور انسانی ذات میں وسعت پیدا ہو جائے اور اجتماعی طور پر سامان زیست میں کثرت اور وسعت آجائے۔ اور معاملات میں فراخ حوصلگی کا ثبوت دیا جائے۔ بَرٌّ اور تَقْوَىٰ کے الفاظ اسی لئے اکٹھے آئے ہیں (مثلاً ۲۲۲؛ ۵) کیونکہ تَقْوَىٰ (قوانین خداوندی کی نگہداشت کرنے) سے انسان سے تنگ نظری دور ہو جاتی ہے اور کشادہ ظرفی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کا بنیادی طریقہ یہ ہے کہ

انسان اپنی عزیز ترین متاع (مال و دولت حتی کہ جان تک کو) قوانینِ خداوندی کے مطابق، نوعِ انسانی کی ربوبیت کے لئے کھلا رکھے۔ چنانچہ ارشاد ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تَحِبُّونَ (۹۱)۔ ”جب تک تم ان چیزوں کو جو تمہیں سب سے زیادہ عزیز ہیں (نوعِ انسان کی ربوبیت کے لئے) کھلا نہیں رکھو گے تمہیں کسادگی اور وسعت نصیب نہیں ہو سکیگی،۔ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ ”مذہبی شعائر، کورسی طور پر ادا کر لینے کا نام برّ (نیکی) ہے وہ سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ قرآن واضح الفاظ میں کہتا ہے کہ لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ..... (۱۶۷)۔ کسادگی راہ بہ نہیں (تم معیارِ خداوندی پر اس طرح پورے نہیں اتر سکتے) کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کرتے ہو یا مغرب کی طرف۔ کسادگی راہ یہ ہے کہ تم ایمان کے بعد اپنے مال کو اس کی کشش و جاذبیت کے باوجود ضرورت مندوں کے لئے دیدو۔ ایسا کرنے والوں کو اَبْرَارٌ بمقابلہ فَجَّارٌ کہا گیا ہے (۱۱۲-۱۱۳)۔ اور بَرّْرَةٌ بھی (۸۶)۔

حضرت یحییٰؑ کے متعلق ہے۔ بَرًّا بِوَالِدَيْهِ (۱۹)۔ ”وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک (کشادہ نگہی) سے پیش آتا تھا،۔ خدا کو اَلْبِرُّ الرَّحِيمُ کہا گیا ہے (۲۸)۔ ”وسعتیں عطا کرنے والا۔ سامانِ نشو و نما دینے والا،۔ جس خدا نے تمام نوعِ انسانی کیلئے سامانِ ربوبیت اس وسعت و کثرت سے عطا کر رکھا ہے اس کی کسادگی اور فراخی میں کسے کلام ہو سکتا ہے؟،۔ لہذا جو معاشرہ اپنے اندر خدا کی صفات کو منعکس کریگا وہ بھی علیٰ حدِ بشریت بَرٌّ وَرَحِيمٌ ہوگا۔ یعنی نوعِ انسانی کی ربوبیت کیلئے وسعت ظرف اور کسادگی نگاہ کا مالک۔ اسی کا نام برّ ہے جس کا ترجمہ عام طور پر نیکی کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے لفظ ”نیکی“ کا عمومی تصور برّ (وسعت و کسادگی) کا مفہوم نہیں پیدا کر سکتا۔ نیک آدمی عام طور پر اسے کہا جاتا ہے جو برائیوں سے بچے۔ لیکن برائیوں سے بچنا سلبی پہلو (Negative Aspect) ہے۔ قرآن کریم اس کے ساتھ مثبت جوہروں (Positive Virtues) کا بھی مطالبہ کرتا ہے۔ بسا بریں جس فرد میں کسادہ نگہی اور فراخ حوصلگی نہیں اور جس قوم کو ربوبیت کا سامان وسعت و کثرت کے ساتھ نصیب نہیں اور وہ اسے اسی وسعت و کسادگی کے ساتھ نوعِ انسانی کی نشو و نما کے لئے صرف نہیں کرتی۔ وہ قرآن کی رو سے حاملِ برّ (نیک) نہیں ہو سکتی۔

## ب ر ز

الْبِرَّازُ - الْبِرَّازُ - وسیع اور کھلی جگہ جہاں درخت وغیرہ کچھ نہ ہوں (چونکہ لوگ قضائے حاجت کے لئے باہر کھلی جگہ کی طرف جایا کرتے تھے اسلئے الْبِرَّازُ وَالْبِرَّازُ کے معنی پاخانہ کے ہو گئے)۔

بَرَزٌ - نمایاں ہو جانا - ظاہر ہو جانا - نکھر کر سامنے آ جانا - الْبِرَّازُ وہ چیز جو پوری طرح ظاہر ہو جائے - نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء اور راء اکٹھے ہوں ان میں ظاہر ہو جانے کا مفہوم مضمحل ہوتا ہے - ابن فارس نے بھی لکھا ہے کہ اس کے بنیادی معانی ظاہر ہو جانا - اور کسی چیز کا اپنے جیسی اور چیزوں سے الگ ہو جانا ہیں - بَرَزٌ مُبَارَزَةٌ - میدان جنگ میں جوانوں کا صفوں سے باہر نکل کر ایک دوسرے کے سامنے آنا - بَرَزٌ - دوسروں پر فضیلت و شجاعت میں سبقت لی جانا - اور آگے بڑھ جانا -

سورة بقرہ میں ہے وَ لَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ (۲۵۰) - ”جب وہ جالوت کے مقابلہ میں جنگ کیلئے سامنے آئے“ - سورة کہف میں ہے وَ تَسْرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً (۱۸) - ”تو زمین کوز دیکھیگا کہ وہ بالکل کھلی ہوئی ہے“ (یا وہ لوگ جنہیں استبداد زمانہ نے دبائے رکھا ہے تو دیکھیگا کہ وہ ابھر کر اوپر آ جائیں گے) سورة ابراہیم میں ہے وَ بَرَزُوا لِلّٰهِ جَمِیْعًا (۱۴) ”چھوٹے بڑے سب خدا (کے قانون مکافات کے) سامنے آ جائیں گے - ان کے اعمال کے نتائج ابھر کر سامنے آ جائیں گے - یعنی لَا يَتَخَفُلِي عَلٰی اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْئًا“ (۱۷) - ”ان کی کوئی شے اللہ سے مخفی نہیں ہوتی“ - اسی کو دوسری جگہ وَ بَرَزَتِ الْجَحِیْمُ (۱۷) سے تعبیر کیا گیا ہے - یعنی ظہور نتائج کے وقت جہنم ابھر کر سامنے آ جائیگی - لیکن اسی کے لئے جو آنکھیں رکھتا ہے - لِمَنْ یُّرٰی (۱۷) - یوں تو مجرم اور جہنم اب بھی ایک دوسرے سے اوجھل نہیں - (۱۴) - جہنم ہر مجرم کو گھیرے ہوئے ہے - (۱۷) - لیکن اسے دیکھ وہی سکتا ہے جو آنکھیں رکھتا ہے - وہ اسی کے سامنے ابھر کر آتی ہے جسے اسکا احساس ہو - (تفصیل جہنم کے عنوان میں ملیگی) -

## برزخ

بَرَزَخٌ - دو چیزوں کے درمیان روک یا حد کو کہتے ہیں - راغب نے کہا ہے کہ یہ دراصل بَرَزَةٌ (پردہ) ہے جسے معرب بتالیا گیا ہے - لیکن ابن فارس کا کہنا ہے کہ یہ لفظ عربی الاصل ہے جس کا مادہ برز ہے اور

خاء اس میں مبالغہ کے لئے بڑھائی گئی ہے۔ معنی اسکے ہیں اتنی بڑی وسعت جو اسکے باہر کی چیزوں کے لئے اوٹ بن جائے۔ مطلب اس سے بھی روک یا حائل ہونے کا ہوگا۔ سورۃ رحمن میں ہے۔ **بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ** (۲۵/۴۵) ”ان دونوں دریاؤں کے درمیان ایک روک ہے جس سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتے“۔ (نیز ۲۵/۴۴)۔

سورۃ مومنوں میں ہے کہ جب ان میں سے کسی کو موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار! اگر تو مجھے دنیا کی طرف لوٹا دے تو میں ضرور اعمالِ صالحہ کروں۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ ان کے کہنے کی باتیں ہیں۔ مرنے کے بعد کوئی اس دنیا میں واپس نہیں آسکتا۔ **وَمِنْ وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ** (۲۳/۹۹) ”ان کے پیچھے ایک روک ہے جو موت کے بعد تک“۔ (نیز دیکھئے وراء۔ عنوان ”و۔ ر۔ ی“ میں اور عنوان ”ب۔ ع۔ ث“)

## ب ر ص

الْبُرْصُ\*۔ سفید داغ جو بیماری کی وجہ سے بدن میں ظاہر ہو جائے ہیں۔ پھلبھری۔ اَلْبُرْصُ\*۔ ریگستانی خطے جہاں کچھ پیدا نہ ہو۔ بنجر زمین\*\*۔ تَبْرَصُ\* اَلْبَعِيْرُ\* اَلْاَرْضُ\*۔ اونٹ نے تمام گھاس چر لی۔ زمین پر کچھ بھی نہ چھوڑا\*۔

سورۃ آل عمران میں ہے کہ حضرت عیسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ **وَ اَبْرِي\* الْاَكْمَهَ\* وَ الْاَبْرَصَ\*** (۳/۳۸)۔ ”میں پیدائشی اندھے کو نگاہ عطا کرونگا اور اَبْرَصُ کو اسکی بیماری سے نجات دلا دوںگا“۔ بنی اسرائیل کی اسوقت کی حالت کو اَبْرَصُ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یا تو اسکے بہ معنی ہیں کہ انکی ارضی حیات کے کسی حصہ میں بھی سرسبزی اور تروتازگی باقی نہیں رہی تھی۔ اور یا یہ کہ وہ دنیا میں مارے مارے پھرتے تھے اور کوئی انہیں اپنے پاس نہیں پھٹکنے دیتا تھا۔ **وَ ضَرِبَتْ عَلَيْهِمُ اللّٰلِئَةَ\* اَیْنَ مَا نَقِفُوا** (۱۱۱/۳۱) ”وہ جہاں کہیں بھی جائیں ذلت و رسوائیاں انکے ساتھ لگی ہوئی ہیں“۔ دونوں معانی میں مفہوم ایک ہی ہے۔ رسول آتا ہی اسلئے ہے کہ قوم کو ذلت و رسوائیوں سے نجات دلائے اور اسکی بنجر زمینوں میں سرسبزی و شادابی کے سامان پیدا کرے۔

قرآن کریم نے اخلاقی ذمائم کو بیماریوں سے تشبیہ دی ہے۔ کہیں ایسے لوگوں کو بہرے۔ گونگے۔ اندھے۔ (صُمٌّ - بُكْمٌ - عُمًى) (۲۴)۔ کہہ کر پکارا ہے۔ کہیں کہا ہے کہ ”ان کے دلوں میں روگ ہے“ (فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ - ۲۵)۔ حتیٰ کہ انہیں مردہ (مَوْتًا) (۲۶) بھی کہا گیا ہے۔ اسی اعتبار سے آسمانی تعلیم کو ہندی و شفاء (۲۷) ”ہدایت اور شفاء“ اور شفاء ”لیمّا فی الصّقد وور“ (۱۰) ”جو کچھ سینوں میں ہے اس کے لئے شفاء“ کہا گیا ہے۔ حضرات انبیائے کرام کی بعثت کا مقصد اور زندگی کا مشن جسمانی بیماریوں کا علاج نہیں ہوتا۔ ان کا مقصد ”انسانیت کی بیماریوں“ کا علاج ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰ کے آگمہ (اندھے) کو بینائی عطا کرنے اور اَبْرَص (کوڑھی) کو اچھا کرنے سے بھی یہی مراد ہے۔ یہ الفاظ بطور استعارہ استعمال ہوئے ہیں۔ (تفصیل میری کتاب ”شعلہ مستور“ میں ملیگی)

## ب ر ق

بَرَقٌ - بجلی جو بادلوں میں چمکتی ہے۔ اس کے بنیادی معنی چمک کے ہیں۔ بَسِیرِقٌ بَصْرُهُ کے معنی ہیں اسکی آنکھوں میں خیرگی پیدا ہوگئی۔ اور وہ حیرت و دہشت کی وجہ سے کچھ دیکھنے کے قابل نہ رہا۔ (فَاِذَا بَرَقَ الثَّبَاتُ) (۵)۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے معنی متحیر رہ جانے کے ہیں۔ سورہ بقرہ میں ہے يَكَادُ الثَّبَرِقُ يَخْطَفُ ابْصَارَهُمْ (۲۶) قریب ہے کہ بجلی ان کی نگاہوں کو اچک کر لے جائے۔

اِسْتَبْرَقٌ - دیبیزریشمی کیڑے کو کہتے ہیں (۱۸: ۵۵)۔ اور اِبْرِيقٌ (۱۸: ۵۶) لوٹے یا صراحی کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ فارسی لفظ ”آب ریز، کا معرب سمجھا جاتا ہے۔ \*\* لیکن ابن فارس کا قول ہے کہ یہ برق ہی سے ہے اور ہر چمک دار اور خوبصورت چیز کے لئے بولا جاتا ہے۔

## ب ر ك

بَرَكَتٌ - کے اصلی معنی اس ثبات کے ہیں جس کے ساتھ نمو بھی شامل ہو۔ یعنی ایک چیز اپنے مقام پر مستحکم بھی ہو اور اسکے ساتھ بڑھ بھی رہی ہو۔ لہذا اس میں استحکام اور کثرت۔ ثبات اور نشوونما دونوں شامل ہوتے ہیں۔ نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں

باغ اور راء اکٹھے آئیں ان میں ”ظاہر ہونے“ کا مفہوم مضمحل ہوتا ہے۔ نشو و نما کے معنی ہی یہ ہیں کہ مضمحل صلاحیتیں نمودار ہو کر سامنے آجائیں۔ لہذا بَرَکَة میں ثبات۔ استحکام۔ کثرت۔ نشو و نما اور ظہور و نمود کے تمام پہلو آجائے ہیں۔ ابن فارس نے بھی اس کے معنی ثبات اور نشو و نما لکھے ہیں۔ مَبَارَكٌ یا فَيْهَ بَرَکَة۔ اس وقت کہتے ہیں جب کسی شے میں کثرت اور زیادتی محسوس ہو اور اس میں ثبات و استحکام بھی ہو۔ یہ لفظ بَرَکٌ اَلْبَعِيْرُ سے ماخوذ ہے جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اونٹ جم کر بیٹھ گیا اور وہاں سے اٹھا نہیں۔ اَلْبِرْكَة۔ اونٹ کے سینے کو کہتے ہیں جس پر ٹیک لگا کر وہ جم کر بیٹھتا ہے۔ اور بہت دودھ دینے والی بکری کو بھی۔ نیز حوض وغیرہ جس میں پانی ٹھہرا رہے\*۔

بَرَکَة کی جمع بَرَکَاتٌ ہے۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے، بَرَکَة کے معنی ثبات۔ استحکام۔ نشو و نما۔ ہر قسم کا خیر اور فلاح ہیں۔ لیکن یہ چیزیں متعلقہ اسباب کے ذریعے ملتی ہیں اس لئے مجازاً خود ان اسبابِ خیر کو بھی بَرَکَاتٌ کہا جائیگا۔ سورۃ اعراف میں ہے کہ ایمان و تقویٰ کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس قوم کو بَرَکَاتٌ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ ملتی ہیں (۶۶)۔ یعنی تمام استحکام بخش اسبابِ حیات کی کثرت و فراوانی۔ آسمانی راہ نمائی بھی اور معاشی سہولتیں بھی۔ زمین کے متعلق فرمایا وَبَارَكْ فَيْهَا (۱۱)۔ (خدا نے) اس میں اس سامان کی فراوانی رکھ دی ہے جس سے نوع انسانی کو استحکام اور نشو و نما حاصل ہوتا ہے۔ سورۃ ق میں کہا کہ نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبْرَكًا (۹۶)۔ ”ہم نے آسمان سے بارش برساتی جو نوع انسانی کی نشو و نما اور استحکام کا ذریعہ بنتی ہے“۔ اور قرآن کریم کو بھی کِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ لَلَّذِيكَ مُبْرَكٌ کہا ہے (۳۸)۔ یعنی وہ ضابطہ حیات جس میں ایسے اصول و قوانین ہیں جو دائمی خیر و فلاح کا موجب ہیں۔ جن سے انسان کا ثبات و استحکام اور نشو و نما وابستہ ہے۔ اور اس لیل کو بھی مُبَارَكٌ کہا جس میں یہ نازل ہوا (۲۲)۔ مکہ کو (جو قرآن کے نظام ربویت کا مرکز ہے) مُبَارَكٌ کہا (۹۵)۔ خود خدا بھی اپنی ربویت عالمینی کی وجہ سے مُبَارَكٌ ہے۔ تَبَارَكُ اللهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ (۲)۔ تَبَارَكُ۔ بابرکت اور ہر قسم کے خیر و برکت کا سرچشمہ ہونا۔ تَبَارَكُ الَّذِي... سے مراد ہے وہ ذات جس میں خیر و برکت اپنی بوری کثرت کے ساتھ انتہائی بے حد ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اصل سرچشمہ خیر و برکت جہاں تمام خوبیاں اپنی کامل شکل میں موجود ہیں اور ان میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوتی ذاتِ خداوندی ہے۔ اور ربویتِ عالمینی اسی سرچشمہ خیر و برکت سے ہوتی ہے۔ جو قوم اللہ کی صفات کو اپنے اندر عکس کرے اسے بھی (علیٰ علیہ السلام) خیر و برکت اور عالمگیر انسانیت کے\* تاج۔ محیط۔ راغب۔ [لئے سامان نشو و نما ہوتا کرنے کا ذمہ دار ہونا چاہیے۔

## ب ا ر م

اَبْرَمَ التَّحْبِلَ - اسنے رسی کو مضبوطی سے بٹ لیا (دو رنگوں میں یا دو بٹوں میں)۔ اَلْمَبَارِمُ - چرخیاں وغیرہ جن سے رسیاں مضبوط ہٹی جائیں۔ اَلْبَتْرِيْمُ - دو مختلف بٹوں والا (مثلاً سرخ و سفید) دھاگا جسے عورتیں اپنے بازو یا کمر پر بھی باندھ لیتی ہیں۔ ہر وہ چیز جس میں دو مختلف رنگ ہوں۔ رسی یا ڈورا جس میں دو رنگ ہوں۔ اَبْرَمَ اَلَا مَرَّ - اسنے معاملہ کو محکم اور مضبوط کر دیا\*۔ اسی سے قَضَاءُ مَبْرَمٌ\* - محکم اور اٹل فیصلے کو کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے اَمْ اَبْرَمُوْا اَمْرًا فَاِنَّا مَبْرَمُوْنَ (۲۳)۔ ”کیا انہوں نے (حق کی مخالفت کیلئے اپنے) معاملہ کو مضبوط کر لیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو ہم بھی معاملہ کو محکم کر لینے والے ہیں“۔

چونکہ رسی کو مضبوط ہٹنے میں بار بار بل دینا اور کئی بار بٹنا پڑتا ہے اس لئے اصرار کرنے اور بغض رہنے کے لئے بھی اَبْرَامٌ\* بولا جاتا ہے\*\*۔ ممکن ہے اسی جہت سے چیچڑی کو اَبْرَامٌ\* کہا جاتا ہو۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنوں میں (۱) کسی چیز کا محکم ہو جانا۔ (۲) دو مختلف رنگ۔ اور (۳) تھک جانا اور دل برداشتہ ہو جانا لکھے ہیں۔

آخری معانی کے لئے یہ لفظ قرآن میں نہیں آیا۔

## ب ا ر ہ

اَلْبَيْرَةُ - گورے پن کے ساتھ گدازی بدن - اَلْبَيْرَةُ هُرَّةٌ - سفید نوجوان حسینہ، جو حسن و نزاکت کی وجہ سے لچکتی ہو، رنگ کی صفائی کے باعث جسکی جلد چمک رہی ہو، تنعم و آسودگی کی وجہ سے جو تروتازہ ہو\*\*\*۔ اَلْبَيْرَةُ هَةٌ وَالْبُرَّةُ هَةٌ - زمانہ طویل\*۔

اَبْرُهُاَنُ - خلیل نے کہا ہے کہ یہ لفظ بَرُّ هُرَّةٌ سے ماخوذ ہے (جسکے معنی اوپر لکھے گئے ہیں) یعنی روشن اور لطیف دلیل - یا بَرُّ هَةٌ سے ماخوذ ہے، اپنے ثابت اور قائم ہونے کی وجہ سے - ایک اور قول ہے کہ یہ لفظ فعلان کے وزن پر ہے اور بَرُّ هَةٌ سے ماخوذ ہے جسکے معنی قطع کرنے کے ہوتے ہیں - یعنی دلیل فاطح\*\*\* - بعض نے نون کو اصلی مانکر اسے رباعی تسلیم کر لیا ہے - لیکن ایسا کثرت استعمال کی وجہ سے مانا گیا ہے ورنہ ہے یہ برہ ہی سے -

\* تاج و راغب - \*\* راغب - \*\*\* محیط - \*\*\*\* تاج -

راغب نے کہا ہے کہ یہ قَعْتَان کے وزن پر ہے اور بَرَّہ - يَبْرَہ سے ماخوذ ہے جسکے معنی سفید ہونے کے آتے ہیں\*\*\*۔ نواب صدیق حسین خان نے لکھا ہے کہ حن الفاظ میں باء اور راہ اکٹھے آئیں ان میں ”ظاہر ہونے“ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ بہر حال اس بات پر سب متفق ہیں کہ اس کے معنی ایسی دلیل کے ہیں جو ہر حال میں، ہمیشہ، سچی ہو۔ روشن واضح اور سچی دلیل۔ ایسی دلیل جو بالکل ظاہر ہو۔

قرآن کریم نے اپنے آپکو بَرَّہَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ (۱۱۱) کہا ہے۔ ”تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل“۔ اسلئے کہ اسکا ہر دھوی دلیل و برہان پر مبنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے مخالفین سے بھی دلیل و برہان ہی کا مطالبہ کرتا ہے اور علانیہ کہتا ہے کہ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (۱۱۱)۔ ”اگر تم اپنے دھوے میں سچے ہو تو اسکی تائید میں دلیل پیش کرو“۔ اسے اپنے دعوے کی صداقت پر اسقدر یقین ہے کہ اس مطالبہ کے ساتھ ہی ان سے کہہ دیتا ہے کہ تمہارے پاس کوئی دلیل قاطع نہیں ہو سکتی۔ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِه (۱۱۲)۔ ”کسی کے پاس (شُرک کی تائید میں) دلیل نہیں ہو سکتی“۔

مذہب\*\*\*\* کو (جسے ہمیشہ عقل کا حریف اور دلیل کا دشمن سمجھا جاتا تھا) علم و عقل اور دلیل و برہان کی رو سے پیش کرنا اور منوانا، قرآن کریم ہی کی خصوصیت ہے۔ وہ اپنے ہر دعوے کو علم و بصیرت اور دلیل و برہان کی رو سے منواتا ہے۔

## ب ز ع

بَزَعٌ نَّابٌ الشَّبَعِیْر کے معنی ہیں اونٹ کی ڈاڑھ گوشت کوشق کر کے نمودار ہوئی۔ اس سے چاند اور سورج کے طلوع ہو جانے کو جب انکی روشنی پھیل رہی ہو بُزُوْعٌ کہتے ہیں۔\* ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے نکلنے اور ظاہر ہو جانے کے ہیں۔ اِبْتِزَاعُ التَّرْبِیْعِ - بہار کا آغاز ہو گیا۔ شگوفے پھوٹنے شروع ہو گئے۔\*

\* تلاج - \*\* محیط - \*\*\* راغب - \*\*\*\* قرآن نے دین عطا کیا ہے۔ مذہب کا لفظ قرآن میں نہیں ہے۔ ہم نے یہ لفظ عام استعمال کے پیش نظر لکھ دیا ہے۔ ورنہ اسلام کو الدین کہنا چاہئے۔ یعنی خدا کا مقرر کردہ ضابطہ حیات۔ طریق زندگی۔ نظام معاشرہ۔



قرآن کریم میں ہے اَلْقَمَرَ بَارِزًا اور اَلشَّمْسُ بَارِزَةً (۷۹-۷۸) ”طلوع ہونے ہوئے یا چمکتے ہوئے چاند اور سورج،“

نواب صدیق حسن خاں نے کہا ہے کہ جب کسی لفظ میں بٹا اور زاء اکٹھے آئیں تو اس میں ”کسی چیز کے نکلنے اور ظاہر ہونے،“ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ بَرَزٌ میں بھی کیفیت ہوتی ہے۔

## ب س ر

اَلْبَسْرُ۔ کسی چیز کا وقت سے پہلے، نا مکمل حالت میں جلدی ہو جانا۔ یہ اسکے بنیادی معنی ہیں۔ بَسْرَ الدَّمْعِ۔ اسنے پھوڑے کو پکنے سے پہلے ہی پھوڑ دیا۔ اَلْبَسْرُ ہر تروتازہ چیز نیز کھجور جو ابھی پکی نہ ہو۔ ان معانی کے اعتبار سے ثَمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ (۳۳) کے معنی ہیں اس نے منہ بگاڑ لیا۔ لیکن بَسْرَ کے معنی شدت کراہت سے کسی کی طرف دیکھنے کے بھی آتے ہیں\*۔ اس اعتبار سے اسکے معنی ٹیسوری چڑھانے اور منہ بگاڑنے کے ہونگے۔ خیال اس طرف جاتا ہے کہ چونکہ کچا پھل کھانے سے منہ بد مزہ ہو جاتا ہے اس لئے بَسْرَ کے معنی ”بد مزہ ہو گیا“ ہیں۔ بد مزگی سے منہ ضرور بگڑتا ہے۔ دوسری جگہ ہے۔ وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ بِاسِيرَةٍ (۳۵)۔ ”اس دن بعض چہرے برے بنے ہونے ہونگے۔“

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے معنی (۱) کسی چیز کی پکنے سے پہلے کی حالت۔ اور (۲) کسی چیز کی حرکت کم ہو جانا یا اس کا ٹھہر جانا ہیں۔ نیز بَسْرَ الرَّجُلِ اَلْحَاجَّةُ کے معنی ہیں اس شخص نے اپنی ضرورت کو وہاں تلاش کیا جہاں اس کے ملنے کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

## ب س س

ستویا خشک روٹیوں کا سفوف جو ستو کی طرح پانی میں گھول کر کھا لیا جائے۔ گھولنے، خلط ملط کرنے اور چورا چورا کرنے کے لئے بَسَسَ يَبْسِسُ بَسًّا بولا جاتا ہے۔ اسی طرح اسکے معنی کسی چیز کے ریزہ ریزہ کر دینے کے بھی ہیں۔

لیکن بَسَسَ اِلَّا بِلَ بَسًّا کے معنی ہیں اس نے اونٹوں کو نرمی سے ہانکا۔ اَلْبَسُّ۔ اونٹوں کو مختلف شہروں میں بھیجدینا اور متفرق کر دینا۔ اس اعتبار سے اسکے معنی اپنی جگہ سے چلانے کے ہونگے\*۔ چنانچہ اَلْبَسَّتِ اَلْحَيَّاتُ کے معنی ہیں سانپ تیزی سے رینگ گئے\*۔ قرآن کریم میں ہے

وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا (۵۱)۔ اسکے ایک معنی تو یہ ہیں کہ جبال (بڑے بڑے سرداران قوم - جابر و متکبر لوگ) ریزہ ریزہ ہو جائیں گے - اور یا یہ کہ وہ اپنے مقام سے ہانک کر ہٹا دئے جائیں گے یا وہ خود ہی رینگ کر الگ ہو جائیں گے۔ انہیں معانی کیلئے دوسری جگہ ہے وَسَيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا (۶۸) یا وَآذَ الْجِبَالُ سَيِّرَاتٍ (۸۱)۔ یا، وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ (۶۶)۔ نیز يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا (۲۰۵)۔ ان تمام مقامات میں مفہوم ایک ہی ہے۔ انکی قوت و استحکام کا ٹوٹ جانا۔ انکے مقام کا ان سے چھن جانا۔ انقلاب سے زیر و زبر ہو جانا۔ (عنوان ن-س ف بھی دیکھئے اور ج - ب - ل بھی)۔ واضح رہے کہ جبَلٌ کے لغوی معنی پہاڑ ہیں۔ اس لئے ان آیات میں اگر لغوی معنی لئے جائیں تو مطلب پہاڑوں کا اڑ جانا یا ریزہ ریزہ ہو جانا ہوگا۔ لیکن آیات کے سیاق و سباق کے پیش نظر مجازی معنی زیادہ موزوں معلوم ہوتے ہیں۔ اس لئے ہم نے مجازی معانی لکھے ہیں۔

## ب س ط

بَسَطَهُ - بَسَطَهُ\* - پھیلانا - نشر کرنا - توسیع کرنا - وسعت دینا\*\*۔  
 بمقابلہ قَبْضٌ (۲۰۵) - نیز بمقابلہ قَدَرٌ (۲۲) - قَدَرٌ کے معنی ہیں پیمانوں سے ناپ تول کر دینا، بمقابلہ مَغْلُوثَةٌ بمعنی بندھا ہوا - (۱۶ و ۵۰)۔ نیز اسکے معنی حملہ کرنے - ہاتھ بڑھانے - دست درازی کرنے کے بھی آتے ہیں (۱۱) جس کے مقابلہ میں فَتَكَفَّ أَبْذَرِيَهُمْ عَنَّا كَيْفَ آتَا هُمْ - (۱۱)۔ یعنی "اس نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روکا، - اور مسلط ہونے کے معنی بھی - وَالْمَلِيكَةَ بِأَسْطُوأَ يَدِيهِمْ" (۶۶)۔ "اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلا رہے ہونگے، - یعنی مسلط ہو جائیں گے - مَبْسُوطٌ\* - کشادہ\*\* - (۵) - بِسَاطٌ\* - بچھی ہوئی یا وسیع اور پھیلی ہوئی (۱۹)۔

قرآن کریم میں حضرت طالوت کے متعلق ہے کہ زَادَهُ بَسْطَةَ فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (۲۰۶)۔ اسکے عام معنی یہ ہیں کہ اسے علم اور جسمانی قوت بہت زیادہ دی ہے۔ لیکن رَاغِبٌ نے کہا ہے کہ بَسْطَةُ فِی الْعِلْمِ۔ یہ ہے کہ انسان اپنے علم سے خود بھی نفع اٹھائے اور دوسروں کو بھی نفع پہنچائے\*\*\*۔ لہذا بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ نے کہا تھا کہ تم اپنی قوتوں کو اپنی ذاتی منفعت کیلئے صرف کرتے ہو لیکن طالوت اپنے علم اور توانائی سے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ اسے ہم نے تمہارے

\*تاج و رَاغِب - نیز ابن فارس - \*\*تاج \*\*\* رَاغِب

اوپر کمان کے لئے منتخب کیا ہے۔ کمانڈر ہونے کے لئے جسمانی اور دماغی دونوں قوتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اس خصوصیت کی بھی کہ وہ اپنی صلاحیتوں سے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچائے۔

## ب س ق

آلْبُسَاقٌ - لعاب دھن - بَسَقٌ - اسنے تھوکا - (بجائے "س" کے "ص" سے بسق بھی کہتے ہیں)۔

بَسَقٌ التَّخْلُ بَسُوْقًا - کھجور کے درخت لمبے اور بلند ہوتے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ اس کے بنیادی معنی ہیں۔

بَسَقٌ عَلَيَّهِمْ - وہ ان پر فضیلت میں بازی لے گیا۔ بڑھ چڑھ گیا۔ آلْبَسُوْقٌ وہ بکری جسکے تھن لمبے ہوں۔

بَسَقٌ الشَّيْءِ بَسُوْقًا - چیز کی لمبائی مکمل ہو گئی\*۔  
قرآن کریم میں ہے - وَالتَّخْلُ بَسِقَاتٍ (۵۰)۔ "لمبے لمبے کھجوروں کے درخت،"۔

صاحب محیط نے اسکے معنی باردار کھجوروں کے بھی کئے ہیں\*\*۔

## ب س ل

بَسَلٌ کے اصلی معنی روک دینے کے ہیں یَوْمٌ بِسَائِلٌ سخت دن کو کہتے ہیں۔ آلْبَسَائِلُ شیر کو کہتے ہیں۔ یہیں سے بَسَالَةٌ کے معنی بہادری کے ہیں کیونکہ بہادر اپنی مدافعت کرتا ہے\*\*۔ ازر روکنے کے مفہوم کے پیش نظر اسکے معنی ہیں کسی کو اچھی چیزوں سے محروم کر دینا\*\*\*۔

بَسَالَةٌ، - اسے تباہی آجائے\*\*\*۔ آلْبَسَلُ - چھلنی میں چھاننا۔ کسی چیز کو تھوڑا تھوڑا لینا۔ کسی کو قید کر دینا۔ آبَسَلَتْ، اسے ہلاکت اور تباہی کے حوالہ کر دیا۔ آبَسَلَتْ لِعَمَلِهِ اسے اسکے عمل کے حوالہ کر دیا کہ جو کچھ اسنے کیا ہے اسکی سزا بھگتے\*\*\*۔ قرآن کریم میں ہے - اَنْ تَبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ (۱۰۷)۔ "ایسا نہ ہو کہ کوئی فرد اپنے (غلط) اعمال کی وجہ سے، (قرآن کی بخشائشوں سے) محروم رہ جائے،"۔ اور "اولئِكَ الَّذِيْنَ ابْسَلُوْا بِمَا كَسَبُوْا (۱۰۷)۔" یہ وہ ہیں جو اپنے اعمال کی وجہ سے محروم کئے گئے ہیں،"۔ اس سے مفہوم ہے قانون مکافات کی رو سے اپنے اعمال کے نتائج بھگتنا۔ غلط اعمال کے نتیجہ میں زندگی کی خوشگوار یوں سے محروم رہ جانا اور اسطرح انسانی نشوونما کا رک جانا۔

\*تاج و راغب - \*\*محیط - \*\*\*تاج - \*\*\*\*راغب - راغب کی عبارت کے ترجمہ کے لئے دیکھیں تمہ ص ۱۸۷ جلد چہارم۔

## ب س م

بَسَمَ - يَبْسِمُ\* - بَسْمًا - انسان کا خوشی اور مسرت میں ہلکی سی ہنسی ہنسنے، مسکرانا - (قدرے ہونٹ کھول کر اور تھوڑے تھوڑے دانت نکال کر) - اِبْتَسَمَ وَ تَبَسَّمَ\* - وہ کم از کم اور حسین ترین ہنسی ہنسا - مسکرایا - مَا بَسَمْتُ فِي الشَّيْءِ\* - میں نے اس چیز کو چکھا تک نہیں\* -

قرآن کریم میں ہے فَتَبَسَّعُمْ ضَاحِكًا (۲۹) - ”وہ خوشی سے مسکرایا،“ -

## ب ش ر

بَشْرَةٌ\* کے معنی انسان کی جلد کی اوپر کی سطح کے ہیں - چنانچہ اَلْبَشَرُ\* کے معنی ہیں کھال کو چھیل دینا\* - (یعنی اسکے بال صاف کر دینا)۔ پھر البَشَرُ\* کے معنی خود انسان کے ہو گئے، لیکن اس فرق کے ساتھ کہ بَشْرٌ\* سے صرف انسان کی طبعی ساخت اور جسمانی بناوٹ مراد ہوتی ہے - اس اعتبار سے ہر انسانی بچہ (یا انسان) بشر ہوتا ہے - لیکن انسانیت کے جوہر اور خصوصیات ہر بشر میں مختلف ہونگے - چنانچہ قرآن کریم میں حضرات انبیاء کرامؑ جہاں یہ کہتے ہیں کہ اَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ\* (میں بھی تمہارے جیسا بَشَر ہوں) تو اس سے بشریت کے طبعی تقاضوں کا اشتراک مقصود ہوتا ہے - جیسا کہ سورۃ مومنوں میں ہے مَا هَذَا اِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يَا كَلُّ مِثْلًا تَا\* كَلُّونَ مِثْنَهُ وَيَشْرَبُ مِثْلًا تَشْرَبُونَ (۳۳) - (انہوں نے کہا کہ) ”یہ رسول تمہارے جیسا ایک بشر ہی ہے - جو کچھ تم کھاتے ہو وہی یہ کھاتا ہے - جو تم پیتے ہو وہی یہ پیتا ہے،“ - یعنی اگر اس وحی کو الگ کر لیا جائے جو اسے خدا کی طرف سے ملتی ہے تو نبی کی طبعی خلقت عام انسانوں کی سی ہوتی ہے - لیکن نبوت (خدا کی طرف سے وحی پانا) ایسی خصوصیت نہیں تھی جسے ہر انسان اپنے کسب و ہنر سے حاصل کر سکتا - یہ خدا کی طرف سے وہی طور پر ملتی تھی - نبی کی بشری حیثیت موت سے ختم ہو جاتی ہے - لیکن اسکی نبوت (وحی) آگے چلتی ہے -

عمومی حیثیت سے اِنْسَانٌ\* اور بَشَرٌ\* مرادف طور پر بھی استعمال ہوتے ہیں - مثلاً - (۱۵) اور (۱۸) میں ایک جگہ اِنْسَانٌ\* اور دوسری جگہ بَشَرٌ\*

کہا گیا ہے۔ بَشْرًا کے معنی عورت سے مجامعت کرنے کے ہیں (۱۸۷)۔ اس نہج سے کہ اس میں عورت اور مرد کی جلد سے جلد مل جاتی ہے۔ کبھی اسکے معنی محض لپٹانے اور بوس و کنار کے بھی آتے ہیں\*۔ لیکن قرآن میں بَشْرًا مَعْنَى مَجَامَعَتِ كَيْفِيَّةً کے معنی مجامعت کے ہیں۔

بِشَارَةٌ\* (بالکسر) کے بنیادی معنی ایسی خبر کے ہیں جس سے انسان کے چہرے (کی رنگت) میں تغیر پیدا ہو جائے خواہ وہ خبر خوشی کی ہو یا غم کی۔ بِشْرًا کے معنی ہیں اس قسم کی خبر دینا\*۔ چنانچہ قرآن حکیم میں عَذَابٌ أَلِيمٌ کی خبر کیلئے بھی یہ لفظ آیا ہے (۳۰) اسی طرح سورۃ نحل میں ہے کہ جب ان لوگوں کو لڑکی پیدا ہونے کی خبر دیجاتی ہے تو انکے چہرے کی رنگت سیاہ ہو جاتی ہے۔ اسکے لئے بھی بِشْرًا کا لفظ آیا ہے (۵۸)۔ لیکن عام حالات میں بِشَارَةٌ اچھی خبر کو کہتے ہیں۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کا حسن و جمال کے ساتھ ظاہر ہو جانا ہیں۔

أَبَشْرًا اور اسْتَبَشْرًا کے معنی بھی خوش ہونے کے آتے ہیں۔ چنانچہ سورۃ زمر (۳۹) میں اَشْمِئِزْ أَرْزًا کے مقابلہ میں اسْتَبَشْرًا آیا ہے۔ اَشْمِئِزْ أَرْزًا کے معنی منقبض ہونے کے ہیں۔

الْبَشَارَةُ\* (بالتفتح) کے معنی حسن و خوبصورتی کے بھی آتے ہیں۔ اَلْبَشِيرُ\* خوشخبری دینے والے کو کہتے ہیں۔ اَلْبَشِيرُ\* خندہ پشانی اور کشادہ روئی کو کہتے ہیں۔ التَّبْشِيرُ\* کے معنی خوشخبری کے ہیں، نیز ہر چیز کے ابتدائی حصے کے۔ صبح کے وقت روشنی کی پہلے پہل رونما ہونے والی کرنوں کو بھی کہتے ہیں۔

اَلتَّبْشِيرَاتُ\* ان ہواؤں کو کہتے ہیں جو معاب بردوش آتی ہیں اور بارش کی خوشخبری دیتی ہیں۔ مزید برآں دیکھئے صفحہ ۱۸۵ جلد چہارم عنوان ب ش ر۔

## ب ص ر

بَصْرًا\*۔ قوتِ بینائی۔ (اس میں روشنی اور چمک کا پہلو بھی ہوتا ہے) چنانچہ تیر کے پہل پر جو تھوڑا سا خون لگ جاتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی شکار کے لگا ہے، اسے بَصِيرَةً کہتے ہیں، خون کا نشان یا ٹیکا جس کے ذریعے شکار کی نشاندہی ہوتی ہو، نیز چمکدار ڈھال اور زرہ بخت کو بھی۔ اس زمین کو جس میں چمکدار اور نرم پتھر ہوں بَصْرَةً کہتے ہیں۔ سخت زمین نیز سفید پتھر کو بھی (تاج)۔ راعب نے چمکدار کا اضافہ کیا ہے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو جان لینا اور کسی چیز کا موٹا ہونا ہیں۔

صاحب مصباح نے کہا ہے کہ بَصْرٌ اس روشنی کو کہتے ہیں جس سے آنکھ مُبْصِرَات (نظر آنے والی چیزوں) کا ادراک کر لیتی ہے۔ اسکے بعد آنکھ پر بھی اس لفظ کا اطلاق ہونے لگا۔ نیز بَصْرٌ کے معنی کسی چیز کا دل میں اتر جانا ہیں۔ اسی وجہ سے اسکے معنی علم کے آتے ہیں۔ بَصِيرٌ دیکھنے والے کو نیز عالم کو کہتے ہیں۔ اور بَصِيرَةٌ قوتِ ادراک یا ذہانت و فطانت کو کہتے ہیں۔ نیز حجت اور دلیل کو۔ اور یقین و ارادہ کو۔ اور عبرت و موعظت کو۔ بَصِيرَةٌ کے معنی گواہ اور شاہد کے بھی آتے ہیں\*۔

قرآن کریم نے اس مادہ کو عام دیکھنے کے معنوں میں بھی استعمال کیا ہے۔ مثلاً سورة اعراف میں ہے آمُ كَلِمُهُمْ اَعْيُنٌ يَّبْصِرُونَ بِهَا (۱۹۵) ”کیا انکی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں،“ اور بَصِيرٌ کے مقابل اَعْمٰی (اندھا) کا لفظ لا کر (۱۹۵) ان معانی کو واضح کر دیا ہے۔ لیکن اس نے نَظْرٌ اور بَصْرٌ کے باریک فرق کو نہایت عمدگی سے واضح کر کے بتا دیا ہے کہ بصیرت کا حقیقی مفہوم کیا ہے۔ سورة اعراف میں ہے وَ تَرَاهُمْ يَنْظُرُونَ اِلَيْكَ وَ هُمْ لَا يَبْصِرُونَ (۱۹۸)۔ ”تو دیکھتا ہے کہ انکی آنکھیں تیری طرف ہیں (نظر) لیکن وہ درحقیقت دیکھ نہیں رہے ہوئے،“ (لَا يَبْصِرُونَ)۔ یہاں سے نَظْرٌ اور بَصْرٌ کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ انہی لوگوں کو (سورة یونس) میں عُمٰی (اندھے) کہا ہے۔ یعنی جو بصیرت سے کام نہیں لیتے (نَمٰی)۔ نیز (۱۹۶) میں انہی جیسوں کے متعلق کہا ہے کہ بظاہر ایسا دکھائی دیتا ہے کہ وہ تیری بات سن رہے ہیں حالانکہ وہ اسوقت کسی اور خیال میں مستغرق ہوتے ہیں۔ اور (جیسا کہ ش۔ م۔ ع کے عنوان میں بتایا جائیگا)\*\* بَصِيرَةٌ اسکی ہوتی ہے جو اپنے علم سے وحی کی راہ نمائی میں کام لے۔ (۱۹۵) میں اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے\*۔ مومن، صاحب بصیرت ہوتے ہیں، یعنی وحی کی روشنی میں عقل و فکر سے کام لینے والے۔

قرآن کریم میں بَصِيرَةٌ گواہ اور شاہد کے معنوں میں بھی آیا ہے (۱۹۵)۔ مُبْصِرَةٌ (۱۹۶) کے معنی روشن اور واضح دلیل کے ہیں۔

بصیرت سے سمجھ لینے کے معنوں میں یہ لفظ (بَصِيرًا) سورة یوسف میں (۱۹۶) میں آیا ہے۔ قرآن نے اپنے آپکو بَصَائِرٌ کہا ہے (۱۹۵)۔ یعنی واضح دلائل۔ کھلی ہوئی حقیقتیں۔ روشن علم۔ مزید برآں دیکھتے تہمتہ ص ۱۸۵/۱۸۶ جلد ہمام عنوان میں دیکھئے

\* تاج۔ \*\* (اس مفہوم کی وضاحت کیلئے س۔ م۔ ع۔ ق۔ ل۔ ب اور خ۔ ت۔ م کے عنوانات دیکھئے)۔

## ب ص ل

بِصَلٌ - پیاز کو کہتے ہیں \* -  
قرآن کریم میں یہ لفظ (۱۶۱) میں آیا ہے -

## ب ض ع

الْبِضْعُ - کاٹنا - بَضَعْتُ الْفَلْحَمَ - میں نے گوشت کاٹا - گوشت  
کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا - الْبِضْعُ - ایک حصہ - کچھ حصہ \*\* - قرآن کریم  
میں ہے بِضْعِ سِنِينَ (۱۶۲) - "کچھ سال - چند برس،" - لیکن یہ تین سے  
اوپر اور دس سے کم کے لئے آتا ہے \* - الْبِضَاعَةُ - مال کا وہ حصہ  
جس سے تجارت کی جائے \*\* - سامان تجارت - ہونجی - سورة يوسف میں یہ لفظ  
انہی معانی میں آیا ہے - وَأَسْرُوهُ بِضَاعَةٌ (۱۶۳) "انہوں نے اسے مال  
تجارت سمجھ کر چھپائے رکھا،" - بِضَاعَتَهُمْ "ہونجی،" - (۱۶۴) و (۱۶۵) -

## ب ط ا

بَطُوٌّ - يَبْطُوٌّ - بِطَاءٌ - تاخیر کرنا - أَبْطُوًّا - ان کے جانور  
سست رفتار ہو گئے \* - راعب نے لکھا ہے کہ أَبْطُوٌّ کے معنی ہیں چلنے یا  
اٹھنے میں دیر لگانا - اس اعتبار سے اس نے سورة نساء کی اس آیت (وَأَنْ مِّنْكُمْ  
كَمَنْ لَّيْسَ بِطَيِّبٍ) کے معنی کئے ہیں، "وہ لوگ جو خود بھی دیر  
لگائینگے اور دوسروں سے بھی دیر لگوائینگے،" -

## ب ط ر

الْبَطْرُ - کسی نا اہل کو اگر بہت سی دولت اور قوت مل جائے تو  
اس سے اس میں جو تکبر، اکر فون، اوجھا پن اور اترانے کی کیفیت پیدا ہو  
جاتی ہے اسے بَطْرٌ کہتے ہیں - اصل میں بَطْرٌ - بَطْرٌ کے معنی ہوتے  
ہیں بھاڑ دینا - شق کر دینا - (الْبَيْطَارُ وِثْرْنِي ذَا كُرَّ كَوِ كَهْتِي هِي جِو  
حيوانات کی چیر بھاڑ کرتا ہے) - چونکہ کثرت مال و دولت سے تنگ ظرف انسان  
کا دیدہ بھٹ جانا ہے اسلئے اس نفسیاتی کیفیت کو بَطْرٌ کہتے ہیں - أَبْطَرَهُ  
الْمَالُ - مال و دولت نے اس میں اوجھا پن پیدا کر دیا \* -

قرآن کریم میں ہے الَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ بَطْرًا (۱۶۸) -  
"جو اپنے گھروں سے اکرے اور اترانے ہوئے نکلے،" - سورة قصص میں ہے -  
بِطْرَتْ مِعْيَشَتَهَا (۱۶۸) - جو قومیں امباب زیست کی فراوانیوں پر اتراتی  
تھیں -

\* تاج - \*\* تاج و راعب -

## ب ط ش

بَطَّشَ - يَبِطِشُ - کسی چیز کو زبردستی اور طاقت کے ساتھ لے لینا۔  
الْبَطَّشُ - سخت گرفت۔ جنگ۔ بَطَّشَ عَلَيْهِ - اس پر تیزی سے  
حملہ کیا۔\*

قرآن کریم میں ہے "أَمْ لَهُمْ آيْدٍ يَبِطُّشُونَ بِهَا" (۱۹۵) "کیا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ کسی چیز کو گرفت میں لے سکتے ہیں"۔ "إِنَّ بَطَّشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ" (۹۳)۔ "تیرے رب (کے قانون مکافات) کی گرفت بڑی سخت ہے،۔" "يَوْمَ نَبِطِشُ الْبَطَّشَةَ الْكُبْرَى" (۲۰)۔ "جس دن ہم سب سے بڑی شدید گرفت سے پکڑینگے،" (جب ظہور نتائج کا وقت آئیگا)۔ یہ تو قانون عدل و انصاف کی گرفت ہے۔ دوسری طرف ظلم و استبداد کی گرفت ہے جسے ہلاک ہونے والی قوموں کا شیوہ بتایا گیا ہے۔ "وَإِذْ أَبَطَّشْتُمْ بَطَّشْتُمْ جَبَّارِينَ" (۲۰) "جب تم کسی کو پکڑتے ہو تو جابرانہ انداز سے پکڑتے ہو،"۔ کمزور انسانوں کو اس گرفت سے چھڑانے کے لئے خدا کا نظام آتا ہے جو ظالموں کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔

## ب ط ل

بَاطِلٌ - قرآن میں حَقِّق کے مقابلہ میں بَاطِلٌ آیا ہے (مثلاً ۲۰)۔ لہذا بَاطِلٌ کا صحیح مفہوم سمجھنے کیلئے حَقِّق کا عنوان دیکھئے جہاں اسکے متعلق تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ یعنی ہر وہ چیز یا تصور یا نظریہ جو حق نہیں، وہ بَاطِلٌ ہے۔ مثلاً حَقِّق کے معنی ٹھوس تعمیری نتائج کے ہیں اسلئے بَاطِلٌ کے معنی تخریبی کوششوں کے یا ایسی کوششوں کے ہونگے جن کا نتیجہ کچھ نہ نکلے۔ یعنی بَاطِلٌ صرف تخریبی کوششیں ہی نہیں بلکہ ہر وہ کام باطل ہے جسکا کچھ نتیجہ نہ نکلے۔ چنانچہ بَطَّلَ الشَّيْءُ کے معنی ہیں کسی چیز کا بونہی ضائع چلا جانا\*\*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے پیادے معنی کسی چیز کا جاتے رہنا اور کم ٹھہرنا ہوتے ہیں۔ صاحب تاج العروس نے کہا ہے کہ جب کسی چیز کو کسوٹی پر پرکھا جائے اور وہ اس پر پوری نہ اترے تو اسے بَاطِلٌ کہتے ہیں۔ یعنی حَقِّقٌ وہ جو کسوٹی پر پورا اترے اور بَاطِلٌ وہ جو معیار پر پورا نہ اترے۔

\* تاج و محیط و راغب ۔ \*\* تاج



اِبْطَال کے معنی ہیں کسی چیز کو خراب کر دینا اور زائل کر دینا خواہ وہ چیز حَقُّ ہی کیوں نہ ہو۔ بَطْلُ الْاَجْبُر کے معنی ہیں مزدور بیکار ہو گیا۔ \* صاحب محیط کے نزدیک بَطْلٌ ان چیزوں کو کہتے ہیں کہ جن مفادات و مقاصد کیلئے وہ بنائی گئی تھیں ان میں وہ مفادات مین \* کل \* وجہ (پوری طرح) باقی نہ رہیں اور انکی صرف صورت باقی رہ جائے \* \* (چنانچہ وہ کہتا ہے کہ کوئی بعید نہیں کہ اس مادہ کے اصلی معنی خالی ہونا ہوں) \* \*۔ اس مفہوم کو سامنے رکھنے سے مذہب کے وہ تمام اعمال باطل قرار پا جاتے ہیں جنہیں محض رسماً ادا کیا جائے اور ان سے وہ فائدے حاصل نہ ہو رہے ہوں جن کے لئے انہیں تجویز کیا گیا تھا۔ (ح۔ ک۔ م کا عنوان دیکھئے جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ خدائے قرآن میں قوانین کے ساتھ یہ بھی خود ہی متعین کر دیا ہے کہ ان قوانین سے کیا کیا نتائج مرتب ہونگے)۔ اسی لئے قرآن میں نِعْمَةٌ کے بالمقابل بَطْلٌ آیا ہے (۲۹ : ۱۱) اس لئے کہ حق پر عمل پیرا ہونے کا لازمی نتیجہ نعمتے حیات کا ملنا ہے۔ اور جہاں نعمت نہ ہوں ظاہر ہے وہاں حق نہیں باطل کار فرما ہے، خواہ ہم اپنے ذہن میں اسے کیسا ہی حق کیوں نہ سمجھ لیں۔ یا حَقُّ کے معنی ہیں وہ شے جو اپنی جگہ پر اٹل ہو، محکم ہو۔ اسلئے بَطْلٌ اس چیز کو کہتے ہیں جس میں ثبات نہ ہو \*۔ یعنی وہ بظاہر نظر آئے لیکن جب تحقیق کی جائے تو اس میں ثبات دکھائی نہ دے \*۔ چنانچہ قرآن میں ہے جَاءَ الْحَقُّ وَوَزَعْنَا الْبَاطِلَ اِنْ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوًّا (۸۱)۔ ”حق آگیا اور باطل تباہ ہو گیا۔ باطل ہوتا ہی تباہ ہونے والا ہے۔“ باطل کہتے ہی اسے میں جو باقی رہنے والا نہ ہو۔ وہ اسوقت تک باقی رہتا ہے جب تک حق نہیں آتا۔ چراغ آپہ اور اندھیرا گا۔ لہذا باطل کو مٹانے کا طریقہ یہ ہے کہ ٹھوس تعمیری نتائج مرتب کرنے والے پروگرام (حق) کو عمل میں لایا جائے۔ تعمیری کوششیں کی جائیں۔ انکے محکم نتائج سے تخریبی اور بیکار کوششیں خود بخود مٹ جائیں گی۔ اِنْ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (۱۱۳)۔ ہمواریوں اور خوشگواروں سے ناہمواریاں اور ناخوشگواریاں خود بخود مٹ جاتی ہیں۔ ناہموار جگہ کو ہموار کر دیجئے، اسکی ناہمواری خود بخود مٹ جائیگی۔

اسی طرح حق کے مختلف معانی کو دیکھئے اور جو چیز اسکی نقیض ہو اسے باطل سمجھئے۔ نیز دیکھئے تسمہ ص ۱۸۶ جلد چہارم عنوان ب ط ل تحت ص ۳۲۶۔

بَطَّالٌ وَبَطْلٌ \* - بہت بہادر آدمی جو دوسرے کے خون کی کوئی قیمت نہیں سمجھتا اور اسے یونہی ضائع کر دیتا ہے \* -

بَطْنٌ کے معنی پیٹ۔ اندرونی حصہ۔ اس کی جمع بَطُونٌ ہے۔

الْبَطْنُ \* - ظہر کی ضد ہے \* - محیط میں ہے کہ اصلی معنی اس مادہ میں خالی ہونا۔ فارغ ہونا ہیں \* - راغب نے کہا ہے کہ ہر چیز کی نیچے کی جہت (Side) کو بَطْنٌ کہتے ہیں اور اوپر کی طرف کو ظہر \*\*\* -

الْبَطْنُ \* - پیٹ کو کہتے ہیں۔ جمع بَطُونٌ \* - ہر چیز کا اندرونی حصہ۔ بَطْنُ الْأُمِّیرِ - معاملہ کی اندرونی حالت \* -

الْبَطَانَةُ مِنَ الثَّوْبِ \* کپڑے کا استر۔ اندرونی حصہ۔ اس کی جمع بَطَائِنٌ ہے (۵۵)۔ یہیں سے اس کے معنی رازدان کے آتے ہیں۔ یعنی وہ شخص جو اندر آ جا سکے اور اندرونی معاملات پر واقفیت رکھ سکے \* - قرآن میں ہے لَا تَتَّبِعُوا ذُرًّا وَّابِطَانَةَ مَیْمَنٍ \* دُونَ نِیْکُمْ (۱۱۳)۔ ”اپنی جماعت کے افراد کے علاوہ کسی اور کو ایسی پوزیشن نہ دو کہ وہ تمہارے اندرونی رازوں سے واقف ہو جائے،“ - زجاج نے کہا ہے کہ الْبَطَانَةُ وہ دخیل لوگ کہلاتے ہیں جن کے ساتھ کھل کر بات کی جاتی ہو اور انہیں رازوں میں شریک کر لیا جاتا ہو۔ نیز اس کے معنی راز کے بھی آتے ہیں۔

قرآن کریم میں اللہ کیلئے هُوَ الظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ آباہ (۵۴)۔ اس کے پورے پورے مفہوم کیلئے (ظ - ہ - ر) کا عنوان دیکھئے۔ جب نگہ بصیرت کائنات کے تخلیقی مظاہر پر شور کرے تو وہ خالق کائنات کے متعلق اندازہ کر سکتی ہے۔ یعنی اس سے انسان اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ اس مخلوق کا کوئی خالق بھی ہے اور اس مجیر العقول مشنری کے پیچھے کوئی بڑی علیم و حکیم قوت کام کر رہی ہے۔ اس اعتبار سے خدا الظَّاهِرُ ہے۔ لیکن وہ اپنی کنہ و حقیقت کے اعتبار سے نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (۳۳)۔ ”وہ نگاہوں کے ذریعے ہمارے ادراک میں نہیں آ سکتا،“ - اس لحاظ سے وہ الْبَاطِنُ ہے۔ (ظہور اور بطون کے دوسرے گوشے (ظ - ہ - ر) کے عنوان میں سامنے آئینگے۔ اسے بھی ساتھ ہی دیکھ لیجئے)۔ یاد رکھئے، هُوَ الظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ سے یہ مراد لینا کہ جو کچھ کائنات میں ظاہر ہے وہ بھی خدا ہے اور جو اس کے باطن میں

\* تاج - \*\* محیط - \*\*\* راغب -

ہے وہ بھی خدا ہی ہے۔ یعنی ان محسوسات کے پمردوں میں خود خدا ہے، باطل عقیدہ اور قرآن کی تعلیم کے یکسر خلاف ہے۔ اس عقیدہ کو تصوف کی اصطلاح میں ”وحدت وجود“، یا ”ہمہ اوست“، کہا جاتا ہے جو ہندؤں کے فلسفہ و پدانت کا چربہ ہے۔ ظاہرًا لَئِمْرًا بَاطِنًا (۱۱۱) سے مراد ہے گناہ کی محسوس و غیر محسوس شکلیں اس میں نگاہ کی خانت اور دل میں ترزرنے والے خیالات تک آجاتے ہیں۔

## ب ع ث

بَعَثَ کے بنیادی معنی ہیں وہ چیز جو کسی کی آزادانہ نقل و حرکت کی راہ میں حائل ہو اسے راستہ سے ہٹا دینا، اس قسم کے موانع کو نور کر دینا، اور یوں اس کی حرکت کو جاری کر دینا۔ بَعَثَ النَّاقَةَ۔ اس نے اونٹنی کی رسیاں وغیرہ کھول کر اسے آزاد چھوڑ دیا\*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو ابھارنے اور اٹھانے کے ہوتے ہیں۔ سورة تطفیف میں ہے کہ اَلَا يَظُنُّ اَلْوَلِيُّكَ اَنَّهُمْ مَبْعُوْثُوْنَ۔ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ (۸۳) اس سورة میں قرآن کریم نظام معیشت کے ایک بنیادی اور عظیم اصول کو سامنے لایا ہے۔ اس نے پہلے یہ کہا ہے کہ نظام سرمایہ داری میں ”تاجرانہ ذہنیت“ یہ ہوتی ہے کہ سرمایہ دار جب دوسرے سے لیتا ہے تو پورا پورا لیتا ہے اور جب (سزدور کو) دیتا ہے تو جس قدر وہ پیدا کر کے دیتا ہے، اسے اس سے کم دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سرمایہ داری کے نظام کی بنیاد ہی اس ذہنیت اور منہاج پر ہے۔ لیکن خدا کا قانون یہ نہیں چاہتا۔ وہ کسی کو اس سے کم نہیں دینا پاہتا جو وہ پیدا کرتا ہے۔ اس سے پورے کا پورا معاشی نظام بدل جاتا ہے۔

اس وقت صورت یہ ہے کہ نظام سرمایہ داری کے حامل یہ سمجھتے ہیں کہ جو نظام انہوں نے قائم کر رکھا ہے اسے کوئی بدل نہیں سکتا۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ غلط ہے۔ یہ نظام ضرور الٹ کر رہیگا۔ اس لئے ان لوگوں کو جو یوں آزاد چھوڑ دیا گیا ہے (اَنَّهُمْ مَبْعُوْثُوْنَ) تو یہ اس انقلاب عظیم تک کے لئے (لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ) ہے جس میں تمام نوع انسانی، اس غلط نظام سے تنگ آ کر، خدا کے نظام ربوبیت عالمینی کے لئے اٹھ کھڑی ہوگی (يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ) (۱۱۱)۔ نظام سرمایہ داری جو اس طرح بے روک ٹوک (ناقہ) بے زمام کی طرح) بڑھے جا رہا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ تنگ آ کر، بہ ہیئت مجموعی، نظام ربوبیت کے لئے اٹھ کھڑے ہونگے، جس میں لینے اور دینے میں کم اور بیش کا سوال ہی نہیں ہوگا۔

الْبَعَثُ کے معنی کسی کو بھیجنے کے بھی ہیں۔ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِ هِم مُوسَى (۱۷۸) ”پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰ کو بھیجا،“۔ نیز کسی بیٹھی ہوئی چیز کو اٹھا دینا نیز یہ لفظ نیند سے جگا دینے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے\*۔ (دیکھئے: ۱۷۸)۔ اَلْبَعِيثُ۔ راتوں کو بار بار جاگنے والا۔ اِنْبَعَثَ فُلَانٌ لِيَشَانِيهِ، اس وقت کہتے ہیں جب کوئی شخص جذبہ میں بھر کر اٹھ کھڑا ہو اور اپنا کام کرنے کو چل دے۔

بَاعِثٌ کے معنی سبب یا جذبہ محرکہ کے بھی ہیں (Cause or Motive) کیونکہ وہ عمل کے راستہ کے موانع کو ہٹا کر انسان کو کام کے لئے اٹھا دیتا ہے۔ سورۃ بقرہ میں ہے ثُمَّ بَعَثْنَاكُمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ (۲۰۶)۔ ”پھر ہم نے تمہیں غش کی حالت کے بعد اٹھا کر کھڑا کیا،“۔ یعنی تمہارے ہوش کی راہ میں جو موانع تھے انہیں دور کر کے پھر سے ہوش میں لے آئے۔ اسی سورۃ میں آگے ہے فَاَمَاتَهُ اللهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ (۲۵۹)۔ ”پھر اللہ نے اسے سو سال تک موت کی حالت میں رکھا اور پھر اسے اٹھا کھڑا کیا،“۔ یہ قوموں کی اجتماعی موت اور زندگی کا تمثیلی بیان ہے۔ یہاں بَعَثٌ کے معنی ان موانع کو دور کرنے کے ہیں جو کسی قوم کی نشاۃ ثانیہ کی راہ میں حائل ہوتے ہیں۔ بیت المقدس کی پہلی تباہی کے بعد، بنی اسرائیل کی یہی حالت رہی تھی۔ (تفصیل میری کتاب ”برق طور،“ میں ملیگی)۔

رسول بھیجنے کے معنوں میں دیکھئے (۱۳۹) اور کسی کو کسی کام کیلئے مقرر کر دینے کے معنوں میں (۲۰۳) میں، جہاں کہا ہے فَاَبْعَثُوا حَكَمًا مِنْ اَهْلِهِ۔ ”اس کے خاندان میں سے کسی کو ثالث مقرر کر دو،“۔

بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ (۱۷۸) کے معنی ہیں، تم پر انہیں غالب کر دیا۔

يَوْمَ اَلْبَعَثِ يَوْمٌ يَبْعَثُونَ۔ يَوْمَ اَلْبَعَثِ کی طرح قرآن کی اہم اصطلاحات ہیں جن کا صحیح مفہوم ہر مقام پر سیاق و سباق کے مطابق متعین کیا جا سکتا ہے۔ بنیادی معنی ان کے حیاتِ فویا ظہورِ تائید کے وقت کے ہیں۔ خواہ یہ حیاتِ نو اسی دنیا میں (قوموں کی اجتماعی موت کے بعد) ملے۔ یا مرنے کے بعد دوسری زندگی (حیاتِ آخرت کی شکل میں)۔

## ب ع ث ر

بَعَثَرَهُ - اسے دیکھا اور تلاش کیا - بَعَثَرَ التَّشْيِئِي - اس نے اس چیز کو نکال کر اسے کھول دیا - بَعَثَرَ الْعَوَاضَ - اس نے حوض کو منہدم کر کے اس کے نچلے حصے کو اوپر کر دیا - بَعَثَرَ مَتَاعَهُ، اس نے اپنے سامان کو الٹ پلٹ کر دیا - اَلْبَعَثَرَةُ - جی متلانے کو کہتے ہیں\* - اس میں بھی الٹ پلٹ کرنے کا تصور موجود ہے -

قرآن میں ہے "وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ" (۸۲) - "جب قبور کو الٹ پلٹ کیا جائیگا،، - (قُبُورٌ) کیلئے دیکھئے عنوان (ق - ب - ر) - جب تلاش و تفتیش کے بعد دہی ہوئی چیزیں نکالی جائیںگی - یعنی إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ (۱۶۶) - جو کچھ قبور میں ہے جب اسے باہر نکالا جائیگا،، -

## ب ع د

بُعْدٌ دوری، دور ہونا، یہ قُرْبٌ کی ضد ہے قَرِيبٌ بمقابلہ بَعِيدٌ (۲۱۹) - بَعِيدٌ - يَبْعُدُ - بَعْدًا وَبُعْدًا - ہلاک ہونا - تباہ و برباد ہو جانا\* - (زندگی کی خوشگوار یوں سے دور ہو جانا) - بَعْدًا لِيَلْقَوْا الشَّظِيمِينَ (۱۱ و ۱۸) "ظالم قوم کے لئے تباہی ہے،، - ان کے لئے زندگی کی خوشگوار یوں سے محرومی ہے - بَعِيدٌ وَبَاعِيدٌ وَبُعَادٌ - دور ہونے والا - تباہ ہونے والا\* - بَعْدٌ - قَبْلٌ کی ضد ہے - یعنی گزرے ہوئے زمانہ کے بعد آنے والا زمانہ\* -

أَلَّا بُعْدُ - اقْتَرَبٌ کی ضد ہے - نیز خائن کو بھی کہتے ہیں - اور اَلْبُعْدَاءُ - اجنبی لوگوں کو کہتے ہیں\* -

بَعْدٌ کے معنی "غیر" کے بھی آتے ہیں - فَمَنْ يَسْتَدِرُّهُ مِنْ بَعْدِ الْقَهْرِ (۲۵) - اسکے معنی ہیں "خدا کے سوا" مَنِ غَيْرَ اللَّهِ، اسے کسوں راہ نمائی دے سکتا ہے،، - صحیح راہ نمائی صرف خدا کے قانونوں سے مل سکتی ہے -

نیز اسکے معنی "با وجود" کے بھی ہیں - فَمَنْ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَعَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ (۲۸) - "جو اسکے باوجود سرکشی اختیار کرتا ہے تو اس کے لئے درد ناک عذاب ہے،، -

## ب ع ر

آلْبَعِيْرٌ - اونٹ - جوان اونٹ - نیز آلبَعِيْرٌ گدھے کو بھی کہتے ہیں۔ اصل میں یہ اس جانور کیلئے بولا جاتا ہے جس پر بوجھ لادا جائے۔ بار برداری کا جانور۔ آلبَعْرٌ - مینگنی کو کہتے ہیں \* - سورة يوسف میں حِمْلٌ بَعِيْرٌ (۱۴) آیا ہے - یعنی ایک اونٹ (یا گدھے) کا بوجھ -

## ب ع ض

بَعَضٌ - ہر چیز کا کچھ حصہ خواہ وہ کم ہو یا زیادہ (۲/۸۵) - مثلاً آٹھ، دس کا بعض ہے اور دو بھی دس کا بعض ہے۔ آٹھ اور دو دونوں ملکر دس ہو جاتے ہیں۔ بَعَضُ الشَّيْءِ کے معنی ہیں چیز کو تقسیم کر دیا۔ تَبَعِيْضٌ کے معنی ہیں الگ الگ کر دینا - تقسیم کر دینا \* -

سورة بقرہ میں ہے اِذَا اَخْتَلَا بَعَضُهُمْ اِلَى بَعَضٍ (۲/۲۱) - ”جب ان میں سے کچھ لوگ اپنے دوسرے لوگوں سے خلوت میں ملتے ہیں یا انکی طرف چلے جاتے ہیں،، بَعَضُنَا - ”ہم میں سے کوئی یا کسی نے،، - بعض ائمہ لغت نے کہا ہے کہ بَعَضٌ کے معنی کٹل کے بھی آتے ہیں اور اسکی تائید میں قرآن کی یہ آیت پیش کی ہے - يٰصِبْكُمْ بَعَضُ التَّذْرِى يَعِيْدُكُمْ (۲/۲۸) ”جن باتوں کی تمہیں دھمکی دی جاتی ہے وہ سب تم پر واقع ہو کر رہینگی،، \*\* - لیکن اس کے معنی ”بعض،، بھی ٹھیک ہیں - نیز (۲/۶۳) -

بَعُوْضَةٌ (جسکی جمع بَعُوْضٌ آتی ہے) مچھر کو کہتے ہیں (۲/۲۱) - چونکہ باقی حیوانات کے مقابلہ میں اسکا جسم بہت چھوٹا ہوتا ہے اسلئے یہ بَعَضٌ سے ماخوذ ہے \*\*\* -

## ب ع ل

بَعْلٌ - بلند زمین جس تک سیلاب کا پانی نہ پہنچ سکتا ہو - ہر درخت، بوذا یا کھیتی جو بغیر آب ہاشی کے اپنی جڑوں سے آپ پانی کھینچ لے - بلندی اور غیر محتاجی کے اعتبار سے بَعْلٌ کے معنی مالک اور آقا کے ہو گئے - ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی (۱) صاحب (۲) حیرت اور دہشت اور (۳) اونچائی لکھے ہیں - ”صاحب،، میں رفیق اور ساتھی بھی آجاتے ہیں - راغب نے کہا ہے کہ اہل عرب اپنے بتوں کا نام بَعْلٌ رکھتے تھے کیونکہ وہ

\*تاج و محیط و راغب - \*\* لین - \*\*\*تاج

انہیں بلند اور برتر خیال کرتے تھے۔ اسی طرح چونکہ ان کے معاشرہ میں تصور یہ تھا کہ مرد، عورت پر غالب ہوتا ہے اسلئے وہ خاوند کثر بھی بَعْلٌ کہنے لگے۔ اسکی جمع بَعُولَةٌ ہے۔ نیز ہر اس چیز کو جو دوسری چیزوں پر غلبہ و استیلاء رکھتی ہو۔ لیکن چونکہ انہیں اسکا بھی احساس تھا کہ ہر مستبد اور متقلب دوسروں پر بوجھ بن جاتا ہے اسلئے وہ بوجھ کو بھی بَعْلٌ کہتے تھے۔ چنانچہ اَصْبَحَ فُلَانٌ بَعْلًا عَنِّي اَعْلِيهِ، کے معنی ہیں فلاں شخص اپنے گھر والوں پر بوجھ بن گیا ہے\*۔

چونکہ عربوں میں خاوند کیلئے بَعْلٌ کا لفظ رائج تھا اسلئے قرآن کریم میں بھی یہ لفظ انہی معانی میں آیا ہے (۲۳۸ و ۲۳۹)۔ یعنی غلبہ و استیلاء کے معنوں میں نہیں بلکہ خاوند کے معنوں میں۔ بلکہ لین نے (مختلف اسناد سے) لکھا ہے کہ زَوْجٌ کی طرح بَعْلٌ بھی خاوند اور بیوی دونوں کے لئے آتا ہے۔ نیز جس طرح زَوْجٌ سے زَوْجَةٌ آتا ہے اسی طرح بَعْلٌ سے بَعْلَةٌ آتا ہے۔ اس لئے اس میں غلبہ و استیلاء کا مفہوم نہیں۔ صرف میاں بیوی ہونے کا مفہوم ہے۔ قرآن کریم نے جب نکاح کو بہ طیب خاطر معاہدہ قرار دیا ہے تو اس میں کسی فریق کے غلبہ و استیلاء کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

صاحب محیط کے نزدیک بَعْلٌ اور زَوْجٌ میں فرق یہ ہے کہ زَوْجٌ تو ہر خاوند کو کہتے ہیں لیکن بَعْلٌ اسوقت کہتے ہیں جب وہ بیوی سے جنسی اختلاط کر چکا ہو\*\*\*۔

حضرت الیاسؑ کی قوم اپنے بت کو بَعْلٌ کہتی تھی (۱۳۵)۔ یہ ساسی قبائل میں سب سے زیادہ مقبول دیوتا تھا۔ شام میں خصوصیت سے اسکی پرستش ہوتی تھی۔ تورات میں اس کا ذکر اکثر آتا ہے (مثلاً تواربخ ۲ - ۳۳)۔

## ب غ ت

اَلْبَغْتُ وَالْبَغْتَةُ۔ یکبارگی۔ اچانک۔ اَلْمُبَاغْتَةُ۔ ایک دوسرے کے پاس اچانک پہنچ جانا\*۔ راعب نے کہا ہے کہ اسکے معنی ہیں کسی چیز کا یکبارگی ایسی جگہ سے نمودار ہو جانا جہاں سے گمان بھی نہ ہو\*\*۔ قرآن میں ہے اِذَا جَاءَ ثَمَمٌ السَّاعَةَ بَغْتَةً (۱۳۱) ”جب ان پر الساعۃ اچانک آجائیکی،،۔ (السَّاعَةُ کس طرح اچانک اور یکبارگی آتی ہے، اسکے لئے

\* تاج\*\* راعب - \*\*\* محیط۔

س۔ و۔ ع کا عنوان دیکھئے)۔ اسی سورۃ میں ذرا آگے چل کر ہے: "إِنَّ أَنْتُمْ لَعَذَابُ اللَّهِ بَغْتَةً أَوْ جَهْرَةً" (۱۰۱)۔ "تم پر خدا کا عذاب اچانک آجائے یا اسطرح کہ پہلے اس کی علامات ظاہر طور پر تمہارے سامنے آئیں اور اس کے بعد عذاب آئے،"۔ اس سے واضح ہے کہ بَغْتَةً اُس انداز کو کہہینگے جس میں کوئی واقعہ تدریجی یا ارتقائی طور پر (By Evolution) نمودار نہ ہو بلکہ انقلابی طور پر (By Revolution) یا دور حاضر کی تحقیق کے مطابق، فجائی ارتقاء کے طریق سے (by Emergent Evolution) واقع ہو۔ اس حقیقت کو سمجھ لینا چاہئے کہ ہر عمل کا نتیجہ تو اسی وقت مرتب ہونا شروع ہو جاتا ہے لیکن وہ محسوس شکل میں ہمارے سامنے کچھ وقت کے بعد آتا ہے۔ چنانچہ سورۃ انبیاء میں ہے فَلَمَّا أَحْسَسُوا بِآيَاتِنَا... (۲۱)۔ "جب انہوں نے ہمارے عذاب کو محسوس کیا،... یعنی وہ عذاب غیر محسوس شکل میں تو پہلے سے مرتب ہو رہا تھا لیکن ان کے سامنے محسوس شکل میں بعد میں آیا تھا۔ بعض صورتوں میں اس آنے والے عذاب (یعنی نتائج) کی علامات ظہور سے پہلے سامنے آنا شروع ہو جاتی ہیں۔ (ایسے جہرۃ کہہ سکتے)۔ اور بعض اوقات اس کا علم اُس وقت ہوتا ہے جب وہ سامنے آکھڑا ہوتا ہے (یہ بَغْتَةً ہے)۔ یعنی فَأَنتَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ" (۳۹)۔ "ان پر ایسی جگہ سے عذاب آیا جس کی انہیں خبر تک نہ ملی،"۔ جو ان کی عقل و شعور میں نہیں آسکتی۔ سطح بین قومیں اپنی تباہی کے اسباب کا اندازہ ان واقعات اور عناصر سے لگانے کی کوشش کرتی ہیں جو تباہی واقع ہونے کے وقت محسوس طور پر ان کے سامنے آتے ہیں۔ لیکن ان اسباب کا سراغ درحقیقت بہت پیچھے جا کر لگانا چاہئے۔

## ب غ ض

الْبَغْضُ - یہ لفظ الحُب (محبت) کی ضد ہے۔ یعنی کسی چیز سے دل کا متنفر اور بیزار ہونا، الْبَغْضَاءُ - شدت بغض کو کہتے ہیں\*۔ (۱۱۷)

## ب غ ل

الْبَغْلُ - خچر\*۔ جمع بَغَالٌ (۱۸)۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی جسمانی قوت کے ہیں۔ خچر کو الْبَغْلُ اسکی مضبوطی کی وجہ سے کہتے ہیں۔ التَّبَغِيلُ جسم کا موٹا اور سخت ہونا\*۔ چونکہ خچر گھوڑی اور گدھے کے اختلاط سے وجود میں آتا ہے اس لئے ہر اس جانور کو بھی\* تاج - راغب - محیط - بَغْلٌ کہتے ہیں جو دو مختلف جنسوں کے ملاپ سے پیدا ہو۔



## ب غ ی

الْبَغْيُ - درمیانہ روی کی حد سے بڑھ جانے کی خواہش (خواہ حد سے تجاوز کر سکے یا نہ کر سکے) - الْبَغْيُ بہت زیادہ ہمارش کو کہتے ہیں جو حد سے بڑھ جائے۔ بَغْتِ السَّمَاءُ بادل اپنی حد سے بڑھ گیا۔ بہت زیادہ برسا۔ یہ اس لفظ کے بنیادی معنے ہیں۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اسکے معنی (۱) کسی چیز کو طلب کرنا۔ اور (۲) بگڑ جانا ہیں۔

فَيْسَةٌ بَاغِيَّةٌ اس جماعت کو کہتے ہیں جو حدود شکنی کرے اور نظام کے خلاف اٹھ کھڑی ہو۔ اور الْبَغْيَايَا ان ہر اول دستوں کو کہتے ہیں جو لشکر کے پہنچنے سے پہلے انتظامات کرنے کے لئے چلتے ہیں۔

بَغْيِي يَبْغِي - اسنے تکبر کیا اور اپنی حد سے بڑھ گیا۔ تَبَاغَوْا - ایک دوسرے پر زیادتی کرنا۔

بَغْتِ الْمَرْأَةُ يَبْغَاءُ - عورت اپنی حدودِ عفت سے بڑھ گئی اور زنا کی مرتکب ہو گئی۔ بَغْيٌ اور بَغْوٌ زنا کار عورت کو کہتے ہیں۔ بَغْيِي عَلِيَّةٌ کسی پر زیادتی کرنا۔ ظلم کرنا۔ دست درازی کرنا۔ نیز حسد کرنا (کہ وہ مجھ سے آگے کبوں بڑھ گیا ہے)۔

اِبْتِغَاءٌ - کسی چیز کے حاصل کرنے میں بہت زیادہ کوشش کرنا۔ اگر اچھی چیز کی طلب ہو تو یہ کوشش بھی محدود ہو جاتی ہے۔ ورنہ مذموم\*۔

الْبِغْيِيَّةُ اور الْبِغْيِيَّةُ - اس مطلوب چیز کو کہتے ہیں جسکے حصول کی اس طرح کوشش کی جائے۔ اس گم گشتہ چیز کو بھی کہتے ہیں جسکی بہت زیادہ تلاش کی جائے۔ اَلْبِغْيِيَّةُ - تلاش کرنے والے کو بھی کہتے ہیں\*۔

اِنْبِغْيِي الشَّتِيَّ کے معنے میں کسی چیز کا آسان ہو جانا، مہیا ہو جانا، یا مناسب ہونا۔ چنانچہ مَا يَنْبِغِي کے معنے ہیں، یہ درست نہیں۔ یہ مناسب نہیں۔ یہ ممکن نہیں۔ جائز نہیں\*۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ يَنْبِغِي میں دو چیزوں میں سے ایک کی طرف رجحان اور دوسری کے جواز کا پہلو مضمحل ہوتا ہے\*\*۔ سورة يٰسَس میں ہے وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشُّعْرَ وَمَا يَنْبِغِي لَهٗ (۳۶/۶)۔ ہم نے رسول کو شاعری نہیں سکھائی اور نہ ہی

ایک داعی انقلاب کی نفسیاتی کیفیت ایسی ہو سکتی ہے کہ اس پر حقائق کے مقابلہ میں جذبات غالب ہوں۔ (یہی شاعر کی نفسیات ہے) اِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ (۳۶)۔ اسے جو کچھ دیا گیا ہے وہ تاریخ کے محکم نوشتے ہیں اور زندگی کے واضح قوانین۔ ان میں جذباتی تلون انگیزیوں کا کیا دخل؟ (مزید تفصیل ش۔ ع۔ ع۔ ر کے عنوان میں ملیگی)۔

سورۃ حج میں ہے بُغْيَىٰ عَلَيْهِمُ (۲۲) جس پر زیادتی ہوئی ہو، قارون کے متعلق ہے کہ فَتَبَغَىٰ عَلَيْهِمُ (۲۸) ”وہ ان پر زیادتی کرتا تھا،، یا ان سے آگے بڑھا ہوا رہنا چاہتا تھا۔ نیز اسکے معنی حکومت اور سلطنت طلب کرنے کے بھی ہیں“۔

سورۃ النساء میں ہے وَلَا تَهَيَّئُوا فِي الْبَغْيِ الْقَوْمَ (۱۶) ”دشمن کا پیچھا کرنے میں سستی نہ کرو،،۔ اسکی تلاش میں پیچھے جانے کی پوری پوری کوشش کرو۔ سورۃ آل عمران میں ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ (۳) آیا ہے۔ یعنی فتنہ پیدا کرنے کی انتہائی خواہش۔

سورۃ نور میں ابْتِغَاءٌ کا لفظ زناکاری کے لئے آیا ہے (۲۳)۔ لیکن سورۃ مریم میں بَغِيضًا کا لفظ حدود شکن کیلئے (۱۹) آیا ہے۔ خاص طور پر زناکار کے لئے نہیں۔ یعنی حضرت مریم نے کہا کہ میں ہیکل میں (Nun) کی زندگی بسر کر رہی ہوں اور (Nuns) کے متعلق ”قانون شریعت“، بدھے کہ وہ تجرد کی زندگی بسر کریں۔ مینے اس قانون کو نہیں توڑا۔ واضح رہے کہ ہیکل کے احبار و رہبان حضرت مریمؑ کے خلاف یہ الزام عائد کرتے تھے کہ اس نے ہیکل سے نکل کر متاھل زندگی اختیار کر لی ہے اور یہ چیز شریعت خانقاہیت کے خلاف ہے۔ اس لئے انہوں نے کہا تھا کہ تیری ماں تو ان حدود شریعت کو نہیں توڑتی تھی۔ (۱۹) تو نے حدود شکنی کیسے اختیار کر لی؟ حضرت عیسیٰؑ نے اس کے جواب میں کہا تھا کہ یہ حدود، تمہاری خود ساختہ شریعت کی ہیں۔ مجھے اللہ نے نبی بنایا ہے۔ اور کتاب دی ہے۔ اس کتاب میں ایسا کوئی قانون نہیں۔ اس لئے میری والدہ نے قانون خداوندی کے خلاف کچھ نہیں کیا۔ مزید برآں اس میں میرے لئے کوئی حد نہیں ہے۔ (۱۹) اس میں میرے لئے کوئی حد نہیں ہے۔ سورۃ بقرہ میں ہے کہ یہودی قرآن کریم کی مخالفت معض اسلئے کرتے ہیں کہ انہیں حسد ہے کہ یہ بنی اسرائیل کے بجائے بنی اسماعیل میں سے ایک شخص کی طرف کیوں نازل ہو گیا ہے۔ اس کے لئے بَغِيضًا آیا ہے (۲)۔

قرآن کریم میں کھانے پینے کی حرام اشیاء کے تذکرہ کے بعد ہے فَمَنْ  
 اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا ذَنْبَ عَلَيْهِ (۱۶۰)۔ بھوک سے جس  
 شخص کی جان پر آئے تو اس پر کوئی جرم نہیں (کہ وہ ان حرام چیزوں کو  
 استعمال کر لے) بشرطیکہ وہ اتنا ہی لے جتنی اسے ضرورت ہے۔ اور حد سے نہ  
 بڑھے اور نہ ہی اسکی نیت قانون شکنی کی ہو۔ یعنی نہ تو وہ محض اس لئے  
 کھائے کہ اس کا جی چاہتا ہے اور نہ ہی زائد از ضرورت لے۔

## ب ا ق ر

بَقْرٌ کے معنی ہیں کسی چیز کو چیرنا پھاڑنا۔ جیسے کسی جانور کا  
 پیٹ چاک کرنا۔ اسٹے بَقْرَ الْعِلْمِ کے معنی ہیں علم کی گہری تحقیق و  
 تجسس کرنا۔ بَقِيرٌ کے معنی شیر کے بھی ہوتے ہیں اور علمی محقق کے بھی\*۔  
 بَقْرٌ - گائے اور بیل (دونوں) کو کہتے ہیں\*۔ بہ جمع ہے۔ اس کا  
 واحد بَقْرَةٌ ہے۔ قصہ بنی اسرائیل میں یہ لفظ (بَقْرٌ) میں آیا ہے۔ مابعد آیات  
 میں جو کچھ مذکور ہے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ اس سے مطلب ساند تھا  
 جس سے کام نہیں لیا جاتا بلکہ دیوتاؤں کے نام پر ویسے ہی چھوڑ دیا جاتا ہے۔  
 مصر میں ساند کی پرستش ہوتی تھی اور بھی جذبہ تھا جو بنی اسرائیل کے دلوں  
 کی گہرائی میں (شعوری یا غیر شعوری طور پر) جا گزیں ہو چکا تھا۔ اسی جذبہ  
 عقیدت کو دور کرنے کے لئے ذبح بقر کا حکم دیا گیا تھا۔

## ب ا ق ع

الْبَاقِعُ - چتکبرا کٹوا یا کتا۔ اس کے بنیادی معنی رنگوں کا مختلف  
 ہونا ہیں (ابن فارس)۔ الْبَاقِعَةُ - ایک پرندہ جو بہت ہوشیار اور چوکنا  
 ہوتا ہے اور ہر وقت ادھر ادھر دیکھتا رہتا ہے کہ کوئی شکاری اس کی گھات  
 میں تو نہیں، وہ ہانی پینے کے لئے بھی دوسرے پرندوں کی روش سے ہٹ کر  
 کسی نامانوس جگہ پر آتا ہے\*۔ پہلے معنوں کے لحاظ سے اَرْضٌ بَقِيعَةٌ  
 اس زمین کو کہتے ہیں جس میں کہیں گھاس اور سبزہ ہو اور کہیں خشکی۔  
 یعنی چتکبری زمین۔ الْبَقِيعَةُ زَمِينٌ کا ایسا قطعہ جو اپنے آس پاس کی زمینوں سے  
 الگ ہو\*۔

قرآن کریم میں ہے فِي الْبَقِيعَةِ الْعَبَّارِ كَتَمِ الشَّجَرَةِ  
 (۲۸)۔ "درخت والے مبارک قطعہ زمین میں (جو باقی زمینوں سے الگ

تھا)۔“ ویسے اَلْبَقْعَةُ ایسی جگہ کو بھی کہتے ہیں جہاں پانی جمع ہو گیا ہو\*۔

## ب ق ل

بَقْلُ الشَّيْءِ\* - چیز ظاہر ہو گئی - بَقَلْتِ اِلَّا رُضًا - زمین پر سبزیاں نمودار ہو گئیں - راغب نے کہا ہے کہ بَقْلٌ\* ان سبزیوں کو کہتے ہیں جن کی جڑیں اور شاخیں سردیوں میں باقی نہیں رہتیں\* - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی روئیدگی کے ہیں - ابو زبید نے کہا ہے کہ جو کچھ زمین سے پہلے پہل نکلے اسے بَقْلٌ\* کہتے ہیں - اقرب الموارد میں ہے کہ بَقْلٌ\* ایسی سبزی کو کہتے ہیں جو (آلو - گجر - شلجم کی طرح) زمین کے اندر پیدا نہ ہوتی ہو بلکہ (میتھی، پالک، گوبھی، ٹماٹر وغیرہ کی طرح) زمین کے اوپر پیدا ہوتی ہو۔

قرآن کریم میں یہ لفظ سبزی ترکاری کے معنوں میں (۲/۲۶) میں آیا ہے۔

## ب ق ی

بَقِيٌّ - يَبْقَى - بَقَاءٌ\* - کسی چیز کا اپنی حالت پر قائم رہنا - تغیر پذیر نہ ہونا - یہ بَقَاءٌ\* کی ضد ہے جس کے معنی تغیر پذیر ہو جانا ہیں - اِبْتِئَاءٌ\* - اِسْتِبْتِئَاءٌ\* - باقی رکھنا\* - نیز اس کے معنی حفاظت اور نگہبانی کے بھی آتے ہیں\*۔

کائنات میں ہر شے تغیر پذیر ہے - لیکن ذاتِ خداوندی تغیرات سے بلند ہے - اسی طرح اس کا قانون بھی تغیر پذیر نہیں ہوتا - یہی مستقل اقدار ہیں - جو اعمال اس کے قانون کے مطابق سرزد ہوں ان کے نتائج بھی غیر متبدل ثمرات کے حامل ہوتے ہیں - اس سے انسانی ذات میں بھی ایسا استحکام پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ تغیرات سے بلند ہو جاتی ہے - ذات (Personality) کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ تغیرات کی دنیا میں غیر متغیر رہتی ہے (Changelessness in Change) - (تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب ”نظام ربوبیت“ نیز من و یزدان - اور معارف القرآن کی پانچویں جلد جس کا عنوان ہے ”انسان نے کیا سوچا“)۔

ان معانی کی روشنی میں ان الفاظ کو دیکھئے جو قرآن کریم میں اس مادہ (بقی) سے آئے ہیں، بات واضح ہو جائیگی۔ سورۃ النحل میں ہے مَاعِنْدَكُمْ يَتَفَدُّ وَمَاعِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ (۱۶۶)۔ ”جو کچھ تمہارے پاس تمہارے اپنے تصورات کے مطابق ہوتا ہے وہ جاتا رہتا ہے۔ لیکن جو کچھ قانون خداوندی کے مطابق حاصل ہوتا ہے (خواہ وہ زبست کی خوشگواریاں ہوں اور خواہ انسانی ذات کی نشوونما) وہ تغیر نا آشنا ہوتا ہے“۔ سورۃ کہف میں ہے۔ اَلْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ ”دولت۔ اولاد، یہ انسان کی قمری (طبعی) زندگی کی زینت کی چیزیں ہیں“۔ یہ بھی بُری نہیں کہہ ان سے اجتناب کیا جائے۔ لیکن وَالْبَقِيَّاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ اَمَلًا (۱۸۶)۔ ”خدا کے قانون ربوبیت کی رو سے بہترین اعمال وہ ہیں جن کے صلاحیت بخش نتائج تغیر پذیر نہیں ہوتے“۔ انہی کی اسید رکھنا بہترین نصب العین۔ حیات ہے۔ اسی طرح سورۃ ہود میں بَقِيَّةٌ لِّلَّهِ (۱۱۶) اُس دولت اور سامان کو کہا گیا ہے جو خدا کے قانون کی رو سے حاصل کیا جائے۔ اس سے ذرا آگے اُولُوۡا۟ بِبَقِيَّةٍ (۱۱۶) اُن لوگوں کو کہا گیا ہے جو قانون خداوندی کی اطاعت کرتے ہیں۔ اور كَلِمَةًۢ بَّاقِيَةً (۲۸) توحید کی تعلیم (ضابطہ) قوانین خداوندی کی اصل و بنیاد) جسے حضرات انبیاء کرام اپنے متبعین کو دیکر جاتے تھے۔ اور جو کبھی تغیر پذیر نہیں ہوتی۔ ساحرین دربار فرعون نے اسی کو خَيْرٌ وَّ اَبْقٰی (۲۸) کہا ہے۔ یعنی سب سے زیادہ تغیر نا آشنا۔

سورۃ الرحمن میں ہے کُلُّ مَنۡ عَلٰیہَا فَاٰنٍ (۵۹) اس کائنات کی ہر شے تغیر پذیر ہے۔ وہ لمحہ بہ لمحہ بدل رہی ہے۔ وَ يَبۡتَلٰی وَّجۡہَ رَبِّکَ ذُوۡا۟ الْجَلَالِ وَاۡلَا۟ کُرَامِ (۳۵)۔ لیکن خدا کی ذات تغیرات سے ساوراء ہے۔ اور اسکی صفت ربوبیت اور اسکا قانون ربوبیت اور اسکے نتائج و اثرات بھی تغیر نا آشنا ہیں۔ ”فنا“ کا جو مفہوم ہمارے ہاں رائج ہے اور جسکا مطلب معدوم ہو جانا ہے وہ درست نہیں۔ (اسکے لئے دیکھئے عنوان ف۔ ن۔ ی)۔ وَجۡہِ رَبِّکَ کے دوسرے مفہوم کے لئے عنوان (و۔ ج۔ ۴) دیکھئے۔

بَقِيَّةٌ الشَّيْءِ۔ کسی چیز کا باقی ماندہ حصہ۔ لیکن اسے اس چیز کی جنس میں سے ہونا چاہئے۔ لہذا بھائی کو بَقِيَّةٌ اَلَاَبِ نہیں کہہ سکتے\*۔ بنی اسرائیل کے تابوت سکینت کے متعلق کہا ہے کہ اس میں بَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسٰی وَاٰلُ هَارُونَ (۲۸) تھا۔ یعنی جو کچھ آل موسیٰ اور آل ہارون نے چھوڑا تھا اس کا باقیماندہ حصہ۔

## ب گ ر

”لَبِكْرٌ مَّجْمَعُ الْبُكَارِ“ کنواری عورت، نیز وہ مرد جو اب تک کسی عورت کے پاس نہ گیا ہو۔ پہلا بچہ دینے والی عورت یا اونٹنی۔ پہلا بچہ، ہر پہلی چیز۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہی اس کے بنیادی معنی ہیں۔ گائے جو ابھی حاملہ نہ ہوئی ہو یا نوجوان ہو۔ ”لَا فَارِضٌ وَلَا بَكْرٌ“ (۲/۱۸) ”نہ بوڑھی ہے نہ نوجوان“۔

”الْبُكْرَةُ“ - صبح - دن کا پہلا اور ابتدائی حصہ\* - صاحب محیط نے لکھا ہے کہ ”لَا بُكَارٌ“ - طلوع فجر سے چاشت کے وقت تک کی مدت کو کہتے ہیں۔ (۱۹/۱۳ و ۳/۱۳) نیز اسکے نزدیک ”بَكْرٌ“ کے مادہ کے اصلی معنی شق کرنے یا قطع کرنے کے ہیں\*\*۔

ایسی چیزوں کو بھی جن کی پہلے نظیر نہ ہو، اَبْكَارٌ کہتے ہیں\*\*\*۔ (۳۶-۳۷) میں یہ لفظ انہی معانی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی صحیح تعلیم و تربیت اور اعمال صالحہ سے ان میں ایسی تبدیلی ہوئی کہ وہ ایسی مخلوق بن گئیں جس کی پہلے نظیر نہ تھی۔ وہ عہد جاہلیہ کی عورتوں سے یکسر مختلف ہو گئیں۔

## ب ک گ

”بَكَّةٌ“ - ”بَبْكَةٌ“ - ”بَكَا“ - کسی چیز کو بھاڑ دینا۔ متفرق کر دینا۔ کسی پر هجوم کرنا۔ مزاحمت کرنا۔ ”بَكَ عُنُقَهُ“ - اسنے اسکی گردن توڑ دی\*۔

مکہ مکرمہ کا نام ”بَكَّةٌ“ بھی ہے۔ قرآن کریم میں ہے ”انَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا“ (۲/۱۲۵)۔ ”یقیناً پہلا گھر جو نوع انسان کے لئے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے، باہرکت،،۔ اس نام کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ چونکہ لوگ اسکی طرف هجوم کسر کے آتے ہیں اور طواف میں بڑا ازدحام ہوتا ہے اسلئے اسے ”بَكَّةٌ“ کہا گیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ چونکہ یہاں سرکشوں اور ظالموں کی گردن ٹوٹ جاتی ہے اسلئے اس کا یہ نام ہے۔ لیکن راغب کا خیال ہے کہ یہ ”بَكَّةٌ“ ہی کی بدلی ہوئی شکل ہے۔ عربی میں میم کے باء کے

\*تاج - \*\*محیط - \*\*\*قاموس۔

ساتھ بدل جانے کی کئی مثالیں ملتی ہیں\*\*۔ مثلاً سَبَد اور سَمَد۔  
ایسے ہی لَازِب اور لَازِم۔\*\* ہر دو لفظ خواہ ”ب“ سے ہوں یا ”میم“  
سے ایک ہی معنی رکھتے ہیں۔

## ب گ م

بُکْم کے معنی ہیں گونگا ہونا۔ ازعری نے کہا ہے کہ اَبُکْم اور  
آخرس میں یہ فرق ہے کہ اَخْرَسُ ایسے کہتے ہیں جو پیدائشی طور  
پر بول ہی نہ سکتا ہو اور اَبُکْم ایسے کہتے ہیں جو بولتا تو ہو لیکن حاضر  
جواب نہ ہو اور طریقہ سے بات نہ کرنے کی وجہ سے اسکی بات سمجھ میں نہ  
آتی ہو۔ لیکن اَبُکْم اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو پیدائشی طور پر  
گونگا بہرا اور اندھا ہو\*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اَبُکْم (جسکی جمع  
بُکْم ہے) ایسے کہتے ہیں جو جہالت کی وجہ سے یا دانستہ بولنے چالنے سے  
گریز کرے۔ نیز جو بات کو واضح طور پر بیان نہ کر سکے۔

قرآن کریم میں صَّوْمُ بُکْمٍ عُمِّيْ آیا ہے (۱۸)۔ جہاں بُکْم کے  
معنی صرف گونگا ہیں (کیونکہ بہرے اور اندھے کیلئے اسکے ساتھ صَّوْمُ اور  
عُمِّي کے الفاظ موجود ہیں)۔ سورۃ انفال میں اَلصَّوْمُ الْبُکْمِ کے ساتھ  
اَلَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ (۲۲) کے الفاظ لا کر بات واضح کر دی کہ اس سے مراد  
طبعی طور پر بہرے اور گونگے نہیں، بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو عقل سے کام  
نہیں لیتے۔ سورۃ نحل میں اَبُکْم (۱۱) کے بعد ہے، جو کسی شے کی قدرت  
نہیں رکھتا۔ جو اپنے مالک پر بوجھ ہے۔ وہ آسے جدھر بھیجتا ہے گوئی  
اچھا کام کر کے نہیں آتا۔ اس کے مقابلہ میں وہ ہے جو صاحب اختیار ہے۔  
عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے۔ اور صراط مستقیم پر چلتا ہے۔ ان تصریحات سے  
واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن کے نزدیک صَّوْمُ بُکْمٍ سے مفہوم کیا ہے۔  
یعنی وہ لوگ جو عقل و فکر سے کام نہ لیں بلکہ اندھا دھند اپنی غلط روش  
پر چلے جائیں۔

## ب کی ی

بُکَاء۔ غم کے ساتھ آنسو بہانا۔ کبھی محض غم یا آنسو بہانے کو بھی  
کہہ دیتے ہیں\*\*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی رونا اور (۲)  
چیز کا کم ہو جانا ہیں۔ قرآن کریم میں ضَحِيْک کے مقابلہ میں بُکْیٰ

آیا ہے (۱۱/۸۲)۔ لہذا اسکے معنی غم کرنے کے ہیں۔ سورۃ دخان میں ہے فَمَا  
بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ (۲۳/۲۹)۔ ان کی تباہی پر نہ آسمان رویا  
نہ زمین۔ اس لئے کہ ان کی تباہی خدا کے قانون مکافات کے مطابق واقع ہوئی  
تھی۔ بَكِيًّا (۱۱/۸۸)۔ قوانین خداوندی کے سامنے دل کے پورے گداز کے ساتھ  
جھکنے والے۔ لیکن اندھے اور بہرے بنکر نہیں (۲۳/۲۳)۔ عقل و بصیرت کی رو  
سے قوانین خداوندی کو اختیار کر کے دل کی گہرائیوں سے ان کی متابعت کرنے  
والے۔

## بَلّ - (حرف)

- بَلّ - بلکہ - ذیل کی مثالوں سے استعمال اور مفہوم واضح ہو جائیگا۔
- (۱) جب یہ فقرے کے درمیان آئے تو پہلی بات کی تردید اور دوسری بات کی  
تائید مقصود ہوتی ہے۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحٰنَہٗ -  
بَلّ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ (۲۱/۲۱)۔ ”اور یہ کہتے ہیں کہہ خدائے  
رحمن نے بیٹا بنایا ہے۔ ایسا نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جنہیں یہ  
اسکے بیٹے قرار دیتے ہیں وہ اس کے معزز بندے ہیں۔“
- (۲) پہلی بات کی تردید کے بغیر دوسری بات کی تائید۔ وَ لَدَيْنَا كِتٰبٌ  
يَنْتَضِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ - بَلّ قَالُوا بِهِمْ فِي  
غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا (۲۳/۲۳)۔ ”ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو حق  
بات کہتی ہے اور ان پر کسی قسم کی زیادتی نہیں ہوتی۔ لیکن (یا  
اور) ان کے دل تذبذب اور جہالت میں ہیں۔“ - یعنی دوسری بات پہلی  
بات سے الگ ہے (نیز ۱۳-۱۷/۸۶)۔ ان مقامات میں بَلّ - وَ - (اور) کے  
معنوں میں آیا ہے۔ (نیز دیکھئے ۲۱-۲۵/۶)۔ اسی طرح (نیز ۲۱-۲۲/۶) میں بھی  
بَلّ فَعَلْتُمْ كَسِيْرًا مِّنْهُم سے نیا فقرہ شروع ہو سکتا ہے۔ (تفصیل اس  
کی متعلقہ عنوان میں ملیگی)۔

## ب ل د

الْبِلْدُ - زمین کا ہر وہ حصہ جسکی حد بندی کی گئی ہو۔ خواہ وہ آباد  
ہو یا غیر آباد۔ مٹی - زمین - اسکی جمع بِلَادٌ اور بُلْدَانٌ آتی ہے۔ اسکا  
استعمال قَرْيَةٌ (بستی) کے معنوں میں بعد میں ہوا ہے۔ سورۃ بقرہ میں ہٰذَا  
بِلْدٌ (۱۱/۲۱) سے قطعہ زمین اور بستی دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔ سورۃ البلد



میں یہاں البَلَدِ (۱۰۲) سے مراد مکہ ہے۔ اسی کو دوسری جگہ البَلَدِ  
الْأَمِينِ (۱۰۵) ”امن والا شہر“ کہا گیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے دعا  
مانگی تھی (۱۰۶) کہ یہ بستی دنیا میں جو رو استبداد کے ستارے ہوئے ہر  
انسان کیلئے امن کا مقام بن جائے۔ نوع انسانی کے امن کی ضامن آمت (جماعت  
مؤمنین) اور خدا کے عالمگیر نظام ربوبیت کے مرکز کو یقیناً عالم انسانیت کے  
لئے امن کا مقام ہونا چاہئے۔ مزید تفصیل کے لئے حج اور کعبہ سے متعلق  
ہنوانات دیکھئے۔

زمین سے متمسک (زمین گیر) ہونے کی جہت سے کہتے ہیں بَلَدٌ أَلْفَرَسٌ۔  
گھوڑا دوڑ میں پیچھے رہ گیا۔ آگے نہ نکل سکا\*\*\*۔ اسی لئے بَلِيدٌ کے معنی  
کند ذہن کے ہوتے ہیں\*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی  
سینے (چھاتی) کے ہوتے ہیں۔ اور بَلَدٌ أَلْتَرَجُلُ بِالْأَرْضِ کے معنی ہیں  
اس شخص نے اپنا سینہ زمین پر ٹیک دیا۔ یعنی وہ زمین کے ساتھ چپک  
گیا۔

## ب ل س

أَبْلَسُ کے معنی ہیں وہ ناامید ہو گیا۔ مایوس ہو گیا۔ ابن فارس نے  
اس کے بنیادی معنی یہی لکھے ہیں۔ (إِذَا هُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ) ”وہ ناگہاں  
اس میں مایوس ہو جائیں گے“۔ (۱۰۷)۔ نیز دہشت زدہ اور متحیر ہو جانا\*۔ (پرائی  
ساسی لغت میں اسکے معنی تھے ”کچل کر مار ڈالنا۔ روند ڈالنا“\*\*۔  
أَبْلِسُ۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ أَبْلَسُ ہی سے مشتق ہے اور  
اسکے معنی ہیں رحمت خداوندی سے ابدی طور پر مایوس اور ناامید۔ لیکن دوسرے  
ائمہ لغت نے خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ عربی لفظ نہیں بلکہ معرب ہے\*۔

قرآن کریم میں ابلیس کو سرکشی اور بغاوت کے پیکر کی حیثیت سے  
پیش کیا گیا ہے۔ أَبْلَى وَأَسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ (۱۰۸)۔ ”اس نے  
حکم خداوندی کی اطاعت سے انکار کیا۔ خدا سے بغاوت و سرکشی اختیار کی اور  
کہنا نہ ماننے والوں میں سے ہو گیا“۔ اسکے برعکس سَلَامٌ تَيْكَةٌ ہیں جن  
کی فطرت میں اطاعت و انقیاد رکھ دیا گیا ہے (فَسَجَدَ أَلْمَلَائِكَةُ  
مُكَلِّمُهُمْ أَجْمَعُونَ) ”تمام کے تمام ملائکہ نے سجدہ کر دیا“ (۱۰۸)۔ کائنات  
میں صرف انسان ہی وہ مخلوق ہے جسے اسکا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہے تو  
قوانین خداوندی کی اطاعت کرے اور چاہے ان سے سرکشی برت لے۔ کائنات کی

کسی اور شے کو معصیت (قانون خداوندی کی خلاف ورزی) کا اختیار نہیں دیا گیا۔ انسان، قانون خداوندی کی اطاعت سے سرکشی اسوقت اختیار کرتا ہے جب وہ اپنے جذبات سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ یہ جذبات اسے (عالمگیر مفاد کلی کے مقابلہ میں) ذاتی مفاد پرستی پر ابھارتے ہیں اور وہ قوانین خداوندی کو پس پشت ڈال کر ان مفادات کے پیچھے لگ جاتا ہے۔ پھر اسکی عقل اسے وہ طریقے بتاتی ہے جن سے وہ ان مفادات کو حاصل کر سکے۔ قرآن کریم نے ایسے جذبات اور انکے بروئے کار لانے والے سامان و ذرائع (عقل حیلہ جو کے بنائے ہوئے طرق و حیل) کو ابلیس کہہ کر پکارا ہے، اور اس کی سرکشی کی بنا پر اسکے متعلق کہا ہے کہ اسکی تخلیق آتش (نار) سے ہوئی ہے (۱۶)۔ اور چونکہ انسانی جذبات آنکھوں سے پنہاں ہوتے ہیں اور غیر محسوس طور پر مصروف عمل رہتے ہیں اسلئے کَانَ مِّنْ أَلْجَنِّ (۱۷) کہا ہے (جن کے معنی ہیں چھپا ہوا)۔ نیز چونکہ انسان کے یہ جذبات اور اسکے یہ اختیارات جسکی رو سے یہ قوانین خداوندی سے سرکشی برت سکتا ہے، انسان کے ساتھ ہی پیدا ہوتے ہیں اور جب تک انسان زندہ رہتا ہے اسوقت تک یہ ساتھ رہتے ہیں، اسلئے قرآن نے آدم کی جو سرگزشت بیان کی ہے (دیکھئے عنوان آدم) اسمیں ابلیس بھی آدم کے ساتھ ہی نمودار ہو جاتا ہے اور اسے انسانوں کے ساتھ ہی اسوقت تک سہلت دی گئی ہے جب تک انسان اس دنیا سے اٹھ نہیں جائے۔ رَبِّ فَانظُرْ نَبِيَّ الْيَوْمِ يَبْعَثُونَ (۱۸)۔ مزید برآں دیکھئے تتمہ ص ۱۸۸ جلد چہارم عنوان ب ل س۔

جو انسان قوانین خداوندی سے سرکشی اختیار کر لیتا ہے وہ ان تمام سعادتوں اور خوشگواروں سے محروم رہ جاتا ہے جو ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے کا لازمی نتیجہ ہیں۔ اسلئے ابلیس کو محروم و ناامید کہا گیا ہے۔ اسکے برعکس جو لوگ اس قانون کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں ان کے متعلق کہا ہے کہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (۱۹)۔ ”ان پر کسی قسم کا خوف و حزن نہیں ہوگا“۔ انہی کے متعلق کہا گیا ہے کہ ابلیس کا ان پر کسی قسم کا غلبہ و تسلط نہیں ہوگا (۲۰)۔

قرآن کریم میں ابلیس اور شیطان کو ایک ہی سکے کے دو رخ، اور ایک ہی حقیقت کے دو پہلو بتایا گیا ہے۔ مثلاً قصہ آدم میں دیکھئے۔ سجدے سے انکار۔ سرکشی و تکبر۔ ذریت آدم کو بہکانے کا چیلنج۔ سب ابلیس کی طرف سے ہے۔ لیکن اس کے بعد جب آدم کی لغزش کا ذکر ہے تو اسے شیطان

کیطرف منسوب کیا گیا ہے (فَاَزَلَهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا - ۲۶ - نیز دیکھئے ۱۱۱:۳۰؛ ۱۱۶:۲۰)۔ اس سے ظاہر ہے کہ ابلیس ایک خاص ذہنیت کا نام ہے اور جس انداز سے وہ ذہنیت کام کرتی ہے اسے شیطان کہہ کر پکارا گیا ہے۔ (شیطان کیلئے دیکھئے عنوان ش - ط - ن - نیز ان تمام اسور کی تفصیل کیلئے دیکھئے میری کتاب ”ابلیس و آدم“ جو سلسلہٴ معارف القرآن کی ایک کڑی ہے) ابلیس اور شیطان (ناامیدی و سرکشی) درحقیقت وہ موانع ہیں جو انسانی خودی کی نشوونما کی راہ میں حائل ہوتے ہیں۔ اگر انسانی خودی ان موانع پر غالب آکر اپنے استحکام کا ثبوت دیتی ہے تو سلسلہ ارتقاء میں اسکا قدم آگے بڑھ جاتا ہے۔ لیکن اگر یہ موانع اس پر غالب آجاتے ہیں تو وہ زندگی کی نچلی (حیوانی) سطح میں دب کر رہ جاتی ہے۔ زندگی درحقیقت ”ابلیس و آدم“ کی اسی کشمکش کا نام ہے۔ اسلئے آدم کے ساتھ ابلیس کا وجود ناگزیر ہے۔ مخالفت (Opposition) اور تصادمات (Clashes) کے بغیر انسانی ذات میں استحکام پیدا نہیں ہو سکتا۔ یا یوں کہئے کہ اسکی قوت و استحکام کا امتحان (Test) نہیں ہو سکتا۔ نہر کی مسلسل روانی کے لئے ٹھوکر (Fall) کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ کیا ٹھوکر کے پتھر، نہر کے پانی کے لئے بند بنکر اسے جوئےٴ رواں سے جوہڑ بنا دیتے ہیں۔ یا نہر کا پانی اپنے زور دروں سے ان پتھروں کو پھاند کر آگے نکل جاتا ہے؟ ایسے راستے تلاش اور اختیار کرنا جن میں پتھر نہ ہوں (یعنی مسلکِ رہبانیت و خانقاہیت) اپنی روانی کو اپنے ہاتھوں ختم کر لینا ہے۔ زندگی مسلسل جد و جہد (جہاد) کا نام ہے۔ یعنی ابلیس و آدم کی پیہم کشمکش کا۔

اوپر کہا گیا ہے کہ ابلیس (ناامیدی) اور شیطان (سُرکشی) ایک ہی سکہ کے دو رخ ہیں۔ علم النفس (سائیکا لوجی) کی تحقیقات حاضرہ اس نظریہ کی تائید کرتی ہیں کہ ناامیدی (Frustration) سے سرکشی کے جذبات (Aggressiveness) پیدا ہوتے ہیں۔ جب انسان دیکھتا ہے کہ وہ کچھ نہیں ہو رہا جو کچھ وہ چاہتا ہے تو اس میں غصہ ابھرتا شروع ہو جاتا ہے۔ اس غصے کو اگر وہ خود اپنے آپ کے خلاف نکالتا ہے تو یہ پریشانی (Worry) یا افسردگی و غمگینی (Gloominess) ہوتی ہے جس کی آخری شکل خودکشی (Suicide) ہے۔ جب اس غصہ کا مظاہرہ اس شخص یا شے کے خلاف ہو جو اس کی مایوسی کا باعث تھی تو اسے انتقام کہتے ہیں۔ لیکن اگر وہ اس سے انتقام نہ لے سکے تو غیر متعلقہ چیزوں کے خلاف اپنا غصہ نکالتا ہے۔ یہ ہانگل پن کی ابتدا ہوتی ہے۔ اس سے آپ نے دیکھ لیا کہ مایوسی اور سرکشی میں کسقدر گہرا تعلق

ہے، یہی تعاق ابلیس اور شیطان میں ہے۔ یہ انسان کی نفسیاتی کیفیات ہیں۔ قرآن ایسا معاشرہ قائم کرتا ہے جس میں افراد کیلئے مایوسی کے مواقع پیدا نہیں ہوتے۔ "لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ" (۲۱۳)۔ "اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو" وہاں کا معمول ہوتا ہے۔ اور یہ رحمت (سامانِ نشوونما) زندگی کے ہر شعبے کو محیط ہوتا ہے (وَأَرْحَمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ) (۲۱۶)۔ لہذا اس قرآنی معاشرہ میں ابدیت کسی پر غالب نہیں آسکتی۔ اسی لئے ابلیس سے کہا گیا ہے کہ "إِنِّي عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ" (۱۵۴)۔ "یقیناً میرے بندوں پر تیرا غلبہ نہیں ہو سکیگا"۔ نیز دیکھئے عنوانات (ق۔ ن۔ ط) اور (ی۔ ا۔ س)۔

## ب ل ع

بَلِّغْ - يَبْلُغُ\* - کسی چیز کو حلق سے نیچے اتار لینا۔ التَّمْبَلِغُ\* وہ جگہ جہاں سے کھانا حلق سے اتر کر سری میں جاتا ہے۔ التَّبْلُوعُ\* پینے کی چیز۔ التَّبْلُغَةُ\* - گھونٹ\*۔ نیز چکی کا دھانہ جس میں اناج ڈالا جاتا ہے\*\*۔ قرآن کریم میں طوفان حضرت نوحؑ کے متعلق ہے کہ اسکے بعد زمین کو حکم دیا گیا کہ ابْلِغِي مَاءَكَ كَيْ (۱۱۶)۔ "اپنا پانی نکل جا"۔ یعنی اسے جذب کر لے۔

## ب ل غ

بَلِّغِ الْمَكَانَ بَلُّوْغًا - وہ اس مقام تک پہنچ گیا۔ مفردات میں ہے کہ بَلُّوْغٌ\* اور بَلَاغٌ\* کے معنی مقصد کے آخری سرے تک پہنچ جانا ہیں خواہ یہ آخری حد مکانی ہو یا زمانی، یا کسی اندازہ کئے ہوئے معاملہ کی۔ لیکن کبھی محض قریب تک پہنچ جانے کیلئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ جیسے قرآن کریم میں ہے فَإِذَا بَلَغْتَ آجَلَ هُنَّ (۲۳۱)۔ یعنی جب وہ عدت ختم ہونے کے قریب تک پہنچ جائیں۔ انکی عدت کی مدت قریب الاختتام ہو\*۔ یعنی جب وہ مقررہ مدت کی آخری حد پر پہنچیں۔ التَّبْلَاغُ\*۔ کسی چیز کا اتنا کافی ہونا کہ اس کے ذریعہ انسان اپنے آخری مقصد تک پہنچ جائے اور اسے کسی اور سامان یا ذریعہ کی ضرورت نہ پڑے\*۔

التَّبْلُغَةُ\* - ہر وہ شے جس سے کسی مقصد تک پہنچا جائے۔ ہر وہ شے جو کسی مقصد تک پہنچانے کیلئے کافی ہو جائے\*۔

\* تاج - \*\* محیط -

عرب کے بادیہ نشین صحراؤں میں بھرتے رہتے تھے۔ پانی پران کی زندگی کا دار و مدار تھا۔ صحراء میں کہیں کہیں کنویں ہوتے تھے جن پر ڈول اور رسی رکھی رہتی تھی۔ لیکن گرم مقامات کے کنوؤں کا پانی ہمیشہ ایک سطح پر نہیں رہتا۔ اکثر نیچے اتر جاتا ہے جسکی وجہ سے ڈول کی رسی پانی کی سطح تک نہیں پہنچ سکتی۔ اس مقصد کیلئے یہ لوگ ہمیشہ اپنے ساتھ رسی کا ٹکڑا رکھتے تھے جسے ڈول کی رسی (الترشاء) کے ساتھ باندھ دیتے تاکہ ڈول پانی تک پہنچ جائے۔ اس رسی کے ٹکڑے کو التَّبْلِغَةُ کہتے تھے۔ یہاں سے تَبْلِيغٌ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی اگر ایک انسان اپنی ذاتی استعداد کی کمی کی وجہ سے کسی مفہوم تک نہیں پہنچ سکتا تو اسکی اس کمی کو اسطرح پورا کر دیا جائے کہ وہ اصل مقصد تک پہنچ جائے۔ لیکن اگر وہ اپنی رسی (الترشاء) کو استعمال ہی نہیں کرنا چاہتا تو خالی تَبْلِيغَةُ اسے پانی تک نہیں پہنچا سکتی۔ تبلیغ اسی کو فائدہ دے سکتی ہے جو اپنی عقل و بصیرت کو بھی کام میں لائے۔ مَبْلَغٌ آخری مقام جس تک کوئی پہنچ سکے (۵۳)۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو مَبْلَغٌ لِّلنَّاسِ (۱۲۴) کہا ہے۔ یعنی وہ ذریعہ جس سے انسانیت اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتی ہے اور اسکے ہونے ہوئے اسے کسی اور ذریعہ یا سامان کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ لہذا قرآن کیا ہے؟ انسانیت کو اسکی منزل مقصود تک پہنچانے کا کافی ذریعہ۔ لیکن یہ آنہی کو منزل تک پہنچا سکتا ہے جو اسکی اطاعت اختیار کریں۔ جو اس کے مطابق زندگی بسر کریں۔ اسلئے کہ اِنْ فِيْ هٰذَا لَتَبْلَغًا لِّقَوْمٍ عٰلِيْدِيْنٍ (۲۱۱)۔ ”یہ اسی قوم کیلئے بلاغ ہے جو قوانین خداوندی کی اطاعت اختیار کرے“۔ یہ چیز انسان کے اپنے اختیار پر چھوڑ دی گئی ہے کہ وہ قرآن کی بتائی ہوئی صحیح روش پر چلے یا کسی دوسری (غلط) روش پر۔ کسی کو کسی خاص روش پر چلنے کیلئے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ اگر مجبور کرنا ہوتا تو خدا انسانوں کو پیدا ہی اس انداز سے کر دیتا کہ وہ اس روش کے سوا کوئی دوسری روش اختیار نہ کر سکتے، جسطرح کائنات کی دوسری چیزیں قوانین فطرت پر چلنے کیلئے مجبور ہیں۔ اسلئے رسولوں کا کام پیغامات خداوندی انسانوں تک پہنچا دینا ہے۔ انہیں زبردستی ان پیغامات پر چلانا نہیں۔ فَهَسَلْ عَلٰی النَّرْسُلِ اَقْلًا التَّبْلِغُ التَّمِيْنُ (۲۱۱)۔ ”رسولوں کے ذمہ اسکے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ قانون خداوندی کو نکھار کر پہنچادیں۔“

بِتَابِلِغَةٍ - پہنچنے والی (۲۱۱)۔



انہیں یہ مواقع بہم پہنچادے کہ وہ دنیا کو بتا دیں کہ حکومت ملنے پر وہ کس قسم کے کام کرتے ہیں۔ سورۃ دخان میں بنی اسرائیل کے متعلق ہے کہ ہم نے انہیں اقوام عالم پر برگزیدگی عطا کی اور انہیں وہ کچھ دیا مافیہ۔ **بَلَّوْا امَّیْنٌ** (۳۳) جس میں ان کی نمود ذات کے مواقع تھے۔

ظاہر کر دینے کے معنوں میں یہ لفظ سورۃ الطارق میں آیا ہے جہاں کہا ہے **یَوْمَ تَبْلُغُ السِّرَّانِیْرَ** (۸۶) ”جس دن تمام چھپی ہوئی باتیں ظاہر ہو جائیں گی“۔ سورۃ آل عمران میں ہے **لِیُبْتَلِیْ اَللّٰهُ مَا فِیْ صُدُوْرِکُمْ** (۱۵۳) ”تا کہ اللہ ان باتوں کو ظاہر کر دے جو تمہارے سینوں میں تھیں“۔ سورۃ یونس میں **هٰنَالِیْکَ تَبْلُوْا کُلَّ نَفْسٍ مَّا اَسْلَمْتُمْ** (۱۰۸)۔ ”وہاں ہر شخص اپنے ان اعمال کو سامنے موجود دیکھیگا جو اسنے اس سے پہلے کئے تھے“۔ سورۃ المومنون میں قوم نوح کے احوال و کوائف بیان کرنے کے بعد کہا ہے **اِنْ کُنْتُمْ لَمُبْتَلِیْنِ** (۲۳) ”ہم (اقوام سابقہ کی ان سرگزشتوں کو اس طرح) ظاہر کرتے رہتے ہیں“۔

دنیا میں حق و باطل کی کشمکش جاری ہے۔ کشمکش میں زندگی کے مختلف پہلو بدل بدل کر سامنے آتے رہتے ہیں۔ کبھی مشقتوں کے ہمت آزما پہلو اور کبھی خوشگوار یوں کے سکون افزا پہلو۔ اس طریق کو بھی قرآن نے **اِبْتَلٰی** کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا سامنے آتے رہنا۔ سورۃ الفجر میں یہ مفہوم نمایاں طور پر سامنے آجاتا ہے (دیکھئے **۱۵۰-۱۶۰**)۔ اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان خود دیکھے، پرکھے کہ اسکی صلاحیتیں کس حد تک نشو و نما پا چکی ہیں۔ کیونکہ وہ مزاحمتوں کا مقابلہ اسی حد تک کر سکیگا جس حد تک اسی مضمحل قوتیں بیدار ہو چکی ہوں گی یہ حوادث جن سے اس کا مقابلہ ہوتا ہے درحقیقت اسکی نمود ذات کے مواقع ہوتے ہیں۔ یہ ہے مفہوم **اِبْتِلَاءٌ** کا۔ سورۃ بقرہ میں ہے۔ **وَ اِذْ اِبْتَلٰی اِبْرٰهٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ** (۱۲۴) ”جب اسکے نشو و نما دینے والے (رب) نے ابراہیمؑ کیلئے مختلف قوانین کے ذریعے اسی نمود ذات کے مواقع بہم پہنچائے“۔ جب قوانین خداوندی کے مطابق زندگی کے مختلف حوادث اسکے سامنے آئے تا کہ وہ دیکھ سکے کہ اسکی صلاحیتیں کس حد تک نشو و نما پا چکی ہیں۔ جس طرح ابراہیمؑ نے ان حوادث کا مقابلہ کیا (اسنے **Re-act** کیا) اس سے واضح ہو گیا کہ اسکی صلاحیتیں تکمیل تک پہنچ چکی تھیں۔ انکی پوری پوری نشو و نما ہو چکی تھی۔ **فَاَتَمَّہُنَّ** (۱۲۴)۔

ان مقامات سے واضح ہے کہ جس چیز کو ہم اِبْتِلَاءَ یعنی خدا کی طرف سے آزمائش کہتے ہیں وہ قرآنی تصور نہیں۔ خدا کسی کو آزماتا نہیں۔ وہ ایسے مواقع بہم پہنچاتا ہے جس سے انسان خود اپنی صلاحیتوں کو آزمائے اور دیکھے کہ وہ کس حد تک نشو و نما پا چکی ہیں۔ اور اس طرح اپنے آپ کا اندازہ کرتا ہوا اپنی صلاحیتوں کی مزید نشو و بالیدگی کیلئے کوشش کرتا جائے۔

سورة الدھر میں اِبْتِلٰی کے لفظ کو قرآن نے ایسے موقع پر استعمال کیا ہے جس سے مضمحل جوہروں کے محسوس شکل میں سامنے آ جانے کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انسان کی پیدائش، مرد اور عورت کے نطفہ کے امتزاج سے ہوتی ہے۔ نطفہ ایسے باریک جراثیموں پر مشتمل ہوتا ہے جو خوردبین کے بغیر نظر بھی نہیں آ سکتے لیکن انہیں جراثیموں میں پورے کا پورا انسانی بچہ چھپا ہوتا ہے۔ اس حقیقت کی وضاحت کیلئے قرآن کہتا ہے

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا (۱۰۰)۔ ”ہم نے انسان کی پیدائش (کی ابتدا) ایک ملے جلے نطفہ سے کی اور ایسا انتظام کیا کہ رحم سادر میں اس کے مضمحل جوہروں کی نمود ہوتی جائے تا آنکہ وہ ایک ستے اور دیکھنے والا انسانی بچہ بن جائے۔“

یہ ہے اِبْتِلَاءَ کا صحیح نقشہ۔ مضمحل جوہروں کا محسوس شکل میں سامنے آ جانا۔ ان کی نمود ہو جانا۔

## بلی۔ (حرف)

بلی۔ سوال نفی میں ہو اور اس سوال کی تردید مقصود ہو تو اس وقت بلی آتا ہے۔ مثلاً اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ؟ ”کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟“ یہ سوال نفی میں ہے۔ اسکا جواب ہے قَالُوا بَلٰی (۱۰۲)۔ ”انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں! تو ہمارا رب ہے۔“ یا مثلاً اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنْ اَنْتَا تَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ؟ ”کیا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں اور مخفی مشوروں کو سنتے نہیں؟“۔ بلی۔ کیوں نہیں۔ ہم ضرور سنتے ہیں۔ (۱۰۳)۔

(۲) یا سوال نہ بھی ہو، ویسے ہی نفی کی تردید مقصود ہو۔ جیسے

وَأَسْمُوا بِاللّٰهِ جِهْدًا اٰیْمَانِيْهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوتُ۔ یہ



اللہ کی قسمیں اور سخت قسمیں کہا کر کہتے ہیں کہ جو سزا جاتا ہے اللہ اسے زندہ نہیں کرتا۔ بئلی۔ یہ بالکل غلط کہتے ہیں۔ وَعَدَا عَلَيَّهِ حَقًّا (۱۳۸)۔ یہ اس کا وعدہ (قانون) ہے (کہ مرنے کے بعد زندگی ہوگی) جسکا پورا ہونا ضروری ہے۔ یہاں بئلی نے پہلے ٹکڑے کی تردید کر دی (نیز۔ ۲۸)۔ اسی طرح سورۃ بقرہ میں ہے کہ یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ جب تک کوئی شخص ان کی گروہ بندیوں میں داخل نہ ہو وہ جنت میں نہیں جا سکتا۔ اس کے بعد ہے۔ بئلی، مَن آسَلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ... (۲۱۲)۔ نہیں۔ یہ غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ جو شخص بھی اپنے آپ کو قانون خداوندی (قرآن) کے سامنے جھکا دے... وہ جنت میں جا سکتا ہے۔

## ب ل ی

بئلی یبئلی بلی التَّوْبُ - کپڑا پرانا اور خستہ ہو گیا۔ اس طرح پرانا ہو کر کمزور اور جھڑا ہو جانے والے کپڑے کو ببال کہا جائیگا۔ قرآن کریم میں ہے مَلِكٍ تَلَا يَبْلِي (۲۲۱)۔ ایسی حکومت جس میں زوال و انحطاط رونما نہ ہو۔ ایسی مملکت جو ہمیشہ تازہ بہ تازہ رہے اور اس میں کٹھنگی اور خستگی کے آثار پیدا نہ ہوں۔

زندہ رہنے اور حیاتِ دوام حاصل کرنے کی آرزو ہر انسان میں ہے۔ قرآن نے اپنے مخصوص تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے کہ ابلیس نے انسان کے اس جذبہ کو (Exploit) کیا اور اس سے کہا هَلْ اَدْرَاكَ عَمَلِي شَجَرَةً الْخُلْدِ وَمَلِكٍ تَلَا يَبْلِي (۲۲۱)۔ ”کیا میں تجھے ہمیشگی کے درخت کا اور ایک ایسی حکومت کا جو کبھی پرانی نہ ہو، پتہ نشان دوں؟“۔ اس کے بعد قرآن نے نہایت لطیف اشارے سے بتایا ہے کہ ابلیس نے کہا کہ حیاتِ جاوداں اولاد کے ذریعے حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس سے انسان کا نام روشن رہتا ہے۔ لیکن یہ ابلیسی فریب ہے۔ حیاتِ جاوید انسانی ذات کی نشوونما سے حاصل ہوتی ہے جس کیلئے قرآن نے خاص پروگرام دیا ہے (اس کو ایمان اور عمل صالح کہتے ہیں)۔ اولاد سے افزائش نسل ہوتی ہے۔ فرد کی ذات کی نشوونما نہیں ہوتی۔ لیکن جو لوگ حیوانی سطح پر زندگی بسر کرتے ہیں وہ اسی کو بقائے دوام سمجھ لیتے ہیں۔

## ب ن ن

بِنَ بِالْمَكَانِ - يَبِينُ\* - بِنْفًا - کسی جگہ اقامت کرنا - ٹھہر جانا -  
 أَبْتَتَتِ السَّحَابَاتُ\* - بادل چند دن تک جما رہا - تَبَتَّتَنَ\* - وہ جما رہا -  
 الْبِنَانُ\* - انگلیاں یا انگلیوں کے اطراف\* (پوربن اور بالائی سرے) اسلئے کہ  
 انگلیوں ہی سے انسان کسی چیز کو مضبوطی سے پکڑتا ہے - (حقیقت یہ ہے  
 کہ انگلیاں، بالخصوص انگوٹھا پختہ گرفت کرنے کے لئے ایک اہم اور قوی عضو  
 ہے جو انسان کو دیا گیا ہے) - لہذا انسانی قوت، قبضہ کرنے کی طاقت اور محکم  
 گرفت کیلئے اس لفظ کو بولا جاتا ہے - چنانچہ سورۃ انفال میں ہے وَأَخِيرُوا  
 مِنْهُمْ\* كَلَّ بِنَانِ (۱۴۱) - ”ان کے ہر بنان پر مارو“ - اسمیں اگرچہ  
 بِنَانُ\* کے معنی انگلیاں ہیں لیکن مراد اس سے ہر وہ شے ہے جس سے دشمنوں  
 کی طاقت اور گرفت کی قدرت وابستہ ہو - سورۃ قیامت میں ہے يَلْقَىٰ قَادِرِينَ\*  
 عَالِيَّ أَنْ نَسِيوِي بِنَانَهُ (۳۵) - ”ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ انسان  
 کے تمام اعضا یا قوتوں کو مکمل کر دیں - ہر اس چیز کو مکمل کر دیں جس سے  
 وہ دوسری چیزوں کی گرفت کرتا ہے - یعنی وہ تمام قوتیں جن سے انسانی اعمال  
 سرزد ہوتے ہیں - ابن فارس نے کہا ہے کہ بِنَانُ\* کے معنی ہاتھ پیر کے ہیں -

## ب ن ی (ب-ن-و)

بِنَاءُ\* کے معنی ہیں عمارت - جو چیز بھی تعمیر کی جائے - حتیٰ کہ  
 ان خیموں کو بھی کہتے ہیں جن میں بد و صحراؤں میں رہتے ہیں - نیز اسکے  
 معنی چھت کے بھی ہوتے ہیں - ابوحنیفہ کا قول ہے کہ بِنَاءُ\* درحقیقت ان  
 چیزوں کو کہتے ہیں جن میں قوتِ نمونہ ہو - یعنی (Inorganic) مثلاً  
 پتھر مٹی وغیرہ - بِنَاءُ\* معمار کو کہتے ہیں - نیز (Architect) کو بھی -  
 بِنَانُ\* بھی عمارت بنانے والے کو کہتے ہیں جسکی جمع بِنَانَةٌ\* ہے - بِنَانِيَّةُ\* پسلی کی  
 خمیدہ ہڈی کو بھی کہتے ہیں - بِنَانُ\* دیوار کو کہتے ہیں (بعض کا خیال ہے  
 کہ یہ جمع ہے) - اور بِنَانِيَّةُ\* طرز تعمیر کو - اَرْضُ\* مَبْنِيَّةُ\* اس زمین  
 کو کہتے ہیں جس پر عمارت بنائی جائے\*\* - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس  
 مادہ کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کے کچھ حصے کو دوسرے حصہ کے ساتھ  
 ملا کر بنانا -

ابن\* - بیٹے کو کہتے ہیں - کیونکہ وہ بھی اپنے باپ کی عمارت ہوتا ہے\* - یا اس لئے کہ اس میں کچھ حصہ باپ کا بھی شامل ہوتا ہے۔ اسکی جمع آبْنَاءٌ وَّ بَنُوْنَ، بَنِيْنَ ہے - بِنْتٌ بیٹی - (جمع بَنَاتٌ) بِنَاتٌ کے معنی ہیں کسی کو اپنا منہ بولا بیٹا بنالینا - نیز کسی چیز سے زیادہ ربط ضبط اور لگاؤ رکھنے والے، اور اس میں دلچسپی لینے والے کو بھی ابْنٌ کہتے ہیں - مثلاً ابْنٌ حَرْبٍ (جنگجو) - یا ابْنٌ السَّبِيلِ (مسافر)\* -

قرآن کریم میں ہے الْقَذِيُّ جَعَلَ لَكُمْ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَ السَّمَاءَ بِنَاءً (۲۲)۔ ”جس نے تمہارے لئے زمین کو نیچے بچھی ہوئی بنایا اور سما کو اوپر چھایا ہوا،۔ یہاں بِنَاءٌ بمقابلہ فِرَاشِ آیا ہے۔ فِرَاشِ نیچے بچھی ہوئی چیز کو کہتے ہیں اسلئے بِنَاءٌ کے معنی اوپر چھائی ہوئی چیز کے ہونگے - جیسے خیمہ - سورۃ نحل میں ہے فَآتَى اللّٰهُ بِنْيَاتِهِمْ مِّنَ السَّمَوَاتِ فَغَسَّرَ عَلَيْهِمُ السَّمَاءَ (۱۶) ”اللہ نے ان کی عمارتوں کو بنیادوں سے گرا دیا سوان کی چھتیں انکے اوپر آگریں،۔ یہاں بِنْيَاتٍ کے معنی عمارت ہیں جن کے نیچے بنیادیں ہوں اور اوپر چھتیں۔

قرآن کریم میں بنی اسرائیل کے قصہ میں آبْنَاءٌ بمقابلہ نِسَاءٌ آیا ہے۔ مثلاً (۱۴) میں ہے وَ يَذَّبِحُونَ آبْنَاءَ كُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَ كُمْ ”وہ تمہارے ابناء کو ذبح کر دیتے تھے اور تمہاری نساء کو زندہ رکھتے تھے، یہاں یا نو نِسَاءٌ کے معنی بیٹیاں ہونگے۔ لہذا آبْنَاءٌ کے معنی بیٹے۔ اور اگر نِسَاءٌ کے معنی عورتیں لئے جائیں تو آبْنَاءٌ کے معنی مرد ہونگے۔ ان معانی کی تائید (۱۵) سے بھی ہوتی ہے جہاں بَنِيْنَ (Males) کے مقابلہ میں اِنَاث (Females) آیا ہے۔ مجازی معنوں کے اعتبار سے آبْنَاءٌ کے معنی قوم کے معزز افراد ہونگے (ابنائے قوم)۔

(نیز دیکھئے عنوان ن-س-و)

سورۃ لقمان میں يَبْسِيْٓآَ اَيَا هٗ (۳۱) جس کے معنی ہیں ”اے میرے ننھے بیٹے،۔ یہاں بَسِيٌّ - ابْنٌ کی تصغیر ہے۔

## بنی اسرائیل

حضرت یعقوبؑ (حضرت ابراہیمؑ کے پوتے) کا لقب اسرائیل (یعنی مردِ خدا) تھا۔ آپ کی اولاد سے جو نسل آگے بڑھی، اسے بنی اسرائیل کہتے

ہیں۔ آپ کے چوتھے بیٹے کا نام یہودہ (Juda) تھا۔ یہودہ اور بن یاسین کی نسل کا قبیلہ، فلسطین کے علاقہ (Juda) میں حکمران تھا۔ اس قبیلہ کو اسی نسبت سے یہودی کہتے تھے اور باقی قبائل کو بنی اسرائیل۔ لیکن بعد میں عام طور پر یہ تفریق باقی نہ رہی اور بنی اسرائیل اور یہودی سے ایک ہی مفہوم لیا جانے لگا۔

حضرت یعقوب<sup>۳</sup> کا وطن کنعان (فلسطین) تھا لیکن جب حضرت یوسف<sup>۴</sup> مصر میں صاحب اقتدار ہو گئے تو انہوں نے اپنے والد اور تمام خاندان کو مصر بلا لیا۔ حضرت یوسف<sup>۴</sup> کی وجہ سے مصر میں اس قبیلہ کی بڑی تعظیم و تکریم ہوئی۔ چار سو برس تک یہ مصر میں رہے اور جو قبیلہ چند نفوس پر مشتمل تھا اس عرصہ میں ایک کثیر التعداد قوم بن گیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ انقلاب بھی آیا کہ فرعون<sup>۵</sup> مصر نے انہیں اپنا محکوم بنا لیا اور جو برتاؤ محکوموں کے ساتھ ہوتا ہے وہی ان کے ساتھ ہونے لگا۔ جب ان کی ذلت و پستی اتنا تک پہنچ گئی تو ان کی طرف حضرت موسیٰ<sup>۶</sup> مبعوث ہوئے جو انہیں فرعون کی غلامی سے نجات دلا کر پھر فلسطین کے میدانوں کی طرف لے گئے۔ یہ واقعہ قریب ۱۶۰۰ ق۔ م کا ہے۔ یہاں انہوں نے بڑا عروج حاصل کیا۔ ان میں حضرت داؤد<sup>۷</sup> اور حضرت سلیمان<sup>۸</sup> جیسے صاحب سطوت و شوکت نبی پیدا ہوئے۔ لیکن اس کے بعد اس قوم نے قوانین خداوندی سے سرکشی اختیار کر لی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تشتت و انتشار کے عذاب میں مبتلا ہو کر دن بدن کمزور ہوتی چلی گئی۔ ۵۹۹ ق۔ م میں بابل کے شاہنشاہ بنو کد نصر (بخت نصر) نے یروشلم (بیت المقدس) پر حملہ کیا اور یہودیوں کے اس ملی مرکز کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ انہیں قید کر کے بابل لے گیا اور وہاں ذلیل ترین زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا۔ (قرآن کریم نے یہودیوں کی اس پہلی تبعاعی کی طرف (۲۱) میں اشارہ کیا ہے)۔ قریب اسی سال تک یہ اس عذاب میں مبتلا رہے تا آنکہ فارس کے تین بڑے بڑے شاہنشاہ خورس (ذوالقرنین) دارا اور ارتخششتا یکے بعد دیگرے ان کی امداد کے لئے آمادہ ہو گئے۔ انہوں نے انہیں بابل کی قید سے رہائی دلا کر یروشلم کی دوبارہ آبادی اور ہیکل کی تعمیر کی اجازت دے دی۔ چنانچہ ۵۱۵ ق۔ م میں ہیکل دوبارہ تعمیر ہو گیا اور آوارہ وطن یہودی پھر اپنے ملی مرکز میں آباد ہو گئے۔ [قرآن نے اسکی طرف (۲۱) میں اشارہ کیا ہے اور (۲۹) میں اس سوسال کی "مدت" کو شمیلی انداز میں بیان کیا ہے۔

کچھ عرصہ کے بعد یہودیوں کی پھر وہی حالت ہو گئی۔ چنانچہ ۳۳۲ ق۔ م میں پہلے اسکندر نے ان پر حملہ کر کے ان کا شہرازہ بکھیر دیا اور پھر ۳۲۰ ق۔ م

میں بطلموس (Ptolemy) نے یروشلم پر قبضہ کر کے ان کی رہی سہی قوت کو بھی ختم کر دیا۔ انٹی گونس کے عہد میں یہ تمام علاقہ یونانیوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ اسکے بعد ۶۶ ق۔ م میں ہاپٹی (رومی) نے یروشلم کو تباہ کیا۔ ۵۱ ق۔ م میں ایک اور یورش نے ان کے وقار کو یکسر ختم کر دیا [قرآن کریم نے (۱۴۱) میں اس دوسری تباہی کی طرف اشارہ کیا ہے]۔

اس مقام پر فطرت نے انہیں باز آفرینی کا ایک اور موقعہ دیا اور ان میں حضرت عیسےؑ مبعوث ہوئے۔ لیکن ہیکل کے مشائخ و علما نے حکومت کے ساتھ مل کر آپ کے خلاف سازش کی اور اس طرح اپنی تباہی پر خود اپنے ہاتھوں مہر ثبت کر دی۔ ۷۰ ع میں رومیوں کے گورنر ٹائٹس نے ان پر آخری وار کیا جس سے (مرکزی حیثیت سے) ان کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ انسانکلو پیڈیا برٹانیکا کے الفاظ میں۔

۷۰ ع میں کی دسویں تاریخ کو ایسے خوف و ہراس کے عالم میں جس کی نظیر دنیا میں کہیں نہیں ملتی، سقوط یروشلم عمل میں آیا۔ ہیکل کو جلا دیا گیا اور اس طرح یہودی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

یہودیوں کے علما و مشائخ نے حضرت عیسےؑ کی مخالفت کیوں کی تھی اس کے متعلق انجیل برنباس کا یہ بیان قابل غور ہے۔ اس کتاب کی فصل ۱۳۲ میں لکھا ہے کہ

”تب ان لوگوں نے کاہنوں کے سردار کے ساتھ مشورہ کیا اور کہا، اگر یہ آدمی بادشاہ ہو گیا تو ہم کیا کریں گے۔ ہم پر یہ بڑی مصیبت ہوگی۔ اس لئے کہ وہ اللہ کی عبادت میں قدیم طریقہ کے مطابق اصلاح کرنا چاہتا ہے۔ اسوقت تو یہ ہمازی تقالید (رسومات) کو باطل کرنے کی قوت نہیں رکھتا۔ لیکن (اگر ایسے حکومت حاصل ہو گئی تو) اس کی حکومت کے ماتحت ہمارا کیا انجام ہوگا۔ یقیناً ہم اور ہماری اولاد سب تباہ ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ ہم اپنی خدمت سے نکال دئے جائیں گے تو ہم مجبور ہونگے کہ اپنی روٹی عطیہ کے طور پر مانگیں۔ حالانکہ اسوقت خدا کا شکر ہے کہ ہمارا بادشاہ اور ہمارا حاکم دونوں ہماری شریعت سے اجنبی ہیں اور ہماری شریعت کی کوئی پرواہ کرنے والے نہیں ہیں جیسا کہ ہم ان کی شریعت کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ اور اسی سبب سے ہم اسکی قدرت رکھتے ہیں کہ جو چاہے وہ کر لینگے۔ (اسوقت) اگر ہم غلطی کرتے ہیں تو ہمارا خدا رحیم ہے۔ قریبانی اور روزہ

کے ساتھ اسے راضی کر لینا ممکن ہے۔ مگر جبکہ یہ آدمی ہمارا بادشاہ ہو گیا تو ہرگز راضی نہ کیا جاسکتا مگر جب کہ اللہ کی عبادت ویسے ہی ہوتے نہ دیکھے جیسے موسیٰ نے لکھی ہے۔“

جس قوم کی یہ حالت ہو چکی ہو وہ اگر تباہی اور بربادی کے رسوا کن عذاب میں مبتلا نہ ہو تو اور کیا ہو؟ نبی اکرم ﷺ کے دور رحمت مآب میں ان کے لئے پھر ایک موقعہ آیا تھا کہ نظام خداوندی کے اتباع سے شرف انسانی کی سعادت حاصل کر لیں لیکن انہوں نے اپنی ضد اور تساوت قلبی کی بنا پر اس دعوت کی بھی انتہائی مخالفت کی اور بالآخر جزیرۃ العرب سے نکال دئے گئے (قرآن کریم نے اس کا ذکر (۵۹) میں کیا ہے) اس کے بعد یہ قوم ”آوارہ گرد یہودی“ (Wandering Jews) کے نام سے دنیا میں مشہور ہوئی تاآنکہ اب بعض طاقتور سلطنتوں کے سیاسی مصالح نے ان کے لئے فلسطین میں ”گھر“ بنا دیا ہے۔ (چونکہ یہ حصہ ہمارے موضوع سے خارج ہے اس لئے ہم اس مقام پر اس تفصیل میں نہیں جانا چاہتے)۔

اس مقام پر اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ یہودیوں کے ہاں مذہب نسلی (قومی) تھا۔ یعنی یہودی وہی ہو سکتا تھا جو یہودیوں کے گھر پیدا ہو۔ کوئی غیر بنی اسرائیلی یہودی مذہب اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ صرف یہ ایک بات ہی اس امر کے ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ یہ مذہب قطعاً وہ نہیں تھا جو ان کے انبیائے کرام کو خدا کی طرف سے ملا تھا۔ خدا کا دینا ہوا دین تمام نوع انسانی کے لئے ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب ساحرین دربار فرعون حضرت موسیٰ پر ایمان لائے ہیں تو آپ نے انہیں یہ کہہ کر رد نہیں کر دیا کہ خدا پر ایمان صرف بنی اسرائیل کے لئے ہے۔ تم اس دین میں داخل نہیں ہو سکتے۔ لیکن بعد میں یہودیوں نے اسے نومی دین بنا لیا۔ (بنی اسرائیل کے متعلق مزید تفصیل میری کتاب ”برق طور“ میں ملیگی)

## ب ه ت

بہت - حیرت زدہ ہو جانا۔ متحیر ہو کر خاموش ہو جانا۔ اَلْبَهْتُ۔ کسی کو اچانک پکڑ لینا۔ فَبَهْتِ اَلْبَيْدَى كَفَرًا (۳۵۸)۔ جس نے خدا کا انکار کیا تھا وہ اس دلیل قاطع کی گرفت میں اس طرح آ گیا کہ ششدر و حیران ہو کر خاموش رہ گیا۔ فَتَبَهَّتْهُمْ (۳۱) وہ انقلاب اس طرح اچانک آئیگا کہ

انہیں مبہوت کر دیگا۔ بھٹان کسی پر ایسا الزام لگا دینا جسے سنکر وہ ششدر و حیران رہ جائے۔ (۲۴)۔ یعنی لافک مبین۔ جھوٹی بات (۲۴)۔  
سورۃ ممتحنہ میں یہ لفظ (بھٹان) ہر عمل شنیع اور ناروا حرکت کے لئے آیا ہے جہاں کہا ہے وَلَا يَأْتِيَنَّ يَبْهُتَانَ يَفْتَرِينَهُ (۱۲) ”اور نہ کوئی بہتان باندھ لائینگی،“۔ یعنی کسی عمل شنیع کی مرتکب نہیں ہونگی۔

## ب ھ ج

الْبَهْجَةُ - حسن و جمال - نباتات میں ترو تازگی اور انسانوں میں خندہ روئی اور بشاشت کے لئے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ آلا بتهاج - خوشی اور سرور۔ تہاج القروض - باغ میں پھول بہت کھل گئے۔ سورۃ حج میں ہے - وَأَنْبَتَتْ مِنْ كَيْلٍ زَوْجٍ بَهِيْجٍ (۲۲) ”اور زمین ہر قسم کے ترو تازہ اور حسین و خوشنما پودے آگئی ہے،“۔ سورۃ نمل میں ہے - حَدَّائِقٍ ذَاتَ بَهْجَةٍ (۲۶) - ”حسین و خوشنما باغات،“۔

## ب ھ ل

أَبْهَلَ - اسے اسکی رائے اور ارادہ میں آزاد چھوڑ دیا۔ أَبْهَلَ النَّاقَةَ - اونٹنی کو تنہا باندھے بغیر چھوڑ دیا کہ جسکے جی میں آئے اسکا دودھ دوہ کرے جائے۔ یا بغیر سہار کے چھوڑ دیا کہ وہ جہاں سے چاہے چرتی رہے۔ اسْتَبْهَلَ الْوَالِيَّ الشَّرْعِيَّةَ - حاکم نے رعایا کو آزاد چھوڑ دیا کہ وہ جو جی میں آئے کرے\*۔ چنانچہ راغب نے کہا ہے کہ بھل کے اصلی معنی کسی چیز کا اس حال میں ہونا ہے کہ اسکی دیکھ بھال نہ کی جائے۔ اسے اسکی حالت پر چھوڑ دیا جائے۔ راغب نے آلا بتهال فنی الدعاء کے معنی کھل کر عاجزی سے دعا کرتے رہنا بھی لکھے ہیں\*\*۔ البهال من الهال - کے معنی تھوڑا سا مال ہیں۔ البهال تھوڑی سی حقیر چیز\*۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنوں میں پانی کی کمی کو بھی شامل کیا ہے۔

قرآن کریم میں یہ لفظ (۳) میں آیا ہے جہاں رسول اللہ سے کہا گیا ہے کہ اگر یہ اہل کتاب ان دلائل و براہین کے بعد بھی نہ مانیں تو ان سے کہو کہ ہم اور ہمارے اہل و خیال ایک طرف ہو جاتے ہیں اور تم اور

تمہارے اہل و عیال ایک طرف ہو جائیں۔ (تَمَّ تَبَّتْہِیلٌ)۔ اور اس طرح فَتَجْمَعُلْ لَعْنَتَ اللّٰہِ عَلٰی الْکٰذِبِیْنَ (۳۰)۔ اس کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ اس کے بعد تمہارے اور ہمارے درمیان یہ معاملہ ہونا چاہئے کہ تم ہمارے معاشرہ میں دخیل نہ ہو اور ہم تم لوگوں سے کچھ واسطہ نہ رکھیں (یعنی ایک دوسرے کو اس کی فکر و رائے میں آزاد چھوڑ دیا جائے) اور طرفین اپنی اپنی جگہ اپنا پروگرام مکمل کرتے جائیں۔ اس کے بعد یہ ہتہ چل جائیگا کہ کونسی جماعت خدا کی نوازشوں سے محروم (یعنی ملعون) ہو جاتی ہے، (لعنت کے یہی معنی ہیں) بس وہی اپنے دعویٰ میں جھوٹی ہوگی۔ یہ وہی بات ہے جسے دوسرے مقامات پر ان الفاظ میں کہا گیا ہے کہ وَ اَھْجُرْہُمْ ہَجْرًا جَمِیْلًا (۳۰)۔ (نیز فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِیْلَ (۸۵) ، ”نہایت عمدگی سے ان سے کنارہ کش ہوئے انہیں چھوڑ دے،“۔ اور اس کے بعد ان سے کہدے کہ اِعْمَلُوْا عَلٰی مَسٰکِنَتِکُمْ اِیْثٰی عَمِلْتُمْ فَتَسُوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَکُوْنُ لَہٗ عٰقِبَةُ الدّٰرِ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (۲۳۱)۔ ”تم اپنی جگہ کام کرتے جاؤ اور میں اپنی جگہ کام کرتا ہوں۔ نتائج خود بتا دینگے کہ آخر الامر کامرانی کس کے حصہ میں آتی ہے۔ اس سے خدا کے اس قانون کی صداقت واضح ہو جائیگی کہ ظالمین کی کھیتیاں کبھی ثمر بار نہیں ہوا کرتیں،“۔ یہی لعنة الله على الکاذبین ہے۔

رسول کے انقلاب آفرینی کے پروگرام میں پہلا مرحلہ تبلیغ کا ہوتا ہے۔ دوسرا مرحلہ ان لوگوں سے حسن کارانہ انداز سے کنارہ کشی کا ہوتا ہے جو اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر اس پیغام کی مخالفت کرتے ہیں۔ اس مرحلہ میں ان سے صرف اتنا کہا جاتا ہے کہ تم میرے پروگرام میں دخل نہ دو، میں تمہارے معاملات میں دخل نہیں دیتا۔ اسی کو سورۃ آل عمران میں تَبَّتْہِیلٌ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور تیسرا مرحلہ تصادم (ٹکراؤ) کا ہوتا ہے جب نتائج نکل کر سامنے آ جاتے ہیں۔ یعنی فلاح اور لعنت کے بتین طور پر سامنے آ جانے کا مرحلہ۔

## ب ہ م

اَلْبُہْمَۃُ - ٹھوس چٹان - اس سے اَلَا بُہْمٌ ٹھوس اور بند چیز۔  
گونگا۔ نیز غیر واضح۔ غیر فصیح کو کہتے ہیں۔ اور بُہْمَۃٌ مشکل معاملہ  
کو جو سمجھ میں نہ آسکے۔ اَلَا سُرٌّ اِبْہَامًا۔ معاملہ غیر واضح ہو



گیا اور سمجھ میں نہ آ سکا کہ اسے کس طرح نحل کیا جائے۔ - حَائِطٌ مَّبْهُمٌ\*۔  
اس دیوار کو کہتے ہیں جسم میں کوئی دروازہ نہ ہو\*۔ ابن فارس نے کہا ہے  
کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کا اس طرح ہو جانا کہ اسکی طرف جانے  
کا راستہ نہ ملے۔ یعنی غیر واضح اور مبہم ہو جانا۔

گوئگے عونے اور وضاحت سے کلام نہ کرسکنے کے اعتبار سے بَهَائِمٌ\*  
(واحد اَلْبَهِيْمَةُ) تمام بے عقل اور بے زبان جانوروں کو کہتے ہیں کیونکہ  
وہ بول نہیں سکتے یا انکی آواز میں ابہام ہوتا ہے اور اس سے بات سمجھ  
میں نہیں آسکتی۔ اس میں تمام جانور شامل ہوتے ہیں خواہ وہ دربا ہی  
میں کیوں نہ ہوں۔ لیکن صاحب محیط اور راغب دونوں نے لکھا ہے کہ  
درندے اور پرندے اسمیں شامل نہیں ہوتے\*۔ قرآن کریم نے کہا ہے اَحِلَّتْ  
لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يَتْلُو عَلَيْكُمْ (۱۰۶)۔ تمہارے لئے  
بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ حلال قرار دیئے گئے ہیں، بجز ان کے جنہیں خود وحی  
(قرآن) کی رو سے حرام قرار دیا گیا ہے۔ (۱۰۷)۔ اسکے مفہوم کیلئے (ن۔ ع۔ م  
کے عنوان میں اَنْعَامٌ\* دیکھئے)

## ب و ا

بَاءٌ - يَبُوءُ\*۔ بَوًّا\*۔ کے بنیادی معنی ہیں کسی کی طرف لوٹنا۔ رجوع  
کرنا۔ سواقی و مطابق ہو جانا۔ اقرار و اعتراف کرنا۔ بوجہ اٹھانا۔ برابر برابر  
ہو جانا\*\*۔ قرآن کریم میں ہے وَ بَاءُ وَا يَغْضَبُ مِنْ اَللّٰهِ (۲۰۶) "وہ  
اللہ کے غضب کے مستحق ہو گئے اور اسے لادے ہوئے پائے، وہ اپنے اعمال کی وجہ  
سے سزا کے مستوجب ہو گئے۔ انکے اعمال، اور ذلت و رسوائی کی عقوبت، ایک  
دوسرے کے ساتھ بالکل فیت (سواقی) ہو گئے۔

سورة المائدہ میں فرزند انِ اَدَمِ کے قصے میں کہا گیا ہے کہ مظلوم نے  
ظالم سے کہا لَنْبِيْ اَرِيْدُ اَنْ تَسْبُوْا بِيْ اَتَمِيْ وَا اَتَمِيْكَ (۲۰۶)۔  
"میں چاہتا ہوں کہ تو میرے قتل کے جرم اور اپنے دیگر جرائم کا بوجہ  
اٹھا لے،،۔ انکی سزا کا مستحق بن جائے۔

اَلْمَبَاۗءُ\*۔ جہنہ کو کہتے ہیں۔ نیز اس کے معنی ہیں مکان۔ قیام گاہ\*\*۔  
بَوًّا الْمَكَانَ : وہ کسی جگہ ٹھہرا، اترا۔ بَوًّا هُ الْعَنْبِيْزُ اَسْے کسی جگہ اتارا،  
ٹھہرایا۔ (لازم و متعدی)۔ نیز بَوًّا هُ مَسْتَبِيْرًا کے معنی ہیں اس کے لئے کسی

\* تاج۔ راغب۔ محیط۔ \*\* تاج

جگہ کو موافق و سازگار بنایا، ہمواز اور درست کیا \*\*\*۔ راغب نے بھی اس مادہ کے معنوں میں کسی جگہ کے اجزاء کا ہموار ہونا، سازگار و مناسب ہونا بتایا ہے۔ **بَوَّأَتْ لَهٗ مَسَکَاتَا**۔ میں نے اسکے لئے کسی جگہ کو ہموار و درست کیا \*\*\*۔ سورۃ حج میں ہے **وَإِذْ بَوَّأْنَا لَآئِنَا لِأَبْرَاهِيمَ مَکَانَ الْمَبِیَّتِ** (۲۲)۔ اسکے معنی یہ بھی ہیں کہ ابراہیمؑ کیلئے خانہ کعبہ کی جگہ کو متعین کیا، اسے ان کے لئے سازگار و ہموار کیا۔ اور یہ بھی کہ اس مقام کو ان کے لئے مرجع بنا دیا۔ **تَبَوَّأَ الْمَکَانَ** : کسی جگہ اترا اور وہاں اقامت کی \*\*\*۔ سورۃ حشر میں ہے **وَالَّذِیْنَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْأَیْمَانَ مِن قَبْلِهِمْ** (۹۱)۔ ”جن لوگوں نے ان سے پہلے مدینہ کو قیام گاہ بنا لیا اور ایمان کو اپنے دل میں محکم جگہ دے لی،“۔

## ب و ب

**بَابٌ**۔ داخل ہونے کی جگہ\* دروازہ، اسکی جمع **أَبْوَابٌ** ہے۔ مزارعت (کھیتی باڑی) میں ان جگہوں کو بھی **أَبْوَابٌ** کہتے ہیں جہاں سے پانی کھولا جائے \*\*\*۔

**هَذَا أَبْوَابُهُ**۔ یہ اسکے مناسب ہے۔ اس کے لائق ہے۔ یا اسکی شرط ہے\*۔

**أَبْوَابُ السَّمَاءِ** (۱۱۶)۔ خیر و برکت کی راہیں۔

**أَبْوَابُ جَهَنَّمَ** (۱۲۹)۔ جہنم کے طبقات۔ درجات (نیو ۳۱)۔ **أَبْوَابٌ کَیْلٌ شَیْئِی** (۱۲۴)۔ ہر طرح کی راحت کے اسباب و سامان۔

سورۃ بقرہ میں مکان کے دروازوں (**أَبْوَابٌ**) کے مقابلہ میں **ظُهُورٌ** رہتا (۱۸۹) ”پچھواڑے،“ آیا ہے۔

## ب و ر

**الْبُورُ**۔ غیر آباد زمین جس میں کھیتی نہ کی گئی ہو۔ ناقابل کاشت زمین۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی ہلاکت اور تعطل لکھے ہیں۔

**بَارِعْمَلَهُ**۔ اسکا عمل بیکار گیا \*\*\*۔ قرآن کریم میں ہے۔ **وَمَسْکَرٌ أُولَئِکَ هُوَ یَبُورُ** (۳۵)۔ ”انکی تدبیر بیکار جائیگی،“۔ بے نتیجہ رہ جائیگی۔

**بَارَتِ السُّوقُ** بازار بند پڑ گیا \*\*\*۔ قرآن میں ہے **تِجَارَةٌ لَّنْ تَبُورَ** (۳۵)۔ ”ایسی تجارت جو بندی نہ پڑے،“۔ جس میں خسارہ نہ ہو۔ **الْبُورُ**

\* تاج۔ \*\* محیط۔ \*\*\* تاج۔ محیط۔ راغب

نکمنے، بے فیض، نقصان اٹھانے والے، تباہ و برباد ہو جانے والے\*۔ وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا (۲۸)۔ ”وہ ہلاک ہونے والی قوم تھی،۔ اَلْبَوَارُ۔ تباہی، بربادی، مندا پن۔ بَوَارُ اَلْاَیْتِم۔ کنواری یا بیوہ لڑکی کا اس لئے گھر میں بیٹھا رہنا کہ اس کے لئے کوئی پیغام نہ آئے۔ قرآن کریم میں ہے۔ وَاحْتَلَسُوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ (۲۸)۔ وہ اپنی قوم کو ایسی جگہ لے آئے جہاں اس جنس کا سد کا کوئی گاہک نہ ہو۔ جہاں کوئی اس کی بات تک نہ پوچھے۔ جہاں اسے کوئی ”پیغام“ نہ دے۔ جہاں یہ سخت خسارہ میں ہو۔ جہاں اسکے لئے تباہی اور ہلاکت سامانی ہو۔ راہنماؤں کی غلط اندیشیوں اور مفاد پرستیوں سے قومیں ایسے ہی مقام میں پہنچ جاتی ہیں۔ اسے قرآن نے جَهَنَّمَ کہہ کر پکارا ہے (۲۹)۔ پوری آیات کا ترجمہ یہ ہے۔ ”کیا تو نے ان لوگوں کی حالت پر بھی غور کیا جنہوں نے نعمت خداوندی کی جگہ کفر اختیار کر لیا اور اپنے کاروانِ ملت کو اس منڈی میں جا اتارا جہاں اس جنس کا کوئی خریدار نہ ہو۔ یعنی جہنم میں۔ اور اس میں وہ داخل ہو گئے۔ اور وہ بہت بری جگہ ٹھہرنے کی ہے،۔ جو لیڈر، نعمائے خداوندی کی قدر نہیں کرتے وہ اپنی قوم کو تباہی اور بربادی کے جہنم میں لے آتے ہیں جہاں لیڈر اور ان کے متبعین، سب تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ قرآن کریم نے ”جہنم“ میں لیڈروں اور ان کے متبعین کے باہمی مکالمات بڑی تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ یہ مقامات بڑے عبرت انگیز ہیں۔ (دیکھئے) (۱۶) و (۳۳) و (۳۲) و (۳۹) و (۲۰) و (۳۸)۔

## ب و ل

آبَالُ\*۔ وہ حالت جسکے متعلق کچھ فکر یا پرواہ کی جائے۔ گراقتدر اور مہتمم بالشان معاملہ جس میں جی اٹکارھے۔ انسان کا دل۔ دل میں گزرنے والا خیال۔ نیز آرزو اور تمنا\*۔ سورة یوسف میں ہے مَا بَالُ الْيَتْسُوۡةِ (۲۲)۔ ”ان عورتوں کی حالت کیا ہے،۔ ان کا معاملہ کیا ہے۔ بَالُ کہنے سے مطلب یہ ہے کہ اس معاملہ کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ حضرت یوسف کو اسکی فکر تھی۔ سورة محمد میں ہے وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ (۲۴)۔ ”خدا ان کے حالات اور معاملات کو سنوار دیگا،۔“

## ب ی ت

بَیۡتٌ\*۔ راعب نے کہا ہے کہ بَیۡتٌ اصل میں اس جگہ کو کہنے میں جس میں انسان رات میں پناہ لے۔ لیکن اسکے بعد یہ لفظ گھر اور مکان کے معنوں میں استعمال ہونے لگا\*\*۔

\*ناج۔ محیط۔ راعب۔ \*\*راعب۔

بَيْتُ الرَّجُلِ آدمی کی بیوی نیز اس کے بال بچوں کو کہتے ہیں۔  
 اور اَلْبَيْتُ شَرَفٌ کو\*۔ اَلْبَيْتُ کے معنی شادی کرنا بھی ہیں\*۔  
 بات - بَيْتٌ رات بھر کوئی کام کرنا۔ اسکے معنی سونا اور آرام  
 کرنا نہیں ہیں۔ لیکن زجاج نے کہا ہے کہ ہر وہ شخص جو کہیں رات  
 گزارے اسکے لئے بات کہنا صحیح ہے خواہ وہ رات کو سوئے یا کام کرے۔  
 بَيْتٌ لَمْ يَمُرْ کے معنی ہیں کام کی تدبیر رات کے وقت کرنا۔ یا کام کو رات  
 کے وقت کرنا۔ بَيْتُ الْقَوْمِ قوم پر رات کے وقت حملہ کرنا\*۔ اَلْبَيْتُ  
 غذا۔ اَلْبَيَاتُ - باسی (جو تازہ نہ ہو)\*\*۔

سورة بقرہ میں اَلْبَيْتُ خانہ کعبہ کیلئے آیا ہے (۱۲۵)۔ سورة الفرقان  
 میں يُبَيِّشُونَ (۲۵) راتوں کو مشورہ کرنے کے معنوں میں آیا ہے یا رات  
 گزارنے کے معنوں میں۔ اور (۲۹) میں یہ لفظ رات کے وقت حملہ کرنے کے  
 معنوں میں آیا ہے۔

بَيَاتًا (۳۰) راتوں رات۔

## ب ی د

بَادٌ - يَبِيدُ - کسی چیز کا جائے رہنا۔ ختم ہو جانا۔ ہلاک ہو  
 جانا۔ بَادَتِ الشَّمْسُ بَيُودًا - آفتاب غروب ہو گیا۔ اصل میں اَلْبَيْدَاءُ  
 لِق و دق جنگل یا صحرا کو کہتے ہیں جس میں سفر کرنا موجب ہلاکت ہو۔  
 بَادَ الشَّيْءُ کے معنی ہیں وہ چیز متفرق اور منتشر ہو گئی۔ اسی سے اسکے  
 معنی جاتے رہنے اور برباد ہو جانے کے آتے ہیں۔ اَبَادَهُ اللهُ - خدا نے اسے  
 ہلاک کر دیا\*\*\*۔ سورة کہف میں ہے مَا ظَنُّنَا أَنْ تَبِيدَ هَذِهِ أَبَدًا  
 (۱۸)۔ "میں گمان تک نہیں کرتا تھا کہ یہ کبھی برباد ہوگا،"۔ اَلْبَيَادُ  
 ہلاک ہونے والا\*\*۔

## ب ی ض

أَلَا بَيْضٌ - سفید۔ (جمع بَيْضٌ اور مؤنث بَيْضَاءُ)۔ اَلْبَيْضُ - سفیدی۔  
 یہ اَسْوَدٌ اور سَوَادٌ کی ضد ہے\*۔ چونکہ عربوں کے ہاں بَيْضٌ افضل  
 ترین رنگ تھا اسلئے وہ فضل و کرم اور عمدہ خصائل کو بیاض سے تعبیر کرتے  
 تھے۔ چنانچہ جو شخص کسی عیب کے ساتھ آلودہ نہ ہو وہ اَبْيَضٌ التَّوَجُّهَ

\*تاج - \*\*محیط - \*\*\*تاج و راغب -

کہلاتا تھا\*\* - نیز اس سے مراد زندگی کی بشارت اور شگفتگی ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے **يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌُ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌُ** (۱۰۰) ”جس دن کچھ چہرے سفید ہونگے اور کچھ چہرے سیاہ،، - اس میں **تَبْيَضُّ** سے مراد زندگی کی مسرتیں حاصل ہونا ہیں، جس طرح **تَسْوَدُّ** سے مراد حزن و غم ہے\*\* - **الْبَيْضَةُ** - انڈا - نیز ہر چیز کی اصل اور مقام - اجتماع - اجتماعی قوت - بنیاد - مقام - حکومت و تسلط - جماعت - قبیلہ\* - **آيَةُ الْبَيْضَاءِ** - وہ حجت جس پر دلیل و برہان قائم ہو - یعنی روشن اور واضح دلیل - نیز وہ ہاتھ جو کسی کو کچھ دیکر احسان نہ جتائے - جو بلا سوال دے\* - صاحب محیط نے اسکے معنی لکھے ہیں نعمت - قدرت - فخر - جودت - شہرت\*\* - قرآن کریم میں، حضرت موسیٰؑ کے قصے میں ”**يَدِ بَيْضَاءِ**، کا ذکر متعدد مقامات میں آیا ہے (مثلاً **۱۰۰** و **۲۲** و **۲۳** و **۲۴**) اس کے مجازی معنی روشن اور واضح دلائل کے ہیں - صاحب لطائف اللغة نے بھی ان معانی کی تائید کی ہے -

قرآن کریم نے جتنی عورتوں کے متعلق کہا ہے **كَاتِفِهِنَّ بَيْضٌ مَّكَتُونٌ** (۳۹) یوں سمجھو جیسے وہ محفوظ رکھے عورتے ”انڈے،، ہیں - سفید - شفاف - بے داغ - گوہر آبدار - **كَاتِفِهِنَّ الْيَتَامُونَ وَالْمَرْجَانُ** (۵۸) - ”گو یا وہ یا قوت اور مرجان ہیں،، - وہ عفت مآب جنہیں (شادی سے قبل) کسی نے چھوا تک نہ ہو (۵۹) - عفت و عصمت اور شرف و مجد کی مالک خواتین -

**ابْيَضَّتْ** یا **بَيَضَّتْ** کے معنی ہیں بھر جانا - آنکھوں میں آنسو بھر جانا - **ابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ** - اسکی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں\*\*\* - سورۃ یوسف میں حضرت یعقوبؑ کے متعلق ہے **وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ** (۸۴) - اسکے یہی معنی ہیں - یعنی غم کی وجہ سے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری رہتی تھیں -

## ب ی ع

**بَاعَ** - **بَيَّعَ**\* - **بَيْعًا** - کسی چیز کو فروخت کر دینا یا خرید لینا - دونوں معنوں میں آتا ہے -  
\* **تاج** - \*\* **محیط** - \*\*\* **رازی** -

سورة بقرہ میں ہے یَوْمَ لَا يَبِيعُ فِيهِ (۲۵۳) ”جس دن خرید و فروخت نہیں ہوگی“ اسی سورة میں آگے چل کر ہے۔ وَ أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الشِّرْبُ (۲۵۵) ”خدا نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور رِبُو کو حرام ٹھہرایا ہے۔“ آگے چل کر (جہاں لین دین کے معاملات کے متعلق احکام دئے گئے ہیں) کہا گیا ہے کہ أَنْ تَكُونُ تِجَارَةً حَاضِرَةً (۲۸۲) ”نقد تجارت کی صورت میں لکھنے کی ضرورت نہیں“ وَ أَشْهَدُ وَإِذَا تَبَايَعْتُمْ (۲۸۴) ”جب باہمی بیع کا معاملہ ہو تو اس پر گواہ ٹھہراؤ،۔ (اور لکھو بھی۔ سابق سے مترشح ہوتا ہے کہ یہاں اس خرید و فروخت کی طرف اشارہ ہے جو نقد نہ ہو) اس سے معلوم ہوا کہ تجارت اور بیع میں فرق ہے۔ اس کی تائید سورة نور سے بھی ہوتی ہے جہاں کہا گیا ہے رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ (۲۴۲)۔ ایسے لوگ جنہیں تجارت اور بیع اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی“۔ اَجْكَل کی اصطلاح میں ان دونوں میں فرق یہ سمجھئے کہ بَيْعٌ تو عام خرید و فروخت کو کہتے ہیں ”تجارة“ اسے جسے انگریزی میں (Trade or Commerce) کہتے ہیں\*۔ یا تجارت، پیشہ ورانہ سوداگری کو کہتے ہیں اور بَيْعٌ میں عام تبادلہ اشیاء آجائیکا۔

اس آیت کو پھر سامنے لائیں جس میں کہا گیا ہے کہ ”خدا نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور رِبُو کو حرام“۔ (۲۵۵) ”رِبُو“ کے متعلق گفتگو متعلقہ عنوان میں کی جائیگی۔ یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ قرآن کریم کی رو سے ”بیع“ کسے کہتے ہیں۔ ہمارے ہاں عام تصور یہ ہے (اور اسی کے مطابق عمل بھی ہوتا ہے) کہ بیع، یعنی خرید و فروخت میں جس قدر منافع لے لیا جائے وہ جائز ہے۔ یہ صحیح نہیں۔ سورہ تطفوف میں ہے۔ وَيَلْ لِلْمُطَفِّفِينَ۔ الَّذِينَ إِذَا كَانُوا بِأَيْمَانِ النَّاسِ يَسْتَخْفُونَ (۸۳)۔ اس کا عام ترجمہ یہ ہے۔ ”تباہی ہے ان کے لئے جو کمی کرتے ہیں۔ یعنی ان کے لئے کہ وہ جب دوسروں سے لیتے ہیں تو پورا ماپ لیتے ہیں۔ اور جب دوسروں کو ماپ یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں“۔ ان آیات کا یہی مفہوم نہیں کہ ”ماپ تول پورا رکھنا چاہئے“۔ یہ آیات، قرآنی نظام معیشت کے ایک بہت بڑے اصول کو بیان کرتی ہیں۔ ہمارے ہاں ہوتا یہ ہے کہ (مثلاً) ایک

کاریگر جوتا بنا کر دوکاندار کے پاس لاتا ہے۔ دوکاندار کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اسے کم سے کم دام دیکر جوتا خریدے۔ پھر جب اسی جوتے کا گاہک آتا ہے تو دوکاندار اس سے زیادہ سے زیادہ دام وصول کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ وہ تاجرانہ ذہنیت ہے جسے قرآن کریم نے تباہی کا موجب بتایا ہے اور اس کمائی کو ”تطفیف“ کہہ کر پکارا ہے۔ یہ دوکاندار، کاریگر کو کم از کم دام کیوں دیتا ہے؟ یا یوں کہئے کہ کاریگر، کم از کم داسوں پر اپنی چیز بیچنے پر کیوں مجبور ہو جاتا ہے؟ اس لئے کہ اس کے پاس ”سرمایہ“ نہیں۔ لہذا یہ ”منافع“ (جو اس طرح گاہک سے وصول کیا جاتا ہے) سرمایہ پر بڑھتی ہے جو جائز نہیں ہو سکتی۔

اب سوال یہ ہے کہ دوکاندار کو کس قدر منافع لینا جائز ہے۔ اس کا جواب آسان ہے۔ دوکاندار ایک تو سرمایہ لگاتا ہے۔ اور دوسرے دن بھر دوکان پر بیٹھ کر محنت کرتا ہے۔ قرآن کے رسم کی رو سے اصول یہ ہے کہ لَيْسَ لِيْلَا نِيسَانِ اِلَّا مَا سَعَى (۳۳/۳۳) ”انسان کے لئے وہی ہے جس کے لئے وہ محنت کرے“۔ لہذا یہ دوکاندار اپنی محنت (Labour) کے معاوضہ کا حقدار ہے۔ سرمایہ پر زیادہ لینے کا حقدار نہیں۔ اس کے لئے یہ مقرر ہونا چاہئے کہ اس دوکاندار کی دن بھر کی محنت کا معاوضہ کیا ہونا چاہئے۔ وہ اس کاروبار میں سے اس سے زیادہ نہیں لے سکتا۔ یعنی وہ گاہک سے ”رأس المال + اپنی محنت“ لے سکتا ہے۔ معاشیات میں قرآن کریم کا اصول یہ ہے کہ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تَظْلَمُوْنَ (۲۴۹) ”نہ تم کسی کو نقصان پہنچاؤ۔ نہ تمہیں نقصان پہنچایا جائے“۔ نہ تم کسی پر زیادتی کرو۔ نہ تم پر زیادتی کی جائے۔ ربوٰ میں چونکہ محنت کچھ نہیں ہوتی۔ صرف سرمایہ پر بڑھتی لی جاتی ہے، اسلئے اس میں صرف رأس المال کا واپس لینا جائز ہے (۲۴۹)۔ اور بیع میں چونکہ ماتہ محنت بھی ہوتی ہے اسلئے اس میں رأس المال اور محنت کا معاوضہ لینا حلال ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ یہ صورت بھی اسوقت تک ہوگی جب تک قرآن کا معاشی نظام اپنی مکمل شکل میں قائم نہیں ہوتا۔ اسوقت تمام افراد کی ضروریات زندگی کی ذمہ داری معاشرہ (مملکت) پر ہوگی اور اشیاء کے تبادلہ میں منافع لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔

لہذا جس کاروبار میں صرف سرمایہ سے آمدنی ہو جائے اسلامی معاشرہ میں وہ جائز نہیں ہوگا۔ بیع اور ربوٰ میں فرق یہ ہے کہ بیع میں سرمایہ کے ساتھ محنت بھی ہوتی ہے اور ربوٰ میں فقط سرمایہ ہوتا ہے۔ بیع میں محنت کا معاوضہ لیا جا سکتا ہے۔

بیع کے معنی باہمی معاہدہ کے بھی ہوتے ہیں\*۔ قرآن کریم کی رو سے مؤمن اور اس کے خدا کے درمیان خرید و فروخت کا معاملہ ہوتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ ان اللہ اشترکنا من المؤمنین انفسہم و أموالہم بان لہم الجنة (۱۱۱) ”بے شک اللہ نے مومنوں سے انکی جانوں اور مالوں کا سودا جنت کے عوض کر لیا ہے“۔ ظاہر ہے کہ اس معاہدہ کی رو سے نہ مال افراد کی ذاتی ملکیت میں رہتا ہے، نہ وہ اپنی جان کے آپ مالک ہوتے ہیں۔ یہ دونوں ان کے پاس بطور امانت رہتے ہیں۔ ان کے معاوضہ میں انہیں اس دنیا میں بھی جنتی زندگی دیدی جاتی ہے اور آخرت میں بھی (تفصیل میری کتاب ”نظام ربوبیت“ میں ملیگی)۔ عملاً یہ معاہدہ اس نظام کے مرکز کے ساتھ ہوتا ہے جو دنیا میں خدا کے قوانین کو نافذ کرنے کے لئے متشکل ہوتا ہے (سب سے پہلے رسول اللہ کے ساتھ اور حضور کے بعد خلافت علی منہاج رسالت کے ساتھ جو ہمیشہ قائم کی جاسکتی ہے) یہی وہ معاہدہ ہے جو شروع میں اسلام لاتے وقت کیا جاتا ہے، جیسا کہ سورۃ ممتحنہ میں آیا ہے یا یثہا القبیسی اذ آجاءک المؤمنت یثا یدعتک.... (۱۲) ”اے نبی جب مومن عورتیں تیرے پاس اس معاہدہ کے لئے آئیں“۔ اور جس کی تجدید اس وقت ہوتی ہے جب اس نظام کو سخت مشکلات کا سامنا ہو اور جماعت مؤمنین کو سر بکف میدان میں نکل آنا پڑے۔ یہ وہ بیعت تھی جو جماعت مؤمنین نے حدیبیہ کے مقام پر کی تھی اور جس کا ذکر سورہ فتح میں ان الفاظ میں آیا ہے۔ ان الذرین یثا یثا یدعتک اقمما یثا یثا یدعتک یدت اللہ فوق ایدرتہم (۱۰)۔ ”جو لوگ تنجید سے بیعت (معاہدہ) کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے معاہدہ کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھ پر (بظاہر تمہارا ہاتھ لیکن درحقیقت) اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے“۔ آپ نے دیکھا، کہ جو معاہدہ خدا کے ساتھ کیا جاتا ہو اسکی عملی شکل کیا ہوتی ہے؟ یعنی وہ معاہدہ اس نظام کے مرکز کے ساتھ کیا جاتا ہے جو قوانین خداوندی کی بنیادوں پر قائم ہو۔ یہ تھی وہ بیعت جو جان اور مالی، یعنی سب کچھ دیکر جنت لینے کے لئے کی جاتی تھی۔ لیکن جب دین، مذہب، خانقاہیت میں بدل گیا تو بیعت سے مفہوم رہ گیا ”پیری سریدی کی بیعت“!

یا وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل

یا خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات

وہ مذہب سردان خود آگہ و خدا مست

یہ مذہب سلا و نباتات و جمادات (اقبال)



الْبَيْعَةُ - یہود کا کنیسہ یا نصاریٰ کی عبادت گاہ\* (۱۱۱)۔ صاحب لطائف اللغہ نے کہا ہے کہ کنیسہ یہودیوں کی عبادت گاہ کو کہتے ہیں اور الْبَيْعَةُ نصاریٰ کی -

## ب ی ن

الْبَيْنُ - جدائی، الگ الگ کرنا یا ہونا (لازم و متعدی) بعض لغویین کا خیال ہے کہ اس میں جدا ہونے اور ملنے کے متضاد معنی پائے جاتے ہیں، لیکن یہ خیال کمزور سا ہے۔ اس کا صحیح استعمال 'فصل' (الگ الگ کرنے) کیلئے ہوتا ہے۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی یہی لکھے ہیں۔ الْبَيْنُ دو زمینوں کے درمیانی فاصلہ یا حد کو کہتے ہیں۔ بَاؤُوا بَيْنًا - وہ جدا ہو گئے۔ بَانَ الْقَشِي - وہ چیز منقطع ہو گئی۔ ضَرَبَهُ فَابَانَ رَأْسَهُ - اسے مارا اور اسکا سر اس کے جسم سے الگ کر دیا۔ طَلَاقٌ بَيْنٌ - اس طلاق کو کہتے ہیں جس کے بعد میاں بیوی کے تعلقات منقطع ہو جائیں\*۔ (واضح رہے کہ یہ ایک قصی اصطلاح ہے۔ قرآن کی رو سے طلاق رشتہ، سناکت کو منقطع کر دینے کے فیصلہ کا نام ہے دیکھئے عنوان ط - ل - ق) بَيْنٌ - دو چیزوں کے وسط اور درمیان کو کہتے ہیں\*

الْبَيَانُ کے معنی ہیں کسی چیز کا کھل کر سامنے آجانا، واضح ہو جانا، نمودار ہو جانا۔ (اس میں لازم اور متعدی دونوں معنی پائے جاتے ہیں)۔ بَيْنُ الشَّجَرِ - درخت کے پتے نکل آئے۔ یا جو چیزیں سب سے پہلے نمودار ہوتی ہیں (شگوفے وغیرہ) وہ نمودار ہو گئیں۔ بَيْنُ الْقُرْآنِ - سینگ نکل آیا۔ صاحب محیط کے نزدیک وہ ذلیل وغیرہ جس سے کوئی چیز آشکارا اور واضح ہو جائے بَيَانٌ کہلاتی ہے\*\*۔ قرآن کریم میں تَبْيِيْنٌ بمقابلہ كِتْمٍ آیا ہے (۱۸۶:۱۵۹) کِتْمٌ کے معنی ہیں کسی چیز کو چھپا دینا۔ لہذا تَبْيِيْنٌ کے معنی ہونے کسی چیز کا ظاہر کر دینا۔ نمایاں کر دینا۔ دوسری جگہ یہ لفظ اخْبَانٌ (چھپانا) کے مقابلہ میں آیا ہے (۱۵)۔ اسی جگہ قرآن گو کِتَابٌ سُبْرٰنٌ (۱۵) کہہا گیا ہے۔ حقائق مستورہ کو ظاہر کرنے والا ضابطہ حیات۔ یا وہ ضابطہ حیات جو کھلے کھلے حقائق اپنے اندر رکھتا ہے۔ جن حقائق کا تعلق دنیائے محسوسات سے ماوراء ہے انکا معلوم کر لینا انسان کے بس کی بات نہیں۔ وہ انسانی عقل کے دائرہ سے باہر ہوتے ہیں۔ انہیں خود خدا وحی کے ذریعے رسول پر

منکشف کرتا ہے۔ اس طرح حقیقت کو منکشف کر دینے کا نام تَبْيَانٌ ہے۔ اسی لئے قرآنی حقائق کو بَيِّنَاتٌ کہا گیا ہے۔ یعنی وہ حقیقتیں جنہیں خدا نے خود ظاہر کیا ہے۔ اگر وہ انہیں بَيِّنَاتٌ (ظاہر) نہ کرتا تو وہ مستور ہی رہتیں۔

یہاں تک اس مرحلہ کا ذکر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ان مستورہ حقائق کو بذریعہ وحی نبی اکرمؐ پر منکشف کیا۔ اب اگلا مرحلہ دیکھئے۔ اور وہ بھی بہت اہم ہے۔

قرآن کریم کی رو سے خدا کی طرف سے انسانوں پر انکشاف حقیقت کا ایک ہی طریق ہے جسے وحی کہتے ہیں۔ اور وحی، حضرات انبیاءؑ کرامؑ کے لئے مخصوص تھی۔ لیکن انسانی ذہن نے غیر از انبیاءؑ پر بھی انکشاف حقیقت کا تصور پیدا کر لیا اور اسے کشف والہام کا نام دیدیا (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ل. ۵ م.)۔ اور کشف والہام کے متعلق یہ عقیدہ پیدا کر لیا کہ اس سے صرف وہی شخص کیف اندوز ہو سکتا ہے جس پر حقائق منکشف ہوں۔ انہیں دوسروں تک منتقل نہیں کیا جا سکتا۔ ”ذوق این بادہ ندانی بخدا تانہ چشی“ اور ”کاترا کہ خبر شد خبرش باز نیاید“، وغیرہ قسم کے اقوال اسی عقیدہ کے مظہر ہیں۔ قرآن نے کہا ہے کہ یہ عقیدہ غلط ہے۔ خدا کی طرف سے کشف حقیقت سے مقصود ہی یہ ہے کہ اسے دوسرے لوگوں پر بھی ظاہر کیا جائے۔ یہ انکشاف حقائق ایک فرد (رسول) کے ذریعے تمام انسانوں کے لئے کیا جاتا ہے لہذا اس فرد (رسول) کا فریضہ ہے کہ اسے دوسروں پر ظاہر کرے۔ اور جن پر اسے ظاہر کیا جائے ان کا فریضہ یہ ہے کہ غور و فکر سے اسے سمجھیں اور پھر دوسروں پر اس کا اظہار کریں۔ یہی وہ عظیم حقیقت ہے جسے سورۃ نحل میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ ”وَآءَنزَلْنَا اِلَيْكَ الْوَحْيَ كَثْرًا لِّتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نَزَّلْنَا اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ“ (۱) ”اور ہم نے اس ضابطہ، قوانین کو تیری طرف نازل کیا ہے تاکہ جو کچھ لوگوں کی طرف نازل کیا گیا ہے تو اسے لوگوں پر ظاہر کر دے اور تاکہ وہ اس میں غور و فکر کریں“، (نیز ۱۶۱)۔ یعنی قرآن نے یہ کہا ہے کہ۔

(۱) خدا نے رسول کی طرف کتاب نازل کی۔ (آءَنزَلْنَا اِلَيْكَ)

(۲) لیکن یہ کتاب درحقیقت تمام انسانوں کی طرف نازل کی گئی ہے

(مَا نَزَّلْنَا اِلَيْهِمْ)۔ اس لئے

(۳) رسول کا فریضہ ہے کہ اسے (اپنے تک ہی محدود نہ رکھے، جیسا کہ

کشف والهام کے غلط تصور کی بنا پر سمجھا جاتا تھا) بلکہ اسے لوگوں پر ظاہر کر دے۔ (لَتُبَيِّنَنَّ لِلنَّاسِ)۔ اسے ان تک پہنچا دے۔ (بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ... ۱۵۰)۔

(م) جو لوگ اسے چھپاتے ہیں ان پر خدا کی لعنت ہے۔ چنانچہ سورۃ بقرہ میں کہا گیا ہے۔ "إِنَّ الْقَذْرَيْنِ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنْ آيَاتِنَا لِيُبَيِّنَنَّ لَهُمْ مِنْ أُمَّةٍ مِمَّنْ سَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ" (۱۵۸)۔ "جو لوگ اسے چھپاتے ہیں جو ہم نے کھلی کھلی باتوں یعنی ہدایت سے نازل کیا ہے۔ بعد اس کے کہ ہم نے اسے قرآن میں تمام لوگوں کے لئے ظاہر کر دیا ہے۔ تو ان لوگوں پر خدا کی لعنت اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے" (لعنت کے لئے دیکھئے عدوان (ل - ع - ن)۔ اس کے بعد ہے۔ "إِلَّا الْقَذْرَيْنِ فَتَأْتُوا وَاصْلَحُوا" (۱۵۸)۔ "مگر وہ لوگ جو اس روش سے باز آ گئے۔ اور انہوں نے اصلاح کر لی۔ اور ظاہر کر دیا (جو کچھ اللہ نے نازل کیا تھا)۔ تو یہ لوگ ہیں جن کی طرف میں لوٹ کر آ جاتا ہوں"۔

جو کتاب رسول اللہ ﷺ کی طرف نازل کی گئی (یعنی قرآن کریم) اس کے متعلق بتا دیا کہ۔

(۱) وہ نَبِيًّا نَالِكًا شَتِيًّا" ہے (۱۸۱)۔ یعنی جن باتوں کو بذریعہ وحی دیا جانا مقصود تھا اس نے ان سب باتوں کو ظاہر کر دیا ہے۔ کوئی بات چھپی نہیں رہی۔ دوسری جگہ ہے "كَذَّابِكُمْ يَبْيَتِنَنَّ اللَّهُ" آیتہم لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ" (۱۸۷) "اس طرح اللہ اپنے احکام کو لوگوں کے لئے ظاہر کر دیتا ہے تاکہ وہ ان کی نگہداشت کریں"۔

(۲) لہذا یہ کتاب تمام نوع انسانی کے لئے اظہار حقیقت ہے۔ "هَذَا آيَاتُنَا" لِلنَّاسِ (۱۸۷)۔

(۳) اس میں صحیح اور غلط راستے بالکل ظاہر ہو گئے ہیں۔ "تَدْرُسُ تَبْيِيحُ الشَّرَّ" مِنْ أَلْفِي" (۲۵۶)۔

(۴) یہ کتاب "مُبَيِّنٌ" (۱۵) ہے۔ یعنی بالکل واضح اور ظاہر۔ کھلے اور واضح راستے کو امام "مُبَيِّنٌ" (۱۵) کہتے ہیں۔

(۵) یہ روشنی ہے۔ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ (۱۵) ”یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور (روشنی) یعنی واضح کتاب آگئی،“۔ روشنی اپنے آپ کو دکھانے کے لئے کسی چیز کی محتاج نہیں ہوتی۔ وہ خود روشن ہوتی ہے اور ہر اس شخص پر جو آنکھوں سے کام لے دوسری چیزوں کو روشن کر دیتی ہے۔ اس سے ہر شے نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ اس لئے اسے تَفْصِيلٌ كَمَلٌ شَيْءٌ (۱۱۱) بھی کہا گیا ہے۔ ”تفصیل“ کے معنی ہیں الگ الگ کر کے دکھا دینا (دیکھئے عنوان ف۔ ص۔ ل)۔

یہ ہیں اس کتاب (قرآن) کی خصوصیات جسے اللہ تعالیٰ نے بوساطت نبی اکرم ﷺ تمام نوع انسانی کو دینا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی بتا دیا کہ قرآن کا انداز تَبْيِينٌ کیا ہے۔ سورة انعام میں ہے وَكَذَلِكَ تُصِيرُ الْآيَاتِ وَلِيَتَّقُوا دَرَسَتْ وَلِيُبَيِّنَ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (۱۶۶)۔ ”اس طرح ہم اس کی آیات کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں تا کہ یہ کہیں کہ تو نے بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرا دیا۔ اور تا کہ ہم اسے ان لوگوں پر ظاہر کر دیں جو علم سے کام لیتے ہیں،“۔ یعنی قرآن تصریف آیات سے تبيان حقیقت کرتا ہے اور اسے علم و فکر کی رو سے سمجھا جاتا ہے۔

الْبَيِّنَاتُ کے معنی ہیں ایسی دلیل جو عقلی طور پر یا محسوس طور پر واضح ہو\*۔ جمع بَيِّنَاتٌ ہے۔

قرآن کریم نے انسان کی ایک خصوصیت یہ بھی بتائی ہے عَلَّمَهُ الْقَبْلَانَ (۱۰)۔ اللہ نے اے اظہار خیالات کی صلاحیت دی ہے۔ یعنی یہ صلاحیت کہ وہ زبان اور قلم کے ذریعے اپنے مافی الضمیر کو دوسروں تک پہنچا سکے۔ یہ خصوصیت انسان کو باقی حیوانات سے متمیز کرتی ہے اور انسانی تہذیب و تمدن اور عروج و ارتقاء کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

بَيِّنٌ کے معنی ہیں درمیان۔ فَاللَّهُ يَبْحَثُ بَيْنَهُمْ (۱۱۳)۔ ”اللہ ان کے درمیان فیصلہ کرتا ہے،“۔ (بَيِّنٌ يَدَيْهِ کے لئے دیکھئے عنوان ی۔ د۔ ی)۔

اِسْتَبَانَ الْأَمْرَ مَعَالِمُ كَلِّ ظَاهِرٌ أَوْ دَاخِرٌ۔ قرآن کریم میں ہے وَلَيْسَتَيْنِ سَبِيلِ الْمُجْرِمِينَ (۱۰۵) تاکہ مجرموں کی راہ کھل کر واضح ہو جائے۔ تَبْيِينُ الشَّيْءِ بَيِّنٌ وَدَاخِرٌ ظَاهِرٌ بَيِّنٌ۔ تَبْيِينُ الشَّيْءِ بَيِّنٌ وَدَاخِرٌ ظَاهِرٌ بَيِّنٌ۔ (۱۱۳)۔

# ت

## ت - (حرف)

ت - یہ حرف جر ہے جو قسم کیلئے کے معنوں میں آتا ہے۔ جیسے تَاللّٰهِ (۲۹) "اللہ کی قسم"۔ الثعالی نے (فقہ اللغہ میں) لکھا ہے کہ یہ "تاء" اللہ تعالیٰ کے اسماء کے علاوہ اور کہیں استعمال نہیں ہوتی۔

قرآن حکریم میں متعدد مقامات میں یأبوتہ آیا ہے جس کے معنی ہیں "آئے میرے باپ" (مثلاً ۱۲)۔ یہاں تہ دراصل ی کی جگہ آئی ہے۔ یہ صرف آب کے ساتھ خصوصیت ہے۔

## تَابُوتٌ

تَابُوتٌ\*۔ صندوق\*۔ (۲۹)۔ راعب نے کہا ہے کہ اس کے معنی قلب اور سینے کے بھی ہیں\*\*۔ لسان العرب سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے (۲۶۸) میں اسکے معنی ایسے قلب کے ہونگے جو سکون و اطمینان سے لبریز ہو اور اسمیں حضرت موسیٰ و ہارون کی تعلیم ہو اور اسے کائناتی قوتوں (ملائکہ) کی تائید حاصل ہوتا کہ اسمیں ثبات اور استقامت رہے۔ مراد یہ ہے کہ حضرت طالوت کو اس قسم کا قلب عطا ہوا تھا۔ اور اگر اس کے مجازی معنی نہ لئے جائیں تو اس سے مراد وہ تابوت ہے جس کا ذکر بائبل میں آیا ہے۔

(بعض کے نزدیک یہ تاب سے ہے۔ دیکھئے عنوان ت۔ و۔ ب)

## ت ب ب

التب\*۔ خسارہ۔ التَّبَابُ\*۔ التَّقِيْبُ\*۔ التَّقِيْبُ\*۔ نقصان اور خسارہ۔ ہلاکت اور تباہی۔ بربادی\*۔ سورة ہود میں ہے وَ مَسَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتَّبِيْبٍ (۱۱۱)۔ "اس سے انکا نقصان یا ہلاکت ہی زیادہ ہوئی"۔

\* تاج - \*\* راعب -

- ورة المؤمن میں ہے وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ إِلَّا فِي تَبَابٍ (۲۰۶)۔  
 ”فرعون کی تدبیر ہلاکت کے سوا اور کچھ نہ تھی“۔ تَبَّ فَلَانًا۔ اس نے  
 فلان آدمی کو ہلاک کر دیا۔ اسْتَتَبَّ الْقَرْجُلُ۔ آدمی ضعیف اور کمزور  
 ہو گیا۔ عاجز ہو گیا \*\*۔ أَلْتَابُ۔ کمزور اور بوڑھا آدمی۔ اونٹ یا گدھا  
 جسکی کمر زخمی ہو گئی ہو اور اسطرح وہ کام کے قابل نہ رہے \*۔

قرآن کریم میں ہے تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ (۱۱۱)۔  
 ”ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہو گئے اور وہ خود بھی ہلاک ہو گیا“۔ وہ  
 خود بھی تباہ ہو گیا اور جس قوت کے بل پر وہ نظام خداوندی کی مخالفت کرتا  
 تھا وہ بھی ختم ہو گئی۔ وہ مقابلہ کرنے سے عاجز آ گیا۔ تباہ و برباد ہو گیا۔  
 سخت نقصان میں رہا۔ (راغب کے الفاظ میں) مسلسل خسارہ میں رہا \*\*\*۔

## ت ب ر

التَّبْرُ۔ سونا۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ چاندی اور دیگر معدنیات  
 کو بھی کہتے ہیں۔ بالخصوص اس حالت میں جبکہ انہیں کان سے نکالا جائے  
 اور صاف کر کے ڈھالا نہ جائے۔ التَّبْرُ۔ توڑ دینا۔ ہلاک کر دینا \*۔ ابن  
 فارس نے اس کے یہ دونوں معانی بنیادی لکھے ہیں۔ وَكَيْلًا تَبَّرْنَا  
 تَتْبِيرًا (۲۵)۔ ”ان سب کو ہم نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا“۔ ہلاک  
 کر دیا۔ تباہ و برباد کر دیا۔ تَبَّرًا (۲۸)۔ ہلاکت۔ تَبَّرًا (۳۹)۔  
 ہلاک شدہ۔ برباد شدہ۔ ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا۔

## ت ب ع

تَبِعَ کے معنی ہیں پیچھے پیچھے چلنا۔ بِمَتَرَةٍ مُتَّبِعٌ اس گائے کو کہتے  
 ہیں جس کا بچہ اس کے پیچھے پیچھے رہتا ہو۔ اور اس کے پیچھے چلنے والے  
 بچھڑے کو تَبِيعٌ کہتے ہیں۔ التَّبِيعُ۔ پیچھے چلنے والا (یہ تَبِيعٌ کی  
 جمع بھی ہے یعنی پیچھے چلنے والے)۔ اتَّبَعْتَهُمْ۔ میں ان کے پیچھے  
 پیچھے چلا۔ وہ مجھ سے آگے نکل گئے تھے لیکن میں نے انہیں جا لیا \*۔

قرآن کریم میں تَبِيعٌ کا لفظ عَصَى (سرکشی) کے مقابلے میں آیا  
 ہے (۱۶)۔ لِهَذَا اتَّبِيعُوا کے معنی ہیں قوانین خداوندی کی اطاعت۔ ان  
 قوانین کو (Follow) کبرنا۔ اس کے برعکس وہ شخص ہے مَن يَنْقَلِبُ  
 عَلَي عَقْبَيْهِ (۱۳۳)۔ ”جو پچھلے پاؤں واپس ہو جاتا ہے“۔

دین چونکہ ایک اجتماعی نظام کا نام ہے اس لئے قوانین خداوندی کا اتباع انفرادی طور پر نہیں ہوگا بلکہ نظام کے تابع ہوگا۔ یہ نظام سب سے پہلے نبی اکرمؐ نے بتشکل فرمایا تھا۔ اس لئے اتباع قوانین خداوندی آپؐ کے اتباع سے ہوتا تھا (۱۵۷)۔ آپؐ کے بعد یہ نظام آگے چلا اس لئے اس نظام میں خلیفۃ الرسول کے اتباع نے وہی مقام لے لیا۔ یہی وجہ ہے جو قرآن نے کہا ہے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد تم پھر اپنی قدیم روش پر نہ چلے جانا بلکہ اس سلسلہ اتباع کو جاری رکھنا۔ دیکھئے (۱۳۳)۔ واضح رہے کہ اتباع اور اطاعت میں ذرا سا فرق ہوتا ہے۔ جیسے پیروی اور فرمانبرداری میں۔ اس میں شبہ نہیں کہ اطاعت بھی اس فرمانبرداری کو کہتے ہیں جو بطیب خاطر کی جائے لیکن اس میں حکم کا شائبہ یا کسی قدر قانونی تقاضا ضرور ہوتا ہے۔ لیکن اتباع میں انسان، تَبِيعٌ کی طرح، بلا حکم و فرمان، محبانہ جذبہ اور کشش سے کسی کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔

التَّبِيعُ اور التَّبِيعُ۔ خادم کو کہتے ہیں\*۔ تَابِعٌ کی جمع، التَّابِعِينَ (۲۳)۔ لیکن (۱۹) میں تَبِيعًا کے معنی ہیں کسی کے خلاف مقدمہ کی پیروی کرنے والا۔ یا باز پرس کرنے والا۔ نیز مطالبہ یا تقاضا کرنے ہوئے پیچھے لگ جانے والا۔ سورة الشعراء میں تَبِيعًا کا لفظ جلوس نکالنے کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی فاتح ساحرین کو آگے رکھ کر ان کا جلوس نکالا جانے (۲۱)۔

تَبِعٌ کے معنی ہیں ایک بات کے ساتھ ہی دوسری بات لے آنا۔ یکے بعد دیگرے (سلسل) واقع ہونا۔ بے دریغ واقع ہونا\*۔ التَّبِيعُ یمن کے بادشاہوں کا لقب تھا۔ کیونکہ وہ یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوتے رہتے تھے\*۔ قرآن کریم میں قوم تَبِيعٌ کا ذکر آیا ہے۔ (۱۳)۔ اسے الگ عنوان میں بیان کیا گیا ہے۔ (دیکھئے عنوان تَبِيعٌ)۔

کتاب الاشتقاق میں التَّبِيعُ کے معنی الظلیل (سایہ) دئے ہیں۔ شاید اس لئے کہ سایہ، روشنی کے سرچشمہ کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔

و ت ب

تبع

سورة ق میں ہے وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمٌ تُبِيعَ۔ کُلُّ كَذَّابٍ الشَّرْسَلِ (۱۳)۔ "اصحاب الایکة اور قوم تبیع، ان سب نے ہمارے رسولوں

کو جھٹلایا، - دوسری جگہ قریش کے ضمن میں کہا گیا ہے کہ آہم خَیْرٌ  
 اَمْ قَوْمٌ تُبَّعِ (۲۴) ”کیا (یہ قریش) بہتر ہیں یا قوم۔ تبَّع، -  
 تذکرہ حضرت سلیمانؑ میں بتایا گیا ہے کہ یمن کے مشرقی علاقہ میں  
 سبا کی حکومت تھی۔ اسی قوم کی ایک شاخ مغربی علاقہ پر حکمران تھی  
 جسے حِمْیَر کہتے ہیں۔ جب رومیوں نے اہل سبا کی تجارت کو تباہ کیا  
 تو حمیر کا ستارہ اقبال چمک اٹھا اور وہ بڑی زبردست قوت اور دولت کے مالک  
 بن گئے۔ اس خاندان کے ایک بادشاہ نے اپنا لقب تَبَّع اختیار کیا جس کے  
 معنی (حبشی زبان میں) سلطان کے ہیں۔ یعنی غلبہ و استیلاء اور قوت و جبروت  
 کا مالک۔ یہ خاندان بھی (اہل سبا کی طرح) شروع میں کواکب پرست تھا  
 لیکن بعد میں انہوں نے یہود کا مذہب اختیار کر لیا۔ جب ذونواس کے زمانہ  
 میں عیسائیوں نے اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کی تو وہ سخت مشتعل ہو گیا۔  
 اس نے عیسائیت کے مرکز نجران پر حملہ کر دیا۔ پہلے تو اہل شہر قلعہ  
 گزیں ہو گئے لیکن بالآخر شکست کھائی۔ ذونواس کا تعصب بڑھ کر ہربریت  
 کی حد تک پہنچ گیا۔ اس نے بڑے بڑے گڑھوں میں آگ جلائی اور  
 عیسائیوں کو مجبور کیا کہ وہ یہودیت اختیار کریں۔ جو اس سے انکار کرتا  
 آگ کے گڑھے میں جھونک دیا جاتا۔ قرآن کریم نے ذونواس کے اس  
 سرکش لشکر کو اصحابِ الاُخْدُوْدِ کہا ہے اور ان کے اس ظلم کی  
 سخت مذمت کی ہے (۸۹)۔ اس لئے کہ قرآن کریم کا مقصد دنیا میں ظلم کو  
 روکنا ہے خواہ وہ کسی کے ہاتھوں سے ہو اور کسی کے خلاف ہو۔

## ت ج ر

تِجَارَةٌ\* - (پیشہ وراثہ) خرید و فروخت۔ سودا گری۔ کاروبار کو کہتے  
 ہیں۔ واغِب نے تِجَارَةٌ کے معنی نفع کمانے کے لئے راس المال کو کاروبار میں  
 لگانا بتائے ہیں۔ محیط نے تِجَارَةٌ کے معنی وہ سال بھی بتائے ہیں جس سے  
 تجارت کی جائے۔ تاجِرٌ\* پیشہ ور خرید و فروخت کرنے والے کو کہتے ہیں۔  
 عرب شراب بیچنے والے کو بھی تاجِرٌ\* کہتے تھے\*۔ مجازاً کسی معاملہ میں  
 سہارت اور ہوشیاری کو بھی تِجَارَةٌ\* کہتے ہیں اور حاذق و ماہر کو تاجِرٌ\*۔  
 قرآن کریم میں ہے فَمَا وَبِحْتِ تِجَارَتِهِمْ (۲۱)۔ ”انکی خرید و  
 فروخت (ہدایت کے بدلے گمراہی اختیار کر لینے) نے انہیں کوئی فائدہ نہ  
 پہنچایا، -



قرآن کریم نے ایمان (اسلام) کو بھی ایک قسم کی تجارت قرار دیا ہے جس میں بیع و شری (خرید و فروخت) کا معاملہ ہوتا ہے۔ سورۃ توبہ میں ہے

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ... (۱۱۱)۔ ”یقیناً اللہ نے مومنین سے ان کی جان اور مال خرید لئے ہیں۔ اور ان کے بدلے میں انہیں جنت عطا کر دی ہے،،۔ اس تجارت میں جماعتِ مومنین اپنی وہی اور اکتسابی صلاحیتوں کے نتائج (جان اور مال) کو اس معاشرہ کے سپرد کر دیتے ہیں جو قوانین خداوندی کے مطابق مشکل ہوتا ہے اور یہ معاشرہ ان کے لئے دنیا میں جنتی زندگی کے سامان مہیا کر دیتا ہے (اور آخرت میں بھی انہیں جنت ملتی ہے)۔ یہی وہ تجارت ہے جس کے متعلق دوسری جگہ کہا ہے کہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابِ أَلِيمٍ - تَتُومِنُونَ يَا اللَّهُ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ - ذَالِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (۱۱۱)۔ ”اے جماعتِ مومنین! کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت کا پتہ نشان دوں جو تمہیں درد ناک عذاب سے نجات دلا دے؟ - (وہ تجارت یہ ہے کہ تم اللہ اور رسول پر ایمان لاؤ۔ اور اپنی جان اور مال سے اللہ کی راہ میں جدوجہد کرو۔ اگر تم علم و بصیرت سے کام لو گے تو یہ حقیقت تم پر واضح ہو جائیگی کہ یہ تجارت تمہارے لئے کس قدر اچھی ہے،،۔ اس تجارت کا ماحصل عام کاروبار سے کہیں زیادہ نفع رساں ہے (۱۱۱) \*\*۔

تبادلہٴ اشیاء (خرید و فروخت) کے معاملہ میں کس قدر منافع لیا جاسکتا ہے، اسکے متعلق عنوان (ب۔ ی۔ ع) میں تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔ اصول یہ ہے کہ منافع صرف محنت کے معاوضہ کے برابر لیا جاسکتا ہے۔ سرمایہ پر کچھ نہیں لیا جاسکتا۔ یہی اصول تجارت پر بھی صادق آئیگا۔ اس اصول کی روشنی میں قرآن کریم کی اس آیت کا مفہوم سمجھ میں آجائیگا جس میں کہا گیا ہے کہ لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (۲۰)۔ ”تم ایک دوسرے کا مال باطل طریق سے مت کھاؤ۔ سوائے اس کے کہ باعنی رضامندی سے تجارت ہو،۔ آجکل ”باعنی رضامندی سے تجارت،، سے مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ تم جس قدر جی چاہے منافع گاہک سے طلب کرو اور کہہ دو کہ جی چاہے تو خریدو

\*ناج و محیط - \*\* تجارت اور بیع میں فرق کے لئے دیکھئے عنوان (ب۔ ی۔ ع)

نہ جی چاہے نہ خریدو۔ اس کے بعد اگر وہ خرید لیتا ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ اتنا منافع دینے پر رضامند ہو گیا ہے۔ ایسا سمجھنا خود فریبی ہے۔ گاہک اپنی ضرورت سے مجبور ہو کر منہ مانگی قیمت دیتا ہے۔ یہ تجارت "عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ" نہیں کہلا سکتی۔ جب منافع صرف محنت کا معاوضہ ہو جسے معاشرہ متعین کر دے، تو اسے ہر شخص بہ طیب خاطر ادا کر دیگا۔ اسے تراضیٰ مابین کہا جائیگا۔ پہلی شکل تو وہ ہے جس کے متعلق قرآن کریم نے (مندرجہ بالا آیت کے ساتھ) کہا ہے کہ "وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ" (۲۹۱-۲۹۰) "ایک دوسرے کو قتل مت کرو"۔ یا "اپنے لوگوں کو قتل مت کرو"۔ دوسرے کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر منہ مانگے دام لینا، اپنے لوگوں کو قتل کرنا ہے۔ محنت کا معاوضہ لینا ایسا اصول ہے جس میں "لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ" (۲۹۱) کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ یعنی نہ تم کسی پر زیادتی کرو۔ نہ کوئی تم پر زیادتی کرے۔ تبادلہ اشیاء کا طریق کار، معاشرہ میں ایک دوسرے کی زندگی بڑھانے کے لئے ہونا چاہئے۔ نہ کہ ایک دوسرے کو قتل کرنے کے لئے۔ اگر تجارت، قرآن کی مستقل اقدار کے راستے میں حائل ہوتی ہے تو اسکا انجام تباہی ہے۔ (۲۹۱-۲۹۰)۔

## ت ح ت

تَحْتٌ - تَوْقٌ (اوپر) کی ضد ہے۔ یعنی نیچے۔ تَجْرِي مِّنْ تَحْتِهَا "الأنهار" (۲۵)۔ "جن کے نیچے نہریں جاری ہیں"۔  
التُّحُوتُ تَحْتٌ کی جمع ہے جسکے معنی ہیں رذیل اور پست درجے کے لوگ\*۔

راغب نے کہا ہے کہ تَحْتٌ کسی شے کے نچلے حصے کو نہیں کہتے بلکہ اس سے الگ اس کے نیچے کی چیز کے لئے بولتے ہیں۔ اس کے برعکس، اسْفَلٌ اسی چیز کے نیچے کے حصے کو کہتے ہیں۔ یعنی جب ایک چیز کے نیچے کوئی دوسری چیز ہوگی تو اسوقت تَحْتٌ کہینگے۔ لیکن جب اسی چیز کا نچلا حصہ کہنا ہو تو اسْفَلٌ کہینگے۔

## ت ر ب

الْبُرْبُ - الشَّرَابُ - مَسِي (عَلَيْهِ تَرَابٌ) (۲۶۳)۔ اسکی جمع

آثَرِبَةً اور تِرْبَانِ\* آتی ہے۔ مَسْرَبَةً\*۔ مسکنت۔ افلاس۔ فاقہ۔  
 دَامَسْرَبَةً (۱۶۶)۔ خاک آلود۔ حاجتمند۔ مصیبت زدہ\*  
 جَمَلٌ تَرَبُّوتٌ\*۔ فرما تہر دار اور سدا ہوا اونٹ\*  
 الشَّرَائِبُ\*۔ سینہ کی ہڈیاں (۸۱)۔

الْيَتْرِبُ\*۔ ہم عمر۔ جمع آثَرَابٌ\*۔ ابن قارس نے کہا ہے کہ ہنسر  
 اور براہر کے لوگوں کو کہتے ہیں اور یہ اس کے بنیادی معنوں میں سے ہے۔  
 نیز اس کے معنی رفیق۔ حبيب۔ دوست اور سہیلی کے ہیں۔

قرآن کریم میں جنت کے سلسلہ میں عَرَبِيًّا آثَرَابًا (۵۶)۔ یا  
 كَوَاعِيْبَ آثَرَابًا (۳۸) کا ذکر آیا ہے۔ اسکے معنی ہم طور پر ہم عمر بیویاں  
 کٹے جاتے ہیں لیکن دراصل اس کے معنی ایسے ساتھیوں کے ہیں جو عادات و اطوار  
 میں ایک دوسرے سے مماثل (مائل) ہوں\*۔ ہم۔ گل۔ ایک ہی مٹی کے  
 بنے ہوئے۔ كَوَاعِيْبَ آثَرَابًا اور عَرَبِيًّا آثَرَابًا میں آثَرَابًا صفت ہے  
 كَوَاعِيْبَ اور عَرَبِيًّا کی۔ اس اعتبار سے اس کے معنی ایسی عورتیں  
 ہونگے جو ہم مزاج اور مماثل ہوں۔ یہ ہم مزاجی اور مماثلت  
 عورتوں میں ایک دوسرے کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے۔ یعنی ان میں ایک  
 دوسرے کے خلاف جذباتِ عداوت و رقابت اور بیگانگی و مغایرت نہیں  
 ہونگے بلکہ ان میں موافقتِ خیالات و تصورات ہوگی۔ اور میاں بیوی  
 میں باہمی موافقت اور مماثلت بھی مراد ہو سکتی ہے۔ یعنی ایسی عورتیں جو  
 اپنے خاوندوں کے ہم مزاج و ہم خیال ہوںگی۔ اُخْرُوِي جنت میں ان تعلقات  
 کی کیا کیفیت ہوگی، اس کا ہم اندازہ نہیں لگا سکتے۔ لیکن اس دنیا میں،  
 میاں اور بیوی کا ہم مزاج و ہم خیال ہونا جس طرح گھر کو جنت بنا سکتا ہے  
 وہ ظاہر ہے (۲۱۶)۔ نیز چونکہ آثَرَابٌ\*، ہنسر اور براہر کے لوگوں کو بھی  
 کہتے ہیں، اس لئے اس میں برابری اور مساوات کا پہلو بھی نمایاں ہے۔ (اس کے  
 لئے عنوان ز۔ و۔ ج بھی دیکھئے)۔

## ت ر ف

التَّرْفَةُ\*۔ آسودگی اور فراخی عیش۔ عمدہ چیز۔ خوشگوار کھانا۔  
 تَرِفٌ۔ وہ آسودہ و خوش حال ہوا، اُسے عیش و آرام کے سامان مل گئے۔

آتسرف - اسے خوش حال و آسودہ کیا۔ اَلْمُسْتَرْفُ - وہ شخص جو عیش و آرام کی زندگی گزار رہا ہو اور لذات و شہوات میں بڑھتا چلا جائے جسے فراخی عیش اور آسودگی نے بدست کر دیا ہو۔ بعض لوگوں نے اسکے معنی ایسے خوشحال کے کئے ہیں جس کے پاس کثرت سے دولت ہو اور وہ اسکی بنا پر لیڈر بن جائے، اور جو کچھ کرے اس پر اسے ٹوکا نہ جائے۔ نیز وہ شخص کہ جو کچھ اس کے جی میں آئے کرتا رہے اور اسے کوئی روکنے والا نہ ہو\*۔ جو کثرت دولت کی بنا پر سرکشی اختیار کرے۔ اسکی جمع مُسْتَرْفُونَ اور مُسْتَرْفِینَ ہے\*۔ اَتْسَرْفَ فُلَانٌ\* - اسنے سرکشی اختیار کر لی اور نافرمانی میں بڑھتا چلا گیا۔ مُسْتَرْفِینَ - قرآن کریم کی اہم اصطلاح ہے۔ اسنے کہا ہے کہ شروع ہی سے یہہ سلسلہ چلا آ رہا ہے کہ خدا کی طرف سے جب بھی کوئی صحیح نظام کی طرف دعوت دینے والا آیا تو قوم کے مُسْتَرْفِینَ نے اس دعوت کی سخت مخالفت کی۔ یہہ وہ لوگ ہیں جو دوسروں کی کمائی پر عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے اور پھر ان لوگوں پر حکومت بھی کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ صحیح نظام ربوبیت میں ایسے لوگوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ اسلئے یہ ہمیشہ اس دعوت کی مخالفت کرتے ہیں۔ دیکھئے قرآن کس حصہ کے ساتھ کہتا ہے کہ وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّكَرٍ مِّنْ لَّا قَالِ مُسْتَرْفُونَ مَا إِنَّا بِمَنَّا أَرْسَلْنَاكُمْ بَشِيرًا وَلَا نَذِيرًا (۳۳۷) ”ہم نے کسی بستی میں کوئی نذیر نہیں بھیجا جس کے سترین نے یہ نہ کہا ہو کہ جو پیغام تمہیں دیکر بھیجا گیا ہے ہم اس کے منکر اور مخالف ہیں، اس سے اگلی آیت نے سترین کی وضاحت کر دی۔ قَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا (۳۳۸) ”وہ کہتے تھے کہ ہمارے پاس مال و دولت اور افراد خاندان بڑی کثرت سے ہیں، اس لئے ہمیں کون ہاتھ لگا سکتا ہے۔ یہ وہی طبقہ ہے جو عصر حاضر میں سرمایہ داروں کا طبقہ کہلاتا ہے اور جو محض اپنی دولت کے زور پر قوت و اقتدار حاصل کر لیتا ہے۔ انہی میں وہ مذہبی پیشوا بھی شامل ہیں جو خود کوئی کام نہیں کرتے اور دوسروں کی کمائی پر تن آسانی کی زندگی بسر کرتے ہیں اور پھر انہی لوگوں پر حکومت بھی کرتے ہیں جو انہیں لالا کر کھلاتے ہیں۔ قرآن نے کہا ہے کہ یہ طبقہ بھی ہمارے قوانین و نظام کی مخالفت میں پیش پیش رہتا ہے اور لوگوں کو یہہ کہہ کر بھڑکاتا رہتا ہے کہ دیکھو یہہ داعی انقلاب اس مذہب کی مخالفت کرتا ہے جو تمہارے آبا و اجداد سے چلا آتا ہے۔ (دیکھئے ۳۳۷، ۳۳۸)۔ یہہ سب مُسْتَرْفِینَ ہیں جنہیں قرآن نے

انسانیت کے بدترین دشمن قرار دیا ہے۔ اور یہی اہل جہنم ہیں۔ (انفسہم) کا قوا قبل ذالک متتر فین (۱۱۱)۔ سورۃ مومنوں میں ہے و آتوا قتلہم فی الحیوۃ الدنیٰ (۲۳۳) ”یہ لوگ ہمارے قوانین کی مخالفت اسلئے کرتے ہیں کہ انہیں سامان زندگی بڑی فراوانی سے حاصل ہے اور اسلئے انہیں سرکش و متکبر بنا دیا ہے“۔ قرآنی نظام میں نہ سرمایہ داری باقی رہتی ہے نہ مذہبی پیشوائیت۔ اس میں ہر شخص کام کرتا ہے اور کوئی دوسرے کی محنت پر عیش نہیں اڑا سکتا۔ (نیز دیکھئے عنوان م۔ ل۔ ا)

## ت ر ک

تَرَكَتَ - کے معنی ہیں چھوڑ دینا۔ بھینک دینا۔ ڈال دینا۔ خالی کر دینا۔ تیرکتۃ الرجل۔ آدمی کی میراث کو کہتے ہیں جسے وہ چھوڑ کر مرے۔ تیریتکتۃ اس عورت کو کہتے ہیں جس سے کوئی شادی نہ کرے۔ نیز انڈے کا خول جس میں سے چوزہ نکل گیا ہو\*۔

التیریتکت۔ اس خوشے کو کہتے ہیں جس کے تمام پھل کھا لئے گئے ہوں یا جھاڑ لئے گئے ہوں\*۔

بعض کا خیال ہے کہ کسی کام کو چھوڑ دینا۔ خواہ ارادۃً ہو خواہ مجبوراً۔ تَرَكَتَ کہلاتا ہے۔ اس میں دونوں باتیں شامل ہوتی ہیں۔ یعنی جس کام کو انسان کر رہا ہے اسے چھوڑ دینا، یا کسی کام سے محتاط رہنا (اسے ہاتھ ہی نہ لگانا) یہ بھی تَرَكَتَ ہے۔ چنانچہ التیریتکت اس باغیچہ کو کہتے ہیں جس کے سالک اس سے غفلت برتیں اور اس کی دیکھ بھال نہ کریں (ابن فارس)۔ لیکن جس کام کے کرنے کی انسان میں قدرت ہی نہ ہو اسے نہ کہنا تَرَكَتَ نہیں کہلا سکتا\*\*۔

تَرَكَتَ - جتعل کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے\*\*\*۔ اس کا مطلب ہوتا ہے کسی چیز کو ایسا کر دینا۔ نیز اس کے معنی کسی سلسلہ کو باقی رکھنے (دوام عطا کر دینے) کے بھی ہوتے ہیں\*\*\*۔ مثلاً وَتَرَكَتْنَا عَلَیْہِ فِی الْاٰخِرِیْنَ (۱۱۱) کے معنی ہیں ہم نے اس کا تذکرہ آنے والی نسلوں میں باقی رکھا۔ اسے دوام عطا کر دیا۔ تَرَكَتَ کے معنی ہیں وہ جس حالت میں تھا اسے اسی حالت میں رہنے دیا\*\*\*۔

\* تاج \*\* محیط۔ \*\*\* تاج ولین۔



## ت ق ن

التَّقِينُ\* - ماہر آدمی\* - ہر وہ چیز جس سے انسانی معاش قائم ہوتی ہے اور معاملات کی درستگی ہو جاتی ہے - جیسے معدنیات وغیرہ - نیز، ہر وہ چیز جس سے کسی دوسری چیز کی درستگی ہو جائے\*\* - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں (۱) کسی کو مضبوط اور محکم بنانا اور (۲) گارا اور چکنی کالی مٹی - آتَّقِنَ الْاَمْرَ لَا تَقَانًا - کسی معاملہ کو محکم کر دینا\* - قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے متعلق ہے آتَّقِنَ كُلَّ شَيْءٍ (۲۸۸) ”اس نے ہر شے کو نہایت درست اور محکم بنایا ہے“۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ کی صفات حسنی (الاسماء الحسنی) بیان کرنے سے جہاں صفات خداوندی کا صحیح صحیح تصور سامنے لانا مقصود ہے وہاں یہ بتانا بھی مطلوب ہے کہ جو افراد، قوم، معاشرہ یا نظام قوانین خداوندی کا اتباع کریگا اس میں (تا بہ حد بشریت) یہی صفات اجاگر ہوتی چلی جائیں گی۔ مثلاً جب خدا کے متعلق کہا گیا ہے کہ صُنِعَ اللّٰهُ الَّذِيْ اَتَّقِنَ كُلَّ شَيْءٍ (۲۸۸) ”یہ اس خدا کی صنعت ہے جس نے ہر شے کو نہایت درست اور محکم بنایا ہے“، تو اس سے مقصود یہ بھی ہے کہ جماعت مومنین کی بنیادی صفت یہ بھی ہوگی کہ وہ جو چیز بنائیکی محکم اور درست بنائیکی - اس میں نہ کسی قسم کا جھول ہوگا نہ سلوٹ، نہ نقص ہوگا نہ عدم تناسب، نہ ہی وہ ناپختہ اور ناتمام ہوگی۔ جس طرح کارگہ کائنات کے متعلق پورے حتم و یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ مَا تَرَىٰ فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفْوُتٍ (۱۶) ”تو رحمان کی تخلیق میں کسی قسم کا عدم تناسب نہیں دیکھے گا“، اسی طرح اس قوم کی مصنوعات کے متعلق بھی پورے پورے یقین اور اطمینان سے کہا جا سکتا ہے کہ تم ان میں کمہیں تناسب و توازن کی کمی نہیں دیکھو گے۔ دنیا میں ایسی قوم، نہ صرف اپنے لئے بلکہ تمام فوج انسانی کے لئے جس قدر سکون و اطمینان کا موجب ہو سکتی ہے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اور یہ تو صرف ایک صفت خداوندی کے انعکاس کا ذکر ہے۔ جس قوم میں تمام صفات خداوندی اسی انداز سے جھلک رہی ہوں، اس کی نفع رسانیوں اور سکون بخشوں کا کیا ٹھکانہ ہے؟

## ت ل ک

تَلَكَّ - اشارہ بعید کے لئے مؤنث کا صیغہ ہے۔ یعنی ”وہ“۔ (مؤنث)۔  
تفصیل کے لئے دیکھئے ذا۔

## ت ل ل

تَلَّ کے اصلی معنی ایسی جگہ کے ہیں جو اپنے آس پاس کی زمین سے قدرے بلند ہو۔ اَلتَّلَّ مِنَ التَّرَابِ۔ مٹی کا ٹیلہ۔ نِزَّ التَّلَّ کے معنی تکیہ، گدا، ہیں۔ پھر اس سے اس کے معنی ٹیلہ پر پچھاڑ دینے یا لٹا دینے کے آئے ہیں۔ یا پھر یہ تَلَّیْل سے ہے جس کے معنی گردن اور رخسار کے ہیں۔ اس سے تَلَّہ کے معنی ہونکے اسے گردن اور رخسار کے بل گرایا۔ تَلَّہ۔ یتِیَّاشہ۔ تَلَّہ۔ اسنے اس کو پچھاڑ دیا۔ قَوْمٌ تَلَّی۔ پچھڑے ہوئے لوگ۔ تَلَّ۔ یتِیل۔ پچھڑا سانا، گر پڑنا۔ گرا دینا۔ اَلتَّلَّہ۔ گرا دینا۔ لٹا دینا (ایک مرتبہ) اَلتَّلَّہ۔ وہ جگہ جہاں کسی کو پچھاڑا جائے۔ یا وہ نیزہ وغیرہ جس سے کسی کو گرایا جائے۔ اَلتَّلَّی۔ ذبح کی ہوئی بکری\*۔

قرآن کریم میں قصہ حضرت ابراہیمؑ و اسمعیلؑ میں ہے وَتَلَّہ لِنَجَّیْسٍ (۱۱۵)۔ ”اس نے اسے پٹ پڑی (کن پٹی) کے بل لٹا دیا،“۔

## ت ل و

تَلَّوْتہ۔ تَلَّیْتہ۔ میں اس کے پیچھے پیچھے چلا۔ اَتَلَّیْتہ، لِیَّاشہ میں نے اس سے اس کی پیروی کرائی۔ اسے اس کے پیچھے لگایا۔ تَلَّوْتہ۔ وہ شخص جو ہمیشہ پیچھے پیچھے چلے۔ اَلتَّلَّوْ۔ جو چیز کسی کے پیچھے آئے۔ اونٹ، خچر یا بکری کا بچہ جو اپنی ماں کے پیچھے پیچھے چلے۔ اَتَلَّت۔ التَّلَّاتہ۔ اونٹنی کے پیچھے پیچھے اس کا بچہ چلا۔ اَلتَّلَّوْالیُّ و التَّلَّالیاتُ پچھلے حصے۔ اَلتَّلَّیْقۃ اور التَّلَّوْۃ۔ قرض وغیرہ کے باقی ماندہ حصہ کو کہتے ہیں جو پیچھے (باقی) رہ جاتا ہے۔

راغب\* نے کہا ہے کہ تَلَّوْ و تَلَّوْ کے معنی متابعت (پیچھے چلنے۔ اتباع کرنے) کے ہوتے ہیں جو کہیں جسمانی طور پر ہوتی ہے اور کہیں احکام کا اتباع ہونا ہے\* تاج۔ محیط۔ راغب۔ \* \* راغب کی عبارت کے لئے دیکھئے تتر ۱۸۹ جلد چہارم۔



ہے۔ جسمانی طور پر پیچھے جانے کی مثال چاند کی ہے۔ وَالْقَمَرَ إِذَا تَلَّهَا (۹۱) جس کے معنی ہیں، چاند سورج کے پیچھے پیچھے چلتا ہے اور اس سے روشنی کا اقتباس کرتا ہے۔ تَتَلَّاهُ تَتَلَّيَا۔ اس نے اس کا پیچھا کیا۔ تَتَلَّقَيْتُ حَقَّتِي: میں نے اسکا پیچھا لیکر اس سے اپنا پورا پورا حق وصول کر لیا\*۔ اتباع احکام کیلئے تلاوت قرآن کا حکم موجود ہے۔ راغب کے نزدیک تلاوة بالخصوص خدا کی طرف سے نازل شدہ کتابوں کے اتباع کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس اتباع کیلئے ضروری ہے کہ پہلے ان احکام کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے اسلئے انہیں اس طرح پڑھنے کو بھی تلاوة کہتے ہیں۔ لیکن یہ لفظ قیراءة (پڑھنے) سے خاص ہے۔ یعنی قیراءة (پڑھنا) بہر حال تلاوة کے اندر آجاتا ہے لیکن تلاوة (اتباع کرنا) قیراءة کے اندر نہیں آتا\*\*۔ لہذا تلاوت قرآن کریم کے معنی ہیں قرآن پر عمل کرنے کے لئے اسے پڑھنا۔ (نہ صرف پڑھتے رہنا)۔

فَلَانٌ يَتَلَوُ عَالِي فُلَانٍ وَ يَقُولُ عَلَيْهِ عَرَبِيٌّ مَعَاوِرَةٌ هُ  
جس کے معنی ہیں فلاں آدمی فلاں کے خلاف جھوٹ بولتا اور غلط بیانی کرتا ہے\*۔

تلاوة کے معنی ”اسے چھوڑ دیا“ بھی آتے ہیں۔ یعنی اس طرح جھوڑ دینا کہ وہ پیچھے پیچھے چلا آ رہا ہو (ابن فارس)

قرآن کریم میں ہے الْقٰذِبِيْنَ اَتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَہٗ  
حَقًّا تِلَاوَتِهِ، اُولٰٓئِكَ يٰؤْمِنُوْنَ بِہٖ (۱۳۱)۔ ”جن لوگوں کو ہم نے یہ کتاب دی ہے وہ اسکی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ تلاوت کرنے کا حق ہے، یہی لوگ ہیں جو اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں“۔ ظاہر ہے کہ اسمیں تلاوت کے معنی اتباع کرنے کے ہی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ان لوگوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہی لوگ درحقیقت اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ ورنہ اگر اسکے معنی فقط پڑھنے کے ہوں تو قرآن کو تو غیر مسلم بھی پڑھتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے۔ لہذا قرآن کی تلاوت سے مراد اسکے احکام کا اتباع ہے۔ اسے پڑھا اسلئے جاتا ہے کہ اسے سمجھا جائے اور سمجھا اسلئے جاتا ہے کہ اس پر عمل کیا جاسکے۔ قرآن کا اس طرح پڑھنا کہ وہ سمجھ میں نہ آئے یا اسے فقط سمجھ لینا اور اس پر عمل نہ کرنا، کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ قرآن نے کہا ہے کہ مومن درحقیقت وہی ہیں جو اسکی پوری پوری پیروی کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں نبی اکرم ﷺ کے متعلق جو فرمایا ہے کہ **يَتْلُوْهُ عَلَيْنِهِمْ** آیاتہم (۱۶۳) ”وہ جماعت مومنین کے سامنے خدا کے احکام پیش کرتا ہے“۔ تو اس کے ساتھ ہی کہا دیا کہ **وَيَزَكِّيْهِمْ** (۱۶۳)۔ وہ ان کی صلاحیتوں کی نشوونما کا سامان بھی بہم پہنچاتا ہے (دیکھئے عنوان زک۔و)۔ اس سے ظاہر ہے کہ تلاوت قرآن سے مقصود یہ ہے کہ خدا کا نظام عملاً متشکل ہو جائے جس کے تعمیری نتائج (یعنی افراد معاشرہ کی نشوونما) محسوس صورت میں سامنے آجائیں۔ صرف قرآن پڑھ لینے کو تلاوت کہنا اور سمجھ لینا کہ اس سے مقصد حاصل ہو گیا ہے خود فریبی ہے۔ قرآن کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ پھر سمجھ لیجئے کہ قرآن کا پڑھنا اصلئے ضروری ہے کہ اسے سمجھ لیا جائے اور سمجھنا اس لئے ضروری ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ اگر قرآن کو سمجھا نہ جائے تو اس کا پڑھنا کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ اور اگر اس پر عمل نہ کیا جائے تو اس کا سمجھنا بھی بیکار ہے۔

سورۃ صافات میں **فَاتَّخِذُوا ذُرِكْرًا** (۳۴) آیا ہے۔ یعنی قرآن کا اتباع کرنے والی جماعتیں۔ سورۃ بقرہ میں یہودیوں کے خلاف ایک الزام یہ بھی ہے کہ **وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُو الشَّيْطٰنِ عَلٰى مُلْكِهِ سَلِيْمًا** (۱۰۲)۔ ”یہ ان باتوں کی پیروی کرتے ہیں جو شیاطین (دین خداوندی کے دشمنوں) نے مملکت سلیمان کے متعلق عام کر رکھی تھی“۔ اگر یہ دیکھنا ہو کہ دین خداوندی کے دشمنوں نے انبیائے بنی اسرائیل کے خلاف کیا کیا افسانے وضع کئے تھے، اور یہودی کس طرح ان افسانوں کو آسمانی تعلیم مانتے ہیں، تو اس کے لئے تورات (بائبل کا عہد نامہ عتیق) پڑھئے۔ اس میں ایسی ایسی باتیں ان انبیائے کرام کے خلاف موجود ہیں جنہیں کوئی شریف آدمی سن نہیں سکتا۔

## ت م م

**تَمَامُ الشَّقِيْبِي**۔ وہ چیز جس سے کسی شے کی کمی پوری ہو جائے۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی پورا ہونے کے لکھے ہیں۔ بعض لوگوں نے **تَمَام** اور **كَمَال** کو مترادف قرار دیا ہے لیکن بعض نے ان میں یہ فرق کیا ہے کہ **تَمَام** کسی چیز کی کمی کو پورا کر دینے کو کہتے ہیں اور **كَمَال** اس انتہائی حد کو کہتے ہیں جس تک وہ اپنی پوری پوری نشوونما (Development) کے بعد پہنچ سکے۔ یا وہ اس مقصد کو پورا کر دے

جس کے لئے وہ بنائی گئی ہے۔ چنانچہ رَجُلٌ تَامٌ اَلْخَلْقِ کے معنی ہوتے ہیں ایسا آدمی جس کے اعضاء میں کوئی نقص (Constitutional Defect) نہ رہ گیا ہو۔ اور کَامِلٌ اَلْخَلْقِ اسے کہتے ہیں جس میں حسن و خوبی اپنی انتہا تک پہنچ چکی ہو۔ یعنی یہ تَمَامٌ سے آگے ہوتا ہے\*۔

تَمَّ الشَّقِيءُ\*۔ چیز پوری ہو گئی۔ تَمَّ عَلَيْهِ۔ وہ اس پر مداومت سے قائم رہا۔ اس کا ہمیشہ پابند رہا۔ اَتَمَّ الشَّقِيءُ: چیز کو پورا کر دیا\*۔

قرآن کریم میں ہے وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَىٰ بِتَمَّتْ (۱۱۲) ”جب اس کے نشوونما دینے والے نے ابراہیم کے لئے نمود ذات کے مختلف مواقع بہم پہنچائے تو وہ دوام و ثبات سے ان میں پورا اترا اور اس طرح اس نے بتا دیا کہ اس میں کوئی کمی باقی نہیں رہی۔“ سورة المائدہ میں ہے۔ اَلْيَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتَمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِی (۱۱۰) ”اب ہم نے تمہارا غلبہ و اقتدار انتہا تک پہنچا دیا۔ (کوئی سرکش قوت باقی نہیں رہی) تمہارے نظام زندگی کی تکمیل ہو گئی۔ اور ہماری نعمتوں میں سے جس جس کی کمی تھی ہم نے وہ سب پوری کر دی۔“ سورة انعام میں ہے۔ وَتَمَّتْ کَلِمَاتُ رَبِّکَ صِدْقًا وَقَعْدًا لَا اِلٰهَ اِلَّا لَیْکَلِمَتِہِ (۱۱۶) ”قوانین خداوندی میں سے جو کچھ باقی رہتا تھا وہ بھی سب کا سب صدق و عدل سے پورا ہو گیا، اور اب اس میں تبدیلی کرنے والا کوئی نہیں۔“ اس طرح دین کی تکمیل ہو گئی اور نبوت ختم ہو گئی۔ اس لئے کہ جب قوانین خداوندی میں نہ کسی اضافے کی ضرورت باقی رہے نہ رد و بدل کی گنجائش، تو پھر اور نبی آئیگا کس کام کیلئے؟ آیت ۱۱۶ کے مزید مفہوم کے لئے دیکھیں تتمہ ص ۱۸۲ جلد چہارم عنوان تام م۔

مُتِمٌّ\*۔ پورا کرنے والا (۱۱۸)۔

## تنور

اَلتَّنُوْرُ\*۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا مادہ نَارٌ\*۔ نُوْرٌ\* ہے (دیکھئے عنوان ن۔ و۔ ر) لیکن بعض کا خیال ہے کہ یہ لفظ عجمی ہے۔ عربوں نے معرب بنا لیا ہے۔ اس کے ایک معنی تو وہی ہیں جو ہماری زبان میں رائج ہیں۔ یعنی روٹی پکانے کا تنور۔ لیکن اَلتَّنُوْرُ\* وادی کے ا۔ مقام کو بھی کہتے ہیں

جہاں پانی جمع ہو جائے۔ نیز ہر اس جگہ کو جہاں سے پانی کا چشمہ ابلتا ہو۔ نیز بلند اور اونچی زمین کو کہتے ہیں\*۔

قرآن کریم میں حضرت نوحؑ کے طوفان کے ضمن میں ہے فَتَارَ السَّمَوَاتِ وَرُ (۱۱/۲۱)۔ یہاں تنور سے مراد وادی کی وہ جگہ ہے جہاں بارش کا پانی جمع ہو رہا تھا۔ یعنی بارش اس زور کی ہوئی (۱۱/۲۱) کہ وادی میں جہاں پانی جمع ہوتا تھا وہاں پانی میں سخت جوش پیدا ہو گیا اور اس نے طوفان کی شکل اختیار کر لی۔

## توب

تَابَ - تَوْبًا - تَوْبَةً\* - مَتَابًا - کے معنی ہیں واپس آنا\*\*۔ آپ شاہراہ حیات پر چلے جا رہے ہیں۔ راستہ میں ایک چوراہا آیا جہاں سے آپ ایک طرف کو مڑ گئے۔ چند قدم آگے بٹا کر آپ کو محسوس ہوا کہ آپ کا قدم غلط سمت کو اٹھ گیا ہے۔ صحیح راستہ یہ نہیں۔ اب آپ کو صحیح راستہ کی طرف جانے کیلئے اس مقام تک لوٹ کر آنا ہوگا جہاں سے آپ کا قدم غلط سمت کو اٹھا تھا۔ اس واپسی کو تَوْبَةً\* کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اسکے لئے آپ کو چل کر واپس آنا ہوتا ہے۔ وہیں کھڑے کھڑے اگر آپ عمر بھر بھی افسوس کرتے رہیں گے کہ میں نے غلط سمت کی طرف کیوں قدم اٹھا لیا تو یہ تَوْبَةً\* نہیں ہوگی۔ تَوْبَةً\* ایک عملی اقدام ہے جس سے غلط کام کو (Un-Do) کیا جاتا ہے۔ اس کے مضر اثرات کی تلافی کی جاتی ہے۔ تَابَ عَنَّهُ\* اور مِينَهُ\* کے معنی ہیں اس نے اپنی غلطی کا احساس کر کے غلطی کو چھوڑ دیا اور صحیح راستہ کی طرف لوٹ آیا۔ غلطی کا احساس، احساس کے بعد غلطی کو چھوڑ دیا اور صحیح اجتناب اور پھر صحیح روش کا اختیار کرنا، یہ تینوں مراحل تَوْبَةً\* کے اندر شامل ہیں۔ ایسا کرنے والے کو تَائِبٌ\* کہتے ہیں\*\*۔ اسی لئے قرآن کریم میں آیا ہے کہ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُدْرِكُنَّ السَّيِّئَاتِ (۱۱/۲۱)۔ ”اعمالِ حسنہ میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ غلط اعمال کے نقصان رساں نتائج کا ازالہ کر دیں،“۔ اسی کو تَوْبَةً\* کہتے ہیں۔ یعنی غلط کام کے نقصان رساں نتائج کی تلافی کے لئے صحیح کام کرنے۔ اس مقام پر ایک نکتہ کا سمجھ لینا ضروری ہے۔ آپ نے کسی شخص کا کوئی حق دیا لیا۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ کو اپنی اس غلط حرکت کا احساس ہوا۔ آپ کے دل میں ندامت کے جذبات بیدار ہوئے۔ آپ کی توبہ یہ ہے کہ آپ اس شخص کا حق واپس دیدیں اور

آئندہ کے لئے عہد کریں کہ آپ کبھی کسی کی حق تلفی نہیں کریں گے۔  
دوسری شکل یہ ہے کہ آپ نے شراب پی لی۔ کچھ وقت کے بعد آپ کو اپنی  
غلط کاری کا احساس ہوا۔ اس میں توبہ کی شکل یہی ہے کہ آپ اپنے عمل  
پر نادم ہوں اور آئندہ کے لئے کبھی اس کے مرتکب نہ ہوں۔

شروع میں بیان کردہ مثال میں، جب آپ نے اس چوراہے سے غلط راستہ  
اختیار کیا تھا تو صحیح راستہ نے آپکا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ جب آپ نے اپنی  
غلطی کے احساس کے بعد غلط راستہ کو چھوڑ دیا اور صحیح راستہ کی طرف رخ  
کیا تو صحیح راستہ نے بھی (جو اسوقت تک آپ سے منہ سوڑے ہوئے تھا)  
آپکی طرف رخ کر لیا۔ رخ ہی نہیں کر لیا بلکہ آپ نے اسکی طرف ایک قدم  
اٹھایا تو وہ دو قدم اٹھا کر آپکی طرف بڑھ آیا۔ دو قدم اسطرح کہ ایک قدم  
وہ کم ہوا جو آپ پہلے مخالف سمت میں جانے وقت اٹھا رہے تھے اور دوسرا  
قدم وہ جو آپنے اسکی طرف اٹھایا۔ اے تَابَ عَتِيْمَةً کہتے ہیں۔ اور ایسا  
کرنے والے کو تَوَّابٌ\*۔ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا (۱۱۱) خدا کے متعلق ہے۔ اور  
اِنَّ اللّٰهَ يَحْيِيۡ التَّوۡابِيۡنَ (۲۴۲) بندوں کے متعلق۔ یعنی جب انسان غیر  
خدائی قانون کو چھوڑ کر قانون خدا وندی کی طرف رخ کرتا ہے تو یہ قانون  
اپنے تمام خوشگوار نتائج کو لئے ہوئے اس انسان کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔  
اسی لئے (۱۳۷) میں یہ لفظ عَذَابٌ\* کے مقابلہ میں آیا ہے۔ نیز (۱۶۶) میں۔  
بالفاظ دیگر انسان کسی جرم کے ارتکاب سے ابدی طور پر زندگی کی خوشگوار یوں  
سے محروم نہیں ہو ساتا۔ وہ جب بھی قانون خدا وندی کو اختیار کریگا اس  
قانون کے خوشگوار نتائج اسکی طرف لپک کر آ جائیں گے۔ یعنی ہر شخص کیلئے  
باز آفرینی کا امکان موجود ہوتا ہے۔ اور اسی طرح ہر قوم کیلئے نَشَاۡةٌ  
ثَانِيَّةٌ کا امکان۔ (قوموں کی زندگی میں وہ مرحلہ کمب آتا ہے جب انکی حیاتِ نو  
ناممکن ہو جاتی ہے اس کے متعلق ہ۔ ل۔ ک کے عنوان میں بتایا جائیگا)  
لیکن یہ باز آفرینی اسی وقت تک ممکن ہے جب انسان کے لئے عملِ صالح  
کرنے کا امکان ہو۔ جب عمل کا موقع ختم ہو جائے تو پھر باز آفرینی ناممکن  
ہو جاتی ہے۔ جہنم میں عمل کا موقع باقی نہیں رہتا اس لئے باز آفرینی ناممکن  
ہو جاتی ہے۔

توبہ اور استغفار میں کیا فرق ہے اسکے لئے (غ۔ ف۔ ر) کا عنوان دیکھئے۔  
لطائف اللغۃ میں ہے کہ توبہ سابقہ گناہوں پر ندامت کو کہتے ہیں۔ اور  
انابت، مستقبل میں ترک معاصی کو۔

التَّابُوتُ\* - صندوق کو کہتے ہیں کیونکہ جو چیزیں اس سے نکالی جاتی ہیں وہ اس میں واپس ہوتی رہتی ہیں\* - (اس ضمن میں عنوان تَابُوتُ\* بھی دیکھئے)۔

## ت و ر

التَّقْوَرُ\* - بہنا، جاری ہونا۔ ایلچی، سفیر۔ التَّقْوَرَةُ\* - باندی جنواہنے چاہنے والوں میں آتی جاتی رہے۔

التَّارَةُ\* - وقت۔ مرتبہ۔ جیسے جِئْتَهُ تَارَةً\* اُخْرَى\* - میں اس کے پاس دوسری مرتبہ گیا۔ آتارہ\* - اسنے اسے یکے بعد دیگرے دھرایا۔  
التَّائِيرُ\* - تھکنے کے بعد بھی برابر کام میں لگا رہنے والا\*۔

سورۃ طہ میں ہے تَخْرَجُكُمْ تَارَةً اُخْرَى\* (طہ)۔ ”ہم تم کو دوسری مرتبہ نکالینگے،“۔ راغب نے کہا ہے کہ یہ تَارَ الْجُرْحِ سے ماخوذ ہے جسکے معنی زخم کا بھر جانا اور مندمل ہو جانا ہے\*\*۔ بہنا۔ جاری رہنا۔ اور تھکنے کے بعد بھی کام میں لگے رہنا کے اعتبار سے دیکھا جائے تو زندگی کی جوئے رواں کے لئے تَارَةُ\* کا لفظ کس قدر معنی خیز ہے۔ حیات کا سلسلہ غیر منقطع ہے۔ اس میں صرف احوال و ظروف کی تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ اس کا نام تَارَةُ اُخْرَى\* ہے۔  
التَّقْوَرَةُ\* - (دیکھئے عنوان تورات)۔

## تورات

بعض نے کہا ہے کہ یہ لفظ ”وری“ سے ماخوذ ہے جسکے معنی روشن کرنے کے ہیں\*۔ (اس کے لئے دیکھئے عنوان و۔ری)۔  
لیکن اصل وہی ہے جو صاحب محیط نے لکھا ہے کہ یہ تَوْرَةُ\* کا معرب ہے جو عبرانی لفظ ہے اور جسکے معنی شریعت اور حکم کے ہیں۔ اسکی جمع تَوْرَاتُ\* ہے۔ یعنی احکام و شرائع\*\*\*۔

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ تورات اس کتاب کا نام ہے جو حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوئی تھی۔ لیکن قرآن کریم نے حضرت موسیٰؑ کی کتاب کا نام خصوصیت سے تورات نہیں بتایا۔ تورات کے متعلق اس نے کہا ہے کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کے بعد (۱۳) بلکہ حضرت یعقوبؑ کے بعد (۱۴) اور حضرت

عیسے<sup>۲</sup> سے پہلے (۵۶۶) نازل ہوئی تھی۔ یہ یہودیوں کے لئے آسمانی راہنمائی تھی اور اس میں احکام خداوندی مندرج تھے۔ (۵۶۶)۔ اس میں ہدایت اور روشنی تھی۔ اس کے مطابق انبیائے بنی اسرائیل اور ان کے علماء و مشائخ معاملات کا فیصلہ کرتے تھے (۵۶۶)۔ ان تصریحات سے واضح ہے کہ قرآن کی رو سے تورات آن مجموعہ کتب کا نام ہے جو انبیائے بنی اسرائیل پر حضرت عیسے<sup>۳</sup> سے پہلے نازل ہوئیں۔ اسی مجموعہ کو عہد نامہ عتیق (Old Testament) کہا جاتا ہے۔ اس میں انتالیس صحیفے ہیں اور ہر صحیفہ اپنے نبی کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں ”اسفار موسیٰ“ بھی شامل ہیں جنہیں قرآن ”صحف موسیٰ“ سے تعبیر کرتا ہے (۱۶۶) نیز ”کتاب موسیٰ“ سے بھی (۱۶۶)۔ اس زمانے کے رواج کے مطابق، یہ کتاب چند تختیوں پر لکھی ہوئی تھی (۱۶۶)۔

جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے، موجودہ عہد نامہ عتیق کے مجموعہ میں انتالیس کتابیں ہیں لیکن ان میں بعض ایسی کتابوں کا حوالہ آتا ہے جو اس مجموعہ میں موجود نہیں ہیں۔ اس قسم کی کم از کم گیارہ کتابیں گنائی جا سکتی ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ یہ مجموعہ ناکمل ہے۔

اس سے آگے بڑھئے۔ ”اسفار موسیٰ“، کو حضرت موسیٰ<sup>۴</sup> کی طرف منسوب کیا جاتا ہے لیکن ان میں حضرت موسیٰ<sup>۴</sup> کی وفات اور وفات کے بعد کے حالات بھی موجود ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان کتابوں کا کم از کم کچھ حصہ حضرت موسیٰ<sup>۴</sup> کے بعد کا اضافہ ہے۔

عہد نامہ عتیق کی کتابوں کے متعلق اس وقت تک بالتحقیق ثابت نہیں ہو سکا کہ ابتداءً یہ کس عہد میں مدون ہوئیں اور ان کے مؤلف کون تھے۔ البتہ انا ضرور متحقق ہے کہ ایک زمانہ ایسا آیا تھا جس میں ان کا وجود ناپید ہو چکا تھا۔ یعنی جب چھٹی صدی قبل مسیح میں بابل کے شہنشاہ بخت نصر نے بیت المقدس کو تباہ و برباد کیا ہے (دیکھئے عنوان بنی اسرائیل)۔ تو اس نے تورات کی الواح کو جلا کر رکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ جب یہودی، بابل کی قید سے رہائی کے بعد دوبارہ بیت المقدس میں آئے تو انہیں اپنے گم گشتہ صحف مقدسہ کی ترتیب نو کی فکر ہوئی۔ چنانچہ عزرا نبی نے سلسلہ اول کی پانچ کتابوں کو اوسر نو مرتب کر کے واقعات کو مؤرخانہ حیثیت سے قلمبند کیا۔ لیکن خود عزرا نبی کے متعلق بھی یقینی طور پر معلوم نہیں کہ وہ کب یروشلم آئے تھے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ انہوں نے یہود کو ق۔م میں ان کتابوں کو

مرتب کیا تھا۔ یہ ترتیب و تدوین کسطرح عمل میں آئی تھی اس کے متعلق خود عزرا کی زبان سے سنئے۔ وہ کہتے ہیں۔

”دوسرے روز ایک آواز نے مجھے بلایا اور کہا کہ عزرا! اپنا منہ کھولو اور وہ کچھ پیو جسے میں تمہیں پینے کے لئے دیتا ہوں۔ سو میں نے اپنا منہ کھول دیا۔ تب دیکھو اس نے مجھ تک ایک پیالہ بھیجا۔ وہ پانی سے بھرا ہوا معلوم ہوتا تھا لیکن اس کا رنگ آتشیں تھا۔ میں نے اسے لیا اور پی گیا۔ جب میں نے اسے ہی لیا تو میرے دل میں فہم و فراست اور سینے میں بصیرت پیدا ہو گئی اور میری روح نے میرے حافظہ کو قوی بنا دیا۔ اور پھر جو میری زبان کھلی ہے تو بند نہیں ہوئی اور لکھنے والے چالیس دن تک بیٹھے لکھتے رہے۔ وہ دن بھر لکھتے تھے اور صرف رات کے وقت کچھ کہاتے اور میں دن بھر لکھاتا رہتا تھا اور رات کو بھی میری زبان بند نہ ہوتی تھی۔ چالیس دنوں میں انہوں نے ۲۰۴ کتابیں لکھ ڈالیں“۔ (کتاب عزرا ۲ - ۳۸-۳۳)

یہ بیان کسی وضاحت کا محتاج نہیں۔ اس پر صرف اتنا اضافہ کافی ہوگا کہ یروشلم کی تباہی ۵۸۷ ق م میں ہوئی اور عزرا نے ان کتابوں کو ۴۴۴ ق م میں لکھوایا۔ یعنی قریب ڈیڑھ سو سال بعد۔ ظاہر ہے کہ عزرا نے ان کتابوں کو خود کہیں نہیں دیکھا تھا جو انہیں حفظ یاد کر لیا ہوتا۔ اس لئے انہوں نے حفظ کردہ کتابوں کو دوبارہ نہیں لکھوایا بلکہ ان کتابوں کو انہوں نے خود تصنیف کیا۔ پھر یہ بھی دیکھئے کہ خود عزرا کے بیان کے مطابق انہوں نے ۲۰۴ کتابیں لکھوائی تھیں لیکن اب کہا جاتا ہے کہ انہوں نے صرف پانچ کتابیں (اسفار موسیٰ) مرتب کرائی تھیں۔

عزرا کے بعد نجمیہ نبی نے کچھ اور کتابوں کو مرتب کیا۔ لیکن ۱۶۸ ق م میں انطاکیہ کے یونانی بادشاہ، انٹونس نے پھر بیت المقدس کو برباد کیا اور مقدس صحیفوں کو جلا دیا۔ اس کے بعد یہودا مقابی کی ہمت سے ان صحیفوں کو ازسرنو مرتب کیا گیا۔ لیکن ۷۰ ق م میں رومیوں کا طوفان اسڈا اور ٹائٹس نے بیت المقدس کو اسطرح برباد کیا کہ یہودی اسمیں پھر نہ بس سکے۔ یہ ان صحیفوں کو ہیکل سے نکال کر اپنے ساتھ لے گیا۔ اس کے بعد یہودی علما نے ان صحیفوں کو اپنے حافظہ کی مدد سے پھر مرتب کیا۔

پھر یہی نہیں کہ ان کتابوں کو حوادث ارضی و سماوی تباہ کر دیتے تھے۔ ان میں دانستہ تحریف و الحاق کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ چنانچہ مشہور مسیحی مؤرخ ریمان (Life of Jesus) میں لکھتا ہے کہ



زمانہ قرب مسیح<sup>۴</sup> میں تورات میں بہت سی اہم تبدیلیاں کی گئیں۔ بالکل نئی کتابیں (مثل کتاب استثناء) مرتب کی گئیں۔ یہ کتابیں حضرت موسیٰ<sup>۴</sup> کی اصل شریعت کی حامل کہی جاتی ہیں حالانکہ ان کی روح پرانی کتابوں سے بالکل مختلف تھی۔ (ص۔ ۴۰)

اس کے علاوہ یہودیوں نے ایک اور عقیدہ بھی وضع کیا۔ وہ یہ کہ وحی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تورہ شیکتب (یعنی وحی مکتوب یا متلو) اور دوسری تورہ شبعلفہ، وحی غیر مکتوب (وحی غیر متلو)۔ یہودی علماء نے وحی غیر متلو کی روایات کو جمع کر کے اسے بھی تورات کا درجہ دیدیا۔ اس مجموعہ کو مشنا کہا جاتا ہے۔ پھر اس مجموعہ کی تشریحات و تفسیرات جمع کی گئیں۔ اس کا نام جمارا ہے۔ ان دونوں کے مجموعہ کو تالمود کہتے ہیں۔ تالمود دو ہیں۔ ایک شامی دوسرا بابلی۔ دونوں پانچویں صدی عیسوی کے مرتب شدہ ہیں اور آسانی سمجھے جاتے ہیں۔

ان روایات کے علاوہ، یہودیوں کے ہاں ”باطنی علم“ کا عقیدہ بھی موجود ہے۔ اس علم کی کتابوں کو ”سفریم جنوزیم“ (مخفی خزانہ کی کتابیں) کہا جاتا ہے۔

اب کچھ تورات کی زبان کے متعلق بھی دیکھئے۔ یہودیوں کی قدیم زبان عبرانی تھی۔ بابل سے واپسی کے بعد ان کی زبان ارامی ہو گئی۔ لیکن یہودیوں کی کوئی کتاب نہ عبرانی زبان میں تھی نہ ارامی میں۔ ان کی سب کتابیں جن سے دنیا روشناس ہوئی یونانی زبان میں تھیں۔ اسفار موسیٰ<sup>۴</sup> کا یونانی زبان سے عبرانی میں ترجمہ ہوا۔ یہ یونانی نسخہ اسکندریہ کی لائبریری میں تھا جسے عیسائیوں نے جلا دیا تھا۔ ۳۹۴ء میں سینٹ جیروم نے ان کتابوں کا مشہور رومی ترجمہ شائع کیا جو (Vulgate) کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بھی بالتحقیق معلوم نہیں کہ سینٹ جیروم کے پاس کونسا نسخہ تھا جس کا اس نے رومی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔

تورات کے جو نسخے دنیا میں آج مروج ہیں ان کے اختلافات کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اس کا پہلا نسخہ ۱۳۸۸ء میں چھپا۔ جب اس کے دوسرے ایڈیشن کا ۱۷۵۰ء میں انتظام کیا گیا تو اس میں اور پہلے ایڈیشن میں قریب بارہ ہزار جگہ اختلاف کرنا پڑا۔ اس طبع دوم کا نسخہ اب عام طور پر تورات (عہد نامہ عتیق) کہلاتا ہے۔

مروجہ عہدنامہ عتیق کے متعلق خود یہودیوں اور عیسائی محققین کی تنقیدات کیا ہیں اس کے متعلق میری کتاب ”معراج انسانیت“ کے باب اول (ظہر الفساد) میں تورات کا عنوان ملاحظہ کیجیے۔

یہ ہے اس تورات کی مختصر سی سرگزشت جسے یہودی اپنی آسمانی کتاب کہہ کر پیش کرتے ہیں اور جس کے متعلق قرآن نے چودہ سو سال پہلے کہا تھا کہ انہوں نے خدا کی کتاب کو بری طرح سے مسخ کر ڈالا ہے۔ جب قرآن کریم ہم سے کہتا ہے کہ تم پہلی آسمانی کتابوں پر بھی ایمان لاؤ تو اس کا مطالبہ فقط اتنا ہوتا ہے کہ تم مانو کہ انبیائے سابقہ پر بھی خدا کی طرف سے وحی نازل ہوئی تھی۔ یہ نہیں کہ جن کتابوں کو اہل کتاب آسمانی کتابیں کہتے ہیں انہیں حرفاً حرفاً خدا کی وحی سمجھو۔ قرآن ان کی کس طرح ”تصدیق“ کرتا ہے اس کے لئے عنوان (ص۔ د۔ ق) دیکھئے۔

## ت ی ن

التَّيْنُ\* - انجیر یا انجیر کے درخت کو کہتے ہیں۔ نیز ایک پہاڑی کا نام ہے، جس طرح زَيْتُون\* بھی ایک پہاڑی کا نام ہے\*۔ التَّيْنُ\* سے مراد وہ مقام ہے جہاں سے حضرت نوح\* نے اپنی دھوت کی آواز بلند کی تھی۔ جس طرح زَيْتُون\* وہ مقام ہے جہاں سے دعوتِ حضرت عیسیٰ\* کا آغاز ہوا تھا۔ قرآن کریم نے ان مقامات (تین - زیتون - طور سینا اور مکہ) کو اس حقیقت پر شاہد ٹھہرایا ہے (۹۵) کہ حق و باطل کی یہ کشمکش شروع سے اسی طرح چلی آ رہی ہے۔ یعنی آسمانی پیغام جہاں جہاں بھی آیا، مترقین نے اس کی مخالفت کی۔ وہ دعوتِ حضرت نوح\* کی تھی (التین) یا حضرت عیسیٰ\* کی (الزیتون)۔ حضرت موسیٰ\* کی تھی (طور سینا) یا نبی اکرم\* کی (البلد الامین)۔ ہر دعوت الی اللہ کی یکساں مخالفت ہوئی۔

## ت ی ہ

أَرْضٌ تَيْبَةٌ\* - اس سرزمین کو کہتے ہیں جس میں نہ پہاڑ ہوں نہ ٹیلے۔ نہ کوئی دوسری چیزیں ہوں جنہیں نشانِ راہ بنایا جاسکے اور اس طرح مسافر اس میں راستہ کھو کر حیران و سرگردان پھرے۔ تَاہَ تَيْبَةٌ\* فی الْأَرْضِ\* - راستہ گم کر کے زمین میں حیران و پریشان بھٹکتے پھرنا۔

\*تاج و راعب۔

رجُلٌ تَائِبٌ - بھٹکتا ہوا راہی \* - اس سے تَائِبٌ - يَتَّيْبُهُ کے معنی متحیر ہونے کے آتے ہیں - ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ اس کے بنیادی معنی ہیں - نیز تَائِبٌ يَتَّيْبُهُ کے معنی خودرائی اور تکبر کرنا ہیں \* - التَّيْبَةُ - التَّيْبَةُ مقامات حیرت \*\* - بنی اسرائیل کے متعلق ہے - يَتَّيْبُهُمْ فِي الْأَرْضِ (۴۹) ”وہ (چالیس سال تک) حیران و سرگردان پھرتے رہینگے“ - یہہ حالت ہوتی ہے اُس قوم کی جو قوانین خداوندی سے گریز کی راہیں تلاش کرنے اور ان میں حجتیں نکالے - وہ سفر زندگی میں حیران و پریشان ماری ماری بھرتی ہے اور ایسے کہیں نشانِ راہ اور سراغِ منزل نہیں ملتا - (جیسا کہ خود ہمارے ساتھ صدیوں سے ہو رہا ہے) -

## ث

## ث ب ت

ثَبَّتَ ثابت رہنا۔ ایک حالت پر جمے رہنا۔ اَلثَّبَاتُ مینَ الخَيْلِ۔ اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو ایک رفتار پر دوڑتا چلا جائے۔ اَلثَّبَاتُ۔ وہ تسمہ جس سے کجاوہ کو باندھ کر جمایا جائے۔ اور ایسے کجاوہ کو (جسے اس تسمہ سے باندھا جائے) اَلْمَثْبُوتُ کہتے ہیں\*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی دوام۔ شے کے ہوتے ہیں۔ سورۃ وعد میں اَثْبَاتٌ بمقابلہ مَحْوٌ (مٹا دینا) آیا ہے (۱۳۳) اور سورۃ ابراہیم میں یُثَبِّتُ بِمَقَابِلِهِ (۱۲۷)۔ لہذا اس کے معنی ہوئے، جو رائگان نہ جائے بلکہ نتیجہ خیز اور بار آور ہو۔ جو مٹے نہیں، اپنی جگہ نہ چھوڑے بلکہ قائم و دائم رہے۔ اَلْقَوْلُ الثَّابِتُ (۱۲۷) محکم نظریہ حیات۔ اَصْلُهَا ثَابِتٌ (۱۲۷)۔ جسکی جڑیں مضبوط جمی ہوں۔ اس کے مقابلہ میں ہے، ایسا درخت اَلْجُتُّنُتُ مینَ قَوْقِرِ الْاَرْضِ مَالِهَا مینَ قَرَارِ (۱۲۶) جسے زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ لیا جائے اور اسے کچھ بھی قرار نہ ہو۔ سورۃ نحل میں ثَبُوتٌ بمقابلہ تَبَزُلٌ آیا ہے۔ یعنی لغزش نہ کرنا اور جمے رہنا (۱۲۶)۔ اور سورۃ بنی اسرائیل میں بمقابلہ تَبْرُكَنَ (۱۲۶)۔ یعنی ذرا نہ جھکنا۔ قطعاً مائل نہ ہونا۔ یعنی وَیُثَبِّتُ بِهِ الْاَقْدَامَ (۱۲۶)۔ سورۃ نسا میں ہے وَ اَشَدُّ تَثْبِيْتًا (۱۲۶) استحکام دینے میں زیادہ مضبوط دُاعِ ثَبَاتٌ۔ وہ بیماری جو انسان کو حرکت کرنے کے قابل نہ چھوڑے\*۔ اس اعتبار سے اَثْبَاتٌ کے معنی ہوتے ہیں کسی کو قید کر دینا یا ایسا کر دینا کہ وہ نقل و حرکت کے قابل نہ رہے۔ سورۃ انفال میں لِيُثَبِّتُوْكَ (۱۲۶) کے یہی معنی ہیں۔

جماعت مومنین کی خصوصیت یہ ہے کہ خدا کے عطا کردہ محکم نظریہ حیات (قرآن) پر جم کر کھڑی رہے اور اس پر عمل پیرا ہو کر اتنی قوت پیدا کرے کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے اس کے مقام سے ہلا نہ سکے۔

## ث ب ر

الْتَّبِيرُ - روکنا - کسی بات سے منع کرنا - مَا تَبَرَّكَ عَنْ هَذَا - تمہیں کس چیز نے اس بات سے روک دیا\* - ابن فارس نے کہا ہے کہ الْتَّبِيرَةُ اس مٹی کو کہتے ہیں جو چونے سے مشابہ ہوتی ہے اور جب کھجور کی جڑ اس مٹی تک پہنچ جاتی ہے تو اسکی نشوونما رک جاتی ہے - اس سے اس کے معنی واضح ہو جاتے ہیں - الْتَّبِيرُ - نامراد و ناکام کرنا - خوشگوار یوں سے محروم کر دینا - چنانچہ الْتَّمْتَبِيرُ اس شخص کو کہتے ہیں جس پر جرم کی وجہ سے حد (سزا) لگ چکی ہو اور وہ اس طرح آزادی سے محروم کر دیا گیا ہو\*\* - الْتَّمْتَبِيرُ اس مقام کو کہتے ہیں جہاں اونٹ ذبح کیا جائے - اس اعتبار سے الْتَّبِيرُ - ہلاکت اور مسلسل تباہی کو کہتے ہیں\* - دَعَا هُنَالِكَ ثُبُورًا (۲۵/۱۳) - ”وہ وہاں ہلاکت کو پکارینگے“ - سَبُّورٌ - نامراد و ناکام - ہلاک شدہ - ناقص العقل - محروم\* - اِنْتِي - لَا ظَنِّيكَ يَا فِرْعَوْنَ سَبُّورًا (۱۰۳/۱۳) - ”اے فرعون! میں دیکھتا ہوں کہ تجھ میں عقل کی کمی ہے“ - تَبَّرَ فُلَانٌ\* - فلاں آدمی ہلاک ہو گیا یا اسکی نشوونما رک گئی - قرآن کی رو سے مطلب دونوں کا ایک ہی ہے - (دیکھئے عنوان ج - ح - م)

## ث ب ط

تَبَطَّطَهُ عَن لَامِيرٍ - اسکو کسی بات سے روک دیا اور دوسرے کام میں لگا دیا - دیر کرا دی - فرآن کریم میں ہے فَتَبَطَّطُوهُمْ (۱۰۰) - ”سو انہیں روک دیا“ - تَبَطَّطٌ کے معنی ہیں کسی آدمی کو اس کام سے روک دینا جو وہ کر رہا ہو - بعض نے کہا ہے کہ اسکے معنی ہیں آدمی اور اسکے ارادوں کے درمیان حائل ہو جانا - الْتَّبِيطُ اسے کہتے ہیں جو اپنے کام میں سست اناڑی اور کمزور ہو - جو دیر سے حرکت کرے\*\*\* -

## ث ب ی

الْتَّتَبِيَةُ - ڈھیر ڈھیر جمع کرنا - کسی معاملہ پر جم جانا اور مستقل مزاجی سے لگے رہنا - بار بار اپنے قبیلہ کی تعریف کرنا - متفرق خوبیوں کو بیان کرنا - چیز کی اصلاح کرنا اور اس میں اضافہ کر دینا - مکمل کر دینا -

\* تاج و محیط و راغب - \*\* تاج - \*\*\* تاج و محیط

پورا کر دینا - تعظیم کرنا - آدمی کا اپنے باپ کی سیرت پر چلنا - خیر اور شر کو جمع کر لینا - بہت زیادہ ملامت اور نکتہ چینی کرنا - ثَبَّيْتُ الْمَالَ - میں نے مال کو جمع کر دیا - مَالٌ مُّثَبِّيٌّ - جمع کیا ہوا مال - الثَّيْبِيُّ - لوگوں کی بہت تعریفیں کرنے والا - الثَّيْبَةُ - حوض کا درمیانی حصہ - لوگوں کی جماعت - سواروں کا دستہ - جَاءَتِ الْخَيْلُ ثَبَاتٍ - گھوڑے ٹکڑی ٹکڑی آئے - ابن جنسی نے کہا ہے کہ ثَبَّةٌ کے آخر سے واؤ گرا ہوا ہے - (جیسا کہ آبٌ - آخٌ اور سَنَةٌ اور عِيْضَةٌ وغیرہ میں ہے) ابن بری نے کہا ہے کہ محققین نے اسی قول کو اختیار کیا ہے کہ اسکی اصل ثَبْوَةٌ تھی - ابو اسحاق نے کہا ہے کہ یہ ثَابُ الْمَاءِ يَثْوُبُ سے مشتق ہے - جوہری نے کہا ہے کہ ثَبَّةٌ وسط حوض کو کہتے ہیں جہاں پانی جمع ہو جاتا ہے - اور آخر کی ہاء (یا تاء مربوطہ) درمیانی واؤ کے عوض میں ہے - (اس صورت میں اس کا مادہ ث - و - ب ہوگا - لیکن) راعب نے کہا ہے کہ اس کے آخر میں سے ایک یاء محذوف ہے اور اس کا مادہ ثَبِّيٌّ ہے \* -

ثَبَّى الشَّيْءُ يَثْبِيْهِ ثَبْيًا - چیز کو جمع کرنا - بڑا کرنا - درست کرنا - اس میں اضافہ کرنا - مکمل کرنا - قرآن کریم میں ہے فَانْفِرُوا ثَبَاتٍ اِرْوَانْفِرُوا وَاجْمِيْعًا (۱۶۱) - اس میں ثَبَاتٍ جمع ہے ثَبَّةٌ کی جس کے معنی ایک الگ جماعت کے ہوتے ہیں - اس کے مقابلہ میں جَمِيْعًا آیا ہے - یعنی تم الگ، گروہ گروہ ہو کر نکلو یا سب کے سب اکٹھے - اس کی جمع ثَبَاتٍ اور ثَبْوُنٌ ثَبِيْنٌ آتی ہے - اس میں آخری یاء محذوف ہے \*\* - (نیز دیکھئے عنوان ث - و - ب) -

## ث ج ج

تَجَّ الْمَاءُ - يَتَجَّ - تَجُّوْا - پانی کا بہنا - زور سے گرنا - اِنْتَجَّ - پانی گر گیا - التَّجَّاجُ مِنَ الْمَطَرِ - زور سے برسنے والی موسلا دھار بارش \*\*\* - قرآن کریم میں ہے وَ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً تَجَّاجًا (۹۶) - "ہم نے بادلوں سے زور سے برسنے والا پانی اتارا،، -

## ث خ ن

تَخَّنَ - يَتَخَّنُ - کسی چیز کا موٹا کثیف اور گاڑھا ہو جانا، اسطرح کہ وہ بہ نہ سکے - اَتَخَّنَ فِي الْعَدُوِّ - اسنے دشمنوں کو بہت زیادہ قتل

\* تاج - \*\* راعب - \*\*\* تاج و محیط و ابن فارس -

اور زخمی کیا۔ اَسْتَضَخْنَ مِنْهُ الْقَوْمَ۔ نیند اس پر غالب آگئی۔ اَثَخْنَ۔  
وہ غالب آ گیا۔ اس نے تسلط پا لیا\*۔

سورة انفال میں ہے حَتَّى بُشِخِنَ فِي الْأَرْضِ (۱۶۷)۔ ”جب تک وہ  
تمام دشمنوں پر غالب نہ آجائے“۔ اور انہیں انکی مخالفانہ کارروائیاں جاری  
رکھنے سے نہ روکدے۔ سورة محمد میں ہے حَتَّى إِذَا أَثَخْنْتُمْهُمْ  
(۱۶۷) ”جب تم انہیں مغلوب کر لو،“۔

دراصل اَثَخْنَ کے بنیادی معنی ہوتے ہیں کسی چیز کا اسقدر بھاری (یا  
(بوجھل) ہو جانا کہ وہ اسکی وجہ سے حرکت نہ کر سکے۔ (ابن فارس)۔  
چونکہ مغلوب یا مقتول اپنے مقام سے حرکت نہیں کر سکتا اس لئے اس کے  
لئے یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے معنی ہونگے اس قسم کا غلبہ جو  
دشمن کو بے حس و حرکت اور بے دست و پا کردے اور اس طرح وہ مخالفت  
کے قابل نہ رہے۔ چنانچہ تَخِيْنٌ\* اس آدمی کو کہتے ہیں جس کے پاس کوئی ہتھیار  
نہ ہو\*\*۔ محیط میں لکھا ہے کہ تَخِيْنٌ\* کے معنی ہتھیار بند ہیں۔ ممکن ہے  
کہ اپنی اصل کے لحاظ سے اس لفظ میں یہ دونوں معنی پیدا ہو گئے ہوں۔ اس  
لئے کہ جس طرح ہتھیار بند اسلحہ کے بوجھ اور بندش کی وجہ سے آزاد نہیں  
رہتا اور پوری طرح تیزی سے حرکت نہیں کر سکتا، اسی طرح نہتا بھی خوف  
کے باعث آزاد نہیں رہتا اور اسکی حرکت میں کمی آ جاتی ہے۔

## ثرب

ثَرْبٌ\* پتلی باریک چربی جو انتڑیوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ تَثْرَبُ يَثْبُ\*۔  
اس چربی کا ازالہ کر دینا۔ اسے وہاں سے ہٹا دینا۔ ثَرْبُ الثَّوْبِ اسنے  
کپڑے کو لپیٹ دیا۔ ثَرْبَهُ وَعَلَيْهِ يَثْرَبُ تَثْرَبُ يَثْبُ\*۔ اسے اسکی غاطی  
پر عار دلانا یا ملامت کرنا۔ زجر و توبيخ کرنا۔ سرزنش کرنا\*\*\*۔ سورة يوسف  
میں ہے۔ لَا تَثْرَبُ يَثْبُ عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ (۱۲)۔ ”تم پر آج کوئی ملامت  
نہیں،“۔ میں تمہیں زجر و توبيخ اور سرزنش نہیں کرتا۔ تمہیں معافی ہے پچھلی  
لغزشوں پر، اور آئندہ تمہیں عار نہیں دلانی جائیگی۔

يَثْرَبُ\*۔ مدینہ منورہ کا قدیمی نام ہے\*\*\*۔ قرآن کریم میں ہے يَا هَلْ  
يَثْرَبُ\*۔ ”اے یثرب کے رہنے والو،“۔ (۳۳)۔

\* تاج۔ \*\* ابن فارس۔ \*\*\* تاج و راعب و محیط۔

## ث ر ی ( ث ر و )

الثَّرَى - نمی - نم آلود مٹی - یعنی وہ مٹی جو کیلی ہو گئی ہو لیکن گارا نہ بنی ہو - زمین کی اوپر کی سطح خشک ہوتی ہے اور اس کے نیچے نم آلود - اس سطح کو ثری کہتے ہیں - مَا تَحْتِ الثَّرَى (نہ) - ”جو کچھ ثری کے نیچے ہے“ - ثَرِيَّتِ الْأَرْضِ - زمین نم آلود ہو گئی - چونکہ زمین کی نمی کھیتی کیلئے نہایت ضروری ہے اسلئے فَلَانٌ قَرِيبٌ الثَّرَى کے معنی ہیں ایسا آدمی جو آسانی سے خیر و برکت عطا کر دے - حقیقی ثروت زمین کی نمی کے ساتھ وابستہ ہے جو رزق کا سرچشمہ ہے - اَنَا ثَرِيٌّ بِهِ - میں اس سے خوش ہوں\* -

## ث ع ب

ثَعَبَ الْمَاءِ - پانی بہایا - فَانْتَعَبَ - چنانچہ پانی بہہ نکلا - مَاءٌ ثَعْبَانٌ\* - بہنے والا پانی - مَتَاعِيْبُ الْمَدِيْنَةِ - شہر کی پانی بہنے کی جگہیں - الثَّعْبَانُ\* - سانپ (موٹا لمبا اور نر سانپ) - چونکہ سانپ زمین پر اس طرح چلتا ہے جیسے پانی کی نالی بہہ رہی ہو اسلئے اسے ثَعْبَانٌ\* کہتے ہیں\* - اَلَا ثَعْبَانٌ\* - بھاری بھر کم سفید اور حسین چہرہ\* -

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی درازی اور پھیلنے کے ہوتے ہیں - (پانی وغیرہ میں) -

قرآن کریم میں قصہ حضرت موسیٰ کے سلسلہ میں کہا گیا ہے فَاتَّقَى عَصَاهُ فَيَاذَاهِي ثَعْبَانٌ مَبِيْنٌ\* ... (۱۰۶) - اس کے لغوی معنی ہیں ”تو اس نے اپنا عصا ڈالا تو وہ صریح سانپ (اڑدھا) تھا“ - اس کے مجازی مفہوم کے لئے عنوان (ع - ص - و) میں لفظ عصا دیکھئے -

## ث ق ب

الثَّقَبُ\* - سوراخ - آر پار شکاف - ثَقْبَةٌ - يَثْقُبُهُ\* - اسنے اسمیں سوراخ کر دیا - فَانْتَقَبَ\* - اسمیں سوراخ ہو گیا - اَلْيَمْتَقِبُ\* - سوراخ کرنے کا آلہ - ثَقَبَتِ السَّارُ\* - آگ بھڑک اٹھی - ثَقَبَ الْكُوْكَبُ\* ستارہ چمکا - شِمَابٌ ثَقِيْبٌ\* - روشن ستارہ - گویا وہ تاریکی کی چادر میں سوراخ کر کے باہر نکل آتا ہے، یا اسکی کرنیں فضا کی تاریکی میں چھید کرتی جاتی ہیں -

\*تاج - \*\*محیط -



الْتَيْبُ - اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو بہت دودھیاری ہو۔ جسکے دودھ کی دھاریں چھید کرتی جائیں \*۔ قرآن کریم میں شہابٌ ثاقِبٌ (۳۰)۔ اور الَّتَجْمُ الثَّقِيْبُ (۵۶) آیا ہے۔

## ث ق ف

الْتَقْفُ - کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کے بھانپ لینے اور پا لینے میں مہارت اور کسی کام کے کرنے میں حذاقت۔ ثَقِفْتُ كَذَا - میں نے کسی چیز کو مہارت نظر کے ذریعہ تاڑ لیا۔ اسکے بعد یہ لفظ محض پا لینے کے مفہوم میں استعمال ہونے لگا خواہ اسکے ساتھ نگاہ کی مہارت شامل ہو یا نہ ہو\*\*۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ اس کے معنی غلبہ پا لینے کے بھی ہیں۔ قرآن کریم میں ہے اِنْ يَتَّقُوا كُمْ يَكُونُوا لَكُمْ اَعْدَاءً (۲۰)۔ ”اگر وہ تم پر غلبہ پالینگے تو تمہارے دشمن ہو جائیں گے“۔ با وَاَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ (۱۶۱) ”جہاں تم انہیں بھانپ لو اور غلبہ پا لو انہیں قتل کر دو“۔

الْتِقَافُ کے معنی باہم جھگڑنے اور تلواریں چلانے کے ہیں۔ نیز وہ آلہ جنس سے نیزوں کو سیدھا کیا جاتا ہے\*\*\*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی ٹیڑھی چیز کو سیدھا کرنے کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ ثَقِفْتُ الْقِنَاةَ کے معنی ہیں میرے نیزہ کے خم کو سیدھا کر دیا۔ اس اعتبار سے الْتِقَافَةُ میں جہاں نگاہ کی تیزی۔ ذہانت۔ اور حذاقت کا مفہوم ہے وہاں اس میں تلوار چلانے اور نیزہ کے خم کو سیدھا کر دینے کا مفہوم بھی ہے\*۔ قوموں کی اولین ثَقَافَتِ شمشیر و سناں ہوتی ہے اور آخر الامر اس سے مفہوم شعر گوئی اور افسانہ طرازی رہ جاتا ہے۔ ایک زندہ قوم کی ثقافت، نگاہ کی تیزی اور شمشیر کی خارہ شگافی (دونوں) کا مجموعہ ہوتی ہے۔

## ث ق ل

الْتِقِلُ - خِفَّةٌ کی ضد ہے۔ بھاری اور بوجھل ہونا۔ راغب نے کہا ہے کہ یہ دونوں مقابل کے الفاظ ہیں۔ جب تم کسی چیز کا کسی دوسری چیز کے ساتھ وزن یا اندازہ کر رہے ہو تو جو چیز بھاری ہو اسے ثَقِيْلٌ کہتے ہیں اور جو ہلکی ہو اسے خَفِيْفٌ۔ ثَقِيْلٌ کی جِمِ ثِقَالٌ آتی ہے\*\*\*۔

\* تاج و محیط و راغب۔ \*\* راغب۔ \*\*\* تاج۔

عظیم الشان وزنی بات - قَوِّلاً ثَقِيلاً (۳۳/۵) - ثَقَلَيْنِ - دو عظیم القدر چیزیں - یا جماعتیں - آيَةُ الثَّقَلَيْنِ (۵۱/۱) - صاحب محیط نے کہا ہے کہ اس سے مراد عرب و عجم ہیں کیونکہ دونوں صفحہ ارض پر ثَقَلٌ ہیں\*\* -

اَثْقَالٌ (ثِقْلٌ کی جمع ہے) وزن - بوجھ - اعمال کے نتائج - (۲۹/۱۳) -

سورۃ زلزال میں ہے وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا (۹۹/۱) - ”زمین اپنے اَثْقَالِ کو اوپر لے آئیگی - باہر نکال دیگی،، - اس سے مراد زمین کے چھبے ہوئے خزانے و دفائن (معدنیات وغیرہ) بھی ہیں اور بڑے بڑے لوگ بھی -

مِثْقَالٌ - ہر وہ چیز جس سے کسی چیز کا وزن کیا جائے - چنانچہ ہر باٹ کو مِثْقَالٌ کہہ سکتے ہیں\* (۲۰/۲) -

ثَقُلَ - بھاری ہونا\* - ثَقُلْتُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (۱۸۷/۱) - ”وہ ارض و سماء میں بھاری ہے،، - اَثْقَلْتُ الْبِرَّ أَوْ وَثَقُلْتُ - ہورت کا حمل ظاہر ہو گیا\* - (۱۸۶/۱) - اِثْقَالَ - بوجھل ہو کر (زمین کی طرف) جھک جانا - سست ہو جانا - دیر لگا دینا\*\* - (۱۳۸/۱) -

مُثْقَلٌ - بوجھ سے دبا ہوا\* (۵۲/۲) - مُثْقَلَةٌ\* (۳۵/۱) -

سورۃ توبہ میں ہے - اِنْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا (۹۱/۱) - جب تمہیں جہاد کیلئے بلایا جائے تو تم چاہے فراخی کی حالت میں ہو یا تنگی کی حالت میں ہر حال میں جہاد کیلئے چل کھڑے ہو - تاج العروس نے جوان اور بوڑھے بھی کہا ہے\* - نیز اس کے - منے چست اور سست بھی ہو سکتے ہیں اور سامانِ حرب سے ادھوری یا پوری طرح لیس ہونے والے بھی -

ثَقُلْتُ مَتَوَارِثُهُ، کے لئے دیکھئے عنوان (خ - ف - ف) -

## ث ل ث

اَلثَّلَاثُ - اَلثَّلَاثُ - ایک تہائی حصہ (۱/۳ حصہ) قِيلَ ”مِثْقَالُ اَلثَّلَاثِ“ (۱۱/۱) - ”تو اسکی ماں کے لئے ایک تہائی حصہ ہے“ - اَلثَّلَاثَانِ - دو تہائی - ثَلَاثٌ - گھوڑے کا دوڑ میں ”مَسْبَاطِي“ کے بعد تیسرے نمبر پر آنا - (مَسْبَاطِي وہ ہوتا ہے جو پہلے نمبر سے متصل دوسرے نمبر پر آئے) - اَلثَّلَاثَةُ - تین کا عدد، مذکر (ثَلَاثٌ مؤنث) - قرآن کریم میں ہے - فَصِيحَاتُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ (۲۹۶/۱) - ”تین دن کے روزے (بطور فدیہ)“ -

ثَلَاثٌ - تین تین - مَسْنِيٌّ وَثَلَاثٌ وَرُبْعٌ - (۲/۱) ”دو دو - تین تین - چار چار،، - اَلثَّلَاثِيْنَ وَالثَّلَاثُوْنَ - تیس (۳۰) -

## ث ل ل

الْتَّلَاتَّةُ\* - بہت سی بھیڑیں یا بکریاں۔ اصل میں اون کے ڈھیر کو کہتے ہیں۔ چونکہ بھیڑ بکریوں پر اون ہوتی ہے اسلئے ان کے ریوڑ کیلئے بھی یہی لفظ بولا جاتا ہے۔ حَبَلٌ ثَلَاثَةٌ - اون کی رسی۔ الثَّلَاثَةُ\* - آدمیوں کی جماعت\*۔ قرآن کریم میں ہے ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْاَوْلِيَاءِ (۱۱۶)۔ ”پہلوں میں سے ایک بہت بڑی جماعت“۔

ثَلَّ الْقَدَارَ - گھر کی دیوار کی بنیاد میں سے مٹی نکال لینا اور پھر اسے دھکا دیکر گرا دینا۔ بَيَّتْ مَسْئُولٌ\* - منہدم مکان کو کہتے ہیں۔ الثَّلَاثَةُ\* - ہلاکت\*۔ یعنی ڈھیر ہو کر رہ جانا۔

## ث م د

الْتَّمَدُ\* - الْتَّمَدُ - الْتَّمَادُ\* - تھوڑا سا پانی جو کہیں جمع ہو جائے اور جسکا کوئی چشمہ نہ ہو۔ مثلاً بارش کا پانی۔ اَلْتَّمَدُ الْمَاءِ : بارش کے پانی کو گڑھوں وغیرہ میں محفوظ کیا۔\*\*  
الْتَّمَادُ\* کے معنی ہیں چوپایہ یا انسان کا بچہ جو تھوڑا تھوڑا کھانا شروع کرے۔ یہ اس کی ابتدائی عمر ہوتی ہے۔

تَمُوْدٌ - محققین علم الاقوام نے دنیا کی قوموں کو تین بڑی بڑی شاخوں میں تقسیم کیا ہے (۱) آریائی (۲) منگولی (۳) سامی۔ سامی اقوام میں عرب، آرامی، عبرانی، سریانی، کلدانی وغیرہ شامل ہیں۔ قرآن نے جن اقوام اور انبیائے کرامؑ کا ذکر کیا ہے وہ سامی اقوام سے متعلق ہیں۔ تورات کے بیان کے مطابق سام، حضرت نوحؑ کے ایک بیٹے کا نام تھا۔ ان کی اولاد سامی کہلاتی ہے۔ دور حاضرہ کی تحقیق کے مطابق اسم سامیہ کا اولین وطن عرب تھا جہاں سے نکل کر وہ بابل، شام، مصر وغیرہ تک پھیل گئیں۔ ان میں سے جنہوں نے اندرون عرب میں حکومتیں قائم کیں ان میں سب سے مشہور قبیلہ تَمُوْدُ کا تھا۔ تَمُوْدُ کے لغوی معنی کے پیش نظر، بعض کا خیال ہے کہ ان کا نام تَمُوْدُ اس لئے تھا کہ ان کے علاقہ میں پانی کی قلت تھی اور یہ بارش کے پانی پر گزارہ کیا کرتے تھے\*\*۔ یہ قوم عرب کے شمال مغربی علاقہ پر حکمران تھی جسے وادئ قریٰ کہتے تھے۔ حجران کا دارالحکومت تھا جو اس قدیم

راستے پر واقع تھا جو حجاز سے شام کی طرف جاتا ہے۔ وادی قریہ کے گرد و پیش کا علاقہ بڑا سرسبز ہے لیکن آتش فشاں سادہ سے لبریز۔ یہ قوم میدانوں میں وسیع و رفیع محلات تعمیر کرتی اور پہاڑوں کے گوشوں میں مستحکم قلعے بناتی تھی جو فن سنگ تراشی کے نمونے تھے (۱۸۵: ۱۸۳)۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا تو اس کے ساتھ ہی اس کے لئے سامان رزق زمین کے دسترخوان پر بافراط بچھا دیا تا کہ ہر ایک اپنی اپنی ضرورت کے مطابق لے لے۔ لیکن مستبد قوتیں رزق کے سرچشموں کو اپنی ملکیت بنا لیتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کمزور انسان بھوکے مر جائے ہیں۔ حضرات انبیائے کرام کی بعثت کا مقصد یہ بھی ہوتا تھا کہ وہ رزق کے چشموں کو مستبد قوتوں کے ہاتھوں سے چھوڑا کر نوع انسانی کے لئے عام کر دیں۔

قدیم زمانہ (اور آج بھی صحرا قورد اور بادیہ یما اقرام) میں پانی کے چشمے اور چسراگاہیں رزق کے اولین ذرائع ہوتے ہیں۔ قوم ثمود کے ہاں بھی یہی حالت تھی۔ سرداران قوم نے پانی کے چشموں کو اپنے قبضے میں لے رکھا تھا اور کمزور انسان انکے دست نگر تھے۔ معاشرہ کے اس فساد کو مٹانے کے لئے ان میں حضرت صالحؑ مبعوث ہوئے (۱۸۱: ۱۸۰) جنہوں نے ان سے کہا کہ وہ ملک میں اس قسم کی ناہمواریاں (فساد) پیدا نہ کریں (۱۸۱: ۱۸۰)۔ کمزور طبقے نے حضرت صالحؑ کا ہاتھ دیا لیکن دولت مند طبقہ نے ان کی سخت مخالفت کی (۱۸۱: ۱۸۰)۔ اور آپ کی دھوت کے جواب میں کہا کہ ہمارے ہاں جو مسلک ہمارے اسلاف سے چلا آ رہا ہے ہم اس میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا ہونے دیں گے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صالحؑ کی پوزیشن مستحکم تھی اس لئے انہوں نے (سرداروں) نے آپ سے معاہدہ کر لیا کہ پانی کے چشموں پر جانوروں کی باریاں مقرر کر دی جائیں اور اسیروں اور غریبوں (سب) کے جانور اپنی اپنی باری پر پانی ہی لیا کریں۔ حضرت صالحؑ نے کہا کہ اس بات کے ثبوت کے لئے کہ تم اپنے معاہدہ پر قائم رہتے ہو یا نہیں میں اپنی اونٹنی چھوڑتا ہوں۔ اگر تم نے اسے اسکی باری پر پانی ہی لینے دیا تو سمجھا جائیگا کہ تم اپنی بات کے پکے ہو (۱۸۱: ۱۸۰)۔ لیکن ان مفسدین نے اس اونٹنی کو مار ڈالا اور اس طرح اپنی بات سے پھر گئے (۱۸۱: ۱۸۰)۔ یہ اونٹنی گویا خدا کے قانون کی محسوس علامت تھی۔ اس لئے اسے نفاقۃ اللہ اور آیتہ (۱۸۱: ۱۸۰) کہا گیا ہے۔ وہ لوگ عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہے تھے کہ ایک رات آتش فشاں پہاڑوں میں دھماکا ہوا۔ ایک چیخ۔

ایک گرج - ایک کڑک کی آواز فضا میں گونجی اور قوم ثمود کی بستیاں را کھکا ڈھیر ہو گئیں (۱۸/۷۸)۔

[اس قوم کی فساد انگیز روش زندگی اور اس حادثہ میں باہمی تعلق کیا تھا - اس کے متعلق میری کتاب ”جوئے نور“ میں (حضرت نوحؑ کے تذکرہ کے ضمن میں) تفصیل ملیگی]

## ث م ر

ثَمَرٌ - درخت کے پھل - ہر قسم کا سال - سونا چاندی - سب کو ثَمَرٌ کہتے ہیں - الثَّمَرَةُ خود درخت کو بھی کہتے ہیں - اور اولاد کو بھی - سَالٌ ثَمَرٌ - کثیر سال، (جو بہت جلد بڑھ جائے) - ثَمَرُ النَّبَاتِ کے معنی ہیں پودے نے پھول جھاڑا اور اسکی جگہ پھل نمودار ہوا - ابن فارس نے اس مادہ کی اصل وہ چیز بتائی ہے جو مجتمع شکل میں کسی دوسری چیز سے پیدا ہو، پھر استعاراً دوسری چیزوں کو بھی کہدیا جاتا ہے -

قرآن کریم میں یہ لفظ سال و دولت کیلئے بھی آیا ہے - (كَأَنَّ لَهُ ثَمَرًا ۱۸/۷۸) - شہد کی مکھی کیلئے کہا گیا ہے کہ وہ تمام ثَمَرَاتٌ سے رس چوستی ہے (۱۷/۱۶) - راغب نے لکھا ہے کہ ثَمَرٌ درخت کے تمام اجزاء پر حاوی ہے جنکو کھایا اور چکھا جاسکے - اس لئے ثَمَرَات میں پھلوں کے علاوہ پھولوں وغیرہ کے بھی وہ اجزاء شامل ہیں جنہیں کھایا یا چکھا جاسکے -

## ثم

ثم - یہ ظرف مکان ہے - اور ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے جن معنوں میں انگریزی میں (There) استعمال ہوتا ہے - یعنی وہاں\*\* - سورة بقرہ میں ہے - فَآيُنْمَا تَوْلَوْا فَنَمَّ وَجْهُ اللَّهِ (۱۱۵) ”تم جس طرف بھی اپنا رخ کرو گے وہاں اس راستہ کو اپنے سامنے پاؤ گے جو تمہیں خدا کی مقرر کردہ منزل کی طرف لیجائے“ - قانون خداوندی زندگی کے ہر گوشے میں مل جائیگا (دیکھئے عنوان و - ج - ہ) - سورة شعراء میں ہے وَأَزَلْتُنَا ثَمَّ ۱۱/۲۶) - ”ہم دوسروں کو بھی وہیں قریب لے آئے“ - سورة الذہر میں ہے إِذْ أَرَأَيْتَ كَيْفَ رَأَيْتَ نَسْعِيماً (۶۰) ”جب تو وہاں دیکھیگا (یا ادھر دیکھیگا) تو نعمتیں نظر آئیں گی“ - سورة تکویر میں ہے مَطَاعٌ ۱۱/۲۶) ”وہ مطاع بھی ہے اور اس کے ساتھ ہی امین بھی -“

\*(تاج) - \*\* تاج و لین - لہ - اس آیت میں وجہ اللہ کے معنی ذات خداوندی بھی ہو سکتے ہیں - لیکن ذات خداوندی ہمارے سامنے اس کی آیات کی روشنی میں آتی ہے - آیات اللہ میں قانون خداوندی کی حیثیت بنیادی ہے -

(ثم) - فعل بھی ہوتا ہے جسکے مختلف معانی ہیں۔ مثلاً درست کر دینا۔ پاؤں سے روندنا۔ جمع کرنا وغیرہ۔)

## ثم (حرف)

ثم - عام طور پر یہ اس مقام پر آتا ہے جہاں کوئی ترتیب بیان کرنا مقصود ہو۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ پہلے اس نے کھانا کھایا پھر پانی پیا۔ سورۃ مومنوں میں ہے۔ ثم "أَنْشَأْنَا نَمِينَ بَعْدَ هِيمٍ قَرْنَا الْخَرَابِينَ"۔ (۲۳/۲۳) "پھر ہم نے ان کے بعد ایک اور نسل پیدا کی،۔"

(۲) لیکن ضروری نہیں کہ ثم ہر جگہ ترتیب کے معنی ہی میں استعمال ہو۔ یہ وَ (اور) کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً سورۃ یونس میں ہے۔ ثم "اللَّهُ شَمِيعٌ عَلِيمٌ مَا يَفْعَلُونَ" (۱۰/۲۶)۔ "اور اللہ اس پر گواہ ہے جو یہ کرتے ہیں،"۔ اسکی ایک اور بیٹن مثال یہ ہے کہ سورۃ بقرہ میں ہے "هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَافِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ" (۲/۲۹)۔ "اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے۔ (ثم) اور وہ آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا۔ اور انہیں متعدد کثرون میں درست کیا،"۔ اگر یہاں ثم کے معنی "پھر،" کئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ ترتیب کے لحاظ سے پہلے زمین کو بنایا اور پھر آسمانی کرون کو۔ لیکن سورۃ نازعات میں پہلے آسمانی کرون کے متعلق ہے۔ رَفَعَ سَمُوكُمْهَا فَسَوَّاهَا۔ "اس نے آسمان کی بلندی کو اونچا کیا اور اسے ٹھیک بنایا،"۔ اس کے بعد ہے۔ "وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا" (۲۹/۲۹) "اور زمین کو اس کے بعد پھینکا،"۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے آسمانی کرون کو مرتب کیا۔ پھر زمین کو دور پھینکا۔ (اسکی تائید کہ ان کثرون کو چھینٹوں کی طرح اڑایا (۱۱/۱۱) سے بھی ہوتی ہے)۔ اس سے ظاہر ہے کہ (۲۹) میں ثم، ترتیب کے لئے نہیں آیا۔ لہذا اس کے معنی ہر مقام پر ترتیب کے لئے جائینگے۔ کہیں وَ (اور) کے بھی لئے جائینگے۔

نیز کہیں یہ زائد ہوتا ہے۔ مثلاً سورۃ توبہ میں ہے "حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِنَّ الْأَرْضُ... ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِ" (۹/۱۱۸)۔ "یہاں تک کہ جب ان پر زمین باوجود اپنی وسعت کے تنگ ہو گئی۔ اور وہ خود اپنے آپ سے تنگ آ گئے۔ اور انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ کی سزا سے اللہ کے سوا کوئی بچانے والا نہیں۔ تو اللہ انکی طرف متوجہ ہوا،"۔ یہاں ثم کچھ معنی نہیں دیتا۔ اسے زائد کہتے ہیں۔ ("زائد،" کے متعلق کتاب کا پیش لفظ دیکھئے)۔

تَمَّعَ كَيْفَ يَكُونُهَا (۱۱/۱۱)۔

## ث م ن

ثَمَنُ الشَّيْءِ - وہ کچھ جسے ادا کرنے کے بعد چیز کی ملکیت حاصل ہو جائے۔ عام طور پر ثَمَنٌ کسی چیز کی اس قیمت کو کہتے ہیں جسپر خریدار اور فروخت کرنے والا باہم راضی ہو جائیں۔ اور ”قیمت“ اس معاوضہ کو کہتے ہیں جو اس چیز کے فی الواقعہ برابر ہو۔ مَتَاعٌ ثَمِينٌ - قیمتی سامان\*۔

قرآن کریم میں ہے - وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِنَا ثَمَنًا قَلِيلًا (۲۴) ”میری آیات کو تھوڑی سی قیمت کے عوض مت بیچو،“۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ انہیں زیادہ قیمت پر بیچو۔ کم قیمت پر مت بیچو۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی حقیقی قیمت وہی ہے جو ان پر عمل پیرا ہونے سے ان کے نتائج کی صورت میں ملتی ہے۔ اس کے علاوہ جو قیمت بھی ہوگی وہ ثمنِ قلیل ہوگی۔ دین کو ذاتی اغراض و مصالح کے حصول کا ذریعہ بنانا بدترین جرم ہے۔ مذہبی پیشوائیت کا مدار ہی اس پر ہے۔ چنانچہ قرآن، شیطان کی زبان سے کہلاتا ہے کہ لَا تَخِذْ مِنْ عِبَادِكُمْ ثَمَنًا مَقْرُوفًا (۱۱۸) ”میں ضرور تیرے بندوں سے ایک مقرر حصہ لوں گا،“۔ اسی کو وہ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا کہہ کر پکارتا ہے (۱۶۹)۔ یعنی انسان کی طبعی زندگی کے مفاد و متاع جس میں اس کی مستقبل کی زندگی کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا۔ یہ متاع بہر حال قلیل عوتی ہے (۱۶۹) خواہ اسکی مقدار کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ جس متاع سے انسانی ذات کی نشوونما نہ ہو وہ میزانِ انسانیت میں کچھ وزن نہیں رکھتی۔ مذہبی پیشوائیت کا باہمی گٹھ جوڑ اسی متاع کے لئے ہوتا ہے۔ (۲۵)۔ اسی لئے پیشوائیت اور اسلام متضاد تصور ہیں۔

ثَمَانِيَّةٌ - آٹھ (مذکر کے لئے)۔ ثَمَانِيَّةٌ آيَاتٍ (۲۱)۔ ”آٹھ دن،“۔ ثَمَانٍ يَأْتَمَانِيٌّ - آٹھ (مؤنث کے لئے)۔ ثَمَانِيٌّ حَيْجَجٍ (۲۸)۔ ”آٹھ سال،“۔

ثَمَانُونَ - ثَمَانِيْنَ - اسی۔ ثَمَانِيْنَ جِلْدَةً (۲۳)۔ ”اسٹی کوڑے،“۔

الْثَّمَنُ - الثَّمَنُ - الثَّمِينُ - کسی چیز کا آٹھواں حصہ۔

فَلْتَهِنَنَّ الثَّمِينُ (۲۳)۔ ”ان کے لئے آٹھواں حصہ ہے،“۔

مرزا ابوالفضل نے (غریب القرآن میں) سر سید احمد خاں کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ لفظ کبھی محض فصاحت کلام کیلئے بھی بولا جاتا ہے جسمیں اسکے معنی غیر متناہی کے ہوتے ہیں۔ یعنی بہت سے۔

## تھوں

دیکھئے عنوان (ث۔ م۔ د)۔

## ث ن ی

ثَنَاءٌ - ثَنِيًّا - کسی چیز کو دھرا کرنا یا تمہہ کرنا (جیسے کہڑا)۔  
یا کسی چیز کو موڑ کر دھرا کرنا (جیسے درخت کی شاخ کو موڑ کر دھرا کر دیا جائے)۔

ثَنَى الشَّيْءُ - چیز کو موڑ دیا یا لپیٹ دیا۔ تَثَنَى - چیز مڑ گئی۔  
ثَنَى الْوَادِيَّةَ - سانپ کا ہل کھانا۔ الثَّنِيَّةُ مِثْلُ الْوَادِيَّةِ - وادی کا موڑ۔  
اس کی جمع آثَنَاءُ مِثْلُ الْوَادِيَّةِ ہے۔ آثَنَاءُ مِثْلُ الْوَادِيَّةِ -  
چوپایہ کے گھٹنے اور کہنیاں جو مڑ کر دھری ہو جاتی ہیں\*۔ ثِنَاءٌ -  
اس رسی کو کہتے ہیں جس سے اونٹ کا گھٹنا موڑ کر اس کی ران سے باندھا  
جاتا ہے\*\*۔ ثِنِيٌّ - وہ چیز جسے دھرایا جائے، یکے بعد دیگرے بار بار  
کیا جائے\*۔ آثَنَاءُ مِثْلُ الْوَادِيَّةِ - دو۔ ایک کا دگنا\*۔ مَوْنُ الثَّنَانِ، اِثْنَتَيْنِ -  
فَوْقَ اِثْنَتَيْنِ (۱۱)۔ ”دو سے زیادہ“ (عورتیں)۔

آثَنَاءُ الْكَلَامِ - وسط کلام، - فِي آثَنَاءِ ذَالِكَ - اس درمیان

میں -

اِثْنَتَيْنِ ثِنَاءٌ - کسی کو مستثنیٰ کرنا\*۔ الگ نکال کر رکھ دینا۔  
چنانچہ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس سادہ کے بنیادی معنی (۱) ایک کام کو  
دوبارہ (مکرر) کرنا اور (۲) ایک چیز کی دو الگ الگ چیزیں بنا دینا ہیں۔

قرآن کریم میں منافقین کے متعلق ہے اَلَا لَأَنْتَهُمْ يَتَشَوَّنُ  
صُدُورَهُمْ (۱۱)۔ ”وہ اپنے سینے کو دھرا کئے ہوتے ہیں“۔ ایسے تمہہ  
کر لیتے ہیں کہ اوپر کچھ اور د کھائی دے اور نیچے کچھ اور ہو۔  
(Dual Personality)۔ سورۃ حج میں کتاب اللہ سے اعراض ہر تنے والے اور گریز  
کی راہیں نکالنے والے کے متعلق کہا گیا ہے ثَانِيٌّ عِطْفِيهِ (۲۲)۔ ”وہ

\*تاج - \*\*لین - \*\*\*محیط -



اپنی گردن موڑ کر چل دیتا ہے۔ اہراض برتنا ہے "سورة القلم میں ہے کہ تباہ ہونے والیے سرمایہ پرست لَا یَسْتَعْتَبُونَ (۱۸)۔ "دوسروں کا حق نکال کر الگ نہیں رکھتے تھے" یعنی سب کا سب اپنے لئے رکھ لیں گے۔ اس میں سے کچھ بچا باقی نہیں چھوڑیں گے۔

سورة الحجر میں نبی اکرمؐ سے کہا گیا ہے کہ وَلَقَدْ اتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي "وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ" (۱۵)۔ "ہم نے تجھے سبعا مِّنَ الْمَثَانِي" اور الْقُرْآنَ الْعَظِيمَ عطا کیا۔"۔ الْقُرْآنَ الْعَظِيمَ خدا کے مقرر کردہ بنیادی اصول ہیں جن کے مطابق اعمال اپنا اپنا نتیجہ مرتب کرتے ہیں (دیکھئے عنوان ع۔ ظ۔ م)۔ اور الْمَثَانِي وہ تاریخی حقائق ہیں جو اپنے آپ کو دہرائے رہتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ ایک تو ان بنیادی اصولوں کو بیان کر دیا جن کی رو سے قوموں کو عروج و زوال حاصل ہوتا ہے (یعنی قرآن کریم) اور اس کی تائید میں وہ متعدد تاریخی شواہد بیان کر دئے جو ہر زمانہ میں بار بار سامنے آتے ہیں۔ قرآن کی ابدی صداقتوں کے پرکھنے کا ایک اہم طریق یہ بھی ہے کہ تاریخ میں دیکھا جائے کہ فلاں قوم نے جب وہ روش اختیار کی جسے قرآن حق کی روش قرار دیتا ہے تو اس کے نتائج کیا برآمد ہوئے اور جس قوم نے باطل کی روش اختیار کی تو اس کے ہواقب کیا ہوئے۔ (مزید تفصیل کیلئے مُحْكَمَات\* اور مُتَشَابِهَات\* کی بحث دیکھئے۔ عنوان (ح۔ ک۔ م) کے تحت)۔

سورة زمر میں قرآن کریم کے متعلق ہے كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانِي (۳۹)۔ جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے، مَثَانِي کے معنی ہیں وہ چیزیں جو ایک دوسرے کے سامنے آجائیں۔ (جیسے چوپاؤں کے گھٹنے اور کہنیاں جو مڑ کر ایک دوسرے کے سامنے آجاتی ہیں)۔ اور مُتَشَابِهًا کے معنی ہیں آپس میں ملتی جلتی۔ قرآن کی ساری تعلیم، یہاں سے وہاں تک، ایک دوسرے سے ملتی جلتی چلی جاتی ہے۔ اس میں کہیں تضاد نہیں۔ تخالف نہیں۔ لیکن اپنے مفہوم کو واضح کرنے کے لئے قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ وہ متضاد چیزوں کو آمنے سامنے لا کر بات صاف کر دیتا ہے۔ مثلاً ظُلُمَات کے مقابلہ میں نُور۔ حَيَات کے مقابلہ میں مَوْت۔ اِنْمَان کے مقابلہ میں كُفْر۔

یعنی متضاد چیزوں کو آمنے سامنے لا کر مطلب کی وضاحت کر دینا) لہذا قرآن مُتَشَابِه\* بھی ہے اور مَثَانِي\* بھی۔ ایسی کتاب جس کی ایک کڑی

دوسری کڑی سے ملتی ہوئی آگے بڑھتی چلی جاتی ہے لیکن جس کے مطالب کو متضاد چیزوں کو آمنے سامنے لا کر واضح کیا گیا ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان (ش۔ ب۔ ہ) اور (ح۔ ک۔ م)۔

مثنوی۔ دو، دو (۳۵)۔ (نیزم) اثناعشر (مذکر) اثناعشرۃ (مؤنث) (۲) بارہ۔ کتاباً متشابہاً مثالی کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم پہلی کتابوں کے تشابہ ہے اور اصولاً ان کی تکرار۔

## ت و ب

تَابَ - يَتَوَبُّ - تَوْبًا - چلے جانے کے بعد پھر واپس آ جانا - تَابَ جَسْمُهُ تَوْبَانًا وَأَتَابَ - اسکا جسم بیماری کے بعد پھر اپنی اصلی حالت پر آنے لگا، اور امطرخ ضائع شدہ توانائی اور صحت پھر عود کر آئی\* - تَابَ الْمَاءُ - پانی نکلے جانے کے بعد پھر اتنا ہی آ گیا - بحال ہو گیا\*\* - التَّائِبُ مِنَ الْبَحْرِ - جزر کے بعد سمندر کا بچ رہنے والا پانی - يَشْرُقُ تَائِبٌ - وہ کنواں جسمیں دوبارہ پانی پلٹ آئے اور جمع ہو جائے\* - کتاب الاشتقاق میں ہے کہ تَابَ يَتَوَبُّ کے معنی رَجَعَ (واپس آ جانے) کے ہیں - كَلَّ رَاجِعٌ تَائِبٌ - ہر واپس آنے والے کو تائب\* کہا جاتا ہے - ابن فارس نے بھی اس کے بنیادی معنی یہی لکھے ہیں -

مَثَابَةُ الْيَسْرِ - جہاں تک کنویں کا پانی پہنچ رہا ہو - الْمَثَابَةُ وہ مقام جہاں بار بار جمع ہو جا جائے - مرجع - مکان - منزل - تَابَ النَّاسُ لوگ جمع ہو گئے\* -

التَّوْبُ - کپڑے کو کہتے ہیں (غالباً اسانے کہ اسکے بننے میں نال بار بار آئی اور جاتی ہے) اسکی جمع تَيَابٌ ہے - تَوَّابٌ - کپڑا بیچنے والا\* - ہرب عام طور پر تَيَابٌ کے لفظ سے انسان کی شخصیت مراد لیتے ہیں - یعنی خود کپڑے پہننے والا - چنانچہ وہ کہتے ہیں فُلَانٌ دَائِسٌ التَّيَابِ - یعنی وہ شخص بڑی خبیث فطرت کا ہے - اسکی شخصیت بڑی خراب ہے\* -

اس اعتبار سے کہ خود تَابَ کے معنی جمع ہونے کے ہیں - اور اسلئے بھی کہ عربوں میں جب لوگوں کو جمع کرنا مقصود ہوتا تو ایک آدمی کسی اونچی جگہ کھڑا ہو کر کپڑا ہلاتا ، تَتَوَّبُ کے معنی ہیں لوگوں کو آواز دیکر بلانا ، اکٹھا کرنا - چنانچہ صبح کی نماز میں الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ التَّوْمِ پکارنے کو تَتَوَّبُ کہتے ہیں\*\* ،

\* تاج و محیط - نیز ابن قتیہ (القرطین ج/۲ صفحہ ۱۹۰) - \*\* تاج

ثَوَابٌ يُّثَوَّبُ - کے ان بنیادی معنوں کو سامنے لائیے (جن کا شروع میں ذکر آیا ہے) - اس سے ثَوَابٌ کا صحیح مفہوم سمجھ میں آ جائیگا۔ ثَوَابٌ کے معنے ہیں جو چیز چلی جائے اسکا پھر سے واپس آ جانا۔ آپ جو کام بھی کرتے ہیں اس میں آپکا کچھ نہ کچھ صرف ہوتا ہے۔ اگر اور کچھ صرف نہ ہو تو بھی آپکے جسم کی توانائی - وقت اور ذہن کی صلاحیتیں صرف ہوتی ہیں۔ اگر آپکا وہ کام بیکار ہے تو آپکی یہ سب توانائیاں (جو آپنے صرف کی ہیں) ضائع چلی جاتی ہیں۔ لیکن اگر وہ کام نتیجہ خیز اور صلاحیت بخش ہے تو آپنے جو کچھ صرف کیا ہے وہ سب آپکو واپس مل جاتا ہے۔ اس (Restoration) کا نام ثَوَابٌ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز محض ذہنی یا خیالی نہیں ہو سکتی کہ ثواب ہو اور آپ کو محسوس ہی نہ ہو کہ کچھ ہوا ہے یا نہیں۔ آپ جو کچھ صرف کرتے ہیں اسکا آپکو پورا پورا احساس ہوتا ہے (خواہ وہ وقت یا جسم یا ذہن کی توانائی ہی کیوں نہیں) اسلئے جو کچھ آپکو واپس ملے (Restore ہو) اسکا بھی آپکو احساس ہونا چاہئے۔ ورنہ آپکو معلوم کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ کچھ واپس مل گیا ہے یا نہیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے جہاں ثَوَابٌ الْآخِرَةَ (۱۳۷) کہا ہے۔ یعنی وہ بازیابی (واپسی) جو انجام کار (یا بعد کی زندگی میں) ملے، اسکے ساتھ ہی ثَوَابٌ الدُّنْيَا (۱۳۷) بھی کہا ہے۔ یعنی اسی دنیا کی زندگی میں بازیابی۔ نتیجہ خیزی۔ اور اس خیال سے کہ کسی کو غلط فہمی نہ رہے کہ یہ ثَوَابٌ کس شکل میں ملیگا اسکی تفصیل میں بتا دیا کہ یہ ثواب، سرداری و سر بلندی کے نشانات، دینز اور لطیف ریشمی ملبوسات اور سرقرازیوں کی نشست گاہیں ہیں۔ (۱۳۸)۔ قرآن نے ایمان اور اعمالِ صالحہ کا حتمی اور یقینی نتیجہ اِس دنیا کی حکومت اور سلطوت بھی بتایا ہے۔ (۲۵۵)۔ اس لئے ثَوَابٌ (نتائجِ اعمال) سب سے پہلے اسی دنیا میں سامنے آ جائے چاہئیں۔ اس کے بعد اُخروی زندگی میں بھی۔ چونکہ زندگی ہی یہ تمام آسائشیں اور خوشگواریاں اور انسانی صلاحیتوں کی نشوونما اور ارتقاء، اعمالِ صالحہ کا نتیجہ ہوتے ہیں، اس لئے ثَوَابٌ کے معنے اعمال کا نتیجہ بھی ہیں۔ یعنی قانونِ مکافات کی رو سے اعمالِ انسانی کا نتیجہ مرتب ہونا۔ عام طور پر اچھے نتائج کیلئے ہی اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے، لیکن بعض اوقات غلط کاموں کے خراب نتائج کیلئے بھی اسکا استعمال ہوتا ہے، (مثلاً ۱۵۲ اور ۸۳ میں)۔ یعنی انسان نے جو کچھ کیا ہے اسکا اسکی طرف لوٹ کر آ جانا۔ اس کی (Return)۔ ہل "ثَوَابٌ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَتَمَعَّلُونَ" (۸۳)۔ "کفار کے اعمال ہی نتیجہ بنکر انکی طرف لوٹ کر آ جاتے

ہیں، قرآن کریم نے مکافات عمل کے ضمن میں یہ بڑا باریک نکتہ بیان کیا ہے کہ اعمال خود اپنی جزا آپ ہوتے ہیں۔ خود عمل کے اندر اسکا نتیجہ مضمر ہوتا ہے۔ آپ صبح کے وقت سیر کیلئے جاتے ہیں۔ دو تین میل کا چکر لگاتے ہیں۔ اس سے آپکی طاقت خرچ ہوتی ہے۔ وقت بھی صرف ہوتا ہے۔ لیکن اس سے آپکو صحت و توانائی، شگفتگی اور بشاشت حاصل ہوتی ہے۔ یہ صحت اور بشاشت کیا ہے۔ آپکی سیر کا نتیجہ ہے۔ یعنی آپکی سیر کا عمل خود اپنا آپ نتیجہ بن گیا ہے۔ اسے ثواب کہتے ہیں۔ ثواب کے اس مفہوم کے بعد آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جس چیز کو ایصالِ ثواب کہتے ہیں وہ کس قدر غیر قرآنی تصور ہے۔ کیا یہ کسی طرح بھی ممکن ہے کہ سیر تو آپ کریں اور اس سیر کا نتیجہ آپ میری طرف منتقل کر دیں؟ یہ ناممکن ہے۔ اگر آپ سیر کرتے ہیں تو آپ ہی کی صحت ٹھیک ہوگی۔ اگر میں سیر نہیں کرتا تو آپکا سیر کرنا میرے کسی کام نہیں آسکتا۔ آپ ہزار چاہیں لیکن اس سیر کا نتیجہ (ثواب) آپ کسی دوسرے کی طرف منتقل نہیں کر سکتے۔ اس لئے آپکا کسی دوسرے کو ثواب پہنچانا ایک سوہوم عقیدہ ہے جسکا حقیقت (قرآن) کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ ہر شخص کو اس کے اپنے اعمال ہی کا نتیجہ ملتا ہے۔ ہر عمل کا اثر انسان کی اپنی ذات پر ہوتا ہے اس لئے اس کے (کسی دوسرے کی طرف) منتقل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مَثْوَبَةٌ (۳۶) بدلہ یا مکافات عمل کیلئے آہا ہے۔

قرآن کریم میں نبی اکرم کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے وَثِيَابَكَ فَطَيِّهْرِ (۹۳)۔ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ ثياب کے معنی انسانی شخصیت اور سیرت و کردار کے ہیں۔ (چنانچہ خود قرآن میں دوسرے مقامات پر یہ لفظ انسانی شخصیت یا قلب و دماغ کیلئے استعمال ہوا ہے۔ مثلاً (۱۱۱ و ۱۱۲)۔ اسلئے اسکے معنی یہ بھی ہیں کہ اپنی سیرت و شخصیت کو پاکیزہ رکھو۔ اور اگر تشویش کے مفہوم کو سامنے رکھا جائے تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ اپنی دعوت کو ان لوگوں سے پاک اور صاف (یا دور دور) رکھو جو دل میں فساق وغیرہ کی خیانتیں لٹے ہوں۔ لہذا اس میں سیرت و شخصیت یا دعوت اور پکار کی پاکیزگی اور بلندی کا حکم ہے۔ نہ کہ کپڑوں کو صاف رکھنے کا۔ (ثواب کے ایک اور مفہوم کیلئے لفظ سُدی دیکھئے)۔

## ث و ر

الغُورَانُ - ہیجان کو کہتے ہیں۔ ثَارُ الغُيبِ - اس چیز میں ہیجان پیدا ہو گیا۔ ثَارُ الغُيبَارِ - غبار اوپر کو اٹھا اور پھیل گیا۔ قَدَّ ثَارُ تَائِرَةٍ -



## ج

## ج ا ر

جَوَّارٌ\* - اس کے بنیادی معنی زور سے پکارنے اور آواز نکالنے کے ہیں (خواہ انسان کی طرف سے ہو یا حیوان کی طرف سے) مثلاً بلند آواز سے دعا کرنے کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوگا اور گائے وغیرہ کے بولنے کے لئے بھی۔ الْجَوَّارُ بمعنی خَوَّارٌ\* (بیل کا ڈکارنا) بھی ہے۔ اسی سے جَاءَ الرَّالِدُ اَعْبَى\* بِجَوَّارٍ\* کے معنی ہیں دعا کے ساتھ آواز بلند کرنا۔ جَاءَ الرَّالِدُ اَعْبَى\* اَللّٰہِ - وہ خدا کے سامنے دعا کے ساتھ گڑگڑایا\* دعا اور تضرع و زاری میں افراط کے موقع پر بولنے ہیں\*\*۔

قرآن کریم میں ہے کہ جب تمہیں مصیبت پڑتی ہے تو اَلتَّيْمَةُ تَجْتَرُّوْنَ (۱۱۱) ”تم چیختے چلائے۔ گڑگڑائے ہوئے خدا سے ہی فریاد کرتے ہو،“۔

## ج ا ل و ت

جَالُوْتُ\* - یہ عجمی لفظ ہے\*\*\*۔ فلسطین میں ایک سرکش سردار تھا جسے حضرت داؤد\* نے قتل کیا تھا (۲۵۱)۔ اس کا عبرانی تلفظ جَلِّيَّات\* ہے\*\*\*\*۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ جَمَالٌ سے ہے اور جَمَالٌ فِی الْحَرْبِ کے معنی ہیں اس نے جنگ میں شدت سے حملہ کیا۔ انگریزی میں اسے (Goliath) کہتے ہیں۔

## ج ب ب

اَلْجَبَّ\* - اَلْجَبَّابُ\* اَلْجَبَّابُ\* - کاٹ ڈالنا۔ قطع کر دینا۔ اَلْجَبَّ\* - کنواں۔ بہت گہرا کنواں۔ وہ کنواں جو پختہ یا لپسا ہوا نہ ہو۔

\* تاج۔ \*\* راغب۔ \*\*\* تاج و راغب۔ \*\*\*\* محیط۔

یہ اس وقت جب کہہلاتا ہے جب وہ ایسی حالت میں پایا جائے کہ اسے لوگوں نے کھود کر خاص طور پر تیار نہ کیا ہو، بلکہ کھائی سی بنی ہوئی ہو یا گڑھا سا کھدا ہوا ہو۔ (از خود بن جانے والا کنواں جسے خاص طور پر تیار نہ کیا گیا ہو)۔ اسے ہی کنواں تھا جس میں برادران یوسف نے حضرت یوسفؑ کو ڈالا تھا (۱۲: ۱۰۰)۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ یہ ایسے گڑھے اور کھائی کو بھی کہتے ہیں جس کی تہ اور آخری حد معلوم نہ ہو۔

راغب نے لکھا ہے کہ یہ ایسے کنوئیں کو کہتے ہیں جو سخت زمین میں کھودا جاتا ہے۔

ابن فارس نے لکھا ہے کہ اس کے دوسرے بنیادی معنی چیزوں کا جمع کرنا ہیں۔ اس اعتبار سے الْجَبَبَةُ لباس کو کہتے ہیں کیونکہ وہ سارے جسم کو اپنے اندر جمع کر لیتا ہے۔ لیکن صاحب تاج العروس نے کہا ہے کہ الْجَبَبَةُ اس لباس کو کہتے ہیں جو کپڑے کے کشے ہوئے ٹکڑوں کو سی کر بنا لیا جائے۔

## ج ب ت

الْجَبِيَّتُ - تاج العروس میں اسکے معنی، بَیْت - ساحر - کاہن کے لکھے ہیں۔ نیز شعبی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اسکے معنی سحر کے ہیں۔ اسکی اصل الْجَبِيَّتُ بتائی گئی ہے جسکے معنی ہر اس چیز کے ہیں جس میں کوئی بھلائی نہ ہو۔\*\* صاحب محیط نے لکھا ہے کہ یہ لفظ سریانی الاصل ہے جسکے معنی 'مَجْجُوف' (یعنی کھوکھلی شے) کے آئے ہیں۔ اسکے بعد ہر خالی اور کھوکھلی چیز کیلئے استعمال ہونے لگا۔\*\*\* صاحب المنار نے بھی اسکی تائید کی ہے۔\*\*\*\*

قرآن میں اعلیٰ کتاب کے متعلق ہے۔ یَوْمِئِذٍ نَّوْنُ بِالْجَبِيَّتِ وَاللَّطَاهُوتِ (۵۶) طَاغُوتِ انسانوں کے خیر و ساختہ قوانین اور ان قوانین کو نافذ کرنے والی قوتیں۔ اور جَبِيَّتٌ ہر بے حقیقت اور بے معنی چیز۔ تو ہم پرستیان - رسومات جن میں روح باقی نہ رہی ہو۔ جو اندر سے کھوکھلی (مَجْجُوف) ہو چکی ہوں۔ جو قوم بھی خدا کی طرف سے دئے ہوئے الدین کو چھوڑ دیتی ہے وہ جبت اور طاغوت کو اپنا "معبود"، بنا لیتی ہے۔

## ج ب ر

الْجَبْرُ - اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کی اس طرح اصلاح کرنا کہ اس میں کچھ قوت صرف کرنی پڑے۔ چنانچہ ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے کے لئے جمولکڑیاں (Splints) اوپر اور نیچے رکھی جاتی ہیں انہیں الْجَبْرُ،

\* تاج و محیط - \*\* تاج - \*\*\* محیط - \*\*\*\* تفسیر المناجیل جلد ۵ صفحہ ۱۵۶ -

اور اس طرح ہڈی جوڑنے کو جَبَرًا لَعُظْمًا، کہتے ہیں۔ اَلْجَبَابِرُ\*۔ ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو جوڑنے والا\*۔ نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ ج۔ ب۔ ر۔ اپنی مختلف تراکیب میں قوت اور شدت کے مفہوم کو ظاہر کرتے ہیں۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ بنیادی طور پر اس کے اندر عظمت۔ بلندی اور استقامت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اَلْجَبَّارُ\*۔ خدا کی صفت ہے۔ یعنی کائناتی نظام یا انسان کی ہر شکستگی کو قوانین کی (Splints) میں رکھ کر جوڑنے والا۔ اس سے اسکے معنی ضرورتوں سے بے نیاز کر دینے کے بھی آتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں جَبَرًا لَفَيْقِيرٍ مِّنَ الْفَقِيرِ۔ اسنے محتاج کو اسکی ضرورتوں سے بے نیاز کر دیا۔ تَجَبَّرَ الشَّجَرُ۔ درخت سرسبز ہو گیا۔ تَجَبَّرَ لَمَعْرِضٍ\*۔ مریض کی حالت سدھری۔ ان مثالوں سے خدا کی جَبَّارِ يَقْت (جَبَرُوت) کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی یہ بھی اسکی ربوبیت اور رحمانیت ہی کا ایک پہلو ہے البتہ اسمین انسان کو قانون کی حدود میں گھیر کر چلانا مقصود ہوتا ہے۔ لیکن جب انسانی قوتیں قوانین خداوندی کی حدیں توڑ کر سرکش ہو جاتی ہیں تو یہ جو بارسیلابِ بلا انگیز بن جاتی ہے۔ اسلئے اس حالت میں جَبَرٌ کے معنی استبداد اور جَبَّارٌ کے معنی مستبد۔ ظالم۔ سرکش اور حد سے بڑھ جانے والا ہونگے۔ چنانچہ قرآن میں حضرت عیسیٰؑ کا قول ہے وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا (۱۱۶)۔ ”خدا نے مجھے مستبد، سرکش اور بدبخت نہیں بنایا“۔ اور سورۃ ق میں نبی اکرمؐ کے متعلق ہے وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ (۵)۔ ”تو ان پر کسی قسم کا دباؤ ڈالنے والا نہیں ہے“۔ جبراً کوئی بات منوانے والا نہیں ہے۔ قوم عاد کے متعلق ہے إِذَا بَطَشْتُمْ بَطْشَتُمْ جَبَّارِينَ (۱۱۷)۔ ”جب تم کسی کو پکڑتے ہو تو نہایت مستبد انداز سے پکڑتے ہو۔“ ویسے عام قوی ہیکل لوگوں کے لئے بھی یہ لفظ آیا ہے (۱۱۸)۔ اسلئے کہ اَلْجَبَّارُ مِّنَ الْقَبِيحَاتِ اس لمبسی کہ جسور کو کہتے ہیں جس تک کسی کا ہاتھ نہ پہنچ سکے۔

آپ نے غور کیا کہ انسان کی کوئی قوت نہ بجائے خویش خیر ہے نہ شر۔ یہ اس کا مقصد استعمال، یعنی جس مقصد کے حصول کے لئے اس قوت کو استعمال کیا جائے۔ اسے خیر یا شر بنا دیتی ہے۔ اگر قوت کو ٹوٹی ہوئی ہڈی کے جوڑنے کے لئے استعمال کیا جائے تو وہ خیر ہے اور اگر اسے کسی مظلوم کی ہڈی توڑنے کے لئے صرف کیا جائے تو وہ شر ہے۔ ظلم روکنے والا ”جَبَّار“ نوع انسان کے لئے آیہ رحمت ہے، اور ظلم کرنے والا

”جَبَّار“، موجبِ عذاب۔ \* تاج و محیط و راغب۔



## جِبْرِیل

جِبْرِیْل - عبرانی لفظ ہے۔ قرآن کریم میں اس سے مراد خدا کی وہ قوت ہے جو قلبِ نبویؐ پر وحیِ خداوندی کا القاء کرتی تھی۔ فَارْتَقَهُ نَزَّلَهُ عَلٰی قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۲۶)۔ "اس نے اللہ کے قانون کے مطابق اسے تیرے قلب پر نازل کیا،۔۔ اسے رُوحُ الْقُدُسِ (۱۱۶)۔ اور رُوحُ الْاَلَمِیْنِ (۲۶۳) بھی کہا گیا ہے۔ لفظ جبریل، دو بار سورۃ بقرہ میں (۹۷، ۹۸) اور ایک بار سورۃ تحریم میں آیا ہے (۶۱)۔ چونکہ کوئی غیر نبی وحی کی ماہیت کو سمجھ نہیں سکتا (کیونکہ وحی اس علم کا نام ہے جسکا سرچشمہ انسانی ادراک سے ماوراء ہے) اسلئے ہم نہیں جان سکتے کہ جِبْرِیْل کی ماہیت کیا ہے۔ ہمارا واسطہ اس وحی سے ہے جو قرآن کے اندر ہے اور اسکا مفہوم ہم سمجھ سکتے ہیں۔ اس قوت (رُوح) کو قُدُس اور اَلَمِیْن کہنے سے مطلب یہ ہے کہ وحیِ خداوندی میں (جو قلبِ نبویؐ پر نازل کی جاتی ہے) نہ کسی قسم کی آمیزش ہوتی ہے، نہ خیانت۔ نہ اس میں نبی کے اپنے جذبات کا کوئی شائبہ ہوتا ہے (مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی - ۵۴)۔ نہ وہ اس میں کسی قسم کی خیانت کرتا ہے (۱۶۳)۔ اور نہ ہی کوئی کائناتی قوت وحی میں کسی قسم کی دخل اندازی کر سکتی ہے۔ وحی میں آمیزش اور خیانت رسول کے بعد اس کے دین کے دشمن کرتے ہیں (خواہ وہ اپنے ہوں یا بیگانے) لیکن قرآن کریم کے الفاظ میں نہ کوئی آمیزش کر سکتا ہے نہ خیانت۔ اس لئے کہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خدا نے خود لے رکھی ہے۔

## ج ب ل

الْجِبَل - پہاڑ۔ قوم کا سردار یا عالم۔ (جمع جِبَال) \*۔ سورۃ انبیاء میں ہے وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْاِجْبَالَ (۲۱) ہم نے اس قوم کے بڑے بڑے لوگوں کو داؤد کے مقصدِ زندگی کی تکمیل کیلئے) تابع فرمان کر دیا۔ یہی معنی (۳۴)۔ میں ہیں۔ اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ پہاڑوں کو مسخر کر کے اپنے مصرف میں لاتے تھے \*۔ سورۃ کہف میں الْجِبَال - بمقابلہ اَلْاَرْضِ آیا ہے (۱۹)۔ اسمیں بھی جِبَال سے مراد سردارانِ قوم ہیں اور اَرْض سے مراد قوم کا نچلا طبقہ۔ الْجِبَالِ وَالْجِبَالِۃ۔

\* تاج - \* حضرت داؤد کے پہاڑوں کو مسخر کرنے کے سلسلہ میں مزید دیکھیں عنوان (د۔ و۔ ب) تترہ میں ص ۱۸۱۳ پر جلد چہارم۔

انسانوں کی بڑی جماعت\* - (۳۶) - بڑی جماعت\* - (۲۱) - الْجِبَلَّة - کسی شے کی کثرت - مستحکم عادت - طبیعت - خلقت\*\* - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کا بلند ہونا اور اس کے ساتھ ہی اس کے اجزا کا ایک دوسرے کے ساتھ مستحکم طور پر اکٹھے ہونا ہیں - لہذا جِبَال\* میں بلندی و سرفرازی اور قوت و جمعیت دونوں شامل ہونگی -

واضح رہے کہ جِبَل\* کے لغوی معنی پہاڑ کے ہیں اور اس کے مجازی معنی سردار قوم کے ہیں - قرآنِ کریم کے مختلف مقامات میں (سیاق و سباق کو دیکھ کر) متعین کیا جاسکتا ہے کہ ایسے لغوی معنوں میں کہاں استعمال کیا گیا ہے اور مجازی معنوں میں کہاں -

## ج ب ن

الْجَبِينُ\* - بزدلی - دل کا کمزور ہو جانا - نیز اس کے معنی پتیر بھی ہیں - الْجَبِينَانِ - پیشانی کے دونوں طرف کے کنارے جو بھوروں کے بعد سے شروع ہو کر سر تک چلیے جاتے ہیں اور جن کے اندر پشٹ پشڑیاں آجاتی ہیں - اس کا واحد الْجَبِينُ\* ہے - پیشانی (جَبْهَةٌ\*) ان دونوں جبینوں کے درمیان میں ہوتی ہے\*\*\* -

قرآنِ کریم میں قصہ حضرت ابراہیمؑ و اسمعیلؑ کے ضمن میں ہے وَتَلَّاهُ الْجَبِينُ (۳۴) - ابراہیمؑ نے اسمعیلؑ کو پٹ پیڑی کے بل لٹا دیا - آپ نے دیکھا ہوگا کہ قصاب بکرے کو ذبح کرنے کیلئے ایک پہلو پر (یعنی کن پٹی کے بل لٹاتا ہے - اس سے ذبح کرنے میں آسانی ہوتی ہے - قرآن کے اس بیان سے مترشح ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمعیلؑ کو اسی طرح لٹایا تھا -

## ج ب ل

الْجَبْهَةُ\* - پیشانی - اسکی جمع جِبَاهٌ\* ہے - جِبَاهَاءُ - کشادہ، حسین اور بلند پیشانی والی عورت\* - صاحب محیط نے کہا ہے کہ اس مادہ کے اصلی معنی بلند اور لمبا ہونا ہیں\*\* -

قرآن میں ہے جِبَاهُهُمْ\* (۱۵) ان کی پیشانیاں -

\* تاج - \*\* محیط - \*\*\* تاج و محیط و راغب

## ج ب و (ی)

جَبَبَى الْخَيْرَاجَ وَالْمَالَ - خراج اور سال جمع کیا۔ جَبَبَى الْمَاءَ فِي الْحَوْضِ - حوض میں ہانی جمع کیا۔ اصل معنی اس مادہ کے جمع کرنے یا جمع ہوجانے کے ہیں\*۔ سورۃ قصص میں ہے يَجْبِي لِيْهِ ثَمَرَاتٌ (۲۸/۵)۔ حرم کعبہ کی طرف ہر قسم کے پھل کھنچ کر چلے آتے ہیں اور جمع ہو جاتے ہیں۔ جَبَبَا - تالیف کرنا یا جمع کرنا۔ سورۃ اعراف میں ہے وَاِذْ اَلَمْ تَأْتِ تِيْهِمْ بِآيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتُمَا (۳۰/۳۰)۔ ”جب تو انکے پاس کوئی آیت (قرآنی) نہیں لاتا تو یہ کہتے ہیں کہ تو خود ہی انہیں تالیف کیوں نہیں کر لیتا“۔ یعنی تو ادھر ادھر کی باتوں میں سے چن کر ایک آیت کیوں نہیں بنا لیتا۔ کفار، قرآن کے متعلق یہ تصور رکھتے تھے کہ اسے رسول اللہ ﷺ نے (معاذ اللہ) ادھر ادھر سے اکٹھا کر لیا ہے۔ اب بھی مستشرقین حضور ﷺ کے متعلق کچھ اسی قسم کے خیالات پیش کرتے رہتے ہیں۔ اسکی وجہ یا تو نبوت کے متعلق ان کی بے خبری ہے یا تعصب۔ دونوں صورتوں میں ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ پر ان کی اس قسم کی تصانیف کا بڑا برا اثر پڑتا ہے۔

آلَا جَبَبَاءُ - جہاں سے مال مل سکتا ہو وہاں سے مال نکالنا اور جمع کرنا۔ (یعنی خراج کے سال کو اس طرح وصول کرنا)۔ اس سے اسکے معنی بطور انتخاب جمع کرنا ہیں۔ یعنی چن کر اکٹھا کرنا\*۔ آله يَجْبِيْ (۱۸۲/۱۸۲)۔ ”اللہ چن لیتا ہے“۔ جَبَبَى الْمَاءَ فِي الْحَوْضِ کے لئے مزید دیکھیں تتمہ ص ۱۸۲ جلد چہارم

## ج ث ث

الْجَثَّةُ - درخت کو جڑ سے کاٹ دینا یا اکھاڑ لینا۔ آلَا جَثَاثٌ - کے بھی یہی معنی ہیں، بلکہ زیادہ شدت اور مبالغہ کے ساتھ\*۔ قرآن میں الْجَثَّةُ (۱۳/۱۳) آیا ہے۔ یعنی اسکی جڑ بنیاد تمام کی تمام اکھیڑ دی گئی۔ الْجَثْمَةُ - زمین کا بلند حصہ جو ایک چھوٹے سے ٹیلے کی طرح ہو جائے۔ اس سے جَثْمَةُ الْاِنْسَانِ آتا ہے۔ انسانی جثہ\*۔ یہ اسوقت بولتے ہیں جب انسان بیٹھا ہوا یا سویا ہوا ہو کیونکہ اسوقت اس کا تمام جسم اکٹھا اور سمٹا ہوتا ہے\*\*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی جمع ہونے کے ہیں۔ درخت کو جڑ سے اکھیڑنے کیلئے یہ لفظ اسلئے استعمال ہوتا ہے کہ جس درخت کو اکھیڑا جاتا ہے اسکی جڑیں وغیرہ سب اکٹھی کی جاتی ہیں تاکہ ان میں سے کوئی چیز زمین میں باقی نہ رہ جائے۔

\*تاج و معبط و راعب - \*\*ابن فارس -

## ج ث م

جَثْمٌ - يَجْثِمُ - جَثْمًا وَجَثْوَانًا - اپنی جگہ پر چمٹ جانا اور اسے نہ چھوڑنا۔ (پرند وغیرہ کا) سینہ کے بل بیٹھنا۔ اس طرح جم کر یا سینہ کے بل بیٹھ جانے والا جو اپنی جگہ سے نہ ہٹے الْجَائِمُ کہلائیکا۔ الْجُثْمَةُ - مٹی، گارے یا راکھ کا ڈھیر۔ الْجُثْوَمُ وَالْجُثْمَةُ - ٹیلہ۔ الْمُجْتَثِمَةُ - اس جانور یا پرندے کو کہتے تھے جسے باندھ کر نشانہ بنا لیا جائے اور اس طرح مار دیا جائے\*۔ لہذا اس لفظ کے معنی کسی ایک جگہ جم کر بے حس و حرکت پڑے رہنے کے ہیں۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی چیز کے مجتمع ہو جانے کے ہیں۔

قرآن میں ہے فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَأَسْبِرْ لِمَا جَاءَكَ مِنَ الْقَوْلِ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ إِنَّكَ أَهْلٌ بِهَا بِصِيرٌ (۲۸)۔ "وہ اپنے گھروں میں بے حس و حرکت پڑے کے پڑے رہ گئے۔ ڈھیر ہو کر رہ گئے"۔

## ج ث و

الْجَثْوَةُ (جیم کی تینوں حرکتوں - زیر - زیر - پیش کے ساتھ)۔ پتھروں کا ڈھیر۔ ریت کا ڈھیر۔ جسم۔ جَثَى الْحَرَمِ - رسی جمار کی وجہ سے حرم میں جمع ہو جانے والے پتھر یا وہ پتھر جو حرم کی حدود پر رکھ دئے جاتے تھے۔ تھان (انصاب) جن پر ایام جاہلیت میں جانور قربانی کے طور پر ذبح کئے جاتے تھے۔ پتھروں کے ڈھیر کے اعتبار سے الْجَثَا جماعتوں کو کہتے ہیں، اور جَثْوَتُ الْاِیْلِ کے معنی ہیں نئے اونٹوں کو جمع کیا۔

جَثَا - يَجْثُو - جَثِيًا - (جھکڑا کرنے کیلئے) گھٹنوں کے بل بیٹھ جانا۔ فَهَوُ جَثَاتٍ - گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا۔ اسکی جمع جَثِيٌّ اور جِثِيٌّ آتی ہے\*۔

سورۃ جاثیہ میں ہے وَتَرَى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً (۲۸)۔ توہر جماعت کو (اس وقت) گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے دیکھیگا۔ یعنی ذلت و خسواری اور عاجزی و درماندگی کی حالت میں۔

سورۃ مریم میں ہے وَنَذَرُ الظَّالِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًا (۱۱)۔ "ہم ظالمین کو اس میں گھٹنوں پر گرا ہوا چھوڑینگے" اور لَتَنْحَضِرَنَّكُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًا (۱۸) یعنی "ہم انہیں جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل گرے ہوئے حاضر کرینگے"، اس سے مراد ذلت و خسواری یا عاجزی و درماندگی ہے۔

## ج ح د

بَجَعِدَ حَقَّقَهُ - جان بوجھ کر کسی کے حق سے سکر جانا اور انکار کر دینا۔ اَرْضٌ جَعِيدَةٌ خشک زمین کو کہتے ہیں۔ اور عَامٌ جَعِيدٌ - کم بارش والے سال کو۔ اَجْعَدُ الرَّجُلُ اسوقت کہتے ہیں جب کسی کا سب کچھ جاتا رہے اور وہ ہاتھ جھاڑ کر اٹھ کھڑا ہو\*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے معنی قلتِ خیر (یعنی اچھی چیزوں کی کمی) کے ہیں۔ راغب اور صاحب محیط نے کہا ہے اَلْجَعْدُ کے معنی ہوتے ہیں اس چیز سے انکار کر دینا جسکا اقرار دل کے اندر ہو اور اسکا اقرار کرنا جسکا انکار دل کر رہا ہو\*\*۔ قرآن کریم نے حقائق کا انکار کرنے والوں کے متعلق متعدد مقامات پر کہا ہے بَنَاتِ اللَّهِ يَجْعَدُونَ (۳۳)۔ یہ جانتے بوجھتے (محض ضد اور سرکشی کی بنا پر) قوانین خداوندی کا انکار کرتے ہیں۔ ("جانتے بوجھتے،" کی تشریح قرآن کریم نے خود ہی دوسری جگہ کر دی ہے۔ جہاں کہا وَجَعَدُوا اٰیٰتِنَا اَسْتَبَقَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا (۲۶)۔ "یہ بعض ظلم و تکبر کی بنا پر اسکا انکار کر رہے ہیں حالانکہ ان کا دل اندر سے اسے صحیح مانتا ہے،"۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ جَعَدَ النِّعْمَةَ کے معنی ہیں اس نے نعمت کا یا تو شعور ہی نہیں کیا اور یا سمجھنے بوجھنے کے باوجود منعم کا شکر نہیں کیا۔

## ج ح م

اَجْحَمَ عَنْهُ - وہ اس سے رک گیا۔ اَلْجَحْمُ - بخیل کو کہتے ہیں جو سال و دولت کو روک کر رکھ لیتا ہے\*۔ جَحْمُ التَّبَعِيْرِ - اونٹ کے منہ پر ایسا چھینکا چڑھا دینا جس سے وہ کالتے سے رک جائے۔ تَجَحَّمَ اَلْمَكَانُ "وَاقْلُبُ" - مکان یا دل تنگ ہو گیا\*\*\*۔ امام الرمسانی نے اَجْحَمَ کو اَسْتَسْكَا اور اَسْتَهَيَا کا مرادف قرار دیا ہے\*\*\*\*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ ان معنوں میں یہ لفظ اَجْحَمَ سے مقلوب ہے۔

تَجَحَّمَ کے معنی ہیں بخیل اور تنگ دل کی وجہ سے جل بہن جانا۔ اس سے جَحْمُ کے معنی ہوتے ہیں آگ بھڑکانا۔ اَلْجَحْمَةُ - تر بڑی آگ کو کہتے ہیں جو کسی گہری جگہ میں ہو۔ نیز سخت گرم جگہ کو۔ اَلْجَاحِمُ

\* تاج - \*\* محیط و راغب - \*\*\* محیط - \*\*\*\* الالفاظ المترادفة،

مَنْ اَلتَّحْرِبِ - سخت گھسان کی جنگ کو کہتے ہیں \* - ابن فارس نے اس کے معنی حرارت اور گرمی کی شدت کے لکھے ہیں - قرآن کریم میں اَلتَّحْرِبِمْ جہنم کیلئے آیا ہے دیکھئے (۲۲) اور (۶۸-۶۶-۵۵) - قرآن کریم میں غلط اعمال کے نتائج کو عذابِ نار سے تشبیہ ذی گئی ہے کیونکہ آگ سب کچھ جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیتی ہے - لیکن اگر زندگی اور اسکے مقاصد کے متعلق قرآنی نقطہ نگاہ سے غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کی موجودہ زندگی اسکے سلسلہ ارتقاء کی ایک کڑی ہے جسے ابھی بہت آگے چلنا ہے - قوانینِ خداوندی کے مطابق عمل کرنے سے انسانی صلاحیتوں میں ایسی نشوونما آجاتی ہے جس سے وہ (مرنے کے بعد) زندگی کی اگلی ارتقائی منزل تک پہنچنے کے قابل ہو جاتا ہے - لیکن اگر اسکی صلاحیتوں کی اس طرح نشوونما نہ ہو تو وہ آگے بڑھنے کے قابل نہیں رہتا، وہیں رک جاتا ہے - یسراقانون ارتقاء کا بنیادی اصول ہے - اس رک جانے کو قرآن نے اَلتَّحْرِبِمْ کی اصطلاح سے تعبیر کیا ہے جس کے بنیادی معنی رک جانے کے ہیں - لہذا اَلتَّحْرِبِمْ انسانی زندگی کی وہ منزل ہے جس میں وہ آگے بڑھنے سے رک جائے - اور چونکہ اس رک جانے کا احساس شدید ہوگا اسلئے اس سے انسان کے دل میں ایسی آگ بھڑک اٹھے گی (۱۸) جو اسکی کشتِ امل (امیدوں کی کھیتی) کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیگی - قرآن کریم کی رو سے فرد یا قوم، جس مقام پر رک جائے، وہ جحیم ہے - زندگی تو ایک جوئے رواں ہے جسے رواں دواں آگے بڑھتے چلے جانا چاہئے - جو نہی اسکی روانی بند ہوئی، وہ جوئے رواں نہ رہی جو عڑ بن گئی اور اس میں سٹراہند پیدا ہونی شروع ہو گئی -

## ج د ث

اَلتَّجَدُّثُ - قبر - جمع اَجْدُثٌ وَاَجْدَاثٌ - قرآن کریم میں ہے فَاذْ اٰهَمُّ مِّنْ اِلَآءِ اَجْدَاثٍ اِلٰى رَبِّهِمْ يَتَنَسَّلُوْنَ (۳۱) - "پس وہ ناگہاں قبروں سے (نکل کر) اپنے رب کی طرف دوڑ پڑیں گے" - اس سے آگے ہے کہ وہ کفِ افسوس ملتے ہوئے کہیں گے کہ مَنْ بَعَثَنَا مِّنْ مَّرْقَدِنَا (۳۶) "ہمیں ہماری خوابگاہ سے کس نے جگا دیا" - لہذا اَجْدَاثٌ اور مَرْقَدٌ ہم معنی ہیں - واضح رہے کہ اس سے مقصود کوئی خاص مقام نہیں، کیفیت ہے - اَلتَّجَدُّثُ - اونٹ کے پاؤں کی زمین پر پڑنے کی آواز\*\* -

\* تاج - \*\* تاج و محیط و راغب -

## ج د ر

الْجَدَّةُ - اس مادہ میں اصل معنی قطع کرنے اور کاٹنے کے آتے ہیں\*۔  
 مثلاً ثَوْبٌ جَدِيدٌ کے اصل معنی کاٹے ہوئے (قطع کردہ) کپڑے کے ہیں۔  
 پھر ہر اس چیز کو کہنے لگے جس کی پیدائش نئی نئی ہوئی ہو\*\*۔  
 الْجَدِيدُ - وہ چیز جس کے ساتھ تمہارا کبھی واسطہ نہ رہا ہو\*\*\*۔  
 قرآن کریم میں ہے اِنْ يَشَاءْ يُدْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ (۱۲۰)۔  
 ”وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور تمہاری جگہ ایک نئی مخلوق لے آئے“،  
 (ایسی مخلوق لے آئے جس سے تمہیں کبھی واسطہ نہ رہا ہو)۔  
 الْجَدَّةُ - ہر چیز کا راستہ (جس سے اسے قطع کیا جاتا ہے یا جو اسے قطع  
 کرتا ہوا چلا جاتا ہے)۔ اس کی جمع جَدَدٌ آتی ہے۔ قرآن کریم میں  
 پہاڑوں کے متعلق ہے جَدَدٌ بَيْضٌ وَحُمْرٌ (۳۵)۔ سفید اور سرخ رنگ  
 کے راستے۔ راستہ سے یہاں مراد دھاریاں ہیں جو پہاڑوں کے مختلف  
 قطععات اور تہوں کو متمیز کرتی ہیں۔ چنانچہ الْجَدَّةُ اس دھاری کو  
 بھی کہتے ہیں جو گدھے کی کمر پر ہوتی ہے\*\*\*۔

الْجَدُّ - روئے زمین کو کہتے ہیں، اور بڑے نصیبہ والے آدمی کو  
 بھی۔ دادا اور نانا کو بھی کہتے ہیں۔ اسی سے اس کے معنی بڑائی، عظمت  
 و جلال کے بھی آتے ہیں\*\*\*۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے وَانْتَهَى تَعَالَى  
 جَدُّ رَبِّنَا (۱۱۰)۔ ”ہمارے رب کی عظمت بہت بڑی ہے“۔

الْجِدُّ - کسی کام میں کوشش کرنا۔ نیز جلدی اور عجلت کو بھی  
 کہتے ہیں۔ نیز اس لفظ کو ہر بات میں مبالغہ کے لئے بھی استعمال  
 کرتے ہیں مثلاً عَالِمٌ جِدُّ عَالِمٍ۔ وہ عالم ہے اور بہت بڑا عالم\*\*\*۔  
 ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے تین بنیادی معانی ہیں (۱)  
 عظمت۔ (۲) نصیبہ اور (۳) کاٹ دینا۔ تینوں کی مثالیں اوپر  
 مذکور ہیں۔

## ج د ر

الْجِدَارُ - الْجِدَارُ - دیوار کو کہتے ہیں۔ الْحَائِطُ - دیوار کو  
 احاطہ کرنے کی وجہ سے کہتے ہیں اور الْجِدَارُ اسکے بلند ہونے کی وجہ  
 سے۔ کیونکہ اس مادہ میں اصل معنی احاطہ کرنا۔ ابھرنا۔ بلند ہونا ہیں۔  
 \* محیط۔ \*\* راغب۔ \*\*\* تاج۔

چنانچہ جَدْرُتُ الْجِدَارِ کے معنے ہیں میں نے دیوار کو اونچا کر دیا۔  
 الْجَدْرُ ایک قسم کا پودا جو ریتلی زمین میں اگتا ہے\*۔  
 سورة كهف میں جِدَارٌ (۱۸) دیوار کے معنے میں آیا ہے۔  
 الْجَدِيرُ - مناسب اور لائق - قَدْ جَدُرَ جَدَارَةٌ - وہ لائق ہوا۔  
 إِنَّهُ مَجْدُورٌ أَنْ يَفْعَلَ ذَلِكَ - وہ ایسا کرنے کے قابل ہے\*۔ قرآن  
 کریم میں ہے وَ أَجْنَدْرُ أَقْلًا يَتَعَلَّمُوا (۹۶)۔ ”ان کی حالت اس کے زیادہ  
 قابل ہے کہ وہ اس بات کو نہ سمجھ سکیں“۔ الْجَدِيرَةُ طبیعت کو  
 کہتے ہیں\*۔

## ج د ل

الْجَدَلُ - اصل معنے اس مسادہ میں بٹنے کے ہیں - جَدَلٌ الْحَبْلُ -  
 رسی کو مضبوط بنا - الْجَدِيلُ - چمڑے کی بٹی ہوئی لگام کو کہتے ہیں - یا  
 چمڑے کی بٹی ہوئی رسی کو\*\*۔ الْجَدَالُ ہر مضبوط چیز کو کہتے ہیں\*\*\*۔  
 الْجَدَالَةُ - سخت زمین\*\*۔ جَدَلُ الشَّيْءِ ”جَدُّ“ و ”لَا“ - کسی چیز کا سخت  
 اور قوی ہو جانا\*\*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز  
 کا لمبا اور مستحکم ہونا - جھگڑے کو جَدَلٌ گفتگو کی درازی کی وجہ سے  
 کہتے ہیں -

الْجِدَالُ - راغب نے کہا ہے کہ اسکے معنے ایسی گفتگو کرنے کے  
 ہیں جس میں طرفین ایک دوسرے سے بازی لے جانے اور غلبہ حاصل کر لینے  
 کی کوشش کریں اور اس طرح خواہ مخواہ بات کو بڑھاتے چلے جائیں - اسی سے  
 بعض نے کہا ہے کہ اسکے اصل معنے صِرَاعٌ کے ہیں، یعنی ایک انسان کا  
 دوسرے انسان کو زمین پر گرا دینا - پچھاڑ دینا\*\*۔

قرآن کریم میں احکام حج کے ضمن میں لَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ (۱۶۷)  
 آیا ہے۔ الْجِدَالُ کے جو معنی اوپر دئے گئے ہیں ان سے مطلب واضح ہو جاتا  
 ہے - حج مسلمانوں کا بین الملی اجتماع ہے جس سے مقصد یہ ہے کہ امت کے  
 اجتماعی مسائل کا حل باہمی مشاورت سے تلاش کیا جائے۔ قرآن کریم کہتا  
 ہے کہ اس مقصد کے لئے باہمی گفتگو میں ایسی روش اختیار نہ کرو جس سے  
 مقصد یہ ہو کہ تم فریق مقابل کو مناظرانہ شکست دیدو اور اس کے لئے  
 خواہ مخواہ بات بڑھاتے اور اس پر اصرار کرتے چلے جاؤ۔ تم متانت اور سنجیدگی  
 سے بات کرو اور مقصد یہ سامنے رکھو کہ کم از کم وقت میں زیادہ سے زیادہ  
 مسائل کا تصفیہ ہو جائے۔



سورة مَجَادِلَةٍ میں جو آیا ہے اَلْتَبِيِّ "تَجَادِلُكَ" (۵۸) تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ہورت رسول اللہ سے اپنے خاوند کے متعلق بار بار سوال کرتی تھی۔ خواہ مخواہ بات کو طول دے جا رہی تھی۔ اپنی بات پر اصرار کرتی تھی اور یوں اس سے جھگڑے کا سا پہلو نکلتا تھا۔

سورة کہف میں ہے وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِيَتَّسِرَ مِنْ كَلِمٍ مَثَلٍ - وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا (۱۸)۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم میں ہر معاملہ کے متعلق بات واضح طور پر کہ دی گئی ہے لیکن اس سے راہ نمائی حاصل کرنے کا طریق یہ ہے کہ انسان اس ذہنیت کو لیکر قرآن کی طرف نہ آئے کہ مجھے بہر حال اپنی بات پراڑے رہنا اور قرآن کو شکست دیدینا ہے۔ وہ خیالی الذہن ہو کر قرآن پر غور و فکر کرے اور مقصد پیش نظر یہ رکھے کہ مجھے حق اور صداقت کو تلاش کرنا ہے۔ اس طرح قرآن سے صحیح راہ نمائی مل جائیگی۔

## ج ذ ن

الْجَذَّةُ - نسی چیز کو توڑ دینا - كَسَرْتَهُ 'أَجْذَأْ'۔ میں نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے توڑ دیا\* - الْجَذَّةُ\* - دراصل کسی شے کے اس ٹکڑے کو کہتے ہیں جو اس سے کاٹ کر الگ کر لیا گیا ہو\*\*۔

جَذَاذٌ - سونے کے ڈے یا ٹکڑے یا ریزے\*\*\* - سورة انبیاء میں ہے فَجَعَلْنَاهُمْ جَذَاذًا (۵۸) - "ابراہیم" نے ان بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا"۔

سورة ہود میں جنت کے متعلق ہے عَطَاءٌ غَيْرٌ مَجْذُوذٍ (۱۱) - غیر منقطع عطاء - ایسی عطاء جو ان سے قطع نہیں کی جائیگی - جو ہمیشہ رہیگی - یعنی أَجْرٌ غَيْرٌ مَمْنُونٍ (۱۵)۔

## ج ذ ع

جِذْعٌ\* - درخت (خرما) کا تنہ - (جمع جَذْوَعٌ\*) - بعض نے کہا ہے کہ اس تنہ کو کہتے ہیں جو خشک ہو چکا ہو - بعض نے کہا ہے کہ اسے کہتے ہیں جو کاٹ لیا گیا ہو - لیکن دوسروں کا خیال ہے کہ اسمین نہ خشک ہونے کی شرط ہے اور نہ کاٹ لینے کی\* - سورة مریم میں جِذْعِ النَّخْلَةِ (۱۳) - کھجور کے تنے کیلئے آیا ہے - اور (۲۵) سے ظاہر ہے کہ

\*تاج - \*\*محیط - \*\*\*راغب

وہ سرسبز اور ثمردار کھجور تھی۔ لیکن سورۃ طہ میں صلیب کی لکڑیوں کے لئے جَدُوْعُ الشَّخْلِ (۲۹) آیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خشک کانٹے ہوئے تھے۔ وہ تھے جن پر صلیب دی جاتی تھی۔ ویسے جَدُوْعُ عَثَّةٌ کے معنی ہیں میں نے اسے کاٹ لیا۔\*\*\* جَدُوْعُ الْقَدَابَةِ۔ اس نے جانور کو روک دیا۔ الْجَدُوْعَةُ۔ جوانی اور نوعمری کو کہتے ہیں۔\*\*\* ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی (۱) نوعمری اور تازگی۔ (۲) درخت کا تنہ اور (۳) کسی چیز کو مٹانے کے لکھے ہیں۔

## ج ذ و

جَدَا عَلَى الشَّقَىٰ ۖ يَجْذُوْ وَيَجْذُوْا۔ وہ کسی چیز پر جم کر کھڑا ہو گیا۔ جَدَا الرَّجُلُ عَلَيَّ اطْرَافِ اَصَابِعِهِ۔ آدمی اپنے پنجوں کے بل کھڑا ہو گیا۔\* گویا اسمیں کسی چیز کے کسی ایک مقام پر جسم کر ٹھہر جانے کا مفہوم مضمحل ہوتا ہے۔ اسلئے جَدُوْعٌ لِسُكْرِيٍّ کے اس انکارے کو کہتے ہیں جس سے شعلہ ختم ہو جائے اور صرف انکارہ باقی رہ جائے۔\* یعنی اس میں شعلے کا ابھرنا اور تڑپنا باقی نہ رہے اور وہ ایک مقام پر ٹھہر جائے۔ قرآن میں جَدُوْعٌ مِّنَ الْقَارِ (۲۹) آیا ہے۔ یعنی آگ کا انکارہ۔

## ج ر ح

جَرَحٌ۔ کسی چیز کو حاصل کرنا۔ اکتساب کے معنوں میں آتا ہے۔\*\* ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی (۱) کمانا اور (۲) کھال کو پھاڑنا (زخمی کرنا) بتائے ہیں۔ کمانے کے اعتبار سے قرآن کریم میں ہے اَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اٰتَوْنَ النَّبِيَّاتِ (۲۹)۔ ”جو لوگ ناہمواریاں پیدا کرتے ہیں۔۔۔ یعنی جراثیم کے سر تکب ہوتے ہیں۔ یا سورۃ انعام میں ہے مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ (۲۱)۔ ”جو کچھ تم دن میں کرتے ہو،۔۔۔ اسی بنا پر اَلْجَوَارِحُ انسان کے ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء کو کہتے ہیں جو اس کے لئے کام کرتے ہیں۔\*\* صاحب محیط نے کہا ہے کہ اَلْجَوَارِحُ ان مصائب کو کہتے ہیں جو دن کے وقت آئیں۔ جیسا کہ زات کے وقت آنے والی مصیبتوں کو طَوَارِقُ کہتے ہیں۔\*\*\* نیز اس کے معنی شکار کرنے والے جانور ہیں۔ اس لئے کہ جَرَحٌ يَجْرَحُ کے معنی زخمی کر دینے کے

\*ناج۔ راغب۔ \*\*ناج۔ \*\*\*محیط۔\*\*\*\*راغب۔

ہیں۔ "أَلْجَرَّاحَةُ" - نیزہ یا تلوار کے زخم کو کہتے ہیں\*۔ قرآن میں  
"أَلْجَوَارِحُ مَكَلَّيْمِينَ" آیا ہے (۵۱)۔ یعنی شکار کے لٹے سدھائے عوٹے  
کتے یا دیگر جانور۔ "أَلْجُرُوحُ" زخموں کیلئے آیا ہے (۲۵)۔

## ج ر د

جَرَدٌ - يَجْرِدُ - جھیل دینا - جھلکا اتار دینا - جَرَدٌ أَلْجَيْدٌ -  
اس نے کھال کے اوپر سے بال صاف کر لئے - جَرَدٌ زَيْدٌ أَمِينٌ شَوْبِيهٌ -  
اس نے زید کو اس کے کپڑوں سے ننگا کر دیا - فَتَجَرَّدَ - پس وہ ننگا  
ہو گیا - أَلْتَجَرَّدُ - ننگا ہونا - "أَلْجَرَادُ" (۱۳۳) - ٹڈی (کیونکہ وہ  
درختوں کو ننگا کر دیتی ہے) - مَكَانٌ جَيْرٌ - وہ جگہ جہاں گھاس  
نہ ہو - سَنَةٌ جَارٌ وَدٌ - سخت قحط کا سال\*\* - ابن فارس نے کہا ہے کہ  
اس کے بنیادی معنی عوٹے ہیں کسی چیز کا اس طرح صاف ہو جانا کہ وہ  
کھل کر نظر آنے لگ جائے۔

## ج ر ز

جَرَزٌ - يَجْرُزُ - جَرَزٌ - تیزی سے کھانا - قتل کر دینا - كَاثُ ذَالِدٌ -  
جڑ بنیاد سے اکھیڑ دینا - اصل معنی اس سادہ مہس قطع و استئصال کے آتے  
ہیں - أَلْجَرُّوْزُ - بہت کھانے والا کہ جب وہ کھانے کیلئے بیٹھے تو  
دسترخوان پر کچھ نہ چھوڑے - أَرْضٌ جَرَزٌ - وہ زمین جس میں کچھ پیدا نہ  
ہوتا ہو یا وہ زمین جس سے تمام گھاس وغیرہ چر کر ختم کر دیا گیا ہو -  
أَلْجَرَزُ - قحط کا سال - أَلْجَارِزُ - بانجھ عورت - أَلْجَرَّازُ - نیز تلوار\*\*۔

قرآن کریم میں ہے لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدٌ جُرُزًا  
(۱۹) "ہم اس زمین کو ایسی بنا دینے والے ہیں کہ اس پر سبزہ کا نام و نشان  
تک نہ رہے،" - اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم جو کچھ زمین پر ہے اسے مٹا کر خاک اور خشک و  
بے گیاه کرتے رہتے ہیں (بہار اور نزا کے دور جاری رہتے ہیں)۔

## ج ر ع

أَلْجَرَّةُ - (جیم کی تینوں حرکتوں - زیر - زیر - پیش - کے ساتھ)  
گھونٹ - لسان العرب میں ہے کہ جَرَّةٌ عِةٌ ایک مرتبہ گھونٹ کے نکلنے کو  
کہتے ہیں اور جُرَّةٌ عِةٌ اس چیز کو جسے اس طرح نکلا جائے - أَلْتَجْرَعُ  
کسی چیز کو اس طرح گھونٹ گھونٹ کر کے نکلنا جس سے معلوم ہو کہ اسکا

پینا پینے والے پر سخت ناگوار گذر رہا ہے\*۔ چنانچہ قرآن کریم میں جہنمی کے متعلق ہے کہ اسے جو کچھ پینے کو ملیگا یَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ (۱۳)۔ ”وہ اسے سخت ناگوار سے گھونٹ گھونٹ کر کے پینے کا اور گلے سے نیچے نہیں اتار سکیگا،“۔ (الامان والحفیظ) اس دنیا میں ذلت اور محکومی کی روٹی بھی کیسی تلخ ہوتی ہے۔ کھائے بغیر گزارہ بھی نہیں اور حلق سے نیچے بھی نہیں اترتی)

صاحب محیط نے لکھا ہے کہ اصل معنی اس سادہ میں کسی چیز کو توڑ کر یا کاٹ کر الگ کر دینے (یا جمع کر لینے) کے ہیں\*\*۔ وَتَرَّجِيرَعُ\* کمان کے ایسے تمانت کو کہتے ہیں جسکا کوئی بٹ اسقدر ٹیڑھا ہو کہ دوسرے بٹوں میں نمایاں طور پر نظر آ رہا ہو۔ ”لَا جِرْعُ“ سخت اور سنگلاخ زمین کو بھی کہتے ہیں\*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اسکے بنیادی معنی پینے کی چیز کے کم ہونے کے ہیں۔

## ج ر ف

جَرَافٌ - يَجْرُفُ - جَرَفًا - بہت زیادہ لے لینا - سب کچھ لے لینا یا بڑا حصہ لے لینا۔ جَرَافُ الطَّيْنِ - اس نے زمین سے مٹی کو کھرچ لیا۔ اس سے الْجَارِفُ اس تباہی کو کہتے ہیں جو قوم کے اموال کو برباد کر دے۔ طاعون اور وباء کو بھی کہتے ہیں۔ مَسِيلٌ جَرَّافٌ - وہ سیلاب جو سب کچھ بہا کر لے جائے۔ الْجَرَفُ وَالْجَرَفُ زَمِينٌ کا وہ حصہ جو کسی دریا کے کنارے واقع ہو اور وہ کٹ کٹ کر دریا میں گرتا رہے یا سیلاب کی زد میں آکر بہ جائے\*\*\*۔

سورۃ توبہ میں شَقًّا جَرَفٌ (۱۶۶)۔ آیا ہے۔ یعنی ایسا کنارہ جو کٹ کٹ کر گر رہا ہو۔ اصل معنی اس مادہ میں صاف کر دینے اور نکال لینے پتوں سے لے لینے نیر کاٹ دینے کے ہوتے ہیں\*\*۔ یا کسی چیز پر پورا پورا قبضہ کرنے کے اسے ہڑپ کر جانے کے\*\*\*\*۔

## ج ر م

جَرَمٌ\*۔ کے بنیادی معنی کسی چیز کو کاٹ دینے یا اس پر سے کسی چیز کو ہٹا کر اسے ننکا کر دینے کے ہیں\*\*۔ عام طور پر درخت سے پھل کاٹنے یا توڑنے کے لئے بولا جاتا ہے\*\*\*\*\*۔ جَرَمَ الشَّخْلُ - کھجور کو کاٹ دیا یا اسکا پھل توڑ لیا۔

\* تاج - \*\* محیط - \*\*\* تاج و راغب - \*\*\*\* ابن فارس - \*\*\*\*\* راغب -



کو بھی جَارِيَةٌ کہہ دیتے ہیں۔ جمع جَوَارٍ اور جَارِيَاتٌ ہے۔ الْجَارِيَةُ آفتاب کو کہتے ہیں۔ اور الْجَوَارِي سستاروں کو۔ جَارِيَةٌ لڑکی کو کہتے ہیں۔ جَرِيَالَهُ الشَّمْسِيُّءُ کے معنے ہیں وہ شے اس کے لئے ہمیشہ قائم رہی۔ یعنی اسمیں دوام کے معنے بھی پائے جاتے ہیں\*۔ (دوام کے مفہوم کیلئے جن۔ن کا عنوان دیکھئے جہاں جَنَّات کے ضمن میں تَجْرِي مِيْن تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ کی تشریح کی گئی ہے)۔ قرآن کَرِيْم میں مَجْرٰهًا کے مقابلہ میں مَرٰهًا کا لفظ آیا ہے (۱۱۱)۔ یعنی کشتی کا چلنا اور اس کا لنگر انداز عونا۔ الْجَعْرِیُّ۔ وکیل اور ضامن کو بھی کہتے ہیں\*\*۔ سورۃ غاشیہ میں ہے فِیْهَا عَیْنٌ جَارِيَةٌ (۸۸)۔ اس میں بہتا چشمہ ہے۔ سورۃ شوریٰ میں ہے الْجَوَارِیْ فِی الْبَحْرِ (۳۲) سمندر میں کشتیاں۔

## ج ز ا

الْجَزْءُ۔ کسی چیز کا حصہ یا اس کا ٹکڑا۔ جمع اجْزَاءٌ۔ یعنی وہ ٹکڑے جن سے کوئی چیز مل کر بنے، جیسے اجْزَاءُ الْقَسْفِیْنَتِ۔ اجْزَاءُ الْقَدَوَاءِ وغیرہ۔ بہت سی چیزوں کے مجموعہ میں سے اگر کچھ چیزیں الگ کر لی جائیں تو وہ بھی اس مجموعہ کا جِزْءٌ کہلاتی ہیں\*۔ سورۃ زخرف میں عِبَسَانِیُّوْنَ کے متعلق ہے وَجَعَلُوْا اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ جِزْءًا (۳۳)۔ ”وہ خدا کے بندوں میں سے بعض کو اس کا جزء قرار دیتے ہیں“۔ اس سے تشلیث کے عقیدہ کا ابطال مقصود ہے جس میں ”تین میں ایک اور ایک میں تین“ کے گورکھ دھندے سے خدا کو تین حصوں میں بانٹ دیا جاتا ہے۔ یا ہر اس عقیدہ کا ابطال جس کی رو سے کسی انسان یا کسی قوت کو خدائی کاروبار میں شریک سمجھا جائے۔ انبیتِ مسیح اور وحدت الوجود جیسے عقائد بھی اسی کے ذیل میں آجاتے ہیں۔

جِزْءٌ کے معنے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا، الگ الگ کر دینا ہیں۔ الْجِزْءُ کسی چیز کے حصہ اور ٹکڑے کو کہتے ہیں خواہ وہ اپنے کل سے ملا ہوا ہو یا اس سے الگ کر لیا گیا ہو، یہ ضروری نہیں کہ جزء کے لئے کل کے ہر فرد کو بھی توڑا یا کاٹا جائے۔ عوسکتا ہے کہ بہت سے فرد مل کر ایک کل کے جزء بنیں۔ مثلاً سورۃ الحجر میں ہے کہ لِكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جِزْءٌ مَّقْسُوْمٌ (۱۵)۔ یعنی ان (جہنم میں داخل ہونے والے انسانوں) میں سے، ہر دروازہ کیلئے، ایک حصہ الگ کر دیا گیا ہے۔ اس سے یہ مطلب

نہیں کہ ان انسانوں کے ٹکڑے ٹکڑے کس کے ان کا ایک ایک حصہ الگ کر لیا گیا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کا ایک ایک گروہ الگ کر لیا گیا ہے۔ اس سے سورۃ بقرہ کی اس آیت کا مطلب واضح ہو جاتا ہے جس میں حضرت ابراہیمؑ سے کہا گیا ہے کہ چار پرندوں کو اچھی طرح سداھا کر اور اپنی طرف مائل کس کے۔ **ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا** (۱۰۶) پھر انہیں الگ الگ کر لو اور ایک ایک پرندہ کو الگ الگ پہاڑیوں میں چھوڑ دو۔ پھر انہیں آواز دو تو وہ اڑتے ہوئے تمہاری طرف آجائیں گے۔ قرآن میں اعمال کے نتیجہ کیلئے **جَزَاءٌ** کا لفظ آیا ہے۔ اس کے معنی (ج۔زی) کے عنوان میں دیکھئے۔

## ج زع

**جَزَعٌ** - کے اصلی معنی رسی کو بیچ سے کاٹ دینا ہوتے ہیں\*۔ پھر اسکا استعمال ہر شے کو کاٹ دینے یا قطع کر دینے کے لئے ہونے لگا۔ **جَزَعُ الْأَرْضِ وَالْوَادِي** - اسنے زمین اور وادی کو قطع کر دیا\*۔ اصل میں **جِزْعُ الْوَادِي**۔ وادی کے اس حصہ کو کہتے ہیں جہاں پہنچ کر وادی ختم ہو جاتی ہے یا سڑ جاتی ہے۔ **الْجَزَاعُ** اس شہتیر کو کہتے ہیں جو چھت کے وسط میں ڈالا جاتا ہے اور دونوں طرف سے شہتیریاں آ آ کر اس پر مل جاتی ہیں۔ اس طرح وہ ان شہتیریوں (یا خود کمرے) کو دو حصوں میں قطع کر دیتا ہے\*۔

**الْجَزَاعُ** - صَبْرٌ کی ضد ہے۔ صَبْرٌ کہتے ہیں کسی معاملہ کی مسلسل پیروی کرنا۔ استقامت دکھانا (دیکھئے عنوان ص۔ب۔ر)۔ اور جب کسی معاملہ کو درمیان ہی میں چھوڑ دیا جائے۔ یعنی انسان اسکی پیروی سے اپنے آپکو منقطع کر لے۔ تو وہ **الْجَزَاعُ** ہوگا۔ یعنی ہمت ہار دینا۔ استقامت چھوڑ دینا\*۔ سورۃ ابراہیم میں ہے **أَجَبَزَعْنَا أَمْ صَبْرْنَا** (۱۲۴)۔ خواہ ہم ہمت ہار دیں یا استقامت سے برداشت کریں۔

## ج زی

**جَزَاءٌ** - (نیز **جَزَاوَاتٌ**) کسی چیز کا بدلہ۔ **جَزَاءٌ كَذَا** وہ، و **عَلَيْهِ**۔ اس نے اسے کسی بات پر ایسا بدلہ دیا\*\*۔ **مُجَازَاةٌ**۔ ایک دوسرے کو بدلہ دینا۔ (ہام طور پر **مُجَازَاةٌ** شرم میں استعمال ہوتا ہے اور

مُكَافَاةٌ خَيْرٌ مِّنْهُنَّ) \*\* ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ایسک چیز کا دوسری چیز کے قائم مقام عونا ہیں۔ یہ مفہوم ایک عظیم حقیقت کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔ جس چیز کو عام طور پر ”عمل کا بدلہ“ کہا جاتا ہے وہ درحقیقت اس عمل کا فطری نتیجہ ہوتا ہے۔ یعنی نتیجہ، عمل کا قائم مقام ہوتا ہے۔ آپ آگ میں ہاتھ ڈالتے ہیں یہ آپ کا عمل ہے۔ آپ کا ہاتھ جل جاتا ہے اور اس میں سخت تکلیف ہوتی ہے۔ یہ اس عمل کا نتیجہ ہے۔ عمل تو فوراً ختم ہو گیا لیکن اس کے نتیجہ نے اس کی جگہ لے لی۔ اس سے جزا اور سزا کا قرآنی تصور سامنے آ جاتا ہے۔ اس تصور کی رو سے نہ سزا خارجی طور پر (باہر سے) ملتی ہے۔ نہ جزا ہی کہیں باہر سے انعام ملنے کا نام ہے۔ آپ نے کسی کو گالی دی۔ اس نے آپ کو تھپڑ مارا۔ گالی اور تھپڑ میں باہمی کوئی تعلق نہیں۔ یہ سزا خارج سے ملی ہے۔ لیکن آپ نے سنکھیا کھایا اور آپ کی سوت واقع ہو گئی۔ یہ چیز آپ کے عمل کا نتیجہ ہے۔ یعنی عمل کی جانشین۔ اس لئے قرآن نے کہا ہے کہ هَلْ يُجْزَوْنَ الْآلَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (۱۳۶)۔ اعمال خود اپنی جزا آپ ہوتے ہیں۔ ہر عمل کا نتیجہ اس عمل کی جگہ آ جاتا ہے۔ اس کا قائم مقام بن جاتا ہے۔

جِزْيَ الشُّعْبَىٰ \* يَجْزِي \* کے معنے ہیں وہ چیز کافی ہو گئی۔ ابن فارس نے یہی اس کے بنیادی معنی لکھے ہیں۔ مَا يَجْزِي نَبِيًّا هَذَا الثَّقُوبُ \* مجھے یہ کپڑا کافی نہیں ہوگا۔ هَذَا مِثْلُ مِثْلِي \* یہ اونٹ بار برداری کے لئے مجھے کافی ہیں \*۔ يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ نَفْسًا شَيْئًا (۲۸)۔ ”جس دن کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی کسی دوسرے کے کسی جرم کا بدلہ نہیں بن سکیگا“۔ اس میں سے کچھ بھی اپنے سر نہیں لے سکیگا۔ کوئی شخص کسی دوسرے کے لئے کافی نہیں ہو سکیگا۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں کسی شخص کا کسی دوسرے کی طرف سے کچھ ادا کر دینا۔

جِزْيَةٌ \* (۲۹) وہ ٹیکس جو غیر مسلموں سے ان کی حفاظت کے بدلے میں لیا جائے۔ یعنی جو ان کی جان، مال، آبرو، سعادت وغیرہ کی حفاظت کے لئے کافی سمجھا جائے اور جس کی وجہ سے ان پر (جنگ وغیرہ میں شریک ہونے کی) ذمہ داری نہ ڈالی جائے۔ یہ توہوڑا سامالی معاوضہ



ان تمام آسائشوں کے بدلے میں لیا جاتا ہے جو غیر مسلموں کو اسلامی مملکت میں حاصل ہوتی ہیں اور جن کے ہم ہم پہنچانے کی ذمہ داری مسلمانوں پر ہوتی ہے۔

اسام الرمانی نے "لَجِزِيَّةً" کو "الْعَهْدُ" - "الذِّمَّةُ" - "الْأَمَانُ" - "الْخَرَاجُ" کا مرادف قرار دیا ہے \*\*\* لہذا اس کے معنی وہ معاہدہ ہونگے جس میں کسی سے کچھ خراج لیکر اسے امان کی ذمہ داری دی جائے۔

## ج س د

"لَجَسَدٌ" انسان کے جسم کو کہتے ہیں۔ دوسرے کھانے پینے والے اجسام کو "جَسَدٌ" نہیں کہتے۔ البتہ جو مخلوق کھاتی پیتی نہ ہو اور ذوی العقول میں سے ہو (ہربوں کے عقیدہ کے مطابق۔ مثلاً جنات اور ملائکہ) تو انکے اجسام کو بھی "جَسَدٌ" کہتے تھے\*۔ لیکن قرآن کریم نے بنی اسرائیل کے بچھڑے کو بھی "جَسَدًا" (۱۳۸) کہا ہے۔ صاحب محیط (نیز ابن قارس) نے لکھا ہے کہ اس مادہ کے اصل معنی کسی چیز کا مجتمع اور سخت ہونا ہوتے ہیں۔ لہذا "جَسَدٌ" ٹھوس اور مرکب جسم کو کہینگے۔ گوسالہ، سامری کو "جَسَدٌ" کہنے کی یہ توجیہ زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ وہ ٹھوس بھی تھا اور مختلف زیورات کو ڈھال کر مرکب بنایا گیا تھا۔ کلیات میں ہے کہ "جَسَدٌ" دراصل رنگدار جسم کو کہتے ہیں\*\*۔ - سورة انبیاء میں انسانی اجسام کیلئے "جَسَدًا" کا لفظ آیا ہے (۲۸)۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ وہ "جَسَدًا" ایسے نہ تھے جو کھانے پیتے نہ ہوں۔ اور حضرت سلیمانؑ کے بیٹے کو (جو جہانبانی کی اہلیت نہیں رکھتا تھا) "جَسَدًا" کہا ہے (۳۸)۔ یعنی محض گوشت کا لوتھڑا۔ بلکہ صرف "دَابَّةً" (۳۳)۔ تورات میں (حضرت سلیمانؑ کے اس بیٹے اجعام کے متعلق) ہے :-

"اور اجعام کی سلطنت کے پانچویں برس ایسا ہوا کہ مصر کے بادشاہ سبوق نے یروشلم پر چڑھائی کی اور اس نے خداوند کا خزانہ اور بادشاہ کے گھر کا خزانہ لوٹ لیا۔ (نیز) . . . حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں ایک شخص یرعام نامی نے حیا کاہن کے ساتھ مل کر آپ کی سلطنت کے خلاف سخت سازشیں کی تھیں۔ آسوقت تو وہ اپنی ساسھی میں کامیاب نہ ہو سکا لیکن اجعام کے عہد میں اس نے بڑی قوت حاصل کر لی اور بنی اسرائیل کے دس اسباط کو اپنے ساتھ

\* تاج - \*\* محیط - \*\*\* الالفاظ المترادفة۔

ملا کر اجعام کو شکست دی۔ اس نے بیت المقدس کے ہیکل کے مقابلے میں وہ بت خانے تعمیر کرائے جہاں سونے چاندی کے بتوں کی پرستش ہوتی تھی۔“  
(سلاطین ۱ - باب ۱۳، ۱۲، ۱۱)

حضرت سلیمانؑ کا یہی بیٹا (جانشین) ہے جسے قرآن کریم نے جیتے جاگتے انسان کے بجائے ”جَسَد“، - محض گوشت پوست کا مرکب کہہ کر اسکی نااہلی کیطرف اشارہ کیا ہے۔ آیت (۳۸/۳۳) سے مترشح ہوتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کو اپنی زندگی ہی میں اس کا احساس تھا اور انہوں نے خدا سے دعا کی تھی کہ مملکت تخریبی اثرات سے محفوظ رہے۔

## ج س س

جَسَّ کے اصلی معنے ہیں رگ کو چھونا اور اسطرح نبض دیکھ کر تشخیص کرنا کہ وہ تندرست ہے یا بیمار۔ یہ لفظ حَسَّ سے زیادہ خاص ہے کیونکہ حَسَّ ان چیزوں کے معلوم کرنے کو کہتے ہیں جن کا ادراک احساس کر سکیے۔ اَلْحَسَّ - خبریں اور اندرونی حالات تلاش کرنا اور ان کی کرید کرنا۔ بعض نے کہا ہے کہ تَجَسَّس (جیم کے ساتھ) اور تَحَسَّس (حاء کے ساتھ) ایک ہی معنی میں آتے ہیں، اس فرق کے ساتھ کہ تَجَسَّس کسی دوسرے کیلئے خبریں تلاش کرنا ہوتا ہے (اسی سے جاسوس ہے) اور تَحَسَّس خود اپنے لئے ہوتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ تَجَسَّس کے معنے چھپی ہوئی باتوں کی کرید کرنا ہوتا ہے اور تَحَسَّس سے مفہوم چھپ کر باتیں سننا\*۔ اَلْجاسوسُ بڑے راز دان کو کہتے ہیں اور اَلْتاموسُ اور اَلْحاسوسُ اچھے رازدان کو\*\*۔

قرآن میں ہے اَلْتَجَسَّسُوْا (۲۱/۲۱) پوشیدہ باتوں کی خواہ مخواہ کرید مت کرو۔ یعنی کسی کے ایسے اندرونی اور نجی حالات جنہیں وہ راز میں رکھنا چاہتا ہے اور اس سے اجتماعی فساد کا کوئی امکان نہیں، اپنے ذاتی غرض سے انہیں معلوم کرنے میں دلچسپی نہ لو۔ خواہ مخواہ اپنے قیمتی وقت کو ایسے فضول، لا یعنی کاموں میں خرچ نہ کرو۔ مندرجہ بالا معانی کے اعتبار سے اس میں ارادے کی برائی بھی شامل ہے۔ یعنی بری نیت سے (شرانگیز مقصد کیلئے) ایسا کرنا معیوب ہے۔ حکومت کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ باشندگان ملک اور بیرونی دشمنوں کے اندرونی حالات تک سے باخبر ہو۔ یہ چیز اس تحسس میں نہیں آئیگی جس سے قرآن نے منع کیا ہے۔

## ج س م

الْجِسْمُ - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے جمع ہو جانے کے ہیں۔ بدن (کی مجموعی شکل)۔ اعضاءِ بدن\*۔ تَعَجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ (۱۳۳) یعنی انکی جسمانی ہیئت اور ڈیل ڈول۔ سورۃ بقرہ میں یہ لفظ جسمانی توانائی کیلئے بھی آیا ہے (۲۴۷) جہاں کہا گیا ہے کہ فوج کی کمان اسے دی جاسکتی ہے جس کا علم بھی زیادہ ہو اور جسمانی توانائی بھی، اور اس سے دوسرے بھی مستفید ہوتے ہوں۔ غور کیجئے، قرآن نے علم کے ساتھ جسمانی توانائی کی اہمیت کو کس انداز سے اجاگر کیا ہے۔ جو فرد یا قوم جسمانی طور پر (Physically) کمزور ہو جائے اس کا علم زیادہ نفع رساں اور نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا۔ جسمانی قوت میں ہر قسم کی طبیعی قوت (Physical Force) آجاتی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ مقصود حیات، انسانی ذات (Personality) کی نشوونما ہے لیکن زندگی کی موجودہ سطح پر یہ نشوونما جسم کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اس کے لئے جسم کی پرورش ایسے ہی ضروری ہے جس طرح انڈے میں بچہ بننے کے لئے انڈے کے خول کا صحیح و سالم ہونا ضروری ہے۔ قرآنی نظام میں جسم اور ذات دونوں کی نشوونما کا سامان بہم پہنچتا ہے۔

## ج ع ل

جَعَلَ کے بہت سے معنے آتے ہیں اور راغب کے قول کے مطابق یہ لفظ ہر کام کرنے کے لئے بولا جاسکتا ہے۔ نیز فَعَلَ (اسنے کیا) اور صَنَعَ (اس نے بنایا) وغیرہ کی نسبت جَعَلَ بہت زیادہ وسیع المعنی ہے\*\*۔ مثلاً قرآن کریم میں ہے وَ جَعَلْتَنِي نَبِيًّا (۱۱۰) "اسنے مجھے نبی بنا دیا، یہاں اسکے معنی خَلَقَ اور صَنَعَ سے بالکل الگ ہیں۔ لیکن جَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ (۱۰) "اللہ نے تاریکی اور روشنی کو بنایا، میں جَعَلَ کے معنی تَخْلِيْقِ وَاِسْجَادِ کے ہیں۔ اگرچہ یہاں بھی پہلے خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ کہا ہے اور پھر جَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ۔ اسی طرح وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (۱۵) "اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے بنایا، اور جَعَلَ لَكُمْ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ (۱۸)۔ "خدا نے تمہارے لئے سمع و بصر اور قلب بنائے، میں

بھی جمع کے یہی معنی ہیں۔ اسکے بعد فی آنے سے اس کے معنی ایک چیز کو دوسری چیز میں داخل کرنا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً **يَجْعَلُونَ** **أَصَابِعَهُمْ فِي** **الْأَذَانِ** **يَوْمَ** **الْقِيَامَةِ**۔ ”وہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیتے ہیں“۔ نیز **وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً** **وَرَحْمَةً** **(۵۷)** ”ہم نے ان لوگوں کے دلوں میں جنہوں نے اس (حضرت عیسیٰ) کی پیغمبری) کا اتباع کیا نرمی اور ہمدردی کے جذبات پیدا کر دیئے“۔

قرآن کریم میں جہاں جہاں یہ لفظ آیا ہے، سیاق و سباق کے مطابق اسکے معنی کئے جائیں گے۔ ہر مقام پر ایک ہی معنی نہیں ہونگے۔ کیونکہ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے، یہ لفظ (انگریزی کے (To Make) کی طرح) وسیع المعنی ہے۔ جعل کے دیگر معانی کے لئے دیکھئے نثر ص ۱۸۳ جلد چہارم۔

## ج ف ن

**الْجَفْنُ** - غلافِ چشم - پیوٹا (اوپر اور نیچے کا) - تلوار کا نیام۔  
**الْجَفْنَةُ** - جھوٹا کنواں - بڑا پیالہ جس میں کھانا کھایا جاتا ہو۔ اسکی جمع **جَفَنَانٌ** آتی ہے \* **(۳۳)**۔ اس آیت میں کہا گیا ہے کہ پہاڑی علاقہ کے لوگ (جن) جنہیں حضرت سلیمان نے کام میں لگایا تھا، ان کے لئے علاوہ دیگر اشیاء کے، بڑے بڑے لگن بنائے تھے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس لفظ کے بنیادی معنی ہر اس چیز کے ہیں جو کسی دوسری چیز کو محیط ہو۔ یعنی اسے اپنے گھیرے میں لے لے۔

## ج ف و (جفا)

**جَفَا** - **جَفَاءٌ** - **تَجَافَى** - وہ اپنی جگہ پر قائم نہیں رہا، جیسے زمین جو گھوڑے کی پشت پر قائم نہ رہے۔ **اجْتَفَيْتُهُ** - میں نے اسے اس کی جگہ سے ہٹا دیا۔ **جَفَا مَالَهُ** - وہ اپنے اونٹوں سے جدا ہو گیا۔ **الْجَفَاءُ** - ہانڈی کا میل کچیل جو ایسا لے لے سے ادھر ادھر گز جائے۔ کہتے ہیں **اجْفَتِ الْقَيْدُ رَبْدَهُمَا** - ہانڈی نے اپنا ایسا پھینک دیا\*\*۔ اس معنی میں **راغب** نے **اجْفَاتِ الْقَيْدُ** بھی لکھا ہے\*\*۔ اسی سے وادی کے دونوں کناروں پر رہ جانے والا کوڑا کرکٹ، نیز بیکارویے نائندہ اور باطل شے کو **جَفَاءٌ** کہتے ہیں\*\*۔ سورہ رعد میں ہے **فَأَمَّا الْقَيْدُ فَيَبْدُ هَبْ جَفَاءً** **(۱۳)**۔ ”سو جھاگ بالکل رائگان جاتا ہے“۔ اسی مفہوم کے اعتبار سے کہتے ہیں **جَفَتِ الْأَرْضُ** **وَأَجْفَتِ** - زمین بے خیر اور بے برکت ہو گئی۔ بالکل بے کار ہو گئی\*\*۔

(راغب نے کہا ہے کہ یہ تمام الفاظ واوی ہیں۔ مہموز نہیں\*)  
 قرآن میں نومنین کے متعلق ہے تَتَجَافَى جُنُوبَهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ  
 (۳۲)۔ ”ان کے پہلو بستروں سے الگ ہو جاتے ہیں،،۔ خداوندی پروگرام  
 کی تکمیل میں ان پر راتوں کی نیند حرام ہو جاتی ہے۔

## ج ل ب

جَلَبَةٌ - يَجْلِبُهُ اس نے اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف  
 ہانکا\*\*۔ برائے تجارت مال وغیرہ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے گیا\*\*۔ الْجَلَبُ  
 وہ لوگ جو اونٹ بکریاں وغیرہ فروخت کرنے کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ  
 لے جاتے ہیں۔ نیز خود ان اونٹ بکریوں کو بھی جَلَبٌ اور جَلَبَةٌ  
 کہتے ہیں۔ عَبْدٌ جَلِيبٌ۔ وہ غلام جو کسی دوسرے شہر سے لایا گیا  
 ہو۔ الْجَلْبَةُ۔ زمانہ کی سختی۔ بھوک کی شدت۔ مشقت۔ اسی سے الْجَلْبُ  
 کے معنی ہیں کسی پر ظلم اور سختی کرنا۔ جَلَبٌ عَلَيْهِ۔ اس نے اس پر  
 ظلم کیا۔ أَجْلَبَ الْقَوْمُ عَلَيْهِ۔ قوم اس کے خلاف جمع ہو گئی۔  
 أَجْلَبَ الْقَوْمُ۔ لوگ ہر طرف سے جنگ کے لئے جمع ہو گئے\*\*۔ انہی معنوں  
 میں قرآن کریم میں ہے وَأَجْلِبُ عَلَيْهِمْ (۱۰۱)۔ ”تو ان کے خلاف  
 اپنے تمام لشکر جمع کر لا،،۔ ان پر چڑھ دوڑ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے دوسرے بنیادی معنی کسی ایسی چیز  
 کے ہیں جو دوسری چیز کو ڈھانپ لے۔ اس اعتبار سے الْجَلْبَابُ۔ اوڑھتی  
 سے بڑا اور چادر سے چھوٹا کپڑا ہوتا ہے جس سے عورتیں اپنے سر اور سینے  
 کو چھپاتی ہیں\*\*۔ قرآن میں ہے يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِثْرًا مِّمَّا بِيْنَهُنَّ  
 (۵۹)۔ ”اپنی چادریں اپنے اوپر اوڑھ لیا کریں،،۔ انصار کی عورتیں سیاہ  
 ملبوس (اور کوٹ کی طرح) اوپر سے پہنتی تھیں۔ اسے بھی جَلْبَابٌ کہتے  
 تھے۔ لہذا اس سے مراد اپنا کپڑا یا لباس ہے جو اوپر سے اوڑھ یا پہن  
 لیا جائے تاکہ اس سے زینت کی چیزیں نمایاں نہ ہوں۔ ابن فارس نے یہ بھی  
 کہا ہے کہ عربوں کے ہاں جَلْبَابٌ یا اسی قسم کے دیگر کشادہ لباسوں  
 سے (بطور محاورہ) وقار اور سکون مراد لیا جاتا ہے۔

## ج ل د

الْجِلْدُ (وَالْجِلْدُ)۔ ہر جاندار کی کھال (۱۱۱) اس کی جمع جِلْدٌ  
 اور أَجْلَادٌ ہے۔ الْجِلْدُ سے کنایہً عضو تناسل بھی مراد لیا جاتا ہے۔  
 \*تاج۔ \*\*تاج و محیط و راغب۔ \*\*\*محیط۔

أَجْلَادٌ الْإِنْسَانِ سے مراد آدمی کا پورا ڈھانچہ اور جسم ہے جس پر کھال ہوتی ہے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی قوت اور صلابت (سختی) کے ہوتے ہیں۔ فُلَانٌ عَظِيمٌ الْإِجْلَادِ۔ وہ قوی اعضا اور مضبوط جسم والا ہے۔ یا مَا أَشْبَهَ أَجْلَادَهُ يَا أَجْلَادَ رَبِّيهِ۔ اس کا جسم اور ناک نقشہ، چہرہ، بشرہ اور ذیل ڈول اپنے باپ سے کس قدر مشابہ ہے۔ \* أَلْجَلْدُ (بچہ کی) بھس بھری ہوئی کھال (جو اونٹنی وغیرہ کے سامنے دودھ اتارنے کے لئے رکھ دی جائے)۔ أَلْجَلْدُ۔ شدت اور قوت۔ استقامت اور سختی۔ \* صاحب محیط نے اس کے معنی آسمان، کرہ، ہوائی، اور اس پانی کے کٹے ہیں جو اوپر سے گر کر زمین پر جم جائے۔ راغب نے کہا ہے کہ جس طرح قَلْبُوبٌ سے مراد نفوس ہوتے ہیں اسی طرح جَلْدُودٌ سے مراد اجسام ہوتے ہیں۔ \*\*۔

أَلْجَلْدُ۔ چمڑے کا ٹکڑہ جسے نوحہ کرنے والیاں اپنے چہرے پر مارا کرتی تھیں۔ جَلْدٌ يَجْلِدُ۔ کوڑوں سے مارنا \*۔ (۲۳)۔ راغب نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں (۱) چمڑے سے مارنا اور (۲) چمڑی پر مارنا۔ جَلْدَةٌ عُلِّي الْأَسِيرِ۔ اسے اس بات پر مجبور کر دیا \*۔

سورة نساء میں ہے كَاتِمَاتُ نَضِجَتِ جَلْدُهُنَّ هُنَّ يَدَّ لَنَّهُنَّ جَلْدُوهَا غَيْرَهَا لِيَدُّ وَقَوْلُ الْعَذَابِ (۲۶)۔ اس کے لفظی معنی ہیں ”جب ان کی جلود (کھالیں) پک جائیں گی تو ہم ان کی جگہ انہیں اور جلود (کھالیں) دیدینگے۔ مفہوم یہ ہے کہ ان مخالفین پر ذلت و رسوائیوں کا عذاب پیہم اور مسلسل آتا رہیگا۔ جب ایک دفعہ کی شکست سے ان کی قوت ٹوٹ جائیگی تو یہ پھر مقابلہ کے لئے اٹھیں گے۔ اور پھر شکست اور ناکامی کی ذلت کا سزہ چکھیں گے۔ اس طرح پیہم شکستوں اور متواتر ناکامیوں سے ان کی سختی اور صلابت ٹوٹے گی۔ بدر کی جنگ سے فتح مکہ تک پیہم شکستوں کا یہ سلسلہ جاری رہا اور پھر آخر الامر ان مخالفین کی شدت و صلابت ختم ہوئی۔

سورة حم سجدہ میں سمع و بصر کے ساتھ جَلْدُوهَا کی شہادت کا ذکر آیا ہے (۲۲-۲۳)۔ یعنی مجرمین کی سماعت، بصارت اور سارا جسم ان کے اعمال کی شہادت دینگے۔ وہ خود اپنے اعمال کی شہادت کے مجسمے ہونگے۔ ہر عمل کا اثر انسان کی ذات پر مرتب ہوتا ہے اس لئے انسانی اعمال کی بنیادی

شاهد خود انسان کی ذات ہوتی ہے خواہ عقل حیلہ جو ان کے جواز میں کتنی دلیلیں کیوں نہ تراشے۔ بَلْ اَلَا نَسَانُ عَلٰی نَفْسِهِ بِصِيْرَةٍ\*۔ وَلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِ بِرَّةٍ\* (۱۵۸-۱۶۰)۔ ”انسان اپنی ذات کے خلاف خود دلیل ہے۔ خواہ (ویسے) وہ (اپنے اعمال کی مدافعت میں) کتنے ہی عذر کیوں نہ پیش کرے،“۔ یہی ”سمع و بصر و جلود،“ کی شہادت ہے۔ ظہور نتائج کا وقت بھی کیسا عبرت انگیز اور دلدوز ہوتا ہے جب انسان کا کوئی خفیہ سے خفیہ عمل بھی چھپا ہوا نہیں رہ سکتا۔ حتیٰ کہ دل میں گذرنے والا خیال تک بھی نہیں۔

## ج ل س

جَلَسَ - يَجْلِسُ - جَلَسًا - مَجْلِسًا - بَيْتُهُنَا - جُلُوسٌ\*۔ اس شخص کیلئے آتا ہے جو لیٹا ہو اور اس کے بعد اٹھ بیٹھے۔ اور قَعُوْدٌ\*۔ اس شخص کیلئے آتا ہے جو کھڑا ہو اور اس کے بعد بیٹھ جائے۔ اَلْجَلْسُ\*۔ دراصل سخت اور بلند زمین کو کہتے ہیں۔ یہی اس کے بنیادی معنی ہیں۔ بیٹھنے کیلئے یہ لفظ اسلئے استعمال ہوتا ہے کہ اس میں انسان اپنی مقعد کو سخت زمین پر رکھتا ہے\* لیکن ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی بلند ہونے کے ہیں اور چونکہ لیٹا ہوا آدمی جب اٹھتا ہے تو وہ بلند ہوتا ہے اس لئے اس کے لئے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں مَجَالِسٌ\* کا لفظ (۵۸/۱۱) میں آیا ہے۔ اس کے معنی ہیں وہ مقامات جہاں لوگ جمع ہو کر بیٹھیں۔

## ج ل ل

جَلَّ ۗ الشَّرْجُلُ\* يَجْلُّ ۗ جَلًّا ۗ وَ جَلًّا ۗ - سن رسیدہ اور معمر ہو جانا۔ قدر و منزلت کے اعتبار سے بڑا عظیم المرتبت یا جلیل القدر ہونا جَلِيلٌ\* کہلائیگا۔ جَلَّ ۗ الشَّيْءُ\* - چیز کا بڑا حصہ۔ اَلْجَلِي\* - امر عظیم۔ اَلْجَلُّ ۗ وہ کپڑا جو حفاظت کیلئے چوپایہ پر ڈال دیا جاتا ہے۔ اَلْجَلِيلُ\* - بڑا آدمی۔ اونٹ کو بھی کہتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں دَقِيْقٌ\* بکری کو کہتے ہیں\*\*۔ صاحب محیط کے نزدیک اصل معنی اس مادہ میں گول اور بلند ہونے کے ہیں\*\*\*۔ راغب نے لکھا ہے کہ جلال میں جلالت سے زیادہ کمال پایا جاتا ہے۔

\* تاج - محیط - راغب - \*\* تاج و راغب - \*\*\* محیط -

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کیلئے ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ (۵۵) آیا ہے۔ یعنی عظمت و جلالت کا سالک۔ (اکترام کے لئے مادہ ک۔ ر۔ م دیکھئے)۔

## ج ل و

الْجَلَاءُ\* - منتشر کر دینا۔ علیحدہ اور الگ الگ کر دینا۔ جلا وطن کر دینا (۵۹)۔ جَلَا فُلَانًا اَلْاَمْرَ - اس نے فلان کیلئے معاملہ کو کھول دیا۔ واضح کر دیا۔ ظاہر کر دیا۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ اس کے بنیادی معنی ہیں۔ وَالشَّهَارِ اِذَا جَلَّهَا (۶۱)۔ یعنی اِذَا جَلَّ الشَّظِئَةَ - دن، جب وہ تاریکی کو دور کر کے ہر چیز کو واضح اور نمایاں کر دیتا ہے\*۔

الْجَبَلِي\* - واضح امر۔ خفی کی ضد ہے۔ اَلْجَلَاءُ\* - واضح امر۔

الْجِلْوَةُ\* - وہ چیز جو دولہا کی طرف سے دلہن (عروس) کو منہ دکھائی میں دی جائے\*۔ فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ (۱۳۳) "جب اس کا رب پہاڑ پر جلوہ بار ہوا"۔ جَلْوُ\* کے اصل معنی ظاہر طور پر کھول دینے کے آتے ہیں\*\*۔

## ج م ح

جَمَعَ الْفَرَسُ\* - گھوڑے کا تیزی کے ساتھ دوڑنے جانا اس طرح کہ وہ سوار کے قابو میں نہ رہے اور سر کو اونچا کئے اس طرح دوڑتا جائے کہ سوار اسکی گردن کو موڑ نہ سکے\*\*\*۔ وَهُمْ يَجْمَعُونَ (۱۸) وہ بے قابو ہو کر دوڑے جا رہے ہیں۔ قانون خداوندی سے سرکشی اختیار کر رہے ہیں۔ الْجَمْعُ\* - جنگ میں شکست کھا کر بھاگنے والے کہ جنہیں پھر میدان میں لانا ممکن نہ ہو۔ جَمَعَتِ الْمَرْأَةُ مِينَ زَوْجِيهَا - عورت اپنے خاوند سے ناراض ہو کر اپنے ماں باپ کے گھر چلی گئی، بغیر اسکے کہ شوہر نے اسے طلاق دی ہو۔ جَمَعَ\* - مرد کے عضو مخصوص کو کہتے ہیں۔ اور اَلْجَمْعُ\* - اس شخص کو جو بے قابو ہو کر اپنے جذبات کے تابع چلے اور اسے اس سے باز رکھنا ممکن نہ ہو\*\*\*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کا قوت اور غلبہ کے ساتھ آگے بڑھتے جانا۔ اس کے بعد اس کے معنی عام طور پر دوڑنے یا دوڑ جانے کے ہو گئے۔

\*تاج - \*\* راغب - \*\*\*تاج و محیط - راغب -



## ج م ل

جَمَدُ الْمَاءِ - پانی جم گیا۔ کھڑا ہو گیا۔ اَلْجَمَدُ - برف۔ جما ہوا پانی۔  
 الْجَمَادُ - سست رفتار اونٹنی جسکا دودھ نہ رہا ہو۔ جَمَادُ الْكَفَّيْبِ -  
 بخیل آدمی۔ عَيْنُ جَمُودٍ - وہ آنکھ جس سے آنسو نہ بہیں \*۔ اَلْجَمَادُ - زمین۔  
 ہر وہ چیز جو نشوونما نہ پاتی ہو۔ جو نامی نہو (Inorganic)۔ جمادی -  
 جَمَادَى الْاُولَىٰ اور جَمَادَى الْاٰخِرَةَ - ربیع الثانی کے بعد دونوں  
 مہینوں کو کہتے ہیں۔ جس زمانے میں انکے یہ نام رکھے گئے تھے یہ  
 مہینے سخت سردی میں آتے تھے (اب چونکہ حساب قمری ہے اسلئے یہ ضروری  
 نہیں رہا کہ ہر مہینہ، ہر سال اسی موسم میں آئے) \*۔

قرآن کریم میں پہاڑوں (یا قوم کے سرداروں) کے متعلق ہے۔  
 تَحْسَبَنَّهَا جَمَادًا (۲۶/۸۸) "تو انہیں جما ہوا سمجھتا ہے"۔

## ج م ع

اَلْجَمْعُ - متفرق چیزوں کو اکٹھا کر دینا۔ راغب نے کہا ہے،  
 چیزوں کو ایک دوسرے کے قریب لا کر ملا دینا۔ سرخ رنگ کے ایک گوند  
 کو بھی کہتے ہیں۔ نیز لوگوں کے گروہ کو بھی۔ اَلْجَمِيعُ - لشکر۔ مجتمع  
 قبیلہ۔ اَلْجُمَاعُ - ہر چیز جس کے اجزاء باہم ملے ہوئے اور مجتمع ہوں۔  
 مختلف قبائل کے لوگ جو ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ نیز کسی چیز کی جڑ کے  
 جمع ہونے کی جگہ۔ جَمْعُ الْكَفَّيْبِ - بندھی ہوئی مٹھی \*۔

اَجْمَعُ - (مذکر) جَمَعَاءُ (مؤنث)۔ اَجْمَعُونَ (جمع مذکر)  
 جَمَعٌ (جمع مؤنث) یہ الفاظ محض تاکید کے لئے آتے ہیں \*۔  
 یعنی جب ہم کہیں گے اَجْمَعُونَ - "سب لوگ"، تو اس سے لازماً  
 یہ مراد نہیں ہوگی کہ کوئی ایک شخص بھی باقی نہیں رہا۔ مقصد  
 اکثریت ہوگا۔ اَجْمَعَتُ الْاَلَمْرَ - میں نے اس امر کا پختہ ارادہ کر لیا  
 (۱/۱)۔ (اس کے بعد عَرَاتِيْہُ بھی آ جاتا ہے)۔ راغب نے کہا ہے کہ اس  
 میں کسی بات پر غور و فکر کے بعد ارادہ کرنے کا مفہوم ہوتا ہے۔ اَمْرٌ  
 جَمِيعٌ - عظیم الشان کام جس کے لئے لوگ جمع ہو جائیں۔ يَوْمَ الْجَمْعَةِ -  
 اسلام سے پہلے قریش، ہفتہ میں ایک دن، جسے وہ يَوْمُ الْاَعْرَؤِ بَدِ  
 کہتے تھے، دارقطنی کے پاس دارالندوہ (اپنے قومی دارالمشاوَرَت) میں

جمع ہوا کرتے تھے۔ کعب بن لؤی نے اس دن کا نام یوم "الجمعة" رکھ دیا۔ اسی حیثیت سے "المُجْتَمِعُ"، فصی "بن کلاب کا لقب ہے جس نے دارالندوہ بنایا تھا"۔ اس سے جمعہ کا مقصد واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی مشورہ کے لئے اکٹھا ہونا۔ قرآن کریم میں ہے کہ جماعت مومنین کا شیوہ یہ ہے "أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ" (۲۲/۳۸) "وہ صلوٰۃ کے نظام کو قائم کرتے ہیں اور ان کے معاملات باہمی مشورہ سے طے پاتے ہیں"۔ صلوٰۃ کے اجتماعات میں خدا کے حضور جھکنا اور سجدہ ریز ہونا اس حقیقت کا محسوس مظاہرہ ہے کہ ہم اس کے قوانین و احکام کی اطاعت کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ اور اسی مقصد کے لئے ہماری مشاورت ہوگی۔ محیط میں ہے کہ "الجمعة"، اجتماع سے ماخوذ ہے جس طرح "الفرقة"، افتراق سے ماخوذ ہے\*\*۔

قرآن کریم میں جمیعاً بمقابلہ اَشْتَاتاً (۲۴/۲۴) آیا ہے جس سے اس کے معنی واضح ہو جاتے ہیں۔ (اَشْتَاتاً کے معنی ہیں الگ الگ) سورة النساء میں جمیعاً بمقابلہ ثَبَاتٍ (۲۴/۲۴)۔ آیا ہے جہاں اس کے معنی ہیں ایک پورا لشکر بنا کر۔ (ثَبَاتٍ کے لئے دیکھئے۔ ث۔ ب۔ ی)۔

اجتمعین کا لفظ قرآن کریم میں بکثرت آیا ہے (مثلاً ۲۴/۲۴)۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے اس سے مفہوم محض تاکید ہوتی ہے نہ کہ یہ کہنا کہ اس سے کوئی ایک فرد بھی باہر نہیں رہا۔

## ج م ل

"الجمَل"۔ "الجمَل"۔ تراونٹ۔ اس کی جمع جمالۃ ہے (۳۳/۳۳)۔ جمال۔ خوبصورتی\*۔ (۱۶)۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) اکٹھا ہونا اور خلقت میں بڑا ہونا اور (۲) خوبصورتی ہیں۔ عربوں کے نزدیک جمَل (اونٹ) سے بڑھ کر عظمت اور بلندی اور حسین و خوبصورتی اور کس چیز میں ہو سکتی تھی؟ یا خود ان کا جمال و حسن بھی اونٹوں کی وجہ سے ہوا کرتا تھا۔ جمیل۔ خوبصورت انداز۔ عمدہ چیز\*۔ قَصْبَرٌ جمیل (۱۲/۱۲) حسن کا رانہ انداز سے صدمہ کو برداشت کرنا اور استقامت کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔

الْجُمَّلُ - الْجُمَّلُ - الْجُمَّلُ - الْجُمَّلُ - الْجُمَّلُ - كشتی کا موٹا رسہ\* - قرآن کریم میں ہے حَتَّىٰ يَلِجَ الْجُمَّلُ فِي السَّمِّ الْخِيطِ (ج۱۰)۔  
 ”حَتَّىٰ كَهِجَاكَ جِهَازَكَ رَسَهُ سَوِيًّا كَ نَاكَ مِيَسَ سَ عَزَرَ جَاكَ“ - الْجُمَّلَةُ -  
 چیز کا مجموعہ\* - یہیں سے الْجُمَّلُ بھی بہت سی چیزوں کے مجموعہ کو  
 کہتے ہیں۔ یعنی جس کی چیزیں الگ (منفصل) نہ کی گئی ہوں\* - قرآن کریم  
 میں جُمَّلَةٌ وَاحِدَةٌ (۱۰۴) آیا ہے - یعنی سارے کا سارا ایک ہی بار -  
 مجمل اور مفصل کے لئے دیکھئے ہنوائف - ص - ل)۔

## ج م م

الْجَمُّ - ہر چیز کی کثرت - مَالٌ جَمٌّ - بہت زیادہ مال - جُمَّةٌ  
 الماء - زیادہ مقدار میں پانی کے جمع ہونے کی جگہ\*\* - ابن فارس نے کہا ہے کہ  
 اس کے بنیادی معنی کثرت اور اجتماع کے ہیں - جَمَّتِ السَّيْرُ - کنویں  
 میں پانی (نکلے جانے کے بعد) لوٹ آیا اور کثیر اور مجتمع ہو گیا - الْجَمَمُ -  
 پیمانہ کو کناروں تک (لبالب) بھر دینے کے بعد جو کچھ اس کے اوپر ہو\*\* -  
 الْجَمَامَةُ - راحت - سیری - جَمًّا غَفِيرًا - سب کے سب، لوگوں کی  
 بہت بڑی تعداد جس میں چھوٹے بڑے، ادنے اور اعلیٰ سب شامل ہوں\*\*\* -  
 قرآن میں ہے وَ تَحِيَّوْنَ الْمَالَ حَبًّا جَمًّا (۸۹) - تم بڑی شدت  
 سے دولت سے محبت رکھتے ہو - تم چاہتے ہو کہ جس طرح گڑھے میں ارد گرد  
 کا پانی جمع ہو جاتا ہے\*\*\* اسی طرح سب کی دولت، وہ تھوڑی ہو یا زیادہ،  
 سمٹ سمٹ کر تمہاری طرف آجائے - نظام سرمایہ داری میں ہوتا ہی یہ ہے کہ  
 دولت سمٹ سمٹ کر چند افراد کے پاس جمع ہو جاتی ہے - قرآن اس نظام کو  
 مٹانے کے لئے آیا تھا -

## ج ن ب

الْجَنْبُ - پہلو\*\* اسکی جمع جُنُوبٌ ہے - (۱۹۰) - الصَّاحِبُ  
 بِالْجَنْبِ (۳۶) - ساتھی، رفیق - الْجَارُ الْجَنْبِ (۲۶) - ایسا ہم سایہ  
 جو رشتہ دار نہ ہو - کیونکہ اس سے پہلے الْجَارُ رِذْوِي الْقُرْبَىٰ آیا ہے -  
 کتاب الاشتقاق میں اس کے معنی الْغَرَبُ ہے - یعنی اجنبی کے دے ہیں - سورۃ  
 الزمر میں ہے مَا فَرَّقَتْ فِی جَنْبِ اللَّهِ (۳۹) - ”یعنی خدا کے (حقوق  
 ادا کرنے کے) بارے میں جو کوتاہی کی“ - زجاج نے کہا ہے کہ اسکے

\* تاج و راعب - \*\* تاج - \*\*\* راعب - \*\*\*\* محیط -

معنی اللہ کے اس راستہ کے ہیں جسکی طرف اسنے مجھے دعوت دی\*۔ سورۃ سائدہ میں ہے وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا (۳)۔ اسکے معنی حالت جنابت کے ہیں۔ (ہم آغوشی کی رعایت سے)۔ جَنْبَتٌ\*۔ دوسروں سے الگ رہنا۔ جَنْبَتٌ\*۔ وہ چیز جس سے کوئی دور رہے\*\*\*۔

جَنْبَتٌ - جَنْبَتٌ\*۔ اسے دور کر دیا۔ جَنْبَتٌ\*۔ اجْنَبْتُهُ\*۔ اسے ہٹا دیا۔ رَجُلٌ جَنْبٌ\*۔ کنارہ کش، اجنبی نیز وہ شخص جو بغل کی وجہ سے عام راستہ سے ہٹ کر رہتا ہو تاکہ سہانی نہ کرنا پڑے\*۔ سَيَجْتَنِبُهَا (۱۲)۔ يَتَجَنَّبُهَا (۱۱)۔ اجْتَنَّبَ (۳۹)۔ یہ سب الفاظ انہی معانی میں آئے ہیں۔ یعنی دور رکھنا۔ یا دور رہنا۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) کنارہ اور (۲) دوری کے ہیں۔ جَنْبٌ الْجَنْبُ\*۔ خشکی کا قطعہ۔ الْجَنْبُ\*۔ گھر کے سامنے کھلے ہوئے میدان کو کہتے ہیں\*۔ نیز کسی کے اترنے یا ٹھہرنے کی جگہ کو\*\*\*۔

سورۃ قصص میں ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ کی ماں نے بچہ کو (صندوق میں رکھ کر) دریا میں بہا دیا تو بیٹی سے کہنا کہ وہ صندوق کے پیچھے پیچھے جائے فَتَصْرُتُ بِهِ عَن جَنْبٍ وَ هُمُ لَا يَشْعُرُونَ (۲۸)۔ اس مادہ کے جو معانی اوپر بیان کئے جا چکے ہیں ان کے پیش نظر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ (۱) وہ آسے دور سے دیکھتی رہی اور (فرعون کے) لوگوں نے اسے محسوس نہ کیا کہ وہ اسکا پیچھا کر رہی ہے۔ یا (۲) وہ اسے کچھ اجنبی سا ہنسر دیکھتی رہی تاکہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ وہ اسکی تاک میں ہے۔

## ج ن ح

الْجَنَاحُ\*۔ (جمع اجْنِيحَةٌ\*) ہاتھ۔ بازو۔ پرندے کا بازو۔ بغل۔ پہلو۔ نیز اسکا اطلاق خود نفس شے پر بھی عوتا ہے\*\*\*۔

أَنَا فِي جَنَاحِهِ\*۔ میں اس کے۔ اے اور حفاظت میں ہوں\*۔ اس قسم کی حفاظت جیسے مرغی اپنے بچوں کو خطرہ کے وقت اپنے پروں کے نیچے لے لیتی ہے۔ جَنَاحُ الْيَمِينِ\*۔ وہ اسکی طرف مائل ہو گیا۔ جھک گیا۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی جھکنے کے ہیں۔ اس سے الْجَنَاحُ\* کے معنی ہیں گناہ کی طرف میلان\*۔ لیکن محیط میں ہے کہ یہ لفظ گناہ کا معرب ہے\*\*۔ یہ لفظ مضائقہ یا حرج کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے\*۔

\*تاج۔ \*\*محیط۔ \*\*\*لین۔ \*\*\*\*تاج و لطائف اللغات۔

جب نبی اکرمؐ سے کہا گیا کہ آپ مخالفین سے الگ ہٹ کر اپنی جماعت کی تنظیم کریں۔ (۱۹۵)۔ تو اس کیلئے ان الفاظ میں تاکید کی گئی کہ **وَ خَفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ** (۱۵۸) ”اپنی جماعت کے افراد کے لئے اپنا بازو جھکا دے“، انہیں اپنے پروں کے نیچے ایسے سمیٹ لے جس طرح مرغی اپنے نوزائیدہ بچوں کو اپنے پروں کے نیچے لے لیتی ہے۔۔۔ سورۃ قصص میں حضرت موسیٰؑ سے کہا گیا ہے کہ فرعون کے ساتھ کشمکش میں گھبرانے نہیں۔ اپنے بال و پیر سمیٹ کر رکھنا۔ **وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَى جَنَاحِكَ مِنَ الْعُرْبِ** (۲۴۸) خوف کے وقت پھڑ پھڑانا نہیں بلکہ اپنے بال و پیر سمیٹ کر رکھنا، حواس قائم رکھنا۔ یا اپنے افراد جماعت کی حفاظت کرنا، انکی تنظیم کرنا۔ یہ سب معانی اسمیں آجاتے ہیں۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ماں باپ کی پرورش و حفاظت کی تاکید کیلئے بھی کہا گیا ہے کہ **وَ خَفِضْ لَهُم مَّا جَنَاحَ الذَّلْدِ** (۱۶۶)۔ نرمی اور رحمت سے اپنے بازو کو۔ انکی طرف اور جھکا دو۔ انکی حفاظت اور خدمت نہایت نرم روی سے کرو کیونکہ وہ معذور ہو چکے ہیں۔

سورۃ فاطر میں ملائکہ کے متعلق کہا ہے **أُولَىٰ أَعْيُنِيحَةٍ** (۳۵)۔ اس کے لفظی معنی ہیں بازوؤں (پروں) والے۔ چونکہ بازو یا پر وہ سہارا ہیں جن سے پرندے فضا میں اڑتے ہیں اس لئے مجازی طور پر **أُولَىٰ أَعْيُنِيحَةٍ** کے معنی عولکے مختلف خواص کی مالک کائناتی قوتیں۔

گنہار، حزرگ یا مضائقہ کے معنوں میں **جَنَاحٌ** کئی جگہ آیا ہے۔ مثلاً **لَا جَنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّقَ بِهِمَا** (۱۵۸)۔ ان پہاڑیوں (صفا اور مروہ) میں چلنے پھرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، یا زیادتی نہیں۔ کیونکہ ابن فارس نے اس کے دوسرے بنیادی معنی ”زیادتی“، لکھے ہیں۔

## ج ن د

**الْجُنْدُ**۔ سخت زمین۔ پتھر جو مٹی سے مشابہ ہوں۔ **جُنْدٌ**۔ جمع عوجانیوالے لوگ (یا اشیاء)۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی اکٹھا ہونے اور مدد کرنے کے ہیں۔ غلظت اور سختی کی وجہ سے لشکر کو **الْجُنْدُ** کہتے ہیں۔ (اسکی جمع **جُنُودٌ** آتی ہے) اور جمع ہوجانے کے اعتبار سے ہر جماعت اور انصار کو **جُنْدٌ**۔ سورۃ مریم میں ہے **أَضْعَفُ جُنْدًا** (۱۹) اس کے معنی ہیں جس کے رفقاء اور ساتھی، اعیان و انصار، جماعت

\* تاج و راغب۔

اور جنتہ کمزور ہے۔ سورۃ فتح میں ہے **لِلّٰهِ جَنَّوُدُ السَّمٰوٰتِ وَاَلْاَرْضِ**۔ (۳۸)۔ ”ارض و سماء کے لشکر اللہ کے لئے ہیں، اس سے مراد کائنات کی تمام اشیاء اور قوتیں ہیں۔ محیط میں ہے کہ اسکے معنی ایک نوع کی مخلوق کے بھی ہیں۔ سورۃ بروج میں ہے **هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْجَنّٰوُدِ**۔ (۹۵)۔ ”کیا تجھے لشکروں کی خبر پہنچی ہے۔“ یعنی بڑے بڑے لشکر اور قوت والوں کی داستان۔ (اس سے اگلی آیت میں فرعون اور ثمود کا ذکر ہے)۔

## ج ن ف

**اَلْجَنَافُ**۔ کسی ایک طرف جھک جانا۔ جانبداری۔ دل کا میلان۔ (یہ عدل کا راستہ چھوڑ کر کسی دوسری طرف جھک جانے کے لئے آتا ہے)۔ **تَبَجَّانَفًا عَنّٰی طَيْرِيْنِيْمَہ**۔ اپنے راستہ سے ایک طرف کو ہٹ گیا۔ قرآن کریم میں ہے **فَمَنْ خَافَ مِن مَّوْصٍ جَنَفًا** (۱۸۴)۔ ”جسے اسکا خدشہ ہو کہ وصیت کرنے والا کسی کی طرفداری کرے گا،۔ یعنی وہ انصاف سے ہٹ کر کسی ایک کو زیادہ دیدیگا۔ یاد رہے کہ **مُجْنِفًا** اس کو کہہینگے جو حق و انصاف کو چھوڑ کر کسی کی طرفداری کرے۔“

سورۃ سائدہ میں ہے **غَيِّرْ مُتَجَانِفًا لِاِثْمٍ** (۵)۔ جو گناہ (اِثْمٌ) کی طرف جھکنے والا نہو۔

## ج ن ن

**جَنّٰی** کے معنے ہیں چھپا لینا۔ یہی اس مادہ کے بنیادی معنی ہیں (ابن فارس)۔ راغب نے کہا ہے کہ **جَنّٰی** کے معنے کسی چیز کو **عَاسَہ** (نگاہ) سے پوشیدہ کر دینا ہیں۔ **فَلَمَّا جَنّٰی** **عَلَيْهِ اللّٰیْلُ** **رَأٰی كَوْكَبًا** (۲۱) ”جب رات کی تاریکی نے اسے چھپا لیا تو اسنے ایک ستارہ دیکھا“۔ ویسے بھی ہر اس چیز کے لئے جو تم سے چھپ جائے **قَدْ جَنّٰی عَنْکَ** کہتے ہیں۔ **جَنّٰی** قبر کو کہتے ہیں کیونکہ وہ مردہ کو چھپا لیتی ہے۔ اور خود میت اور اسکے کفن کو بھی۔ **جَنّٰی** جمع **اِحْتَا** (۵۳) اس بچہ کو کہتے ہیں جو ہنوز ماں کے پیٹ میں ہو۔ **جَنّٰی**۔ اس ہتھیار کو کہتے ہیں جس سے آدمی اپنا بچاؤ کرے۔ ہر پردہ اور آڑ۔ **جَنّٰی** اور **مِجَنّٰی** ڈھال کو بھی کہتے ہیں۔ (۵۸)۔ **لَا جِنّٰی بِهٰذَا** **اَلْاَمْرِ** کے معنے ہیں اس بات میں کوئی راز (پوشیدہ) نہیں۔ **جِنّٰی** جنوں

کو کہتے ہیں (۲۳)۔ دراصل عربوں کے ہاں مَجْنُونٌ کے متعلق یہ سمجھا جاتا تھا کہ اسے جینؑ چمٹ گیا ہے\*۔

دور توہم پرستی میں تمام وہ قوتیں جو انسانوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوتیں اور جن کے متعلق اس زمانے کے انسان کی سمجھ میں کچھ نہ آتا، دیوی دیوتا بن جاتی تھیں۔ انہی کو عرب (ان کے نگاہوں سے پوشیدہ ہونے کی بنا پر) جینؑ کہتے تھے۔ وہ فرشتوں کو بھی جینؑ کہا کرتے تھے، حالانکہ انکی پرستش بھی کرتے تھے۔ راغب نے کہا ہے کہ الْجِنُّ کا استعمال دو طرح پر ہوتا ہے۔ ایک تو ان تمام مخفی قوتوں (روحانیوں) کے لئے جو حواس سے پوشیدہ ہوتی ہیں۔ اس اعتبار سے جینؑ میں فرشتے بھی شامل ہوتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ ان مخفی قوتوں (روحانیوں) میں سے بعض کو جینؑ کہتے ہیں، اس طرح کہ جو روحانیوں نیک ہوتے ہیں وہ فرشتے کہلاتے ہیں، جو بد اور سرکش ہوتے ہیں وہ شیاطین کہلاتے ہیں\*\*۔ اور جن میں نیک و بد دونوں شامل ہوتے ہیں وہ جینؑ کہلاتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کے کئی مقامات میں جہاں جاہلیت عرب میں جینؑوں کی پرستش کا ذکر ہے وہاں جِنَّةٌ سے مراد فرشتے ہی ہیں (مثلاً الْجَنَّةُ) وغیرہ\*\*۔

ہماری زمین ابتدا میں ایک آتشیں گولہ تھی جسے ٹھنڈا ہو کر انسانی آبادی کے قابل بننے کے لئے لاکھوں اور کروڑوں برس لگ گئے۔ قرآن کریم میں ہے کہ جب کرہ ارض پر ہنوز انسانوں کی آبادی نہیں ہوئی تھی تو اس میں جو مخلوق یہاں بستی تھی اس میں حرارت برداشت کرنے کی قوت اور صلاحیت زیادہ تھی۔ اسکے بعد وہ مخلوق ختم (Extinct) ہو گئی اور اسکا جانشین (خلیقہ) دیکھئے عنوان خ-ل-ف) انسان ہوا۔ چونکہ اس (پہلی) مخلوق میں حرارت برداشت کرنے کی صلاحیت زیادہ تھی اور چونکہ اب وہ انسانوں کے سامنے نہیں ہے، ان کی نسل ختم (Extinct) ہو چکی ہے، اسلئے قرآن نے کہا ہے کہ وَالْجَنَانُ خَالِقُهُمْ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَارِ السَّمُومِ (۲۱)۔ انسان سے پہلے ہم نے ایک مخلوق کو جلتی ہوئی ہوا کی حرارت سے پیدا کیا تھا۔ وہ مخلوق اب تمہاری نگاہوں کے سامنے نہیں ہے۔ اس اعتبار سے ایسے الجنانؑ کہا گیا ہے۔ اس سے یہ بھی مفہوم ہو سکتا ہے کہ اشیائے کائنات مادہ کی مرئی اور محسوس شکل میں آنے سے پہلے، مخفی توانائی (Energy) کی حالت میں تھیں۔ یہی توانائی اب مادہ کے اندر (Latent) صورت میں ہے۔

نگاہوں سے پوشیدہ ہونے، نیز اسکی خوئے سرکشسی کی وجہ سے، ابلیس کے متعلق بھی یہی کہا گیا ہے کہ وہ جینوں میں سے تھا (دیکھئے عنوان ب۔ ل۔ س اور ش۔ ط۔ ن)۔

قرآن کریم میں جین<sup>۱</sup> اور انیس<sup>۲</sup> کے الفاظ متعدد مقامات پر اکٹھے آئے ہیں۔ ہم (ان۔س) کے عنوان میں بتاچکے ہیں کہ عربوں میں آل انیس<sup>۳</sup> ان قبیلوں کو کہتے تھے جو ایک مقام پر مستقل طور پر سکونت پذیر ہو جائیں۔ لیکن جین<sup>۴</sup> وہ قبائل تھے جو جنگلوں اور صحراؤں میں جگہ بہ جگہ پھرتے رہتے تھے اور اسطرح شہر والوں کی نگاہوں سے اوجھل رہتے تھے۔ انہیں خانہ بدوش قبائل (Nomadic Tribes) کہا جاتا ہے۔ اب بھی دنیا میں جہاں جہاں اس قسم کے قبائل پائے جاتے ہیں وہ شہر والوں سے دور دور، جنگلوں اور بیابانوں میں رہتے ہیں۔ آجکل وسائل رسل و رسائل کے عام ہوجانے سے، ان قبائل اور شہر والوں کی زندگی میں بہت سے امور مشترک ہوچکے ہیں، اس لئے ان میں کوئی بنیادی بُعد محسوس نہیں ہوتا۔ لیکن جس زمانے میں ملتے جلتے کے وسائل اور نشر و اشاعت کے طریق عام نہیں تھے، شہر والوں اور ان خانہ بدوش، صحرائشیوں کے تمدن و معاشرت، عادات و اطوار، خصائص و خصائل اور ذہنی اور نفسیاتی کیفیات وغیرہ میں اسقدر فرق تھا کہ یہ دونوں ایک نوع کے افراد نظر نہیں آتے تھے۔ عربوں میں یہ صحرا نشین قبائل بہت زیادہ تھے (انہیں بلاد و یا اعراب<sup>۵</sup> کہا جاتا تھا) چونکہ قرآن کا پیغام شہریوں اور صحرا نشینوں سب کی طرف تھا اس لئے اس نے جین<sup>۶</sup> و انیس<sup>۷</sup> دونوں گروہوں کو مخاطب کیا ہے۔ ان مقامات پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ وہاں جین<sup>۸</sup> سے مراد انسان ہی ہیں۔ یعنی وہ وحشی قبائل (Gypsis) جو جنگلوں اور صحراؤں میں رہا کرتے تھے۔ مثلاً سورۃ انعام میں ہے بِمَآءِشْرَ الْجِیْنِ وَالْاِنْسِ اَلْمِیَّاتِ تِیْکُمُ رَسُوْلٌ مِّنْکُمْ (۱۳۱)۔ اے گروہ جن و انیس، کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے۔ قرآن نے کسی رسول کا ذکر نہیں کیا جو جن تھا۔ اور سورۃ اعراف میں اس کی تصریح کردی کہ رسول، بنی آدم میں سے، انہی کی طرف بھیجے گئے تھے (۳۵)۔ سورۃ جن اور سورۃ احقاف میں مذکور ہے کہ جنوں کی ایک جماعت رسول اللہ<sup>۹</sup> کے پاس قرآن سننے کے لئے آئی (دیکھئے ۲۱ : ۲۹)۔ اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ جنوں، کی طرف رسول انسانوں میں سے ہی ہوتے تھے۔ انہی سورتوں (سورۃ جن اور سورۃ احقاف) سے یہ حقیقت بھی واضح ہوجاتی ہے کہ جو جن رسول اللہ<sup>۱۰</sup> کے پاس قرآن سننے کے لئے آئے تھے وہ انسان ہی تھے۔



(وحشی قبائل میں سے عیسائی - یہودی اور مشرک) - سورۃ بنی اسرائیل میں ہے کہ اگر ”جن و انس“ اکٹھے ہو جائیں تو بھی اس قرآن کی مثل نہ بنا سکیں - سورہ انعام میں ہے کہ ”انس و جن“ کے سرکش لوگ انبیاء کی مخالفت کیا کرتے تھے (۱۱۳/۱) سورۃ اعراف میں ہے کہ ”جن و انس“ میں اکثریت ان کی ہے جو عقل و فکر سے کام نہیں لیتے اس لئے وہ اہل جہنم ہیں (۱۰۹/۱)۔ سورۃ حم سجدہ میں ہے کہ اہل جہنم کہہینگے کہ ہمیں ”جن و انس“ میں سے بعض نے گمراہ کیا تھا (۲۹/۱)۔ سورۃ انعام میں ہے کہ انیس کہہینگے کہ ہم جنوں سے فوائد حاصل کیا کرتے تھے اور جن کہہینگے کہ ہم انیس سے فائدے اٹھایا کرتے تھے (۱۳۹/۱)۔ سورۃ نمل میں ہے کہ حضرت سلیمان کے پاس جن و انس کے لشکر تھے - (۲۷/۱) - ان جنوں کے متعلق سورۃ سبأ میں ہے کہ وہ ہیکل کی تعمیر کا کام کرتے تھے - مجسمے تراشتے تھے - لکن اور دیگیں بناتے تھے (۳۳/۱) - سمندروں میں غوطہ خوری سے منقہ نکالتے تھے (۸۱/۱) - انہیں زنجیروں میں جکڑ کر رکھا جاتا تھا (۳۸/۱) - تورات میں اسکی صراحت موجود ہے کہ حضرت سلیمان نے صور کے بادشاہ سے صیدوفی قوم کے آدمی جنگل سے لکڑیاں کاٹنے کے لئے مانگے تھے - چنانچہ یہ قبائل اور ”جلیلیم“ - پہاڑی قبائل - ان کے لئے لکڑیاں کاٹنے اور پتھر تراشتے تھے - ان کے علاوہ حضرت سلیمان نے فلسطین کے پہاڑی اور جنگلی (غیر بنی اسرائیل) قبائل میں سے ستر ہزار آدمیوں کو بطور مزدور اور دس ہزار کو درخت کاٹنے اور پتھر تراشنے پر متعین کیا تھا (دیکھئے کتاب سلاطین و کتاب تاریخ الایام) -

ان تصریحات سے واضح ہے کہ قرآن میں ”جن و انس“ سے مراد وحشی اور متمدن انسان ہیں - انس جو مانوس تھے اور جن ، جو وحشی اور غیر مہذب قبائل جنگوں اور صحراؤں میں رہتے تھے - (مزید تفصیل میری کتاب ”ابلیس و آدم“ میں ملے گی) -

الْجَنُّ زرد رنگ کے سیاہ چشم سانپ کو بھی کہتے ہیں \* (۲۷/۱) ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ جن سے تشبیہ کی بنا پر بولا جاتا ہے - الْجَنُّ مِّنَ النَّبَاتِ شِجْوَفُونَ اور پھولوں کو کہتے ہیں \* - جَنَّاتٍ اِلَّا رِضٌّ کے معنی ہیں زمین پر سبز گھاس خرب پھیل گئی اور نگاہوں کو بھلی نظر آنے لگی \* - جَنَّ النَّبَاتَاتِ کے معنی ہیں ہودے لمبے ہو گئے اور آپس میں خوب گتہ گتہ گئے - نَخْلًا مَّجْنُونًا نہایت لمبا کھجور کا درخت \* -

جَنَّةٌ\* - کھجوروں اور انگوروں کے باغ کو کہتے ہیں۔ (اگر کسی باغ میں کھجوروں اور انگوروں کے درخت نہ ہوں دوسرے درخت ہوں تو اسے حَدِیْقَةٌ کہتے ہیں۔ جَنَّةٌ\* انہیں کہتے)\*۔ لیکن راغب کا قول ہے کہ جَنَّةٌ\* ہر اس باغ کو کہتے ہیں جسکی زمین درختوں کی وجہ سے نظر نہ آئے\*\*۔

قرآن کریم میں جَنَّةٌ\* کا لفظ بڑی جامع اصطلاح کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ قرآنی نظام پر عمل پیرا ہونے سے اس دنیا میں جس قسم کا فردوس بدوش معاشرہ متشکل ہوتا ہے اسے بھی جنت سے تعبیر کیا گیا ہے اور مرنے کے بعد کہ زندگی میں حسن عمل کے جو خوشگوار نتائج سامنے آتے ہیں انہیں بھی جنت ہی کہہ کر پکارا گیا ہے۔ قرآن پر عمل کرنے والوں (مومنین) کو اس دنیا میں جس قسم کا جنتی معاشرہ نصیب ہوتا ہے اسکی تفصیل قرآن کے مختلف مقامات میں مذکور ہیں۔ لیکن اسے اگر دو لفظوں میں سمجھنا چاہیں تو اس آیت کو سامنے لے آنا چاہئے جو آدم کی سرگذشت سے متعلق ہے۔ اس جنت کے متعلق کہا گیا ہے کہ وَكُنَّا مِنْهَا رَاغِبًا أَحْيَا فِيهَا جَنَّاتٌ مِنْ أَعْنَابٍ وَفِيهَا زَاوَاتُ لَهُمْ فِيهَا وَجَنَّةٌ أُخْرَىٰ لَهُمْ فِيهَا جَنَّاتٌ مِنْ نَخْلٍ وَمِنْ أَعْنَابٍ وَفِيهَا كُنُوزٌ لَا يَحْسَبُونَ الْحَدِيثَ وَفِيهَا كُنُوزٌ مَّا يُحْسَبُ الْحَدِيثُ وَفِيهَا كُنُوزٌ مَّا يُحْسَبُ الْحَدِيثُ وَفِيهَا كُنُوزٌ مَّا يُحْسَبُ الْحَدِيثُ (۱۱۸-۱۱۹)۔ اس میں سے جہاں جی چاہے نہایت فراغت سے کھاؤ لیکن اس شجر کے قریب نہ جانا (شجر کے لئے دیکھئے عنوان ش-ج-ر)۔ یعنی جنت اس معاشرہ کا نام ہے جس میں زندگی کی تمام آسائشیں بافراط موجود ہوں۔ جہاں سامان زیست کی فراوانیاں ہوں۔ (صرف غذا ہی نہیں بلکہ لباس۔ مکان۔ یعنی تمام بنیادی ضروریات زندگی ۱۱۸-۱۱۹) لیکن ان کا استعمال حدود اللہ (قوانین خداوندی) کے مطابق کیا جائے۔ اگر ایسا کیا جائیگا تو اس معاشرہ کی بہاروں پر کبھی خزاں نہیں آئیگی۔ اسی لئے اسے تَجْرِیٰ مِیْنٌ تَحْتِیْہِمَا لَا تَنْہَارُ (۱۲۰) کہا گیا ہے۔ یعنی اس باغ کے نیچے آب رواں ہمیشہ جاری رہیگا۔ قرآن نے اسکی تفسیر ان الفاظ سے کردی ہے اُكْثَمًا دَائِمًا وَظِلِّشْہَا (۱۲۱) اس کے پھل اور دیگر آسائشیں ہمیشہ رہیںگی،۔ باقی رہے اعمالِ حسنہ کے وہ نتائج جو مرنے کے بعد سامنے آئیں گے، سوا کچھ انہیں بھی جنت ہی سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہ دیا گیا ہے کہ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قِسْرَةٍ آعِیْنِ (۱۲۲)۔ اللہ نے اعمال کے بدلے میں آنکھوں کی ٹہنڈک کا جو سامان چھپا کر رکھا ہے وہ کسی انسان کے

حیطہ ادراک میں نہیں آسکتا،،۔ اس زندگی کی کیفیات کے متعلق ہم آج کچھ نہیں سمجھ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جنت کی اس قدر تفصیل دینے کے باوجود یہ بھی کہہ دیا ہے کہ یہ سب تمثیلی بیان ہے (۱۳/۱۳۵)۔

لیکن اس دنیا کی جنت ہمارے سامنے آسکتی ہے، اگر ہم اپنے معاشرہ کو قرآن کے متعین کردہ خطوط پر متشکل کر لیں۔ اسمیں انسان کی خارجی اور داخلی زندگی کی تمام آسائشیں اور راحتیں موجود ہونگی۔ لیکن اس سے بعد کی زندگی کی جنت کی کیفیت ہم سمجھ ہی نہیں سکتے۔ اس کے متعلق اتنا سمجھ شعور محسوسات کی حد سے آگے جا ہی نہیں سکتا۔ اس کے متعلق اتنا سمجھ لینا کافی ہوگا کہ اس دنیا میں جنتی زندگی بسر کرنے سے نہ صرف طبعی آسائشیں ہی ملتی ہیں بلکہ انسانی ذات (Personality) کی بھی نشوونما ہوتی جاتی ہے۔ اس سے انسانی ذات اس قابل ہوجاتی ہے کہ وہ اس زندگی کے بعد اگلے ارتقائی مراحل طے کر کے اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکیں۔ اس قسم کی انسانی ذات مرنے کے بعد جس مرحلہ میں پہنچتی ہے اس کا نام جنت ہے۔ وہ انسانی زندگی کی آخری منزل نہیں بلکہ آگے بڑھنے کا مقام ہے۔ اس لئے کہ وہاں بھی ”انسان کا نور اس کے آگے آگے چل رہا ہوگا،، (۱۴/۱۴۶)۔ اس کے برعکس جن کی ذات کی نشوونما (Development) رک چکی ہوگی، جن میں آگے بڑھنے کی صلاحیت نہیں ہوگی، وہ اہل جہنم ہونگے (دیکھئے عنوان جہنم و ج-ح-م)۔ بہر حال، مرنے کے بعد جنت اور جہنم، مقامات نہیں ہیں، انسانی ذات کی کیفیات ہیں جن کی حقیقت ہم آج سمجھ نہیں سکتے۔ آج ہمیں یہ کوشش کرنی چاہئے کہ کسی طرح اس دنیا کی جہنم (جس میں ہم سب مبتلا ہیں) جنت سے بدل جائے۔ یہ قرآنی نظام کی رو سے عوسکیگا۔

## ج ن ی

جَنَّتِ الشَّمْرَةَ يَجْنِيهَا - اسنے پھل کو درخت سے توڑ لیا۔ یہی اس کے بنیادی معنی ہیں۔ (ابن فارس) فَهَوَ جَانٍ - وہ پھل توڑنے والا ہے۔ الْجَنَّتِي پختہ اور تازہ کھجور۔ چنے ہوئے پھل۔ آجَنَّتِي الشَّجَرُ - درخت کے پھل توڑنے کے قابل ہو گئے۔ ثَمَرٌ جَنَّتِي - تازہ پھل جو ابھی ابھی توڑا گیا ہو\*۔ سورۃ مریم میں رَطْبًا جَنَّتِي (۱۵/۱۵)۔ تازہ کھجوروں کے لئے آیا ہے۔ اور سورۃ رحمن میں جَنَّتَا (۵۵/۵۵) پھلوں کیلئے۔

کسی کا پھل توڑ کر لے جانا جرم ہے۔ اس سے اَلْجِنَايَةِ اس جرم کو کہتے ہیں جس سے سزا لازم آتی ہو۔ جَان کے معنی ہیں مجرم۔ جَانِي عَلَيْهِ مَجَانَاةً۔ اسنے اسکے خلاف جرم کا دعویٰ کر دیا\*۔ غور کیجئے، جب ایک شخص کسی دوسرے کا پھل توڑ کر لے جانے سے مجرم بنتا ہے تو جو لوگ دوسروں کی محنت کے محاصل کو غضب کر لیں وہ مجرم کیوں نہیں؟ (اس ضمن میں عنوان ج-ر-م بھی دیکھئے)۔

## ج ۵۵

اَلْجُهْدُ۔ ابن اثیر نے کہا ہے کہ جُهْدُ کے معنی تکلیف اور مشقت اور کسی کام کو اسکی انتہا تک پہنچا دینے کے ہیں۔ اور جُهْدُ کے معنی وسعت اور طاقت کے ہیں۔ لیکن بعض لوگوں نے کہا ہے کہ جُهْدُ اور جُهْدُ دونوں وسعت اور طاقت کے معنوں میں آتے ہیں۔ لیکن مشقت کے معنوں میں صرف جُهْدُ آتا ہے\*۔ لیکن قرآن میں جُهْدُ بھی مشقت کے معنوں میں آیا ہے (۹/۹) ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ اسکے بنیادی معنی ہیں۔ جِهَادُ کے معنی ہیں کسی مقصد کے حصول کیلئے اپنی طاقت اور وسعت کو پورا پورا صرف کر دینا۔ اسمیں کوئی کسر اٹھا نہ رکھنا۔ اور جِهَادُ کے معنی ہیں سخت زمیں جسمیں گھاس وغیرہ کچھ نہ ہو\*۔ اَجْهَدَاتُ لَكَ الْاَرْضُ۔ زمین تیرے لئے ظاہر ہو گئی\*۔

اَلْاَجْتِهَادُ۔ کسی ایسے مقصد کے حاصل کرنے میں اپنی پوری پوری کوشش صرف کر دینا جس میں کلفت اور مشقت لازمی ہو\*\*۔ یعنی اس کام کا مشکل اور کٹھن ہونا ضروری ہے۔

اَلْجَاهِدُ۔ جاگنے والا\*\*۔

قرآن کریم میں مَجَاهِدِيْنَ بِمَقَابِلِهِ قَاعِدِيْنَ آیا ہے (۲۵)۔ قَاعِدِيْنَ کے معنی ہیں بیٹھ رہنے والے۔ سستی کرنے والے۔ لہذا مَجَاهِدِيْنَ کے معنی ہونے جد و جہد کرنے والے۔ حصول مقاصد کیلئے پوری پوری کوشش کرنے والے۔ خواہ اسمیں جان تک بھی کیوں نہ دینی پڑ جائے۔ قرآن کی رو سے زندگی کا راز جد و جہد اور سعی و عمل میں ہے۔ لہذا مردِ مومن، جو زندگی کا پیکر ہوتا ہے، ساری عمر مجاہد رہتا ہے۔ یعنی مصروفِ سعی و عمل۔ (جنگ کے لئے دیکھئے عنوان ق-ت-ل) سورة التَّنْحِل میں جُهْدُ اِيْمَانِيْهِمْ (۳۸) سخت قسموں کیلئے آیا ہے۔

## ج ۵ ر

جَهْرٌ - راغب نے کہا ہے کہ اسکے اصلی معنی کسی چیز کا حسد سے زیادہ زور کے ساتھ نمایاں اور ظاہر ہونا ہے، خواہ وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہو یا سننے سے۔ چنانچہ رَأَى جَهْرًا کے معنی ہیں اسے کھلم کھلا اسطرح دیکھا کہ دونوں کے درمیان کوئی حجاب نہ تھا۔ اور جَهْرُ الصَّوْتِ کے معنی ہیں آواز کو بلند کیا۔ جَهْرُ الْكَلَامِ اسنے اس بات کو کھول کر یا آواز بلند کہا۔ جَهْرُ أَعْيُنِ الْقَوْمِ - قوم کے ممتاز اور برگزیدہ افراد\*۔ جَهْرُ الْقَوْمِ الْقَوْمِ - ایک قبیلے نے دوسرے قبیلہ پر صبح دم غفلت میں چڑھائی کر دی۔ مَجْرًا هَرَّةٌ - ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرنا\*۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے متعلق ہے کہ وہ بے حجاب (جَهْرًا) نہیں دیکھا جاسکتا (۲۵)۔ سورة حدید میں اللہ کے لئے هُوَ الظَّاهِرُ آیا ہے۔ (۵۴) اس کے مفہوم کے لئے دیکھئے عنوانات (ظ۔ ۵۔ ر) و (ب۔ ط۔ ن)۔ سورة انعام میں جَهْرٌ بمقابلہ سِرٌّ آیا ہے (۱۱)۔ اور (۲۱) میں یہ لفظ كَتَمَ کے مقابلہ میں آیا ہے۔ سورة بنی اسرائیل میں جَهْرٌ بمقابلہ خَفَّتْ آیا ہے۔ (۱۱۰) وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِصَلَاتِكُمْ وَلَا تَخَافُوهَا يَهَا\*\*۔ سورة انعام میں ہے إِنَّ أَوْلَىٰ لَكُمْ عَذَابُ اللَّهِ بَعْتُهُ أَوْ جَهْرَةً (۱۷)۔ بَعْتُهُ کے معنی ہیں جسکی علامات وغیرہ پہلے سے ظاہر نہ ہوں (اچانکی) لہذا جَهْرَةً کے معنی ہوئے جسکی علامات پہلے سے نمایاں ہو جائیں۔

سورة العجرات میں ہے لَا تَسْرُقُوا أَمْوَالَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ (۲۹)۔ اگرچہ اس کے ظاہری معنی یہی ہیں کہ تم نبی کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کرو اور نہ ہی اس سے چٹلا کر باتیں کرو جیسا کہ آپس میں کرتے ہو، لیکن اگر اسے آدابِ مجالس سے وسیع تر مفہوم میں لیا جائے تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ تم اسکے فیصلہ پر اپنی رائے کو غالب رکھنے کی کوشش نہ کرو۔ اسکے فیصلوں کو دل کے کامل جھکاؤ کے ساتھ تسلیم کرو۔ قرآنی مملکت میں، مرکز کی پوزیشن ایسی ہوتی ہے کہ وہاں کا فیصلہ حرفِ آخر قرار دیا جاتا ہے۔ رسول اللہ کی حیاتِ طیبہ میں یہ حیثیت حضور کو حاصل تھی۔ آپ کے بعد، یہ حیثیت حضور کے جانشینان (یعنی خلافت علیٰ منہاج رسالت بنا قرآنی نظام مملکت کے مرکز) کو حاصل ہوگی۔

\*تاج - \*\* دیکھئے عنوان (ص۔ ل۔ و)۔

## ج ۵ ز

الْجَهَّازُ - سامان سفر۔ جو سامان سواری پر لدا ہوتا ہے\*۔ ساز  
و سامان جو کسی کی ضرورت کا ہو\*\*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اسکے  
بنیادی معنی ایسی چیز کے ہوتے ہیں جسے خریدنا اور حاصل کیا جاسکے۔  
الْجَهَّازُ سَامَانٌ سَفَرٌ لَدُنَّا يَأْتِي دِينًا\*۔ سورة يوسف میں ہے وَ لَسَمَّا  
جَهَّازَهُمْ بِجَهَّازِ زَيْمٍ (۱۱۲)۔ ”جب انہیں ان کا سامان دیکر سفر کیلئے  
تیار کر دیا“۔

الْجَهَّازُ مِّنَ الْأَرْضِ - بلند زمین کو کہتے ہیں\*\*۔

## ج ۵ ل

الْجَهْلُ کے معنی ہوتے ہیں جو امور واضح نہ ہوں ان کی واقفیت  
حاصل کئے بغیر ان میں پیش قدمی کرنا۔ راغب نے کہا ہے کہ جَهْلٌ  
کی تین قسمیں ہوتی ہیں (۱) انسان کے ذہن کا علم سے خالی ہونا (یہ  
بنیادی معنی ہیں)۔ (۲) کسی بات کے متعلق اس کی صحیح کیفیت کے خلاف  
اعتقاد رکھنا اور (۳) کسی بات کو جس طرح کرنا چاہئے اس کے خلاف  
کرنا۔ خواہ اس کی بابت اعتقاد صحیح ہو یا غلط\*۔ ابن فارس نے کہا ہے  
کہ اس کے بنیادی معنی (۱) علم کی ضد اور (۲) ہلکا پن اور بے اطمینانی  
کے ہیں۔

مَجْهُولٌ - اس زمین کو کہتے ہیں جس میں نشانات راہ نہ ہونے کی  
وجہ سے صحیح راستہ نہ مل سکے\*۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ اَلْمَجْهُولُ  
اس سادہ لوح اور نا تجربہ کار آدمی کو کہتے ہیں جو جلد دھوکے میں  
آجائے\*\*۔ صاحب تاج العروس نے لکھا ہے کہ جَاهِلٌ کا لفظ مذمت کے لئے  
آتا ہے لیکن کبھی اس کے معنی ناواقف کے بھی ہوتے ہیں۔ اس صورت میں  
یہ لفظ مذمت کے لئے نہیں آتا۔ مثلاً قرآن کریم میں ہے يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ  
أَعْمٰیۃً (۲۰) ”ناواقف انہیں دولت مند سمجھتا ہے“۔

عربوں کے زمانہ قبل از اسلام کے لئے جَاهِلِيَّةٌ کا لفظ استعمال ہوتا  
ہے۔ قرآن میں بھی اس لفظ کا استعمال آیا ہے (مثلاً (۳۳))۔ اس کے معنی یہ  
نہیں کہ وہ لوگ جاہل مطلق تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دین سے ناواقف  
تھے۔ جاہلیت سے مراد ان کی جہالت نہیں بلکہ اس دین سے ناواقفیت ہے

\*تاج - \*\*محیط۔

جو نبی اکرمؐ کے ذریعہ ان تک پہنچا۔ لہذا رسوم جاہلیت سے مراد وہ رسوم ہی نہیں جو زمانہ قبل از اسلام میں عربوں کے ہاں رائج تھیں۔ اس سے مراد وہ تمام غلط اعتقادات اور غیر قرآنی اعمال حیات ہیں جو دین سے ناواقفیت کی بنا پر مسلمانوں میں پھیل رہے ہیں۔ نیز علم ہو جانے کے بعد بھی اسی روش پر جمے رہنا (معض اس لئے کہ وہ روش اسی طرح چلی آ رہی ہے) جاہلیت ہے۔ یہ مسلک پتھروں کا ہے جو کسی حالت میں بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلتے۔ اسی لئے بڑی چٹان کو صَفَاةٌ جَبَّهَلٌ کہتے ہیں\*\*۔ یہ جہالت و جاہلیت کی بدترین قسم ہے۔ اسی لئے صاحب تاج العروس نے اسے جَبَّهَلٌ مَرْكَبٌ سے تعبیر کیا ہے\*۔

احمد امین مصری (مرحوم) نے کہا ہے کہ ”سَلَامٌ“ کے معنی مسالمت کے ہیں جو جنگ اور مخاصمت کی ضد ہے۔ قرآن کریم کی اس آیت وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْسُوْنَ غَلِيًّا لَارْضٍ هَوْنًا وَاِذَا خَاطَبْتَهُمُ الْجَاهِلِيُّوْنَ قَالُوْا سَلَامًا (۱۳۱) میں جہالت کے مقابلہ میں سَلَامٌ کا لفظ لایا گیا ہے۔ غالباً اس آیت کے ذریعہ ہم وہ وجہ معلوم کر سکتے ہیں جس کی بنا پر نبی اکرمؐ کی بعثت سے پچھلے زمانہ کو جاہلیت کا اور بعثت کے بعد کے زمانہ کو اسلام کا لقب دیا گیا۔ یہ لفظ ”جاہلیت“ اس جَبَّهَلٌ سے ماخوذ نہیں جس کے معنی نہ جاننے (عِلْمٌ کی ضد) کے ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ اس ”جَبَّهَلٌ“ سے ماخوذ ہے جس کے معنی سفاقت، غضب، اور حمیت کے ہوتے ہیں۔ حضرت ابوذر غفاری رضیٰ عنہ کی ایک حدیث میں ہے کہ انہوں نے کسی کو اس کی ماں کے نام سے عار دلائی تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا اِنَّكَ اَمْرٌ وَّيِيكُ جَاهِلِيَّةٌ۔ ”تمہارے اندر جاہلیت کی روح اب تک موجود ہے“۔ اسی جہالت سے عربوں کا مجاورہ ہے ”اِسْتَجْهَلْتَهُ الشَّقِيْبِيُّ“، یعنی اس چیز نے اسے عقل و خرد سے بیگانہ بنا دیا۔ کسی شاعر کا مصرع ہے۔ دَعَاكَ اَلْهَوٰى وَاِسْتَجْهَلْتَكَ اَلْمَنْزَلُ۔ محبت نے تجھے پکارا اور محبوب کے مکانوں نے تیرے حواس گم کر دیئے۔ عمرو بن کثوم کے معلقہ میں ہے۔

اَلَا لَا يَجْهَلُنْ اَحَدٌ عَسَلِيْنَتَا

فَتَجْهَلُ فَوْقَ جَبَّهَلِ الْجَنَّا هَلِيْنَتَا

خبردار کوئی ہمارے خلاف زیادتی نہ کرے ورنہ ہم زیادتی کرنے والوں سے بڑھ کر زیادتی کریں گے۔ ان استعمالات سے معلوم ہوتا ہے کہ جَاهِلِيَّةٌ کا لفظ ہلکے پن،

عقل و ہوش سے بیگانگی، عصیت، حمیت اور مفاخرت وغیرہ کے لئے استعمال ہوتا تھا جو اسلام سے پہلے عربوں کی زندگی کا اہم ترین عنصر تھا۔ اسی لئے اس زمانہ کو جاہلیت کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ ان معانی کے بالمقابل سکون نفس، تواضع، اعمال صالحہ کی اہمیت کا احساس، اور نسلی فخر و غرور کی بسے اعتباری وغیرہ رجحانات، سلامتی اور مصالحت کے ہوتے ہیں۔\*۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلامی نہج زندگی کیا ہے اور جاہلیت کی روش کیا؟

قرآن کریم کی رو سے علم حاصل نہ کرنا جرم ہے اور علم حاصل ہو جانے کے بعد اپنی غلط روش میں تبدیلی نہ کرنا اس سے زیادہ سنگین جرم (مزید تفصیل ع۔ل۔م اور ع۔ق۔ل کے عنوانات میں ملیگی)۔ سورۃ بقرہ میں یہ لفظ ھَزُوٌ کے ساتھ آیا ہے (۱۲۱) لہذا اس کے معنی ہیں وہ لوگ جو زندگی کے مسائل اور احکام و قوانین کو سنجیدگی سے (Seriously) نہ لیں۔ انہیں مذاق ہی سمجھیں۔

### جہنم

جَہَنَّمَ\*۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ عربی لفظ ہے جسکے معنی ہیں گہرا۔ کہتے ہیں ”رَکَبَ کَثِیْرَةً جَہَنَّمَ“ ”گہری تہ والا کنواں“۔ بعض نے اسے عبرانی لفظ گہنٹنام\* سے معرب مانا ہے\*\*۔

صاحب محیط نے لکھا ہے کہ یہ عبرانی الاصل ہے اور دو لفظوں سے مرکب۔ جی، جسکے معنی وادی ہیں اور ھَنْشُوم سے۔ ہنوم ایک آدمی کا نام تھا۔ وادی ھَنْشُوم یروشلم کے جنوب میں ایک مشہور وادی تھی جس میں زمانہ قدیم میں سولوک (عُثْمُوْنِیْسِیْن کے دیوتا) کے حضور آدمیوں کو جلا کر قربانی پیش کی جاتی تھی۔ لہذا جی ھَنْشُوم سے مراد تھی وہ وادی جہاں انسان ذبح کئے جاتے تھے اور انہیں جلا یا جاتا تھا۔\*\*\* اس اعتبار سے جَہَنَّمَ کا ترجمہ انسانیت کی قربانگاہ ہوگا۔ خدا کے قانون ربوبیت کا منشا یہ ہے کہ انسان کی مضمحل صلاحیتوں کی نشوونما ہو۔ انسانیت برومند اور ثمر بار ہو۔ ایسا معاشرہ جسمیں انسانیت نشوونما پائے جتنی معاشرہ ہے۔ اسکے مقابلہ میں وہ معاشرہ جسمیں انسانیت ذبح ہو جائے اور جاکر راکھ کا ڈھیر بن جائے جَہَنَّمَ معاشرہ ہے۔ اسکے لئے عربی لفظ جَہَنَّمَ ہے جس کے معنی روک دینا ہیں (دیکھئے عنوان ج ح م)۔ یعنی جس مقام پر انسانیت کی نشوونما رک جائے۔

\* فجر الاسلام صفحہ ۶۹۔ ۷۰۔ \*\* تاج۔ \*\*\* محیط نیز غ۔ د۔ اللہ آ۔ ا۔ اللہ ا۔



سورۃ بنی اسرائیل میں جہنّم کے متعلق کہا ہے وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ  
لِلْكَافِرِينَ حَاصِرًا (۱۷۸)۔ جہنم ان لوگوں کے لئے روک کا مقام ہے جو  
قانون خداوندی کے خلاف زندگی بسر کرتے ہیں۔

چونکہ زندگی مسلسل آگے بڑھتی ہے آسٹے جسکی نشوونما یہاں رک  
جاتی ہے وہ زندگی کی اگلی منزلیں طے کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔ اسائے اس  
زندگی میں بھی وہ جہنّم میں رہتا ہے اور مرنے کے بعد کی زندگی میں بھی۔  
اس زندگی میں جہنّم کی کیفیات کیسی ہونگی، اس کے متعلق ہم آج کچھ  
نہیں سمجھ سکتے۔ البتہ موجودہ زندگی میں جہنم کا عذاب ہم ہر وقت محسوس  
کر سکتے ہیں۔ انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی۔ اجتماعی طور  
پر جو قوم غلط راستے پر چلتی ہے اسکی سعی و عمل ٹمر بار ہونے کی بجائے  
جلکر خا کستر ہو جاتی ہے۔ یہ جہنّم ہے۔ اور اس کا نتیجہ ذلت و رسوائی۔  
اسکی تفصیل قرآن کے مختلف مقامات میں ملینگی۔ اسی طرح اس معاشرہ میں  
رہنے والے افراد کے جوہر انسانیت جلکر راکھ کا ڈھیر ہو جاتے ہیں۔

اس مقام پر اتنا سمجھ لینا ضروری ہے کہ جہنم، انسان کے اپنے اعمال ہی  
سے بنتی ہے۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمِ حَاطَّةً بِالْكَافِرِينَ  
(۲۹) ”یقیناً جہنم کفار کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے“۔ وَمَا هُمْ  
عَنْهَا بِغَائِبِينَ (۱۱۶)۔ یہ اسکی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہیں۔ وہ انہیں اب  
بھی دیکھ رہی ہے۔ ان کے سامنے ہی ہے، لیکن ان کا عدم احساس اسے ان کی  
نظروں سے اوجھل کئے ہوئے ہے۔ جب ان کی آنکھیں کھل جائیں گی تو وہ  
آبھر کمر سامنے آجائیں گی۔ وَبُرَزَّتْ رُوحُهُمْ لِمَنْ يَدْرِي (۱۱۶)۔ وہ  
دیکھنے والے کے لئے ابھر کمر سامنے آجائیں گی۔ یہ وہ کیفیت ہے جس کے  
متعلق کہا گیا ہے کہ یہ لوگ آس میں ”یوم الدین“ میں داخل ہونگے  
يَصَلُّونَهَا يَوْمَ الدِّينِ (۱۱۵)۔ يَوْمَ الدِّينِ، ظہور نتائج کا زمانہ  
ہے، اس دنیا میں یا مرنے کے بعد۔

## ج و ب

آلِجَوْبُ\* - قطع کرنا - پہاڑنا - سوراخ کرنا۔ یہ اس مادہ کے اصلی  
معنی ہیں\*۔ قرآن کریم میں ہے وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ  
(۸۹) اور ثمود جو وادی میں پہاڑوں کی چٹانوں کو تراش کر (اپنے مکان بناتے  
تھے)۔ آلِجَوْبُ\* - مکانات کے پچھواڑے جو گڑھا سا بن جائے جسمیں بارش  
کا پانی جمع ہو جائے\*۔ آلِجَوْبُ\* ڈھال کو بھی کہتے ہیں\*۔

اجاب۔ مجیب۔ اجاباً و اجابۃ۔ جواب دینا۔ اس لئے کہ جواب دینے والا جس کسی کی بات کا جواب دیتا ہے تو وہ اس کے مُنہ سے نکل کر سائل کے کانوں تک کا فاصلہ قطع کرتی ہے۔ ویسے سوال بھی یہ فاصلہ طے کرتا ہے لیکن یہ لفظ جواب کے لئے خاص ہو گیا ہے۔ راجع، اس سے اسم تفاعل مجیب ہے۔ جواب دینے والا۔ قرآن میں ہے اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ (۱۱۱)

”یقیناً میرا رب قریب ہی ہے اور بات کا جواب بھی دیتا ہے۔ سورۃ بقرہ میں ہے اَجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَا (۱۸۶)۔“ میں ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے،۔ دعا اور خدا کی طرف سے اسکے جواب کے صحیح مفہوم کیلئے (د۔ ع۔ و) کا عنوان دیکھئے۔ یہاں صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ دُعَا سے مفہوم ہے خدا کے قوانین کا اتباع کرنا، اور اسکی طرف سے جواب کے معنی ہیں ان قوانین کا نتیجہ خیز ہونا۔ چنانچہ سورۃ المؤمنین میں ہے وَقَالَ رَبُّكُمْ اِدْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (۲۶)۔ ”تمہارا نشوونما دینے والا کہتا ہے کہ تم مجھے پکارو میں تمہاری پکار کا جواب دوں گا“ اسکے بعد ہے اِنَّ اللّٰهَ يَنْزِلُ فِي السَّمٰوٰتِ وَنُزُوْلًا عِبَادَتِيْ سَيِّدُ خَلْقٍ وَجَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ (۲۶)۔ جو لوگ میری اطاعت گزاری سے سرکشی برتتے ہیں وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہونگے،۔ اس پوری آیت سے واضح ہے کہ دعا در حقیقت ”يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ“ کی ضد ہے۔ لہذا دعا سے مقصود خدا کی محکومیت اختیار کرنا ہے۔ اسی لئے اس سے ذرا پہلے ہے وَمَا دُعَاؤُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ (۲۵)۔ ”جو لوگ قوانین خداوندی سے انکار کرتے ہیں انکی دعا کبھی نتیجہ خیز نہیں ہوتی،۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ بقرہ میں جہاں یہ کہا ہے کہ اَجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَا (۱۸۶)۔ ”میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں“ تو اسکے ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَتَسْتَجِيْبُوْا لِيْ (۱۸۶)۔ ”لہذا انہیں چاہئے کہ میرے قوانین پر ایمان رکھیں اور میری اطاعت کریں،“ یہ لوگ یہ کچھ کریں اور میں انکی بمعنی و عمل کو نتیجہ خیز کروں گا۔ یہ ہے دعا اور اجابت۔ دعا کا قرآنی مفہوم۔ یعنی جو کچھ خدا کے تقاضے ہیں انہیں تم پورا کرو۔ جو کچھ تمہارے تقاضے ہونگے خدا انہیں پورا کر دیگا۔ یہی خدا کا قانون ہے۔ جو شخص جس قدر انہ انداز سے آسکے قوانین کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے وہ اسکی محنت کو واپس نہیں جاتے دیتا۔ وَاَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ (۱۱۵)۔ ”اور استقامت سے جما رہ۔ بیشک اللہ معصن کا اجر ضائع نہیں کرتا،۔ اور کوشش کے بغیر کچھ ملتا نہیں۔ وَاَنْ لِّمَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ لَآ اَسْمٰعٰنِ (۵۳)۔“ انسان کے لئے کچھ نہیں بجز اسکے جسکے لئے وہ کوشش اور محنت کرے۔“

\* تاج - سوال دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک تو کسی بات پر مسئلہ کا دریافت کرنا اور دوسرے امداد و اعانت طلب کرنا۔ لہذا اس اعتبار سے جواب کی بھی دو قسمیں ہوں گی اور اجابت و استقامت ان دونوں قسموں کے جواب کے لئے بولا جائے گا۔ یعنی کسی سوال کا جواب دینا، یا کسی مانگ اور مطالبہ کو پورا کر دینا۔

## ج و د

الْجَبِيْتُدُ - عمدہ چیز - جَوْدَةٌ - عمدہ ہونا - آجَادَةٌ - اسے عمدہ بنا دیا - الْجَوَادُ - سخی \* - الْجَوْدِيُّ - اس پہاڑی یا ٹیلہ کا نام ہے جس پر حضرت نوحؑ کی کشتی ٹھہری تھی (۱۱/۲۲) - کہا جاتا ہے کہ یہ اس سلسلہ کوہ میں واقع ہے جو آرمینیا کو میسوپوٹیمیا سے جدا کرتا ہے -

جَوَادٌ - اعلیٰ درجے کا گھوڑا جو نہایت تیز رفتار ہو اور دوڑنے میں اپنی ساری طاقت صرف کردے \*\* - (جمع جیاد) - سورہ ص میں ہے الصَّافِيَاتُ الْجَوَادُ (۳۸/۳۱) - "اصیل، تیز رو گھوڑے،" -

## ج و ر

الْجَوْرُ - درمیانی راہ چھوڑ کر ایک طرف کو ہٹ جانا - اس سے اسکے معنی ظلم و ستم اور بے انصافی کے ہو گئے - اسی سے جَارٌ کے معنی ہیں عدل کی راہ چھوڑی \* - قرآن میں قَصْدُ السَّبِيلِ کے مقابل جَائِرٌ آیا ہے (۱۲/۱۹) قَصْدُ السَّبِيلِ، درمیانی راہ اور جَائِرٌ، ایک طرف کو ہٹنی ہوئی راہ - الْجَارُ - پڑوسی، ہمسایہ، نیز وہ شخص جسے تم نے کسی کے جور و ستم سے پناہ دی ہو - نیز ساتھی، شریک، مددگار کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے \* قرآن میں الْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ اور الْجَارِ الْجَنَّبِ آیا ہے (۲۶/۲۶) (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ج - ن - ب) - سورہ احزاب میں ہے لَا يُجَارُ وُرُوْكَكَ فَيْسَهَا (۳۳/۶۰) - "وہ اس شہر میں تیسرے ہمسایہ بنکر نہیں رہنے پائینگے،" - سورہ انفال میں ہے لِيْنِي جَارٌ لِّكُمْ (۸/۲۸) - "میں تمہارا پناہ دینے والا یا سامی و مدرگار ہوں،" - آجَارُهُ - اسکو پناہ دیدی - ایسے حفاظت میں لے لیا (۲۴/۲۴) - اَسْتَجَارَ - پناہ طلب کرنا (۹/۲) - سورہ رعد میں ہے قَطَعَ مَسْجِدَآتِ (۱۳/۱۳) - "آپس میں ملے ہوئے قطععات زمین،" -

## ج و ز

جَاَزَ التَّمْوِضِ - وہ اس مقام پر سے گزر گیا - اسے پیچھے چھوڑ گیا - اگر دریا ہو تو اسکے معنی ہونگے اسے عبور کر گیا - نیز جَاوَزَ (۱۱/۲۲، ۲۳/۲۹) کسی مقام سے آگے بڑھ جانا \* - اصل معنی اس مادہ میں قَطَعَ کرنا - کاٹنا ہیں \*\*\* -

\* تلج - \*\* راغب - \*\*\* محیط -

تَجَوُّوزٌ عَنِ ذَنْبِهِ، اسکی خطایے درگزر کر دیا۔ وَنَتَجَاوَزُ عَنِ سَيِّئَاتِهِمْ (۲۶)۔ ”ہم ان کی برائیوں سے درگزر کرتے ہیں،“ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو قطع کرنا اور کسی شے کا وسط ہیں۔ چنانچہ جَوُّوزٌ ”کلُّ شَيْءٍ“ ہر چیز کے وسط کو کہتے ہیں۔ غالباً اسی وجہ سے التَّجَاوُزُ اسے کہتے ہیں جو کسی چیز کے وسط میں سے گزر جائے۔ نیز آلتَّجَاوُزُ۔ صحیح سمت کو گزرنے والا \*\*۔ التَّجَاوُزُ۔ راستہ جسے ایک طرف سے دوسری طرف کو قطع کیا جائے\*۔ یا وہ راستہ جس پر لوگ بہت زیادہ گزرتے ہوں\*۔ التَّجَاوُزَةُ\*۔ عطیہ۔ انعام۔ وہ زاد سفر جو مسافر کو دیا جاتا ہے جس کے سہارے وہ ایک دن اور رات کی مسافت طے کر لے۔ (ممکن ہے اسی سے مہائزہ انعام و عطیہ کے لئے بولا جائے لگا ہو)۔

## ج و س

التَّجْوُسُ\*۔ کسی چیز کی آخری حد تک اسے تلاش کرنا۔ چھان مارنا۔ گھومنا پھرنا\*\*\*۔ آلا جَتِيَّاسٌ\*۔ رات میں گھومنا\*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے اندر گھس جانے کے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے فَجَاءَ سُوًّا خِلَلِ اللَّيْلِ يَارُّ (۱/۵)۔ ”وہ تمہارے شہروں کے اندر گھس گئے اور تمہاری کھوج میں انہوں نے گلی کوچوں کو چھان مارا“ اور اس طرح ڈھونڈ ڈھونڈ کر تمہیں قتل یا گرفتار کیا۔ محیط نے اس کے معنوں میں حملہ کرنے یا لوٹ مار کرنے میں ادھر ادھر آمد و رفت کرنا بھی بتائے ہیں۔

## ج و ع

التَّجْوُعُ\*۔ بھوک۔ جَاعٌ۔ يَجْوُعُ\*۔ جَوْعاً۔ بھوکا ہونا۔ عَامٌ مَجَاعَةً\*۔ بھوک کا سال۔ قحط سالی\*۔

قرآن کریم میں یہ لفظ بھوک کیلئے آیا ہے (۲۵)۔ اور جنت کی خصوصیت یہ بتائی ہے کہ اسمیں بھوک (رزق کی تنگی) نہیں ہوگی۔ اِنَّ لَكَ الْاٰتِ تَجْوُعَ فِيْهَمَا (۲/۱۱۸)۔ ”تیرے لئے یہ ہے کہ تو اس میں بھوکا نہیں رہیگا،“ کفرانِ نعمت (خدا کی طرف سے ملے ہوئے سامانِ زیست کو چھپا کر رکھنے یا غلط طور پر استعمال کرنے) کا نتیجہ لِيَسَّ التَّجْوُعَ وَاللَّخْوَفَ (۱/۱۱۴) بتایا ہے۔ یعنی بھوک اور خوف کا عذاب۔ لہذا کسی قوم میں سامان

\* تاج۔ \*\* محیط۔ \*\*\* تاج۔ راغب۔

رزق کی تنگی خدا کا عذاب ہے اور اسکی فراوانی جنتی معاشرہ کی خصوصیت۔ قرآن کی رو سے جو معاشرہ قائم ہوتا ہے اس میں کوئی فرد بھوکا نہیں رہ سکتا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ جس نظام میں ہر فرد کو روٹی مل جائے اسے نظام خداوندی اور اس معاشرہ کو جنتی معاشرہ کہا جائیگا۔ نظام خداوندی اور جنتی معاشرہ کی بہت سی خصوصیات ہیں اور جب تک وہ سب موجود نہ ہوں اسے جنتی نہیں کہہ سکتے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ جس نظام یا معاشرہ میں لوگوں کو پیٹ بھر کر روٹی نہ ملے اسے نہ نظام خداوندی کہہ سکتے ہیں نہ جنتی معاشرہ۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ کوئی قوم ایسے ہنگامی حالات سے گزرے جس میں کچھ وقت کے لئے رزق کی تنگی آجائے (مثلاً جنگ کے زمانہ میں)۔ لیکن کسی قوم میں نہج زندگی ایسا قائم ہو جانا جس میں تمام افراد کو پیٹ بھر کر، باطمینان، کھانے کو نہ ملے، خدا کا عذاب ہے، اور جو قوم ایسی حالت سے نکلنا نہیں چاہتی وہ جہنم میں رہنا چاہتی ہے۔

## ج و ف

الْجَوْفُ - وسیع نشیبی زمین - شکم (پیٹ) نیز کسی چیز کے اندرونی حصہ کو کہتے ہیں۔ جَوْفُ الْبَيْتِ - گھر کا اندرونی حصہ - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے اندرون کے ہوتے ہیں۔ جَافَهُ - يَجْوِفُهُ - جَوْفًا - اس نے اسے گھیرا کر دیا۔ الْمَجْوِفُ - گھرائی والی چیز (مُحَدَّثٌ) کے مقابلہ میں) - نیز وہ شخص جسکا دل نہو، (بزدل) یعنی جسکے سینے میں خلا ہو\*۔

قرآن کریم میں ہے مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهِ (۳۳) یہاں جَوْفٌ سے مراد سینہ ہے۔ یعنی اللہ نے کسی شخص کے لئے اس کے سینے میں دو دل نہیں پیدا کئے۔

## ج و و

الْجَوُّ - فضا۔ زمین اور آسمان کے درمیان خلا\*\*۔ قرآن کریم میں ہے مَسَاجِدَ فِيْ الْجَوِّ السَّمَاوَاتِ (۱۶) - اسکے معنی فضائے آسمانی ہیں۔ یعنی (پرنڈے) آسمان کی فضا میں مسخر کئے ہوئے ہیں۔ ویسے الْجَوُّ اندرون مکان کو بھی کہتے ہیں\*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں وہ چیز جو کسی دوسری چیز کے اطراف کو گھیرے ہوئے ہو۔ بِاللَّيْلِ فَضَا كَوَالْجَوِّ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ زمین کے اطراف کو گھیرے ہوئے دکھائی دیتا ہے۔

\* تاج و محیط - \*\* تاج - راغب - محیط

## ج ی ا

جاءَ - بَجْنِي\* - اَنَا - اَجَاتَهُ\* وَجِئْتُ بِهِ\* - میں اسے لایا\* - راغب نے اَتِيَانٌ\* اور مَجْنِي\* کا فرق بتاتے ہوئے کہا ہے کہ اَتِيَانٌ\* کسی کام کے کرنے کے ارادے کے لئے بھی بولا جاتا ہے (خواہ وہ کام نہ ہو سکے)۔ لیکن التَّجْنِي\* اس وقت بولا جائیگا جب کوئی کام رونما اور واقع ہو گیا ہو\*\*۔ نیز اسکے معنی لیکر اَنَا یا مَرْتَكِبٌ ہونا ہیں۔ حضرت مریم\* سے لوگوں نے کہا لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيضًا (۱۱۱)۔ تو نے ایک انوکھا کام کیا ہے، تو ایک نرالی حرکت کی مرتکب ہوئی ہے۔ یہ تیری اپنی اختراع ہے۔ اسی طرح سورۃ کہف میں (قصہ حضرت موسیٰ\* اور مرد بزرگ میں) ہے لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا اِمْرًا (۱۱۸)۔ "تو ایک خطرناک کام کا مرتکب ہو اے"۔

سورۃ مریم میں ہے فَاجَاءَ هَا اَلتَّخَاضُ\* اَللّٰی جَذَعِ النَّخْلَةَ۔ (۱۱۹)۔ اس کے معنی ہیں درد زہ اسے کھجور کے درخت کی طرف لے آیا۔ یعنی اس میں مجبوری کا پہلو پایا جاتا ہے۔

## ج ی ب

جَنِبٌ اَلْقَمِيْرُ - کرنے کا گریبان۔ العَجَبُ\* سینہ کیلئے بھی مجازاً بولا جاتا ہے جس پر کرمی ہوتا ہے نیز دل کو بھی کہتے ہیں۔ هَوْنًا صَحْحِ اَلْعَجَبِ - وہ صاف دل اور صاف سینہ والا یعنی مخلص ہے\*۔ سورۃ نور میں عورتوں سے کہا گیا ہے وَثِيْبٌ مِّنْ بَعْضِ اَنْفُسِنَا عَلٰی جُنُوْبِنَا (۲۳۶)۔ "انہیں چاہئے کہ وہ اپنی اوڑھنیاں اپنے سینوں پر ڈال لیا کریں"۔

قصہ حضرت موسیٰ\* میں ہے وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ (۲۴) اور اَسْئَلُكَ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ (۲۸)۔ "اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں داخل کر با ڈال"۔ (ان آیات کے مفہوم کیلئے ی۔ د۔ ی اور ب۔ ی۔ ض کے عنوان دیکھئے)۔

## ج ی د

جِيْدٌ - گردن یا گردن کا اگلا حصہ یا گردن کی وہ جگہ جہاں ہمار لٹکا رہتا ہے۔ ایک قول کے مطابق جِيْدٌ، مقام مدح میں بولا جاتا ہے اور عُتْقٌ، مذمت میں\*۔ قرآن کریم میں ابولہب کی بیوی کے متعلق ہے فِيْ جِيْدِ هٰحَبِيْلٍ مِّنْ مَّسَدٍ (۱۱۱) "اسکی گردن میں کھجور کے ریشوں کی رسی ہے"۔ یعنی وہ گردن جو بڑی عزت و توقیر اور سرفرازی و سربلندی کی حامل سمجھی جاتی تھی، اس طرح ذلیل ہو رہی ہے۔ اس کا تکبر خاک میں مل رہا ہے۔

جلد اول ختم شد